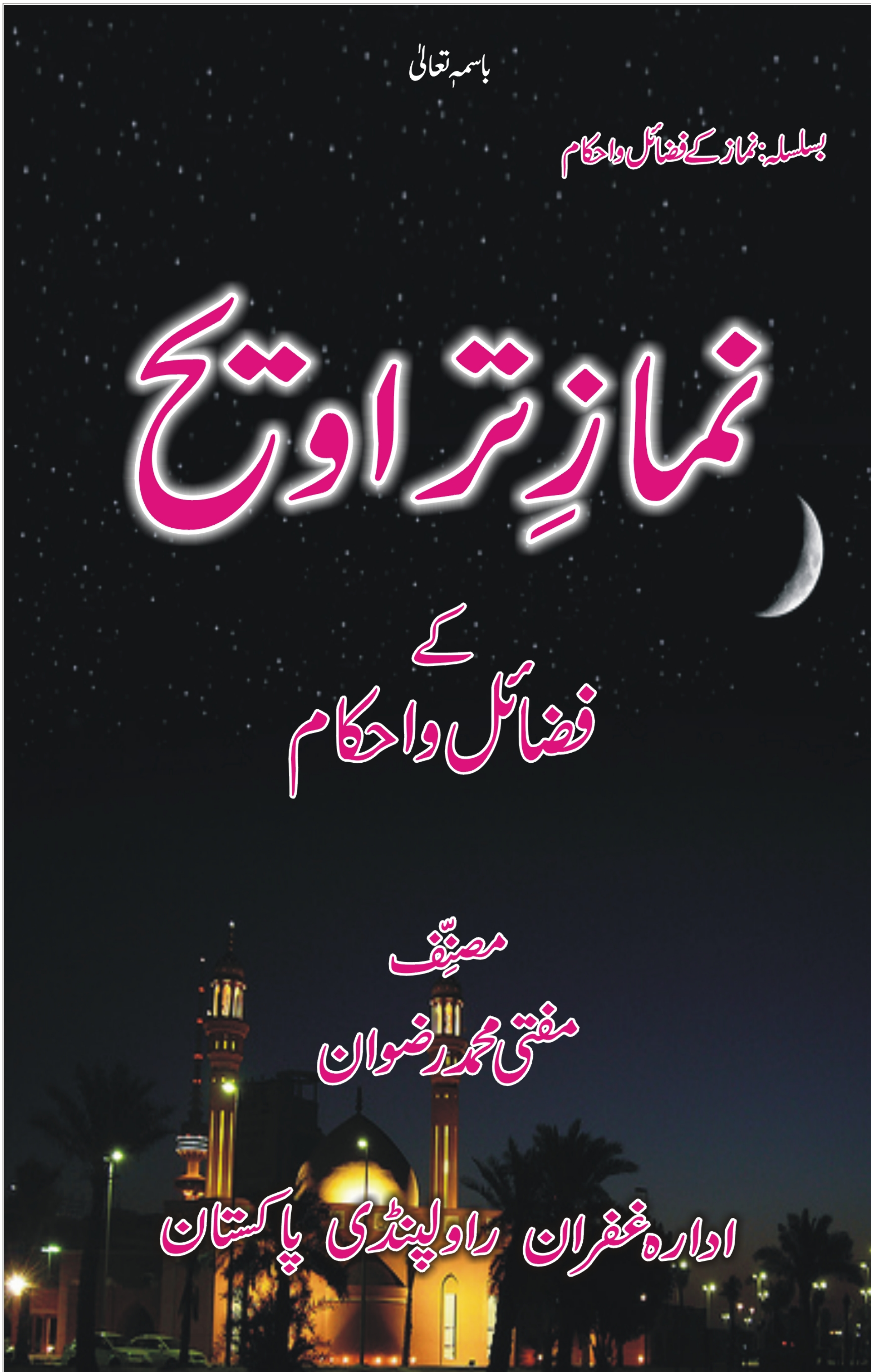
باسمہٖ تعالیٰ

بسلسلہ: نماز کے فضائل واحکام

نمازِ تراویح

کے

فضائل واحکام



مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

باسمہٖ تعالیٰ

(بسلسلہ: نماز کے فضائل واحکام)

نمازِ تراویح

کے فضائل واحکام

رمضانُ المبارک کے ایک اہم عمل نمازِ تراویح کے تفصیلی فضائل واحکام
نمازِ تراویح اور اُس میں قرآن مجید کی تلاوت وسماعت کی فضیلت واہمیت
نمازِ تراویح کی مسنون تعداد کے ثبوت پر تفصیلی دلائل اور شبہات کا ازالہ
نمازِ تراویح کی جماعت، امامت واقتداء کے احکام
تراویح کی نماز میں سجدۂ تلاوت اور رکعت میں غلطی واقع ہوجانے کے احکام
نمازِ وتر اور اس کی جماعت کے احکام
تراویح کی نماز سے متعلق اہم مسائل پر تحقیقی کلام

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

نام کتاب: نمازِ تراویح کے فضائل واحکام

مصنِّف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: رجب ۱۴۳۳ھ جون 2012ء

صفحات: ۴۷۶

ملنے کے پتے

کتب خانہ ادارہ غفران: چاہ سلطان، گلی نمبر 17، راولپنڈی۔فون:051-5507270

ادارہ اسلامیات: ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔فون:042-37353255

کتب خانہ رشیدیہ: مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔فون:051-5771798

دارالاشاعت: اردو بازار، کراچی۔فون:021-32631861

مکتبہ سید احمد شہید: 10-الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:042-37228196

مکتبہ اسلامیہ: گامی اڈہ، ایبٹ آباد۔فون:0992-340112

ادارہ اشاعت الخیر: شاہین مارکیٹ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔فون:061-4514929

ادارۃ المعارف: دارالعلوم کراچی۔فون:021-35032020

مکتبہ سراجیہ: چوک سیٹلائیٹ ٹاؤن، سرگودھا۔فون 048-3226559

مکتبہ شہید اسلام، متصل مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) اسلام آباد۔فون:0321-5180613

ملت پبلیکیشرز بک شاپ: شاہ فیصل مسجد، اسلام آباد۔فون:051-2254111

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان۔فون:061-4540513

مکتبہ العارفی: نزد جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ، فیصل آباد۔فون:041-8715856

کتب خانہ شمسیہ، نزد اپری گیشن مسجد، سریاب روڈ، کوئٹہ۔فون:0333-7827929

مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم کراچی۔فون:021-35123130

تاج کمپنی، لیاقت روڈ، گوالمنڈی، راولپنڈی۔فون:051-5774634

مکتبۃ القرآن: گورومندر، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔فون:021-34856701

مکتبہ الفرقان، اردو بازار، گوجرانوالہ۔فون:055-4212716

مکتبہ القرآن: رسول پلازہ، امین پورہ بازار، فیصل آباد۔فون:041-2601919

اسلامی کتب خانہ، پھولوں والی گلی، بلاک نمبر 1، سرگودھا۔فون:048-3712628

اسلامی کتاب گھر: خیابانِ سرسید، سیکٹر 2، عظیم مارکیٹ، راولپنڈی۔فون:051-4830451

مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، 17، اردو بازار، لاہور۔فون:042-37232536

الخلیل پبلشنگ ہاؤس: اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔فون:051-5553248

قرآن محل، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔فون:0312-5123698 0321

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

نمازِ تراویح رمضانُ المبارک کی رات کی اہم عبادت ہے، جس کے مختلف فضائل وفوائد ہیں، اور نمازِ تراویح عاقل، بالغ، صحت مند، غیر معذور مرد وعورت کے حق میں سنت بلکہ سنتِ مؤکدہ ہے، اور تراویح کے اندر قرآن مجید سننا سنانا بھی سنت ہے، اور مرد حضرات کو رمضان میں باجماعت تراویح اور وتر پڑھنا بھی باعثِ فضیلت ہے۔

تراویح کے فضائل واحکام کو ایک حد تک بندہ نے پہلے اپنی کتاب ''ماہِ رمضان کے فضائل واحکام'' میں تحریر کیا تھا، لیکن امہاتُ الکتب کے اصل مآخذ اور عبارات کی تحقیق اور شمولیت کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا، جس کی وجہ سے نمازِ تراویح کے تفصیلی فضائل واحکام مستند مآخذ اور عربی عبارات سمیت اردو کتابوں میں یکجا مہیا نہ ہونے کی وجہ سے عوام کے علاوہ مجھ سمیت بہت سے اہلِ علم حضرات کو رمضان کے مہینے میں بعض مسائل میں دشواری کا سامنا ہوتا تھا، اور باجماعت تراویح کی شکل میں بعض مسائل تخفیف کے متقاضی تھے۔ اس لئے بندہ نے اس مرتبہ قدرے تفصیل وتحقیق کے ساتھ اس موضوع پر کام کیا، جس کی وجہ سے تراویح سے متعلق یہ مضمون قدرے طویل اور ضخیم ہوگیا، اور اس کو الگ کتاب کی شکل میں شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس لئے ''نمازِ تراویح کے فضائل واحکام'' کے عنوان سے اس مضمون کی اشاعت ہورہی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مفید بنائیں، اور بندہ اور بندہ کے والدین واساتذہ اور معاونین سمیت جملہ مومنین ومومنات کے لئے صلاح وفلاح اور مغفرت ونجات کا سبب بنائیں۔ آمین۔

محمد رضوان۔ ۹/ رجب المرجب/۱۴۳۳ھ 31/ مئی/ 2012 بروز جمعرات

نمازِتراویح کے فضائل

نماز اہم ترین عبادت ہے، اور فرض نماز کے علاوہ سنت اور نفل نمازوں کی احادیث میں عظیم فضیلت بیان کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَلَاتُهُ، فَإِنْ وُجِدَتْ تَامَّةً كُتِبَتْ تَامَّةً، وَإِنْ كَانَ انْتُقِصَ مِنْهَا شَيْءٌ. قَالَ: انْظُرُوا هَلْ تَجِدُوْنَ لَهُ مِنْ تَطَوُّعٍ يُكَمِّلُ لَهُ مَا ضَيَّعَ مِنْ فَرِيْضَةٍ مِنْ تَطَوُّعِهٖ، ثُمَّ سَائِرُ الْأَعْمَالِ تَجْرِيْ عَلٰى حَسَبِ ذٰلِكَ (نسائی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن (اعمال میں) سب سے پہلے بندہ کی نماز کا حساب کیا جائے گا، اگر نماز مکمل ہوئی تو اُس کو مکمل اجر دیا جائے گا، اور اگر اُس کی نماز میں کسی چیز کی کمی ہوئی، تو اللہ عزوجل (اپنے فرشتوں سے) فرمائیں گے کہ تم اس کی تطوُّع (یعنی سنت ونفل) نمازوں کو دیکھو، تاکہ اُس کی فرض نماز میں جو کمی رہ گئی، اُس کو تطوُّع (یعنی سنت ونفل) نماز سے مکمل کیا جائے، پھر تمام اعمال کا اسی طرح حساب کیا جائے گا (کہ پہلے اُس کے فرض عمل کو دیکھا جائے گا، پھر اُس میں کمی کوتاہی سامنے آنے کی صورت میں اُس عمل کے نفلی درجے کے اعمال سے اُس کمی کوتاہی کو پورا کیا جائے گا) (نسائی؛ ابوداؤد)

---

[1] رقم الحديث ۴۶۶، باب المحاسبة على الصلاة، واللفظ لهٗ؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۸۶۴، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: كل صلاة لا يتمها صاحبها تتم من تطوعه.

اس قسم کی احادیث اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [1]

روزہ کے علاوہ رمضانُ المبارک کا ایک خاص عمل نمازِ تراویح ہے، جو کہ مسنون نماز ہے، فرق یہ ہے کہ روزہ دن کا عمل ہے، اور تراویح رات کا عمل ہے، اور روزہ فرض ہے مگر تراویح سنت ہے۔

لیکن اس کے باوجود تراویح پر حاصل ہونے والا اجر وانعام بہت عظیم ہے۔

اور تراویح پورے رمضان کی سنت ہے اور یہ مرد وعورت سب کے حق میں سنت ہے، جس کا ثبوت احادیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے علاوہ خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ہے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر آج تک مسلمانوں کا اس پر متواتر عمل چلا آ رہا ہے۔ [2]

---

[1] عن تميم الدارى، عن النبى صلى الله عليه وسلم، ح وحدثنا الحسن بن محمد بن الصباح قال :حدثنا عفان قال :حدثنا حماد قال :أنبأنا حميد، عن الحسن، عن رجل، عن أبى هريرة، وداود بن أبى هند، عن زرارة بن أوفى، عن تميم الدارى، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال " :أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة صلاته، فإن أكملها كتبت له نافلة، فإن لم يكن أكملها، قال الله سبحانه لملائكته :انظروا، هل تجدون لعبدى من تطوع؟ فأكملوا بها ما ضيع من فريضته، ثم تؤخذ الأعمال على حسب ذلك (ابنِ ماجه، رقم الحديث ١٤٢٦، باب ما جاء فى أول ما يحاسب به العبد الصلاة)

عن عمرو بن قيس السكونى قال :سمعت عائذ بن قرط يقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من صلى صلاة لم يتمها زيد عليها من سبحاته حتى تتم (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٣٧)

قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الكبير، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٦٠٦)

ويطلق التسبيح ويراد به جميع ألفاظ الذكر، ويطلق ويراد به الصلاة النافلة، وقال ابن الأثير :وأصل التسبيح التنزيه من النقائص، ثم استعمل فى مواضع تقرب منه اتساعا، يقال :سبحته أسبحه تسبيحا وسبحانا، ويقال أيضا للذكر والصلاة النافلة، سبحة يقال :قضيت سبحتى، والسبحة من التسبيح كالسخرة من التسخير (عمدة القارى،باب فضل التسبيح)

[2] أما حكم المسألة فصلاة التراويح سنة بإجماع العلماء ومذهبنا أنها عشرون ركعة بعشر تسليمات (المجموع شرح المهذب للنووى الشافعى، ج۴، ص ٣١، باب صلاة التطوع)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تراویح کی سنیت وفضیلت

کئی احادیث میں تراویح کی بڑی فضیلت بتلائی گئی ہے، اور تراویح کے عمل کی ترغیب دی گئی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

مسألة :قال (وقيام شهر رمضان عشرون ركعة) . (يعنى) (صلاة التراويح) وهى سنة مؤكدة، وأول من سنها رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال أبو هريرة كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم - يرغب فى قيام رمضان، من غير أن يأمرهم فيه بعزيمة، فيقول :من قام رمضان إيمانا واحتسابا، غفر له ما تقدم من ذنبه وقالت عائشة :صلى النبى -صلى الله عليه وسلم -فى المسجد ذات ليلة، فصلى بصلاته ناس، ثم صلى من القابلة، وكثر الناس، ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة أو الرابعة، فلم يخرج إليهم رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فلما أصبح، قال :قد رأيت الذى صنعتم، فلم يمنعنى من الخروج إليكم إلا أنى خشيت أن تفرض عليكم قال :وذلك فى رمضان .رواهما مسلم. وعن أبى ذر، قال :صمنا مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم -رمضان فلم يقم بنا شيئا من الشهر، حتى بقى سبع .فقام بنا حتى ذهب ثلث الليل، فلما كانت السادسة لم يقم بنا، فلما كانت الخامسة قام بنا حتى ذهب شطر الليل .فقلت :يا رسول الله، لو نفلتنا قيام هذه الليلة؟ قال :فقال: إن الرجل إذا صلى مع الإمام حتى ينصرف، حسب له قيام ليلة .قال :فلما كانت الرابعة لم يقم، فلما كانت الثالثة جمع أهله ونساء ه والناس، فقام بنا حتى خشينا أن يفوتنا الفلاح؟ قال :قلت :وما الفلاح؟ قال :السحور .ثم لم يقم بنا بقية الشهر. رواه أبو داود، والأثرم، وابن ماجه.

وعن أبى هريرة، قال :خرج رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فإذا الناس فى رمضان يصلون فى ناحية المسجد .فقال :ما هؤلاء ؟ فقيل :هؤلاء ناس ليس معهم قرآن، وأبى بن كعب يصلى بهم، وهم يصلون بصلاته .فقال النبى -صلى الله عليه وسلم :-أصابوا، ونعم ما صنعوا .رواه أبو داود. وقال رواه مسلم بن خالد، وهو ضعيف.

ونسبت التراويح إلى عمر بن الخطاب -رضى الله عنه -لأنه جمع الناس على أبى بن كعب، فكان يصليها بهم، فروى عبد الرحمن بن عبد القارى، قال :خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة فى رمضان، فإذا الناس أوزاع متفرقون، يصلى الرجل لنفسه، ويصلى الرجل فيصلى بصلاته الرهط، فقال عمر : إنى أرى لو جمعت هؤلاء على قارء واحد، لكان أمثل ثم عزم فجمعهم على أبى بن كعب، قال :ثم خرجت معه ليلة أخرى والناس يصلون بصلاة قارئهم .فقال :نعمت البدعة هذه، والتى ينامون عنها أفضل من التى يقومون .يريد آخر الليل، وكان الناس يقومون أوله .أخرجه البخارى.

فصل :والمختار عند أبى عبد الله، رحمه الله، فيها عشرون ركعة .وبهذا قال الثورى، وأبو حنيفة، والشافعى .وقال مالك :ستة وثلاثون .وزعم أنه الأمر القديم، وتعلق بفعل أهل المدينة، فإن صالحا مولى التوأمة، قال :أدركت الناس يقومون بإحدى وأربعين ركعة، يوترون منها بخمس (المغنى لابن قدامة، ج٢ ص١٢٢، و١٢٣، مسألة قيام شهر رمضان عشرون ركعة)

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

ہے، اور رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل فرمایا ہے۔
ذیل میں اس سلسلہ میں پائی جانے والی چند احادیث وروایات کو ذکر کیا جاتا ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری) [1]

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان (کی رات) میں قیام کیا (اور تراویح پڑھیں) ایمان کی حالت میں اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے اخلاص کے ساتھ تو یہ عمل اس کے سابقہ (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا (بخاری)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعا (الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار، ج۲، ص۴۳، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

التراويح سنة باجماع الصحابة ومن بعدهم من الامة منكرها مبتدع وضال مردود الشهادة كما فى المضمرات (حاشية الطحطاوى على المراقى، ص ۲۲۴،فصل فى صلاة التراويح)

فأما صلاة التراويح فليست بدعة فى الشريعة بل هى سنة بقول رسول الله صلى الله عليه و سلم وفعله فانه قال إن الله فرض عليكم صيام رمضان وسننت لكم قيامه .

ولا صلاتها جماعة بدعة بل هى سنة فى الشريعة بل قد صلاها رسول الله صلى الله عليه و سلم فى الجماعة فى أول شهر رمضان ليلتين بل ثلاثا وصلاها أيضا فى العشر الأواخر فى جماعة مرات وقال إن الرجل إذا صلى مع الإمام حتى ينصرف كتب له قيام ليلة لما قام بهم حتى خشوا أن يفوتهم الفلاح رواه أهل السنن .

وبهذا الحديث احتج أحمد وغيره على أن فعلها فى الجماعة أفضل من فعلها فى حال الانفراد .

وفى قوله هذا ترغيب فى قيام شهر رمضان خلف الإمام وذلك أوكد من أن يكون سنة مطلقة وكان الناس يصلونها جماعة فى المسجد على عهده صلى الله عليه و سلم ويقرهم وإقراره سنة منه صلى الله عليه و سلم (اقتضاء الصراط لابن تيمية، ج۲، ص۹۳تا۹۵،فصل فى سائر الأعياد والمواسم المبتدعة)

(و) تأكد (تراويح) وهو قيام رمضان ووقته كالوتر والجماعة فيه مستحبة (حاشية الدسوقى المالكى على الشرح الكبير، ج۳، ص۱۷۶، فصل فى بيان حكم صلاة النافلة وما يتعلق بها)

[1] رقم الحديث ۳۷، كتاب الايمان، بَاب تطوع قيام رمضان من الايمان.

اس حدیث میں رمضان میں ایمان ویقین اور اخلاص کے ساتھ قیام کرنے پر یہ فضیلت سنائی گئی ہے، کہ اس کی برکت سے سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اور مراد صغیرہ گناہ ہیں، کیونکہ کبیرہ گناہوں کے معاف ہونے کے لئے توبہ ضروری ہے، اور رمضان کے قیام کی اولین مصداق تراویح کی نماز ہے، اور دوسری احادیث میں اس کے سنت ہونے کی بھی وضاحت ہے۔

چنانچہ مسلم شریف میں اس طرح باب قائم ہے کہ:

بَابُ التَّرْغِيبِ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ، وَهُوَ التَّرَاوِيْحُ (مسلم، ج ۱ ص ۵۲۳، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا)

ترجمہ: یہ باب رمضان کے قیام کی ترغیب کے بارے میں ہے، اور اس سے مراد تراویح ہے (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ تراویح سے قیامِ رمضان کا مطلوب حاصل ہوجاتا ہے۔ [۱]

اور مسلم شریف کے مشہور شارح اور محدث امام نووی رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ قَامَ رَمَضَان إِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا) مَعْنٰى (إِيْمَانًا) تَصْدِيْقًا بِأَنَّهٗ حَقٌّ مُقْتَصِدٌ فَضِيْلَتَهٗ، وَمَعْنٰى (اِحْتِسَابًا) أَنْ يُّرِيْدَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَحْدَهٗ لَا يَقْصِدُ رُؤْيَةَ النَّاسِ، وَلَا غَيْرَ ذٰلِكَ مِمَّا

---

[۱] (باب فضل من قام رمضان) أى قام لياليه مصليا والمراد من قيام الليل ما يحصل به مطلق القيام كما قدمناه فى التهجد سواء وذكر النووى أن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح يعنى أنه يحصل بها المطلوب من القيام لا أن قيام رمضان لا يكون إلا بها وأغرب الكرمانى فقال اتفقوا على أن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح (فتح البارى، ج۴، ص ۲۵۱، كتاب صلاة التراويح)

(باب فضل من قام رمضان) أى هذا باب فى بيان فضل من قام رمضان .قال الكرمانى :اتفقوا على أن المراد بقيامه صلاة التراويح .قلت :قال النووى :المراد بقيام رمضان صلاة التراويح، ولكن الاتفاق من أين أخذه؟ بل المراد من قيام الليل ما يحصل به مطلق القيام، سواء كان قليلا أو كثيرا (عمدة القارى، ج ۱۱، ص ۱۲۴، كتاب التراويح)

يُخَالِفُ الْإِخْلَاصَ، وَالْمُرَادُ بِقِيَامِ رَمَضَانَ صَلَاةُ التَّرَاوِيحِ ، وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى اِسْتِحْبَابِهَا ، وَاخْتَلَفُوْا فِيْ أَنَّ الْأَفْضَلَ صَلَاتُهَا مُنْفَرِدًا فِيْ بَيْتِهٖ أَمْ فِيْ جَمَاعَةٍ فِي الْمَسْجِدِ ؟ فَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَجُمْهُوْرُ أَصْحَابِهٖ وَأَبُوْ حَنِيْفَةَ وَأَحْمَدُ وَبَعْضُ الْمَالِكِيَّةِ وَغَيْرُهُمْ: اَلْأَفْضَلُ صَلَاتُهَا جَمَاعَةً كَمَا فَعَلَهٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَالصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَاسْتَمَرَّ عَمَلُ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَيْهِ لِأَنَّهٗ مِنَ الشَّعَائِرِ الظَّاهِرَةِ فَأَشْبَهَ صَلَاةَ الْعِيْدِ(شرح النووی علی مسلم، ج۶ ص ۳۹ ،باب الترغیب فی قیام رمضان)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کہ ’’جس شخص نے رمضان میں قیام کیا‘‘ ’’ایماناً‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کو سچا سمجھتے ہوئے کہ یہ حق ہے، اور اس کی فضیلت کا ارادہ کیا، اور’’احتساباً‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی غرض سے، نہ کہ لوگوں کو دکھلانے کے لئے، اور نہ ہی کسی ایسی غرض سے جو اخلاص کے خلاف ہو، اور قیامِ رمضان سے مراد تراویح کی نماز ہے، اور علماء کا اس کے مستحب (وسنت) ہونے پر اتفاق ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ تراویح کی نماز تنہا اپنے گھر میں پڑھنا افضل ہے، یا مسجد میں جماعت سے پڑھنا افضل ہے، تو امام شافعی اور ان کے جمہور اصحاب اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد اور بعض مالکی اور ان کے علاوہ (فقہاء وعلماء) کا کہنا یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جماعت کے ساتھ پڑھی، اور مسلمانوں کا برابر اور متواتر عمل اسی پر جاری ہے، اس لئے کہ یہ اسلام کے ظاہری شعاروں میں سے ایک شعار ہے، اس لئے یہ عید کی نماز کے مشابہ ہے (نووی شرح مسلم)

اندازہ کیجئے! کتنی معمولی سی محنت پر ربِ کریم کا کتنا بڑا وعدہ ہے کہ تراویح پڑھنے پر پچھلے گناہوں کی معافی کا وعدہ فرمارہے ہیں۔

اس لئے بڑے شوق وذوق سے تراویح کا اہتمام کرنا چاہئے۔

حضرت عمرو بن مرۃ جہنی سے روایت ہے کہ:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، أَرَأَيْتَ إِنْ شَهِدْتُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ، وَصَلَّيْتُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ ، وَأَدَّيْتُ الزَّكَاةَ ، وَصُمْتُ رَمَضَانَ ، وَقُمْتُهُ ، فَمِمَّنْ أَنَا ؟

قَالَ: مِنَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ (صحیح ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ذرا بتلایئے کہ اگر میں اس بات کی گواہی دوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور آپ، اللہ کے رسول ہیں، اور میں پانچ وقت کی نماز پڑھوں اور زکاۃ ادا کروں، اور رمضان کے روزے رکھوں، اور رمضان میں قیام کروں (اور تراویح پڑھوں) تو میں کن لوگوں میں سے شمار کیا جاؤں گا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ صدیقین اور شہداء میں سے (ابنِ حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدیقین اور شہداء کا مقام حاصل ہونے میں ایمان کے بعد نماز،

---

[1] رقم الحديث ۳۴۳۸، كتاب الصوم، باب فضل رمضان، ذكر كتبة الله جل وعلا صائم رمضان وقائمه مع إقامته الصلاة والزكاة من الصديقين والشهداء، واللفظ لهٗ؛ صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۲۲۱۲.

فى حاشية ابن حبان:

إسناده صحيح على شرط الشيخين.

زکاۃ اور رمضان کے روزوں کے ساتھ قیامِ رمضان یعنی تراویح کے عمل کو بھی دخل ہے۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْفِطْرِ سُمِّيَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَيْلَةَ الْجَائِزَةِ، فَإِذَا كَانَتْ غَدَاةَ الْفِطْرِ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَلَائِكَةَ فِيْ كُلِّ بِلَادٍ فَيَهْبِطُوْنَ إِلَى الْأَرْضِ فَيَقُوْمُوْنَ عَلٰى أَفْوَاهِ السِّكَكِ، فَيُنَادُوْنَ بِصَوْتٍ يَسْمَعُ مَنْ خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا الْجِنَّ وَالْإِنْسَ فَيَقُوْلُوْنَ: يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ، اُخْرُجُوْا إِلٰى رَبٍّ كَرِيْمٍ يُعْطِي الْجَزِيْلَ، وَيَعْفُوْ عَنِ الذَّنْبِ الْعَظِيْمِ، فَإِذَا بَرَزُوْا إِلٰى مُصَلَّاهُمْ.

يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْمَلَائِكَةِ: مَا جَزَاءُ الْأَجِيْرِ إِذَا عَمِلَ عَمَلَهٗ ؟ فَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ: إِلٰهَنَا وَسَيِّدَنَا جَزَاؤُهٗ أَنْ تُوَفِّيَهٗ أَجْرَهٗ، قَالَ: فَيَقُوْلُ: فَإِنِّيْ أُشْهِدُكُمْ يَا مَلَائِكَتِيْ أَنِّيْ قَدْ جَعَلْتُ ثَوَابَهُمْ مِنْ صِيَامِهِمْ شَهْرَ رَمَضَانَ وَقِيَامَهٗ رِضَائِيْ وَمَغْفِرَتِيْ، وَيَقُوْلُ: يَا عِبَادِيْ، سَلُوْنِيْ فَوَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَا تَسْأَلُوْنِيْ اَلْيَوْمَ شَيْئًا فِيْ جَمْعِكُمْ لِآخِرَتِكُمْ إِلَّا أَعْطَيْتُكُمْ، وَلَا لِدُنْيَاكُمْ إِلَّا نَظَرْتُ لَكُمْ فَوَعِزَّتِيْ لَأَسْتُرَنَّ عَلَيْكُمْ عَثَرَاتِكُمْ مَا رَاقَبْتُمُوْنِيْ، فَوَعِزَّتِيْ لَا أُخْزِيْكُمْ وَلَا أَفْضَحُكُمْ بَيْنَ يَدَيْ أَصْحَابِ الْحُدُوْدِ، اِنْصَرِفُوْا مَغْفُوْرًا لَكُمْ قَدْ أَرْضَيْتُمُوْنِيْ وَرَضِيْتُ عَنْكُمْ.

---

[1] امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث پر مندرجہ ذیل باب قائم فرمایا ہے کہ:

باب فی فضل قیام رمضان واستحقاق قائمه اسم الصديقين ، والشهداء إذا جمع مع قيامه رمضان صيام نهاره ، وكان مقيما للصلوات الخمس ، مؤديا للزكاة ، شاهدا لله بالوحدانية ، مقرا للنبی صلی الله عليه وسلم بالرسالة(صحيح ابن خزيمة، ج۳ص ۳۴۰، كتاب الصيام)

فَتَفْرَحُ الْمَلَائِكَةُ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِمَا يُعْطِي اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ إِذَا أَفْطَرُوْا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ(شعب الإيمان) [1]

ترجمہ: پھر جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو اس کا نام (آسمانوں پر) لیلۃ الجائزہ (انعام کی رات) رکھا جاتا ہے، اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں وہ زمین پر اُتر کر تمام گلیوں (راستوں) کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے جس کو جنات وانسان کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے پکارتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس کریم رب کی (بارگاہ) کی جانب چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف فرمانے والا ہے پھر جب لوگ نماز والی جگہ (یعنی جہاں عید کی نماز پڑھتے ہیں) کی طرف نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو، وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے معبود اور ہمارے مالک! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے تو اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ ان کو رمضان کے روزوں اور قیام (یعنی تراویح) کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی، اور بندوں سے فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو! مجھ سے مانگو، میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے عطا کروں گا اور دنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا، میری عزت کی قسم! کہ جب تک تم میری توجہ رکھو گے، میں تمہاری لغزشوں کی ستاری کرتا رہوں گا

---

[1] رقم الحديث ۳۴۲۱، كتاب الصيام، التماس ليلة القدر فى الوتر من العشر الأواخر من شهر رمضان، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، واللفظ له، فضائل الاوقات للبيهقى رقم الحديث ۱۰۷، تاريخ مدينة دمشق لابنِ عساكر، تحت ترجمة، محمد بن الحسن بن أحمد بن الصباح بن عبد الحميد أبو بكر المعروف بابن أبى الذيال الثقفى الأصبهانى الجوازبى الزاهد.

(اوران کو چھپاتا رہوں گا) میری عزت کی قسم! میں تمہیں مجرموں (اورکافروں) کے سامنے رسوااور فضیحت نہیں کروں گا، بس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کردیا اور میں تم سے راضی ہوگیا، پس فرشتے اس اجروثواب کو دیکھ کر جواس امت کو اللہ عزوجل ماہِ رمضان کے افطار کے وقت (یعنی عید کے دن) ملتا ہے، خوشیاں مناتے ہیں اور کِھل جاتے ہیں (شعبُ الایمان)

(اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ)

اس حدیث کا مضمون تھوڑے بہت فرق کے ساتھ دوسری سندوں سے مروی ہے، اور بعض سندوں میں اگرچہ ضعف پایا جاتا ہے، لیکن مجموعی طور پر فی نفسہٖ قابلِ اعتبار ہے۔ [۱]

---

[۱] چنانچہ امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور ابونعیم اصبہانی نے معرفۃ الصحابہ میں مختلف سندوں سے اس کو روایت کیا ہے، اور امام منذری رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

رواہ الشیخ ابن حبان فی کتاب الثواب، والبیھقی واللفظ لہ ولیس فی اسنادہ من اجمع علی ضعفہ (الترغیب والترھیب، ج ۲ ص ۱ ۶ تا ۶۲، تحت رقم الحدیث ۱۴۹۳)

قال الشیخ مولانا محمد زکریا الکاندھلوی:

قلت قال السیوطی فی التدریب قد التزم البیھقی ان لایخرج فی تصانیفہ حدیثا یعلمہ موضوعاالخ، وذکر القاری فی المرقاۃ بعض طرق الحدیث ثم قال فاختلاف طرق الحدیث یدل علی انہ لہ اصلا (فضائل رمضان، ص ۷۵)

مگر بیہقی کی مندرجہ بالا حدیث کو ابن جوزی نے غیرصحیح کہا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

وھذا حدیث لا یصح قال یحیی بن سعید الضحاک عندنا ضعیف وقال أبوحاتم الرازی والقاسم بن الحکم مجھول وقال ابن حبان لا یجوز الإحتجاج بالعلاء بن عمرو (العلل المتناھیة ج۲ ص ۵۳۵ تحت رقم الحدیث ۸۸۰)

لیکن اولاً تو ابن جوزی جرح کے معاملے میں متشدد شمار کئے جاتے ہیں، اور جارح کا متشدد ہونا اس جرح کے معتبر ہونے کے لئے مانع ہے، دوسرے جن وجوہات کی بنا پر انہوں نے اس حدیث کو غیر صحیح قرار دیا ہے وہ بھی واقعہ کے مطابق نہیں ہیں، چنانچہ اس حدیث میں ضحاک بن مزاحم ہیں، جن کو متعدد حضرات نے ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے، لیکن ساتھ ہی مدلس بھی قرار دیا ہے جو کہ ہمارے نزدیک مضر نہیں، اور ابنِ جوزی کا قاسم بن حکم کو مجہول قرار دینا بھی صحیح نہیں، کیونکہ ان کو متعدد حضرات نے ثقہ قرار دیا ہے، اور رہا علاء بن عمرو کا معاملہ تو وہ اس روایت میں موجود نہیں ہیں۔

البتہ اس قسم کی دوسری روایت میں ہیں، جو اس وقت ہمارے زیرِ بحث نہیں۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

معلوم ہوا کہ عید کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عظیم انعام حاصل ہوتا ہے، اُس میں روزے اور قیامِ رمضان یعنی تراویح دونوں اعمال کا دَخل ہے۔

جس سے روزہ کے ساتھ ساتھ تراویح کے عمل کا بھی اعلیٰ وافضل ہونا معلوم ہوا۔

پس جو لوگ عید کے دن مکمل خوشی اور اس دن اللہ تعالیٰ کے بیش بہا انعام واکرام کا مستحق بننا چاہتے ہیں، ان کے لئے رمضان المبارک کے روزوں کے ساتھ تراویح کی بھی بڑی اہمیت ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الذهبی:(الضحاک بن مزاحم) الهلالی، أبو محمد، وقيل أبو القاسم، صاحب التفسير. كان من أوعية العلم، وليس بالمجود لحديثه، وهو صدوق فی نفسه، وكان له أخوان :محمد ومسلم، وكان يكون ببلخ وبسمرقند (سير اعلام النبلاء تحت ترجمة نمبر ۲۳۸)

وقال ابن حبان :الضحاک بن مزاحم الهلالی من بنی هلال بن عامر بن صعصعة كنيته أبو القاسم وقد قيل أبو محمد لقی جماعة من التابعين ولم يشافه أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ومن زعم أنه لقی ابن عباس فقد وهم (ثقات ابن حبان، ج۶ ص ۴۸۰)

وقال المزی:قال عبد الله بن أحمد بن حنبل ، عن أبيه :ثقة ، مأمون .وقال أبو بكر بن أبی خيثمة عن يحيى بن معين ، وأبو زرعة ثقة .قال زيد بن الحباب ، عن سفيان الثوری :خذوا التفسير من أربعة :سعيد بن جبير ، ومجاهد ، وعكرمة ، والضحاک (تهذيب الكمال، ج۱۳ ص ۲۹۱، تحت رقم الترجمة ۲۹۲۸)

وقال ابن حجر: وقال العجلی ثقة وليس بتابعی قال الدارقطنی ثقة(تهذيب التهذيب ج۴ص۳۹۷، تحت رقم الترجمة ۷۹۴)

وقال الصفدی:وثقه أحمد بن حنبل وابن معين، وضعفه يحيى القطان وغيره، واحتج به النسائی وغيره وكان مدلساً(الوافی بالوفيات؛تحت ترجمة الضحاک بن مزاحم)

وقال ابن حجر فی تقريب التهذيب:القاسم بن الحكم بن كثير العرنی بضم المهملة وفتح الراء بعدها نون أبو أحمد الكوفی قاضی همذان صدوق فيه لين من التاسعة مات سنة ثمان ومائتين(تقريب التهذيب، ج۲ص۱۸)

وقال فی تهذيب التهذيب:وقال عبدالله بن علی بن الجارود حدثنا أبو صالح أحمد بن خلف قال حدثنا القاسم بن الحكم وسألت أحمد ويحيى وأبا خيثمة وخلف بن سالم ومحمد بن عبدالله بن نمير عنه فقالوا ثقة وقال النسائی ثقة وقال أبو زرعة صدوق وقال أبو حاتم محله الصدق يكتب حديثه ولا يحتج به وذكره ابن حبان فی الثقات وقال مستقيم الحديث (تهذيب التهذيب، ج۸ص ۲۸۰،تحت رقم الترجمة ۵۶۵)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فَرَضَ صِيَامَ رَمَضَانَ عَلَيْكُمْ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهٗ فَمَنْ صَامَهٗ وَقَامَهٗ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهٗ (سنن نسائی) [1]

ترجمہ: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض قرار دیے اور میں نے رمضان کی رات میں قیام (اور تراویح) کو سنت قرار دیا پس جس شخص نے رمضان کا روزہ رکھا اور رمضان میں قیام کیا (اور تراویح پڑھیں) ایمان کی حالت میں اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے اخلاص کے ساتھ تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح سے نکل جائے گا جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت تھا (سنن نسائی)

معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے تو فرض ہیں، اور تراویح سنت ہے۔

اور رمضان کے روزوں کے ساتھ ایمان واخلاص کے ساتھ تراویح پڑھنے پر یہ فضیلت ہے کہ اس کی وجہ سے صغیرہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اور ان گناہوں سے پاک وصاف ہوکر انسان ایسا ہوجاتا ہے جیسا کہ ابھی پیدا ہوا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۲۲۱۰، کتاب الصيام، ثواب من قام رمضان وصامه ايمانا واحتسابا، واللفظ له، ابنِ ماجة، رقم الحديث ۱۳۲۸، کتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فى قيام شهر رمضان.
قال المناوى: إسناده حسن (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۱۶۹۰).
وقال الذهبى: هذا حديث حسن غريب (سير اعلام النبلاء، ج ۱، ص ۷۱، تحت ترجمة عبد الرحمن بن عوف بن عبد عوف الزهرى)
وقال الاعظمى: إسناده ضعيف ومعناه ثابت (صحيح ابن خزيمة)

[2] (إن الله افترض صوم رمضان) على هذه الأمة بقوله (كتب عليكم الصيام فمن شهد منكم الشهر فليصمه) وكان كتبه على أهل الإنجيل فأصابهم موتان فزادوا عشرا قبله وعشرا بعده فجعلوه خمسين وقيل وقع فى برد وحر شديد فجعلوه بين الشتاء والربيع وزادوا عشرين كفارة للتحويل وبالجملة فالصوم عبادة قديمة أصلية ما أخلى الله أمة من افتراضها عليهم ذكره

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، نہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی (جیسا کہ بعض کم فہم لوگوں کا خیال ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو صرف یہ عمل کیا تھا کہ سب کو ایک امام کی اقتداء میں جمع کر دیا تھا، اوراس سے پہلے صحابۂ کرام الگ الگ اور متفرق طور پر تراویح پڑھا کرتے تھے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [۱]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ فِيْهِ بِعَزِيْمَةٍ فَيَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الزمخشرى (وسننت لكم قيامه) أى جعلت لكم الصلاة فيه ليلا سنة (فمن صامه وقامه) سالما من المعاصى قولا وفعلا (إيمانا) أى تصديقا بأنه حق وطاعة (واحتسابا) لوجهه تعالى لا رياء (ويقينا) تأكيدا لقوله إيمانا أو أراد احتسابا مجزوما به (كان كفارة لما مضى) من ذنوبه والمراد الصغائر ما اجتنبت الكبائر كما سيجىء نظائره .وقال ابن عطاء الله :وقد رأينا فنظرنا كل مأمور به أو مندوب من الشارع يستلزم الجمع على الله وكل منهى عنه أو مكروه يتضمن التفرقة عنه فإذا مطلوبه من عباده وجود الجمع عليه لكن الطاعات هى أسباب الجمع ووسائله فلذلک أمر بها والمعصية أسباب التفرقة ووسائلها فلذا نهى عنها.

(ن هب عن عبد الرحمن بن عوف) وإسناده حسن (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ١٦٩٠)

[۱] قوله: "عن عبدالرحمان بن عوف الخ" قلت: دلالة قوله صلى الله عليه وسلم :"وسننت لكم قيامه"على سنية قيام رمضان، المراد به التراويح اجماعا كما قاله الكرمانى وسيأتى ، ظاهرة، وثبت بذالک ان اصل قيام رمضان سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم لاسنة عمر، كما زعمه بعضهم ، وانما سنة عمر قيامه بامام واحد، وكانوا يقومون قبل اوزاعا متفرقين ، ويميلون الى احسنهم اصواتا، فقال عمر:"اراهم قد اتخذو القرآن اغانى، اما والله لئن استطعت لاغيرن ، فلم يمكث الا قليلا حتى امر ابيا فصلى بهم "راوه البخارى فى خلق افعال العباد وابن سعد وجعفر الفريابى عن نوفل بن اياس الهذلى ، وسنده صحيح، كذافى "آثارالسنن "(٢ : ٥٠)

وفى "المغنى" لابن قدامة: وقيام شهر رمضان عشرون ركعة يعنى صلاة التراويح ، وهى سنة مؤكدة، واول من سنها رسول الله صلى الله عليه وسلم (ذم ذكر بعض ما ذكرنا من الاحاديث فى المتن)الىٰ ان قال :ونسبت التراويح الى عمر بن الخطاب لانه جمع الناس على ابى بن كعب ، فكان يصليهابهم اهـ(١ : ٨٠١و ٨٠٢)(اعلاء السنن ج٧ص ٦٦،٦٧، باب التراويح)

غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰى ذٰلِكَ (مسلم) [1]

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قیامِ رمضان (اور تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے، اس کا وجوبی ولازمی حکم نہیں فرماتے تھے، پس آپ فرماتے تھے کہ جو شخص رمضان کا قیام کرے (اور تراویح پڑھے) ایمان کی حالت میں اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے، تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک یہی عمل رہا اور حضرت ابوبکر کی خلافت اور حضرت عمر کی ابتدائی خلافت میں بھی یہی عمل رہا (مسلم)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تراویح کی ترغیب دیا کرتے تھے، اور اس کے عظیم الشان فضائل وفوائد بھی بیان فرمایا کرتے تھے، تو ضروری ہے کہ صحابۂ کرام اس پر عمل کیا کرتے تھے، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے ارشادات کو نظر انداز نہیں کیا کرتے تھے، کیونکہ اس کے خلاف کرنا صحابۂ کرام کی شان سے بعید ہے۔

اور پھر حدیث میں جو یہ فرمایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک یہی عمل رہا، اور حضرت ابوبکر کی خلافت میں بھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ابتدائی خلافت میں بھی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام اس زمانے میں کسی ایک امام کی اقتداء میں جمع ہوئے بغیر تراویح پڑھتے رہے، اور اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو ایک امام کی اقتداء

---

[1] رقم الحديث ٧٥٩ "١٧٤" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب فى قيام رمضان وهو التراويح، واللفظ لهٗ؛ ابوداؤد، رقم الحديث ١٣٧٣؛ مؤطاامام مالك، الترغيب فى الصلاة فى رمضان، ترمذى، باب الترغيب فى قيام رمضان، وما جاء فيه من الفضل.

وقال الترمذى بعد نقل هٰذا الحديث:

وفى الباب عن عائشة، وقد روى هٰذا الحديث أيضا عن الزهرى، عن عروة، عن عائشة. هٰذا حديث حسن صحيح.

میں تراویح پڑھنے پر جمع فرمایا۔

جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ النَّاسَ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ وَيَقُوْلُ مَنْ قَامَهُ إِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَلَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى الْقِيَامِ

(مسند احمد، رقم الحديث ۷۸۸۱) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ لوگوں کو رمضان میں قیام (اور تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے، کہ جس نے رمضان میں قیام کیا، ایمان اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے تو اس کے گزشتہ گناہ

---

[1] (وعن أبی هريرة قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرغب) : من الترغيب (فی قيام رمضان) ، أی :فی قيام إحياء لياليه بالتراويح (من غير أن يأمرهم فيه بعزيمة) ، أی :بعزم وبت وقطع يعنی بفريضة، قال الطيبی :العزيمة والعزم عقد القلب على إمضاء الأمر، (فيقول " :من قام رمضان) ، أی :أحيا لياليه بالعبادة، وأو أتى بقيام رمضان وهو التراويح، أو قام إلى صلاة رمضان (إيمانا) ، أی :مؤمنا بالله ومصدقا بأنه تقرب إليه (واحتسابا) ، أی :محتسبا بما فعله عند الله أجرا لم يقصد به غيره، يقال :احتسب بالشیء ، أی اعتد به فنصبهما على الحال، ويجوز أن يكون على المفعول له، أی :تصديقا بالله وإخلاصا وطلبا للثواب .(غفر له ما تقدم من ذنبه) : زاد أحمد ": وما تأخر "، أی :من الصغائر، ويرجى غفران الكبائر .(فتوفی رسول الله صلى الله عليه وسلم) ، أی :قبض (والأمر على ذلک) ، أی :التفرق وعدم الجماعة الذی كان فی زمنه -عليه الصلاة والسلام -يعنی :كانوا يصلون التراويح منفردين بعضهم فی بيوتهم، وبعضهم فی المسجد، إما لكونهم معتكفين، أو لأنهم من أهل الصفة المفردين، أو لأن لهم فی البيت ما يشغلهم عن العبادة، فيكونون فی المسجد من المغتنمين، فلا مخالفة لما تقدم من أمره -عليه الصلاة والسلام -إياهم بصلاة التراويح فی بيوتهم .(ثم كان الأمر على ذلک) ، أی :على وفق زمانه -عليه الصلاة والسلام -(فی خلافة أبی بكر) ، أی :جميع زمانها (وصدرا من خلافة عمر) ، أی :فی أول خلافته، وصدر الشیء ووجهه أوله (على ذلک) ، أی :على ما ذكر، وسيأتی تمامه فی الفصل الثالث (رواه مسلم) : ورواه البخاری أيضا مع زيادة ونقصان، قاله ميرک (مرقاة المفاتيح ،ج۳ص ۹۶۲، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان)

[2] فی حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط مسلم.

معاف کردیئے جائیں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قیامِ رمضان (اور تراویح) کے لئے جمع نہیں فرماتے تھے (مسند احمد)

اس روایت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں کو جمع فرما کر تراویح نہیں پڑھایا کرتے تھے، البتہ لوگوں کو اپنے اپنے طور پر تراویح پڑھنے کی ترغیب دیا کرتے اور اس کی فضیلت بیان فرمایا کرتے تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

فَيَقُوْلُ(مَنْ قَامَ رَمَضَانَ)وَهٰذِهِ الصِّيْغَةُ تَقْتَضِيُ التَّرْغِيْبَ وَالنُّدُبَ دُوْنَ الْإِيْجَابِ ، وَاجْتَمَعَتْ الْأُمَّةُ عَلٰى أَنَّ قِيَامَ رَمَضَان لَيْسَ بِوَاجِبٍ بَلْ هُوَ مَنْدُوْبٌ.

قَوْلُهُ(فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ ، ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ فِيْ خِلَافَةِ أَبِيْ بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ)مَعْنَاهُ:اِسْتَمَرَّ الْأَمْرُ هٰذِهِ الْمُدَّةَ عَلٰى أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ يَقُوْمُ رَمَضَانَ فِيْهِ بَيْتَهُ مُنْفَرِدًا حَتّٰى اِنْقَضٰى صَدْرٌ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ ، ثُمَّ جَمَعَهُمْ عُمَرُ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَصَلّٰى بِهِمْ جَمَاعَةً ، وَاسْتَمَرَّ الْعَمَلُ عَلٰى فِعْلِهَا جَمَاعَةً ، وَقَدْ جَاءَتْ هٰذِهِ الزِّيَادَةُ فِيْ صَحِيْحِ الْبُخَارِيِّ فِيْ كِتَابِ الصِّيَامِ (شرح النووی علی مسلم، ج٦ ص ٤٠،باب الترغیب فی قیام رمضان) [1]

---

[1] اور علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قوله " :إيمانا "أى :تصديقًا بالثواب من اللّه تعالى، على صيامه وقيامه .قوله ": واحتساباً "أى :محتسبًا الثواب على اللّه، أو ناويا بصيامه وجه اللّه تعالى، ثم المراد من هذا القيام التراويح، واتفق العلماء على استحبابها، واختلفوا فى أن الأفضل صلاتها منفرداً فى بيته، أو فى جماعة فى المسجد؟ فقال أصحابنا :والشافعى وأحمد، وبعض

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ:

''جو شخص رمضان کا قیام کرے (اور تراویح پڑھے)''

اس جملے سے ترغیب اور اس کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے، نہ کہ واجب ہونا، اور امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ رمضان کا قیام واجب نہیں بلکہ مندوب ہے۔

اور حدیث کا یہ جملہ کہ:

''رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک یہی عمل رہا اور حضرت ابوبکر کی خلافت اور حضرت عمر کی ابتدائی خلافت میں بھی یہی عمل رہا''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مدت میں اس چیز پر عمل ہوتا رہا کہ ہر ایک اپنے گھر میں قیام کیا کرتا تھا (اور کچھ لوگ اتفاقاً مل کر جماعت سے بھی پڑھ لیتے تھے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے، ناقل) یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ابتدائی دور گزر گیا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں سب لوگوں کو جمع کر دیا اور انہوں نے سب لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی اور اس کے بعد سے اس کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا عمل برابر جاری ہو گیا (اور کسی نے اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المالكية، وغيرهم :إن الأفضل صلاتها جماعة كما فعله عمر بن الخطاب، واستمر عمل المسلمين عليه، لأنه من الشعائر الظاهرة، فأشبه صلاة العيد، وقال مالک، وبعض الشافعية، وغيرهم :الأفضل فرادى في البيت .قوله" :غفر له ما تقدم من ذنبه " المعروف عند الفقهاء أن هذا مختص بغفران الصغائر، دون الكبائر، قال بعضهم :يجوز أن يُخَففَ من الكبائر إذا لم تصادف صغيرة .قلت :اللفظ عام، ينبغي أن يشمل الصغيرة والكبيرة، والتخصيص بلا مخصص باطل.قوله " :فتوفى رسول اللّه، والأمر على ذلک "إلى آخره .معناه استمر الأمر هذه المدة، على أنّ كل واحد يقوم رمضان في بيته منفرداً حتى انقضى صدر من خلافة عمر، ثم جمعهم عمر على أبي بن كعب، فصلى بهم جماعة، واستمر العمل على فعلها جماعة، والحديث أخرجه :مسلم، والترمذي، والنسائي(شرح سنن أبي داود للعيني ،ج۵ص۲۷۵، باب في قيام شهر رمضان)

پر نکیر نہیں کی) اور یہ اضافہ صحیح بخاری کی کتاب الصیام میں بھی آیا ہے (نووی شرح مسلم)

اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا بلکہ ایک امام کی اقتداء پر سب کو جمع کیا، جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی منشاء تھی، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُرَغِّبُ النَّاسَ فِیْ قِیَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ أَنْ یَأْمُرَھُمْ بِعَزِیْمَۃِ أَمْرٍ فِیْہِ فَیَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (نسائی) [1]

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قیامِ رمضان کی ترغیب دیا کرتے تھے، اس کا وجوبی ولازمی حکم نہیں فرماتے تھے، پس آپ فرماتے تھے کہ جو شخص رمضان کا قیام ایمان کی حالت میں اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے کرے تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے (نسائی)

ظاہر ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تراویح کے عمل کی صحابۂ کرام کو ترغیب دیا کرتے تھے، اور اس پر گزشتہ گناہوں کی معافی کی بھی فضیلت بتلایا کرتے تھے، تو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس عمل کو انجام دیا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

کَانَ النَّاسُ یُصَلُّوْنَ فِیْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ بِاللَّیْلِ أَوْزَاعًا یَکُوْنُ مَعَ الرَّجُلِ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْآنِ فَیَکُوْنُ مَعَہٗ النَّفَرُ الْخَمْسَۃُ أَوِ السِّتَّۃُ أَوْ أَقَلُّ مِنْ ذٰلِکَ أَوْ أَکْثَرُ فَیُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِہٖ.

---

[1] رقم الحدیث ۲۱۹۱، کتاب الصیام، ثواب من قام رمضان وصامه إیمانا واحتسابا.

قَالَتْ فَأَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِّنْ ذٰلِکَ أَنْ أَنْصِبَ لَهٗ حَصِيْرًا عَلٰى بَابِ حُجْرَتِیْ فَفَعَلْتُ فَخَرَجَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ أَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ قَالَتْ فَاجْتَمَعَ إِلَيْهِ مَنْ فِی الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلًا طَوِيْلًا.

ثُمَّ انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ وَتَرَکَ الْحَصِيْرَ عَلٰى حَالِهٖ فَلَمَّا أَصْبَحَ النَّاسُ تَحَدَّثُوْا بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ كَانَ مَعَهٗ فِی الْمَسْجِدِ تِلْکَ اللَّيْلَةَ قَالَتْ وَأَمْسَى الْمَسْجِدُ رَاجًّا بِالنَّاسِ فَصَلّٰى بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ ثُمَّ دَخَلَ بَيْتَهٗ وَثَبَتَ النَّاسُ قَالَتْ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَأْنُ النَّاسِ يَا عَائِشَةُ قَالَتْ فَقُلْتُ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعَ النَّاسُ بِصَلَاتِکَ الْبَارِحَةَ بِمَنْ كَانَ فِی الْمَسْجِدِ فَحَشَدُوْا لِذٰلِکَ لِتُصَلِّیَ بِهِمْ قَالَتْ فَقَالَ اطْوِ عَنَّا حَصِيْرَکِ يَا عَائِشَةُ قَالَتْ فَفَعَلْتُ وَبَاتَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ غَافِلٍ وَثَبَتَ النَّاسُ مَكَانَهُمْ حَتّٰى خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصُّبْحِ فَقَالَتْ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ أَمَا وَاللّٰهِ مَا بِتُّ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَيْلَتِیْ هٰذِهٖ غَافِلًا وَمَا خَفِیَ عَلَیَّ مَكَانُكُمْ وَلٰكِنِّیْ تَخَوَّفْتُ أَنْ يُّفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَاكْلَفُوْا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا (مسند احمد)[1]

---

[1] رقم الحديث ٢٦٣٠٧، واللفظ لهٗ، قيام رمضان لمحمد بن نصر المروزی رقم الحديث ٧.
فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن من أجل محمد بن إسحاق، وقد صرح بالتحديث، فانتفت شبهة تدليسه، وقد توبع، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين.

ترجمہ: صحابۂ کرام مسجدِ نبوی میں رمضان میں رات کو نماز، چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں ادا کیا کرتے تھے، جس کو قرآن مجید کا کچھ حصہ حفظ یاد ہوتا تھا، تو اس کے ساتھ پانچ چھ افراد یا اس سے کم وبیش جمع ہوجاتے، پھر مل کر جماعت کے ساتھ ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔

پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دوران ایک رات حکم فرمایا کہ ان کے لئے اپنے حجرے کے دروازے کے قریب (باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے) ایک چٹائی بچھادوں، میں نے یہ کام کردیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اس چٹائی کی طرف تشریف لائے، اور مسجد میں موجود حضرات بھی جمع ہوگئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رات کے لمبے حصے تک نماز پڑھائی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس گھر میں تشریف لے آئے، اور چٹائی کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا (اور یہی عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے دن بھی کیا)

پھر جب صبح ہوئی تو ان لوگوں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزشتہ رات نماز میں شامل تھے؛ گفتگو کی، اور پھر شام ہونے کے وقت ہی مسجد لوگوں سے بھر گئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھائی، اور اپنے گھر میں تشریف لے آئے، اور لوگ وہیں موجود رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ! لوگوں کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول لوگوں نے آپ کی کل گزشتہ نماز کے بارے میں ان لوگوں سے سنا، جو مسجد میں تھے، تو انہوں نے اس نماز کے لئے لوگوں کو جمع کرلیا، تاکہ آپ ان کو نماز پڑھائیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! آپ اس چٹائی کو لپیٹ

دیں، تو میں نے اس چٹائی کو لپیٹ دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غور فکر کے ساتھ یہ رات گزاری، اور لوگ اپنی جگہ موجود تھے۔
یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت تشریف لائے، اور آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! اللہ کی قسم میں نے الحمدللہ یہ رات تمہاری طرف سے غفلت میں نہیں گزاری، اور تمہارا مسجد میں موجود رہنا مجھ سے مخفی نہیں تھا، لیکن مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ تمہارے اوپر فرض نہ کردی جائے، پھر تم ایسے اعمال کے مکلّف نہ بن جاؤ، جن پر (فرضوں کی طرح) ہمیشگی کی تم میں طاقت نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ (ثواب دینے سے) اس وقت تک نہیں رُکتے، جب تک تم خود ہی نہ (کسی عمل سے) اُکتا جاؤ (مسند احمد)

گزشتہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں تراویح کی جماعت کی جاتی تھی، اور امام تراویح میں قرآن مجید پڑھا کرتا تھا، اور لوگ مقتدی بن کر سماعت کیا کرتے تھے، اور آپ نے بھی لوگوں کو ایک مرتبہ جماعت سے نماز پڑھائی، لیکن فرض ہونے کے خوف کی وجہ سے اس کو جاری نہیں رکھا۔
اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دراصل تین رات تک جماعت سے نماز پڑھائی تھی، چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں اس کی وضاحت ہے۔
جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

فَكَثُرَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى فَصَلَّوْا بِصَلَاتِهِ فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ أَهْلِهِ حَتّٰى خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ

وَلَكِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ (بخاری) [1]

ترجمہ: پس تیسری رات میں مسجد میں بہت لوگ جمع ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس رات بھی نماز پڑھائی، پس جب چوتھی رات آئی تو مسجد میں لوگوں کا سمانا دشوار ہوگیا (اور اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے تشریف نہیں لائے) یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے، جب آپ فجر کی نماز سے فارغ ہوئے، تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ امابعد! مجھ سے تم لوگوں کی (مسجد میں رات بھر) موجودگی پوشیدہ نہ تھی، لیکن مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم پر یہ فرض نہ ہوجائے، اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہوجاؤ (پھر فرض کے تارِک شمار ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہی حالت رہی (بخاری)

اور ایک روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَلَمَّا أَصْبَحَ ،قَالَ لَهٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ :مَا زَالَ النَّاسُ يَنْتَظِرُوْنَكَ الْبَارِحَةَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ:أَمَا أَنَّهٗ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ أَمْرُهُمْ ، وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْهِمْ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: جب صبح ہوگئی (اور اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے تشریف نہیں لائے تھے) تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! رات بھر لوگ آپ کے منتظر رہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے ان لوگوں کا معاملہ پوشیدہ نہ تھا، لیکن مجھے یہ خوف ہوا

---

[1] رقم الحديث ۲۰۱۲، كِتَاب صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ، بَاب فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ.

[2] رقم الحديث ۲۵۹۵۴، واللفظ لهٗ؛ مصنف عبدالرزاق رقم الحديث ۷۷۴۶.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

کہ کہیں ان پر یہ فرض نہ کردی جائے (مسند احمد)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے اور آپ کے جواب سے واضح ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء ومقصد کو پوری طرح سمجھ لیا تھا، اور پھر جب وہ وقت آ گیا کہ فرض ہونے کا خوف ختم ہوگیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء اور لوگوں کے شوق کی تکمیل کرتے ہوئے پھر مسجد میں ایک امام کی اقتداء میں تراویح کو جاری فرمادیا۔

یہ سب مزاجِ نبوت کو سمجھنے ہی کی برکت کا اثر تھا۔

چنانچہ صحیح ابنِ حبان کی روایت کے آخر میں ہے کہ:

فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ ، ثُمَّ كَذٰلِكَ كَانَ فِيْ خِلَافَةِ أَبِيْ بَكْرٍ وَصَدْرٍ مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ ، حَتّٰى جَمَعَهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ، فَقَامَ بِهِمْ فِيْ رَمَضَانَ، وَكَانَ ذٰلِكَ أَوَّلُ اجْتِمَاعِ النَّاسِ عَلٰى قَارِءٍ وَاحِدٍ فِيْ رَمَضَانَ (صحيح ابن حبان) [1]

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، اور معاملہ اسی حالت پر رہا (کہ لوگ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں یا تنہا تراویح کی نماز ادا کیا کرتے تھے) پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ کی خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں بھی یہی حالت رہی (کہ لوگ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں اور کچھ لوگ تنہا تراویح کی نماز ادا کیا کرتے تھے)

یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب کی اقتداء

---

[1] رقم الحديث ۲۵۴۳، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، ذكر خبر ثان يصرح بصحة ما ذكرناه.

في حاشية ابن حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم.

میں سب لوگوں کو جمع کر دیا، پھر انہوں نے سب لوگوں کو رمضان میں تراویح پڑھائی۔

اور یہ رمضان میں ایک قاری کی اقتداء میں سب کے جمع ہونے کا پہلی مرتبہ اجتماع تھا (ابنِ حبان)

ان احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی خلافت کے زمانے سے پہلے بھی صحابۂ کرام میں تراویح کا معمول تھا، اور باجماعت تراویح اور امام کے قرآن مجید سنانے کا بھی معمول تھا، اور اس زمانے میں حفاظِ کرام کی کثرت تھی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دن تراویح باجماعت پڑھا کر چھوڑی دی تھی؛ اور اس کے بارے میں ایک عذر بیان فرما دیا تھا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب وہ عذر ختم ہوگیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق ایک قاری امام کی اقتداء میں سب کو جمع فرمایا۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے کسی چیز کا بھی اضافہ نہیں کیا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق سنت کی تکمیل فرمائی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عبدُ القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَيْلَةً فِيْ رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ إِنِّيْ أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِءٍ وَّاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً أُخْرَى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ قَالَ عُمَرُ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ (بخاری) [1]

---

[1] رقم الحديث ٢٠١٠، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، واللفظ لهٗ، معرفة السنن والآثار للبيهقي، رقم الحديث ١٤٤٢، مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ٧٧٢٣.

ترجمہ: میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات میں مسجدِ نبوی کی طرف گیا، تو دیکھا کہ لوگ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں متفرق ہو کر تراویح کی نماز پڑھ رہے ہیں، کوئی اپنی نماز الگ پڑھ رہا ہے، اور کسی کے ساتھ چند لوگ مل کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں ان سب کو ایک قاری کی اقتداء میں جمع کر دوں، تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔

پھر غور فکر (اور مشورہ) کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا پختہ ارادہ کرلیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں سب کو جمع کر دیا، پھر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسری رات مسجد میں گیا، تو سب لوگ ایک قاری کی اقتداء میں تراویح کی نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ (ایک قاری کی اقتداء میں سب کو جمع کرنا) اچھی ایجاد ہے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک قاری کی اقتداء میں سب کو جمع فرمانے سے پہلے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف جماعتوں کی شکل میں اور بعض انفرادی طور پر تراویح پڑھا کرتے تھے، اور تراویح میں قرآن مجید بھی پڑھا اور سنا کرتے تھے۔ [1]

---

[1] خرجت مع عمر بن الخطاب رضى الله عنه ليلة أى فى رمضان إلى المسجد أى مسجد المدينة فإذا الناس أى بعد صلاتهم العشاء جماعة واحدة أوزاع بسكون الواو بعدها زاى فرق متفرقين يصلى الرجل لنفسه بيان لما أجمل أولا وحاصله أن بعضهم كان يصلى منفردا وبعضهم يصلى جماعة وهو معنى قوله ويصلى الرجل أى مؤتما فيصلى بصلاته الرهط وفى نسخة صحيحة عليها رمز ظاهر ويصلى الرجل فيصلى أى يقتدى بصلاته الرهط قال السيد أصيل الدين هكذا وقع فى البخارى ولا بد منه ولكن سقط من نسخ المشكاة التى رأيتها والظاهر أنه من الناسخ والله العاصم اه وهو موجود فى بعض النسخ التى رأيتها قال الطيبى أى يؤم الرجل جماعة دون العشرة اه وتبعه ابن حجر والظاهر أنه أراد مطلق الجماعة أو قومه وقبيلته ففى القاموس الرهط ويحرك قوم الرجل وقبيلته أو من ثلاثة أو سبعة إلى عشرة أو ما دون العشرة أو ما فيهم امرأة ولا واحد له من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قاری کی اقتداء میں سب کو جمع فرمادیا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اچھی ایجاد فرمانے کا مطلب یہی تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کی تکمیل ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی میں یہ عمل کیا تو یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ تا قیامت اس کارِ خیر کے اجر وثواب کے مستحق ہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لفظه وفى النهاية الرهط من الرجال ما دون العشرة وقيل إلى الأربعين والرهط عشيرة الرجل وأهله (فقال عمر :إنى لو) : قال ابن حجر :وفى نسخة إنى أرى لو، وأخذ منها ابن ملك أن لو قد تعلق فعل القلب (جمعت هؤلاء على قارء واحد) : يأتمون كلهم به، ويسمعون قراء ته (لكان أمثل) ، أى :أفضل والثواب أكمل ;لأن فيه اجتماع القلوب واتفاق الكلمة وإغاظة الشيطان ونمو الأعمال، وغير ذلك من فوائد الجماعة التى تنيف على السبعة والعشرين، (ثم عزم) ، أى :على ذلك وصمم عليه عمر، (فجمعهم) ، أى :الرجال منهم (على أبى بن كعب) : لما قد ورد أنه أقرأ الصحابة، وأمر -عليه الصلاة والسلام -بالقراء ة عليه فقرأ سورة :(لم يكن) (البينة1 :) وفى رواية أنه جمعهم على تميم الدارمى، ولا مانع أن هذا كان يؤم تارة والآخر أخرى، وجمع النساء على سليمان بن أبى حثمة (قال) ، أى :عبد الرحمن (ثم خرجت معه) ، أى :مع عمر (ليلة أخرى، والناس يصلون بصلاة قارئهم) : الإضافة للتعريف.

(قال عمر :نعمت البدعة هذه) ، أى :الجماعة الكبرى لا الصلاة فإنها سنة من أصلها، قال الطيبى: يريد صلاة التراويح، فإنه فى حيز المدح ;لأنه فعل من أفعال الخير وتحريض على الجماعة المندوب إليها، وإن كانت لم تكن فى عهد أبى بكر رضى الله عنه، فقد صلاها رسول الله صلى الله عليه وسلم، وإنما قطعها إشفاقا من أن تفرض على أمته، وكان عمر ممن نبه عليها وسنها على الدوام، فله أجرها وأجر من عمل بها إلى يوم القيامة .(والتى) ، أى :الصلاة التى (تنامون عنها) ، أى :معرضين (أفضل من التى تقومون) ، أى :بها، قال الطيبى :تنبيه منه على أن صلاة التراويح فى آخر الليل أفضل، وقد أخذ بها أهل مكة فإنهم يصلونها بعد أن يناموا، قلت :لعلهم كانوا فى الزمن الأول كذا، وأما اليوم فجماعاتهم أوزاع متفرقون فى أول الليل، وفى كلامه رضى الله عنه، إيماء إلى عذره فى التخلف عنهم .(يريد) ، أى عمر (آخر الليل) : وهو قول عبد الرحمن أو غيره من الرواة، وكذلك قوله :(وكان الناس) ، أى :أكثرهم (يقومون أوله) : وبالضرورة ينامون آخره (مرقاة المفاتيح، ج۳ص ۹۷۰، ۹۷۱، باب قيام شهر رمضان، الفصل الثالث)

۱؎ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اگر کسی کو یہ طرزِ عمل شرعی بدعت معلوم ہو تو یہ اس کی غلط فہمی ہے، کیونکہ یہ شرعی بدعت نہیں، بلکہ ایک ایسے عمل کا آغاز ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور منشاء کے عین مطابق ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت نوفل بن ایاس ہذلی فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا نَقُوْمُ فِيْ عَهْدِ عُمَرِ بْنِ الْخَطَّابِ فِرَقًا فِيْ رَمَضَانَ فِي الْمَسْجِدِ إِلٰى هَاهُنَا وَهَاهُنَا فَكَانَ النَّاسُ يَمِيْلُوْنَ عَلٰى أَحْسَنِهِمْ صَوْتًا ، فَقَالَ عُمَرُ: أَلاَ أُرَاهُمْ قَدِ اتَّخَذُوا الْقُرْآنَ أَغَانِيَ ، أَمَا وَاللّٰهِ لَئِنِ اسْتَطَعْتُ لَأُغَيِّرَنَّ هٰذَا قَالَ: فَلَمْ يَلْبَثْ إِلَّا ثَلَاثَ لَيَالٍ حَتّٰى أَمَرَ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، فَصَلّٰى بِهِمْ ، ثُمَّ قَامَ فِيْ مُؤَخَّرِ الصُّفُوْفِ فَقَالَ: إِنْ كَانَتْ هٰذِهٖ بِدْعَةٌ لَنِعْمَتِ الْبِدْعَةُ (الصيام للفريابى) [۱]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾ گویا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود ہی قیامت تک آنے والے معترضین کے ایک اہم اعتراض کا جواب دے دیا، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بصیرت اور دور بینی کی دلیل ہے۔

اور اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہونے کی وجہ سے حضرت ابوصدیق رضی اللہ عنہ بھی اس عمل کا آغاز فرما سکتے تھے، لیکن ایک تو ان کی خلافت کا دور مختصر تھا اور دوسرے اس دور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہم اندرونی معاملات کی اصلاح میں مشغول رہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جب حالات سازگار دیکھے تو اس عمل کو انجام دیا۔

وكان عمر رضى الله عنه يقول فى جمعه الناس على جماعة واحدة نعمت البدعة هى، وإنما سماها بدعة باعتبار صورتها، فإن هذا الاجتماع محدث بعده -عليه الصلاة والسلام-، وأما باعتبار الحقيقة فليست بدعة ;لأنه -عليه الصلاة والسلام- إنما أمرهم بصلاتها فى بيوتهم لعلة هى خشية الافتراض، وقد زالت بموته -عليه الصلاة والسلام-، ولم يأمر بها أبو بكر رضى الله عنه ;لأنه كان مشغولا بما هو أهم منها، وكذلك عمر أوائل خلافته، ومن ثم قال النووى :الصحيح باتفاق أصحابنا أن الجماعة فيها أفضل، بل ادعى بعضهم الإجماع فيه، أى :إجماع الصحابة على ما قاله بعض الأئمة(مرقاة المفاتيح ،ج۳ص ۹۶۵،كتاب الصلاة،باب قيام شهر رمضان)

(قال عمر :نعمت البدعة هذه) ،أى :الجماعة الكبرى لا الصلاة فإنها سنة من أصلها، قال الطيبى: يريد صلاة التراويح، فإنه فى حيز المدح ;لأنه فعل من أفعال الخير وتحريض على الجماعة المندوب إليها، وإن كانت لم تكن فى عهد أبى بكر رضى الله عنه، فقد صلاها رسول الله صلى الله عليه وسلم، وإنما قطعها إشفاقا من أن تفرض على أمته، وكان عمر ممن نبه عليها وسنها على الدوام، فله أجرها وأجر من عمل بها إلى يوم القيامة(مرقاة المفاتيح ،ج۴ص ۹۷۱،كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان)

[۱] رقم الحديث ۱۷۲،ص ۱۲۸،الناشرى:الدار السلفية -بومباى،واللفظ لهٗ،الطبقات الكبرىٰ لابنِ سعد، ج۵ص ۴۴،تحت ترجمة نوفل بن إياس الهذلى،خلق افعال العباد للبخارى، رقم الحديث ۱۰۵،مختصراً الىٰ قوله فصلىٰ بهم .

ترجمہ: ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے (ابتدائی) دورِ خلافت میں رمضان میں مسجد میں قیام کیا کرتے تھے، کچھ لوگ یہاں اور کچھ لوگ وہاں، الگ الگ ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے، اور لوگ اچھی آواز والے امام کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں ان کو نہیں دیکھ رہا ہوں کہ انہوں نے قرآن مجید کو گانا سمجھ لیا ہے (کہ صرف اچھی آواز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں) اللہ کی قسم! اگر مجھے قدرت ہوئی تو میں اس طرزِ عمل کو بدل دوں گا۔

پس تین دن ٹھہرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب کو حکم فرمایا، پھر انہوں نے سب کو تراویح پڑھائی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ (حکمت ومصلحت کے تحت) آخری صف میں موجود رہتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ کسی کو نئی ایجاد معلوم ہوتی ہے، تو (وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ یہ) اچھی ایجاد ہے (الصیام للفریابی)

اس روایت کی سند درست ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ الصیام للفریابی کی سند یہ ہے کہ:

حدثنا تميم بن المنتصر ، أخبرنا يزيد بن هارون ، أخبرنا ابن أبي ذئب ، عن مسلم بن جندب ، عن نوفل بن إياس الهذلي قال : كنا نقوم الخ.

اور اس روایت کے راویوں کے بالترتیب حالات درجِ ذیل ہیں۔

(۱)...... تميم ابن المنتصر ابن تميم ابن الصلت الهاشمي مولاهم الواسطي جد أسلم ابن سهل الحافظ لأمه ثقة ضابط (من الحادية عشرة) مات سنة أربع أو خمس وأربعين وله ست وسبعون سنة د س ق (تقريب التهذيب للعقلاني، ج ا، ص ۱۳۰، تحت رقم الترجمة ۸۰۵)

(۲)...... يزيد بن هارون ابن زاذان السلمي مولاهم أبو خالد الواسطي ثقة متقن عابد من التاسعة مات سنة ست ومائتين وقد قارب التسعين (تقريب التهذيب للعسقلاني، ج ا، ص ۶۰۶، تحت رقم الترجمة ۷۷۸۹)

(۳)...... ابن أبي ذئب محمد بن عبد الرحمن العامري ابن المغيرة بن الحارث بن أبي ذئب، واسم أبي .... وكان من أوعية العلم، ثقة، فاضلا، قوالا بالحق، مهيبا (سير أعلام النبلاء للذهبي، ج۷، ص ۱۳۹، ۱۴۰، تحت رقم الترجمة ۵۰)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حالات کو بھانپ کر اور جائزہ لے کر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(۴)...... مسلم بن جندب الهذلى المدنى القاضى ثقة فصيح قارىء من الثالثة مات سنة ست ومائة عخ ت (تقريب التهذيب للعسقلانى، ج ا، ص ۵۲۹، تحت رقم الترجمة ۶۶۲۰)

(۵)...... تم :نوفل بن إياس الهذلى المدنى كان عبد الرحمن بن عوف لنا جليسا (تم) ، وكان نعم الجليس ...الحديث.روى عنه :مسلم بن جندب الهذلى (تم). ذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات" (تهذيب الكمال فى اسماء الرجال للمزى، ج۳۰، ص۶۶، تحت رقم الترجمة ۶۴۹۹)

نوفل بن إياس الهذلى المدنى مقبول من الثانية تم (تقريب التهذيب للعسقلانى، ج ا، ص۵۶۷، تحت رقم الترجمة ۷۲۱۴)

اور امام بخاری کی خلق افعال العباد کی سند مندرجہ ذیل ہے۔

حدثنا آدم ، حدثنا ابن أبى ذئب ، حدثنا مسلم بن جندب ، عن نوفل بن إياس الهذلى ، قال :كنا نقوم فى عهد عمر بن الخطاب فى المسجد فيتفرق ههنا فرقة وههنا فرقة ، وكان الناس يميلون إلى أحسنهم صوتا ، فقال عمر : أراهم قد اتخذوا القرآن أغانى ، أما والله لئن استطعت لأغيرن ، فلم يمكث إلا ثلاث ليال حتى أمر أبيا فصلى بهم (خلق افعال العباد للبخارى، رقم الحديث ۱۰۵)

اس میں ایک راوی آدم بن ابی ایاس خراسانی ہیں، جو کہ ثقہ ہیں، اور باقی راویوں کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

خ خد ت س ق :آدم بن أبى إياس، واسمه عبد الرحمن بن محمد ، ويقال :ناهية ، بن شعيب الخراسانى المروذى، أبو الحسن العسقلانى .مولى بنى تميم، أو تيم ، أصله من خراسان ونشأ ببغداد، وبها طلب الحديث، وكتب عن شيوخها، ثم رحل إلى الكوفة والبصرة والحجاز ومصر والشام، ولقى الشيوخ، وسمع منهم، واستوطن عسقلان........... قال أبو داود :ثقة.قال :وقال أحمد :كان مكينا عند شعبة .وقال محمد بن سهل بن عسكر، عن أحمد بن حنبل كان من الستة أو السبعة الذين كانوا يضبطون الحديث عند شعبة .وقال أبو العباس بن عقدة، عن القاسم بن عبد الله بن عامر :سمعت يحيى بن معين :سئل عن آدم بن أبى إياس، فقال :ثقة، ربما حدث عن قوم ضعفى وقال النسائى :لا بأس به.وقال أبو حاتم :ثقة مأمون .متعبد من خيار عباد الله (تهذيب الكمال فى اسماء الرجال للمزى، ج۲، ص ۳۰۱، و۳۰۴، ملخصاً، تحت رقم الترجمة ۲۹۴)

الطبقات الکبریٰ لابنِ سعد کی سند اس طرح ہے۔

أخبرنا يزيد بن هارون قال :أخبرنا ابن أبى ذئب عن مسلم بن جندب عن نوفل بن إياس الهذلى قال :كنا نقوم فى عهد عمر بن الخطاب فرقا فى المسجد فى رمضان هاهنا وها هنا، فكان الناس يميلون إلى أحسنهم صوتا فقال عمر :ألا أراهم قد اتخذوا القرآن أغانى، أما والله لئن استطعت لأغيرن هذا .قال فلم يمكث إلا ثلاث ليال حتى أمر أبى بن كعب فصلى بهم ثم قام فى آخر الصفوف فقال :لئن كانت هذه بدعة لنعمت البدعة هى.

اس سند کے راویوں کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ محمد رضوان۔

خوب غور وفکر کرنے اور صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کے بعد سب کو ایک امام کی اقتداء میں جمع کیا تھا، اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا تھا، اور خود بھی تراویح کی جماعت میں شامل رہتے تھے۔ اس لئے یہ خلیفۂ راشد کا صحابۂ کرام کے ساتھ متفقہ فیصلہ تھا، اور ظاہر ہے کہ اس وقت دو اور خلفائے راشدین یعنی سیدنا حضرت عثمان اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی حیات تھے، وہ بھی اس فیصلہ میں شامل تھے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ متفقہ فیصلہ عین سنت اور دین ہے، اور اس کا انکار کرنا ضلالت وگمراہی ہے۔ [1]

---

[1] حضرت حکیم الامت صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ان (رمضان کی خصوصی عبادات) میں سے ایک عبادت نماز ہے اور ایک قرآن ہے اور دونوں سے زائد اس میں ایک نئی نماز سنت قرار دی گئی ہے، اور عبادتیں بھی بڑھ سکتی تھیں ان سب میں نماز کو بڑھانے سے معلوم ہوا کہ اسے رمضان سے خصوصیت ہے جو اور کسی عبادت کو نہیں اس کا نام تراویح ہے اس کا پڑھنا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ روایات سے اس کا مرغوب فیہ ہونا مامور بہ ہونا معمول بہ ہونا مطلوب ومقصود ہونا محمود ہونا سب ثابت ہے خود آپ کے فعل سے بھی اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کی مواظبت سے بھی اس لئے محققین نے اسے سنت مؤکدہ لکھا ہے گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ تین شب کے بعد آپ تراویح کے لئے تشریف نہیں لائے اور یہ فرمایا کہ مجھے اس کے تم پر فرض ہو جانے کا اندیشہ تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر اندیشہ فرضیت کا نہ ہوتا تو آپ کا عزم تھا تشریف لانے کا اور عزم بجائے فعل کے ہوتا ہے پس جب آپ نے عزم کیا تو اس سے بھی تأکد ثابت ہو جائے گا جیسا کہ فعل سے ثابت ہوتا ہے اس کے سنت مؤکدہ ہونے کی ایک یہ تقریر ہے جو اپنے عنوان کے اعتبار سے نئی ہے۔

اور جو عنوان اس کا مشہور ہے وہ یہ ہے کہ مواظبت دو طرح پر ہے ایک حقیقی دوسرے حکمی۔ مواظبت حقیقی تو یہ ہے کہ کسی فعل کا دوام حساً واقع ہوا ہو مثلاً ظہر کی سنتیں ہیں، فجر کی سنتیں ہیں۔ مواظبت حکمی یہ ہے کہ ایک فعل ایسے طرز سے واقع ہوا ہے کہ وہ طرز بتلا رہا ہے کہ اس کا دوام مطلوب ہے، چنانچہ آپ دو تین شب تشریف لائے اس کے بعد پھر تشریف نہیں لائے تو صحابہ سے فرمایا کہ مجھے تم سب کا آنا معلوم تھا مگر میں اس لئے نہیں آیا کہ ایسا نہ ہو تم پر فرض ہو جائے اور نہ ہو سکے تو تم گنہگار ہو اور اس کے یہ معنٰی نہیں کہ چلو یہ تو ایک گنجائش کی بات معلوم ہوئی کہ فرض نہیں، اب کاہے کو مشقت اٹھائیں کہ جاگیں اور تھکیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ گناہ تو ہوگا مگر ترک فرض کے برابر نہ ہوگا (برکاتِ رمضان ج۱۶ص ۷۸تا۷۹ وعظ روح القیام)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر فرضیت کا اندیشہ نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ مستقل اس عمل کو با جماعت انجام دینے کا تھا اور ایسے موقع پر ارادہ بھی عمل کے قائم مقام ہوتا ہے، پس جب آپ نے مستقل اس عمل کو کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن ایک عذر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورتراویح کے تمام اجزاء یعنی اس کو باجماعت ادا کرنا اور قرآن مجید پڑھنا وسننا؛ سنت سے ثابت ہیں، بلکہ اس کی تعداد بھی سنت سے ثابت ہے، جو کہ کم از کم بیس رکعات ہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اوراسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد ان کے اس عمل سے مساجد کی رونق کو دیکھ کر ان کی قبر کے نورانی ہونے کی دعا فرمائی ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کی وجہ سے عملی طور پر مواظبت نہیں فرما سکے تو اس سے بھی اس عمل کا سنت مؤکدہ ہونا ثابت ہو گیا۔

وهٰذاالتقريرمطابق بعبارات الفقهاء كما فى الدر: والشرط فى المؤكدة المواظبة مع ترك ولوحكماً(الدرالمختار)

وفى رد المحتار : والمراد أيضا المواظبة ولو حكما لتدخل التراويح، فإنه -صلى الله عليه وسلم - بين العذر فى التخلف عنها، وهو خوف أن تفرض علينا ط عن أبى السعود(ردالمحتار ج ١ ص ١٠٤،كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب فى السنة وتعريفها)

فان المواظبة التى تفيد السنية والتاكيد لاتتوقف على المداومة الفعلية بل هى على ضربين الاول ماثبتت المواظبة فيه فعلا وعملا.....والثانى ماثبتت المواظبة فيه تشريعاً بان يحث على فعله بالاستمرار......فكماان المواظبة النبوية على ضربين كذامواظبة الخلفاء ايضاً وكل منها تفيد السنية والتاكيد(اعلاء السنن ج ٧ص٨٧ملخصاً)

بل الظاهر انه لولا العذر لواظب على ماواظب عليه الخلفاء بعده والصحابة لاسيما.....فقيام رمضان بعشرين ركعة والوتر هوالسنة المؤكدة يضلل تاركها ويلام من نقص عنها(ايضاً ص ٧٤ملخصاً)

ذكرنا فى سنية التراويح، مع أنه -صلى الله عليه وسلم -لم يواظب عليه بل فعله مرة ثم ترك، لكن لما بين عذر خشية الافتراض على معنى لولاه لواظب حكم بالسنية مع عدم المواظبة، لأنا أمنا من بعده النسخ فحكمنا بالسنية(فتح القدير، ج ٧ ص ١٥، كتاب البيوع، باب الربا)

ل حدثنى محمد بن الحارث الخراز، قال :ثنا سنان بن حاتم، ثنا جعفر بن سليمان، ثنا حباب القطعى، عن أبى إسحاق الهمدانى، قال " :خرج على بن أبى طالب عليه السلام فى أول ليلة من شهر رمضان والقناديل تزهر، وكتاب الله يتلى فى المساجد، فقال :نور الله لك يا عمر بن الخطاب فى قبرك، كما نورت مساجد الله بالقرآن "(فضائل رمضان لابنِ ابى الدنيا رقم الحديث ٣٠)

حدثنا ابن مخلد قال :حدثنا أبو العباس محمد بن عبد الرحمن بن يونس السراج قال :حدثنا عبد الله بن محمد يعنى ابن ربيعة قال :حدثنا خالد بن عبد الله الواسطى ,عن حصين بن عبد الرحمن , عن أبى عبد الرحمن السلمى قال :أمنا على بن أبى طالب رضى الله عنه فى قيام شهر رمضان قال :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تراویح میں قرآن مجید پڑھنے اور سننے کی فضیلت

قرآن مجید رمضانُ المبارک کے مہینے میں نازل کیا گیا،اس لئے ویسے بھی رمضانُ المبارک سے قرآن مجید کوایک نسبت حاصل ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ (سورة البقرة،آیت ۱۸۵)

ترجمہ: رمضان کا مہینہ وہ ہے،جس میں قرآن کو نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے، اور ہدایت کے بارے میں اس کے بیانات خوب واضح ہیں،اور (حق وباطل کے درمیان) فرق کرنے والے ہیں (سورہ بقرہ)

اور قرآن مجید کی تلاوت اور سماعت دونوں باعثِ برکت ورحمت ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (سورة الاعراف، آیت ۲۰۴)

ترجمہ:اور جب قرآن کی قرائت کی جائے تو تم اُس کو سُنو اور خاموش رہو، تاکہ تم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومر ببعض مساجد أهل الكوفة ,وهم يصلون القيام فقال :نور الله قبرک يا ابن الخطاب كما نورت مساجدنا(الشريعة للآجرى رقم حديث ۱۲۳۹)

قتادة ، عن الحسن رحمه الله : أمنا على بن أبى طالب رضى الله عنه فى زمن عثمان رضى الله عنه عشرين ليلة ثم احتبس ، فقال بعضهم :قد تفرغ لنفسه ، ثم أمهم أبو حليمة معاذ القارى فكان يقنت

أبو إسحاق الهمدانى :خرج على بن أبى طالب رضى الله عنه فى أول ليلة من رمضان و القناديل تزهر فى المساجد و كتاب الله يتلى فجعل ينادى : نور الله لک يا ابن الخطاب فى قبرک كما نورت مساجد الله بالقرآن(قيام الليل وقيام رمضان و كتاب الوتر، ج ۱ ص۲۱۷، باب صلاة النبى صلى الله عليه وسلم جماعة ليلا تطوعا فى شهر رمضان)

پر رحم کیا جائے (سورہ اعراف)

اور تراویح کے عظیم الشان فضائل اور تراویح میں بعض صحابہ کرام کا قاری وحافظ حضرات کی اقتداء میں تراویح میں قرآن مجید سننے کا ذکر پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کی تعریف بھی فرمائی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا أُنَاسٌ فِيْ رَمَضَانَ يُصَلُّوْنَ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَا هٰؤُلَاءِ؟فَقِيْلَ هٰؤُلَاءِ نَاسٌ لَيْسَ مَعَهُمْ قُرْآنٌ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّيْ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاتِهٖ،فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَصَابُوْا وَنِعْمَ مَا صَنَعُوْا (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں مسجد میں تشریف لائے، تو دیکھا کہ لوگ مسجد کے ایک کونے میں (باجماعت تراویح کی) نماز پڑھ رہے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟

جواب دیا گیا کہ ان لوگوں کو قرآن یاد نہیں ہے، اور حضرت ابی بن کعب ان کو (قرآن مجید کے ساتھ) نماز پڑھا رہے ہیں، اور یہ لوگ ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے درست اور بہت اچھا عمل کیا (ابوداؤد)

---

[1] رقم الحديث ۱۳۷۷، ابواب قيام الليل،باب فى قيام شهر رمضان؛ سنن البيهقى ،رقم الحديث ۴۲۸۳ ؛ صحيح ابنِ حبان،رقم الحديث ۲۵۴۱ ؛فصل فى التراويح، قيام الليل وقيام رمضان وكتاب الوترلمحمد بن نصر المروزى، ج ا ص۲۱۷ ؛ صحيح ابن خزيمة،رقم الحديث ۲۲۰۸ ، باب إمامة القارء الأميين فى قيام شهر رمضان مع الدليل على أن صلاة الجماعة فى قيام رمضان سنة النبى صلى الله عليه وسلم لا بدعة كما زعمت الروافض.

فائدہ: یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن درجہ میں داخل ہے۔ [1]

---

[1] امام ابوداؤد نے مسلم بن خالد کے حوالے سے یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

ليس هذا الحديث بالقوى مسلم بن خالد ضعيف (ابو داوٗد، تحت رقم الحديث ١٣٧٧، باب فى قيام شهر رمضان)

مگر یہ حدیث حسن درجے میں داخل ہے؛ ایک تو اس وجہ سے کہ مسلم بن خالد کو ابنِ معین نے ثقہ اور ایک روایت میں لیس بہ بأس فرمایا ہے، اور ابنِ عدی نے ان کو حسن الحدیث اور لابأس بہ فرمایا ہے۔

أشار أبو داود إلى تضعيف الحديث بقوله " :مسّلم بن خالد ضعيف "وقال البخارى: منكر الحديث، وقال ابن المدينى :ليس بشىء، وقال أبو حاتم :ليس بذاك القوى، منكر الحديث، لا يكتب حديثه، لا يحتج به، تعرف وتنكر، وقال صاحب "الكمال :" وقال يحيى بن معين :ثقة .وفى رواية :ليس به بأس، وقال ابن عدى :هو حسن الحديث، وأرجو أنه لا بأس به (شرح ابى داوٗد للعينى، ج٥ص ٢٨٢، باب فى قيام شهر رمضان)

اور دوسرے اس وجہ سے کہ یہ روایت مسلم بن خالد کے علاوہ دوسرے طریقے سے بھی حسن درجے میں منقول ہے۔

چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ورواه أيضا مسلم بن خالد الزنجى، عن العلاء بن عبد الرحمن عن أبيه عن أبى هريرة بنحو من ذلك (فضائل الاوقات للبيهقى، تحت رقم الحديث ١٢٣، باب صلاة التراويح فى شهر رمضان)

اور امام بیہقی رحمہ اللہ سنن الکبریٰ میں فرماتے ہیں کہ:

أنبأ أبو زكريا بن أبى إسحاق، وأبو بكر أحمد بن الحسن القاضى، وأبو عبد الرحمن السلمى، قالوا :ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب، أنبأ بحر بن نصر قال :قرء على عبد الله بن وهب أخبرك عبد الرحمن بن سلمان، وبكر بن مضر، عن ابن الهاد، أن ثعلبة بن أبى مالك القرظى، حدثه قال :خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فى رمضان فرأى ناسا فى ناحية المسجد يصلون، فقال " :ما يصنع هؤلاء ؟ "قال قائل :يا رسول الله، هؤلاء ناس ليس معهم قرآن وأبى بن كعب يقرأ وهم معه يصلون بصلاته قال " :قد أحسنوا، أو قد أصابوا "ولم يكره ذلك لهم.

وأنبأ أبو عبد الله الحافظ، وأبو سعيد بن أبى عمرو قالا :ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب أنبأ الربيع بن سليمان، ثنا ابن وهب، أخبرنى بكر بن مضر، وعبد الرحمن بن سلمان الحجرى، فذكره بمثله قال ابن وهب :وأحدهما يزيد على صاحبه الكلمة ونحوها قال الشيخ :هذا مرسل حسن ثعلبة بن أبى مالك القرظى من الطبقة الأولى من تابعى أهل المدينة وقد أخرجه ابن منده فى الصحابة، وقيل له رواية، وقيل :سنه سن عطية القرظى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ فِيْ خَبَرِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ: وَقَدْ أَعْلَمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ يَؤُمُّ قَوْمًا لَيْسَ مَعَهُمْ قُرْآنٌ ، فَصَوَّبَ فِعْلَهُمْ ، فَقَالَ: أَصَابُوْا، أَوْ نِعْمَ مَا صَنَعُوْا (صحيح ابن خزيمة) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أسرا يوم قريظة ولم يقتلا وليست له صحبة(سنن الكبرىٰ للبيهقى، تحت رقم الحديث ۴۲۸۲، كتاب الصلاة، باب من زعم أنها بالجماعة أفضل لمن لا يكون حافظا للقرآن)

اس وجہ سے ابوداؤد وغیرہ کے حوالے سے وارد حدیث بھی حسن درجے میں داخل ہے۔

أخبرنا محمد بن عبد الله الحافظ ، حدثنا أبو أحمد بكر بن محمد الصيرفى بمرو ، حدثنا عبد الصمد بن الفضل البلخى ، حدثنا على بن إبراهيم ، حدثنا عبد الله بن سعيد بن أبى هند ، عن أبى النضر ، عن بسر بن سعيد ، عن زيد بن ثابت ، قال :احتجر رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المسجد حجرة يعنى من حصير ، فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج من الليل فيصلى فيها ، قال :فيتبع له رجال ، فكانوا إذا رأوه يصلى صلى الله عليه وسلم يصلون بصلاته ، وكانوا يأتون كل ليلة ، حتى إذا كان ليلة من الليالى لم يخرج إليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فرفعوا أصواتهم وحصبوا بابه ، فخرج إليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم مغضبا ، فقال لهم : أيها الناس ما زال بكم صنيعكم حتى ظننت أن ستكتب عليكم ، فعليكم بالصلاة فى بيوتكم فإن خير صلاة المرء فى بيته إلا الصلاة المكتوبة قال رضى الله عنه :ومن قال :إن فعل صلاة التراويح بالجماعة أفضل حمل حديث زيد بن ثابت على غير صلاة التراويح أو على زمان النبى صلى الله عليه وسلم حين كان يخشى أن تكتب عليهم (فضائل الاوقات للبيهقى ،رقم الحديث ۱۲۴ ، باب صلاة التراويح فى شهر رمضان)

یہی وجہ ہے کہ ناصرُ الدین البانی صاحب نے بھی اس کا حسن ہونا تسلیم کیا ہے۔

أما الإقرار فلحديث ثعلبة بن أبى مالک القرظى قال :(حسن) خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فى رمضان فرأى ناسا فى ناحية المسجد يصلون فقال :ما يصنع هؤلاء ؟ قال قائل : يا رسول الله هؤلاء ناس ليس معهم قرآن وأبى بن كعب يقرأ وهم معه يصلون بصلاته فقال " :قد أحسنوا "أو "قد أصابوا "ولم يكره ذلک منهم رواه البيهقى(۲/۴۹۵)وقال هذا مرسل حسن. قلت :وقد روى موصولا من طريق آخر عن أبى هريرة بسند لابأس به فى المتابعات والشواهد أخرجه ابن نصر فى قيام الليل (صلاة التراويح للالبانى، ج ۱، ص ۱۰، الناشر :مكتبة المعارف للنشر والتوزيع -الرياض)

[1] ج۳ص ۳۳۹، كتاب الصيام،باب استحباب صلاة النساء جماعة مع الإمام فى قيام رمضان،جماع ابواب ذكر ابواب قيام شهر رمضان.

ترجمہ: ابوبکر ابنِ خزیمہ نے حضرت ابو ہریرہ کی مذکورہ حدیث کے بارے میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی خبر دیدی، کہ حضرت ابی بن کعب جو اُن لوگوں کی امامت فرمارہے ہیں، جن کو قرآن یاد نہیں ہے، اُن کا فعل درست ہے، اسی لیے فرمایا کہ انہوں نے صحیح کام کیا، یا اچھا عمل کیا (ابنِ خزیمہ)

نیز امام ابنِ خزیمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث پر مندرجہ ذیل باب قائم فرمایا ہے کہ:

بَابُ إِمَامَةِ الْقَارِءِ الْأُمِّيِّيْنَ فِيْ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ مَعَ الدَّلِيْلِ عَلٰى أَنَّ صَلَاةَ الْجَمَاعَةِ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ سُنَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بِدْعَةٌ كَمَا زَعَمَتِ الرَّوَافِضُ (صحيح ابنِ خزيمة) [1]

ترجمہ: یہ باب ہے ماہِ رمضان کے قیام میں قاری کے اُمیوں کی امامت کرنے کا، اس دلیل کے ساتھ کہ رمضان کی تراویح کی جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، نہ کہ بدعت، جیسا کہ روافض کا گمان ہے (ابنِ خزیمہ)

اس معتبر حدیث اور محدثین کی مذکورہ وضاحت کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ تراویح کی نماز قرآن مجید کی قرائت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں بھی ادا کی جاتی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اچھا عمل قرار دیا ہے، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے علاوہ فعل اور تقریر سے بھی ثابت ہے، اس لیے یہ سنت ہے اور بدعت نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حفاظِ کرام کی کثرت تھی، اس لئے اکثر خود اپنی تراویح میں قرآن مجید پڑھ لیا کرتے تھے، اور ایسے حضرات کم تھے جو خود قرآن مجید یا اس کے حصہ کے حافظ نہ ہوں۔

اور اس کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور آپ کے بعد دیگر خلفائے راشدین نے

---

[1] ج۳ص ۳۳۹، كتاب الصيام، جماع ابواب ذكر ابواب قيام شهر رمضان.

بھی اس عمل کو اپنایا، تو اس عمل کا سنت ہونا ورزیادہ واضح اور صاف ہوگیا، جس کا ذکر آتے آتا ہے۔ [1]

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مذکورہ حدیث میں یہ وہی ابی بن کعب ہیں، جن کی اقتداء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں کو تراویح میں جمع کیا۔

جب تراویح میں قرآن مجید پڑھایا سنا جاتا ہے تو اس کی فضیلت عام تراویح کی فضیلت سے بڑھ جاتی ہے۔

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبریلِ امین کے ساتھ رمضانُ المبارک میں قرآن مجید کے دَور کرنے اور سننے سنانے کا معمول بھی تھا، اس اعتبار سے رمضانُ المبارک میں قرآن سُننا اور سُنانا رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریلِ امین کی مشترکہ سنت ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ، وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ، وَكَانَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ، حَتّٰى يَنْسَلِخَ، يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ، فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ (بخاری) [2]

---

[1] دلالته على تقرير التراويح بالجماعة من النبى صلى الله عليه وسلم ظاهرة، فكان سنة التقرير والرضا (اعلاء السنن ج۷ص ۶۹، باب التراويح)

ففيه مايدل على ان اجتماعهم لقيام رمضان كان لختم القرآن فحسب، فان قوله " هؤلاء ناس ليس معهم القرآن" ليس معناه انهم لايقدرون على قراء ة قدر ماتجوزبه الصلاة فان ذالک بعيد عن الصحابة الكائنين بالمدينة جدا، بل معناه ليس معهم القرآن كله (اعلاء السنن ج۷ص ۷۴، باب التراويح)

[2] رقم الحديث ۱۹۰۲، كتاب الصوم، باب :أجود ما كان النبى صلى الله عليه وسلم يكون فى رمضان، واللفظ لهٗ، مسلم، رقم الحديث ۲۳۰۸"۵۰"، كتاب الفضائل، باب كان النبى صلى الله عليه وسلم أجود الناس بالخير من الريح المرسلة.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں صدقہ خیرات کے کاموں میں سب سے زیادہ سخی تھے، اور آپ کی زیادہ سخاوت رمضان کے مہینے میں اس وقت ہوتی تھی، جب آپ سے جبریل ملاقات کرتے تھے، اور آپ سے جبریل علیہ السلام رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے تھے، یہاں تک کہ رمضان ختم نہیں ہوجاتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جبریل کو قرآن سناتے تھے، پس جب آپ سے جبریل علیہ السلام ملاقات کرتے تھے، تو آپ صدقہ وخیرات کے کاموں میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوجایا کرتے تھے (بخاری)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِيْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ وَكَانَ يَلْقَاهُ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ فَلَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں جب جبریل آپ سے ملاقات کرتے تھے تو آپ بہت زیادہ سخی اور فیاض ہوجاتے تھے اور جبریل آپ سے رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے تھے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سُننے سُنانے کا عمل کیا کرتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی اور خیر کے کاموں میں تیز ہوا سے بھی زیادہ فیاضی وسخاوت فرماتے تھے (بخاری؛ مسند احمد)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ:

وَكَانَ يُعْرَضُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي

---

[1] رقم الحديث ٦، باب بدء الوحي، واللفظ لهٗ؛ نسائي، رقم الحديث ٢٠٩٥؛ مسند احمد، رقم الحديث ٢٦١٦.

قُبِضَ فِيهِ عُرِضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ (ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر سال ایک مرتبہ قرآن پیش کیا جاتا تھا، پھر جب آپ کے وصال والا سال آیا، تو اس میں آپ پر دو مرتبہ قرآن پیش کیا گیا (ابنِ ماجہ)

ممکن ہے کہ آخری سال میں آپ پر جبریل کے ذریعہ دو مرتبہ قرآن پیش کئے جانے کا عمل اس لئے کیا گیا ہو کہ عمر کے آخری حصے میں نیک عمل کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

پس باجماعت تراویح کی صورت میں جب قرآن مجید تراویح میں پڑھا جاتا ہے، تو امام اور مقتدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریلِ امین کی اس مشترک اور بابرکت سنت کی ادائیگی میں شرکت کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں۔

جو لوگ قرآن کریم پڑھے ہوئے نہیں ہیں وہ بھی تراویح میں قرآن مجید سن کر قرآن کے بیش بہا فضائل کی سعادت حاصل کر سکتے ہیں۔ [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

---

[1] رقم الحديث ۱۷۶۹، كتاب الصيام، بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاعْتِكَافِ.

[2] والأظهر فى الجمع بين الحديثين أنه كانت القراء ة معارضة ومدارسة بينه وبين جبريل - عليهما الصلاة والسلام -فمرة هذا يقرأ ومرة هذا يقرأ، وهو يحتمل احتمالين :أحدهما وهو الأظهر أن جبريل كان يقرأ أولا بعضا من القرآن ثم يعيده بعينه -صلى الله عليه وسلم -احتياطا للحفظ، واعتمادا للضبط، وثانيهما أن أحدهما يقرأ عشرا مثلا والآخر كذلک، وهو المدارسة المتعارفة بين القراء ، ويؤيد ما قلنا أنه ورد فى بعض الروايات فى النهاية كان يعارضه القرآن، أى يدارسه من المعارضة المقابلة ومنه عارضت الكتاب بالكتاب، أى قابلته به، والله أعلم (وكان) ، أى غالبا (يعتكف كل عام عشرا) ، أى من آخر رمضان (فاعتكف عشرين) بكسر العين والراء ، وفى نسخة بفتحهما على التثنية (فى العام الذى قبض) ، أى توفى فيه، ولعل وجه التضعيف فى العام الآخر من العرض والاعتكاف إعلامه بقرب وفاته، وتنبيه لأمته أن يتأكد على كل إنسان فى أواخر حياته أن يستكثر من الأعمال الصالحة، وأن يكون على غاية من الاستعداد للقائه تعالى، والقيام بين يديه، ويحتمل أنه وقع كل ختم فى عشر (رواه البخارى) قال ميرک :ورواه أبو داود وابن ماجه، وقد جعل المؤلف هذا والذى قبله حديثا واحدا، وليس كذلک بل هما حديثان، الأول متفق عليه، والثانى من أفراد البخارى قاله الجزرى (مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۴۴۷، ۱۴۴۸، كتاب الصوم، باب الاعتكاف)

وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ، يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ، وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمِ السَّكِيْنَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ، وَمَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ، لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ (مسلم) [1]

ترجمہ: اور جو شخص کسی راستے پر چلا، جس میں وہ علم کو تلاش کر رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف کے راستے کو سہل بنا دیتے ہیں، اور جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتابُ اللہ کی تلاوت اور باہم درس وتدریس کرتی ہے، تو ان لوگوں پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، اور ان کا ذکر، اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتے ہیں، اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا (یعنی عمل خراب ہونے کی صورت میں حسب ونسب اور خاندان کا اچھا ہونا انسان کی نجات کا سامان نہیں کرتا) (مسلم)

اور مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

مَا مِنْ قَوْمٍ يَجْتَمِعُوْنَ فِيْ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، يَقْرَءُ وْنَ وَيَتَعَلَّمُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ يَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ، إِلَّا حَفَّتْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ، وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَسْلُكُ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ بِهِ الْعِلْمَ، إِلَّا سَهَّلَ لَهٗ بِهٖ أَوْ سُهِّلَ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ، وَمَنْ يُبْطِئُ بِهٖ عَمَلُهٗ، لَا يُسْرِعُ بِهٖ نَسَبُهٗ

(مسنداحمد، رقم الحديث ۹۲۷۴) [2]

---

[1] رقم الحديث ۲۶۹۹ "۳۸" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر.

[2] في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين .أبو عوانة :هو الوضاح بن عبد الله اليشكرى.

ترجمہ: اور جو قوم بھی اللہ عزوجل کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوکر اللہ عزوجل کی کتاب کی قرأت اور تعلیم حاصل کرتی ہے، اور باہم درس وتدریس کرتی ہے، تو ان لوگوں کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اوران کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اوران کا ذکر، اللہ تعالیٰ اپنے پاس کی مخلوق (یعنی فرشتوں) میں کرتے ہیں، اور جو شخص بھی کسی راستے پر چلا، جس میں وہ علم کو تلاش کررہا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف راستے کو سہل بنادیتے ہیں، اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا (مسند احمد)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

مَـا جَلَـسَ قَـوُمٌ فِیُ بَیُـتٍ مِـنُ بُیُـوُتِ اللّٰـهِ یَدُرِسُوُنَ کِتَـابَ اللّٰـهِ ویَتَـعَـاطَـوُنَـهُ بَیُنَهُمُ، إِلَّا کَانُوُا أَضُیَافَ اللّٰهِ، وَأَظَلَّتُ عَلَیُهِ الُمَلَائِکَةُ بِأَجُنِحَتِهَا مَا دَامُوُا فِیُهِ حَتّٰی یَخُوُضُوُا فِیُ حَدِیُثٍ غَیُرِهٖ، وَمَا سَلَکَ رَجُلٌ فِیُ طَرِیُقٍ یَبُتَغِیُ فِیُهِ الُعِلُمَ إِلَّا سَهَّلَ اللّٰهُ لَـهُ بِهٖ سَبِیُلًا إِلَی الُجَنَّةِ وَمَنُ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهُ لَمُ یُسُرِعُ بِهٖ نَسَبُهُ (شعب الإیمان للبیهقی) [1]

ترجمہ: جو قوم بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر اللہ کی کتاب کی درس وتدریس کرتی ہے، اور کتابُ اللہ کو ایک دوسرے سے حاصل کرتی (سُنتی اور سیکھتی) ہے، تو وہ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں، اوران پر فرشتے اپنے پروں سے سایہ کرلیتے ہیں، جب تک کہ وہ کتاب اللہ کی درس وتدریس اور ایک دوسرے سے حاصل کرنے میں مشغول رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہوجائیں، اور جو شخص بھی کسی راستے میں علم کو تلاش کرنے کے لئے چلتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے ذریعہ سے جنت کی طرف کے راستے کو

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۶۱، ورقم الحدیث ۱۸۷۲، الدعاء لمحمد بن فضیل الضبی، رقم الحدیث ۱۰۱، اخلاق اهل القرآن للآجری، رقم الحدیث ۲۱.

آسان بنادیتے ہیں، اور جس کا عمل سست ہو، تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا (بیہقی)

ان روایات سے قرآن مجید کو تراویح میں بھی پڑھنے اور سننے کی فضیلت معلوم ہوئی کہ اس عمل میں شریک لوگ، اللہ عزوجل کے مہمان ہوتے ہیں، فرشتے ان پر سایہ فگن ہوتے ہیں، اور ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس فرشتوں کے سامنے ان کا ذکر فرماتے ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَرَأَ رَجُلٌ الْكَهْفَ، وَفِي الدَّارِ دَابَّةٌ فَجَعَلَتْ تَنْفِرُ، فَنَظَرَ فَإِذَا ضَبَابَةٌ، أَوْ سَحَابَةٌ قَدْ غَشِيَتْهُ، قَالَ: فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اِقْرَأْ فُلَانُ، فَإِنَّهَا السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ عِنْدَ الْقُرْآنِ، أَوْ تَنَزَّلَتْ لِلْقُرْآنِ (مسلم) [1]

ترجمہ: ایک آدمی سورہ کہف کی قرائت کر رہا تھا، اور گھر میں ایک چوپایہ تھا، جس نے بِدکنا شروع کیا، تو اس آدمی نے اچانک ایک سائے یا بادل کو دیکھا، جس نے اسے ڈھانپ لیا تھا، پھر اس آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے فلاں شخص قرآن مجید کی قرائت کرتے رہو (کچھ اندیشہ نہ کرو) کیونکہ یہ سکینہ ہے، جو قرآن کے نزدیک یا قرآن کے لئے نازل ہوتا ہے (مسلم)

اسی طرح کا واقعہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ انہوں نے رات کو قرآن مجید کی قرائت کرنے کے وقت میں اپنے سر کے اوپر ایک سایہ دیکھا، جس کے

---

[1] رقم الحدیث ۷۹۵" ۲۴۱"کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر، واللفظ لہ، بخاری، رقم الحدیث ۵۰۱۱، ورقم الحدیث ۳۶۱۴، مسند احمد، رقم الحدیث ۱۸۵۰۹.

بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد مرتبہ ذکر کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

تِلْکَ الْمَلَائِکَةُ کَانَتْ تَسْتَمِعُ لَکَ، وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ یَرَاهَا النَّاسُ مَا تَسْتَتِرُ مِنْهُمْ(مسلم) [1]

ترجمہ: یہ فرشتے تھے، جو آپ کی قرائت کو سن رہے تھے، اور اگر آپ صبح تک قرائت کرتے رہتے، تو آپ پر سایہ کئے ہوئے بعض فرشتوں کو لوگ بھی دیکھ لیتے (مسلم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی قرائت کرنا، اور اس کو سننا وسیکھنا رحمت اور سکینہ اور فرشتوں کی حاضری کا سبب ہے۔ [2]

اور مذکورہ فضیلت اُن لوگوں کے حق میں بھی ثابت ہے جو تراویح میں قرآن مجید پڑھ اور سُن رہے ہوں۔ [3]

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید کا تلاوت کرنا اور سُننا دونوں عبادت ہیں۔

---

[1] رقم الحديث ٦٧٩٦ "٢٢٤٢" كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر.

[2] وفى هذا الحديث جواز رؤية آحاد الأمة الملائكة وفيه فضيلة القراءة وأنها سبب نزول الرحمة وحضور الملائكة وفيه فضيلة استماع القرآن قوله صلى الله عليه وسلم اقرأ فلان وفى الرواية الأخرى اقرأ ثلاث مرات معناه كان ينبغى أن تستمر على القرآن وتغتنم ما حصل لك من نزول السكينة والملائكة وتستكثر من القراءة التى هى سبب بقائها (شرح النووى على مسلم، ج٦ ص ٨٢، باب نزول السكينة لقراءة القرآن)

[3] (والتعاطى التناول) يقال هو يتعاطى كذ أى يتناوله (و) قيل هو (تناول ما لا يحق و) قيل هو (التنازع فى الاخذ) يقال تعاطو الشء إذا تناوله بعض من بعض وتنازعوه (تاج العروس من جواهر القاموس، فصل العين، مادة "عطو")

التلاوة تأتى بمعنى الإتباع وهى تقع بالجسم تارة وتارة بالاقتداء فى الحكم وتارة بالقراءة وتدبر المعنى قال الراغب التلاوة فى عرف الشرع تختص باتباع كتب الله المنزلة تارة بالقراءة وتارة بامتثال ما فيها من أمر ونهى وهى أعم من القراءة فكل قراءة تلاوة من غير عكس (عمدة القارى للعينى، ج٢٥ ص ١٨٦، كتاب تفسير القرآن، باب قول الله تعالى كل الطعام كان حلا لبنى إسرائيل الخ)

اورقرآن مجید کو رمضانُ المبارک سے خاص مناسبت ہے، قرآنِ کریم رمضان المبارک میں نازل ہوا، اور رمضان میں تراویح کے تقرر کا ایک مقصد بھی قرآن مجید کا پڑھنا اور سننا ہے۔

دن کو روزے میں مشغولیت اور رات کو تراویح میں کھڑے ہو کر ذوق وشوق سے قرآن کریم پڑھنا یا سننا اس سے مؤمن کے دل میں ایک عجیب کیف پیدا ہوتا ہے، دل کی صلاحیتیں سدھرنے اور ابھرنے لگتی ہیں۔ [1]

تراویح کی نماز کو احادیث میں قیام سے تعبیر کیا گیا ہے، اور جب تراویح میں قرآن مجید پڑھا جاتا ہے، تو اس سے قیام کا یہ مقصد زیادہ بہتر طریقہ پر حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَیْ رَبِّ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ مَنَعْتُهُ

---

[1] قلت لا شک ان فی الجهر بالقران أحاديث كثيرة والآثار من الصحابة والتابعين اكثر من ان تحصى لكن فيمن لا يخاف رياء ولا إعجابا ولا غيرهما من القبائح ولا يؤذى جماعة يلبس عليهم صلواتهم ويخلطها عليهم فمن خاف شيئا من ذلک فلا يجوز له الجهر وان لم يخف استحب الجهر فان كانت القراء ة فى جماعة مجتمعين مستمعين تأكد استحباب الجهر لكن لا يجوز كمال الجهر وان يجهد الرجل نفسه فى الجهر لقوله تعالى ودون الجهر من القول روى محمد ص فى موطاه عن مالک عن عمه ابى سهيل عن أبيه ان عمر بن الخطاب كان يجهر بالقراء ة فى الصلاة وانه كان يسمع قراء ة عمر بن الخطاب عند دار ابى جهيم فقال محمد الجهر بالقران فى الصلاة فيما يجهر بالقراء ة حسن ما لم يجهد الرجل نفسه والله اعلم.

فان قيل الجهر بالذكر والدعاء بدعة والسنة فيهما الإخفاء كما مر المسألة فى تفسير قوله تعالى ادعوا ربكم تضرعا وخفية فما وجه الفرق بين الذكر وقراء ة القران مع ان القراء ة ايضا ذكر .

قلنا القران مشتمل على الوعظ والقصص الموجبة للعبرة والاحكام ونظمه معجز جاذب للقلوب السقيمة الى الإسلام ولذا قال الله تعالى وان أحد من المشركين استجارک فاجره حتى يسمع كلام الله وقراء ته باللسان عبادة زائدة على الذكر الذى هو عبادة عن طرد الغفلة عن الجنان وإسماعه غيره عبادة اخرى مرغوبة عند الرحمن بخلاف الذكر والدعاء فان المقصود من الدعاء الاجابة ومن الذكر النسيان عما يشغله من العزيز المنان حتى يسقط عن بصيرته نفس الذكر بل الذاكر ايضا ولا يبقى فى بصيرته الا الواحد القهار(التفسير المظهرى، ج۳ص۴۵۴،تحت آيت ۲۰۵، من سورة الاعراف)

النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ قَالَ فَيُشَفَّعَانِ(مسند احمد) [1]

ترجمہ: روزہ اورقرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے، روزہ عرض کرے گا کہ:
اے میرے رب! میں نے اس بندے کو دن میں کھانے پینے اور نفس کی خواہش پوری کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرمایئے (اوراس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرمایئے) اورقرآن کہے گا کہ:
اے میرے رب! میں نے اس بندے کو رات کو سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرمایئے (اوراس کے ساتھ رحمت ومغفرت کا معاملہ فرمایئے)
چنانچہ روزہ وقرآن دونوں کی سفارش اس بندے کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اوراس کے لئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرمادیا جائے گا) (مسند احمد)

اس حدیث میں ایک ساتھ روزہ اورقرآن مجید کی سفارش کا ذکر ہے کہ وہ قیامت کے دن بندے کی سفارش کریں گے اوراُن دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔

---

[1] رقم الحديث ٦٣٣٧، المعجم الكبير للطبراني رقم الحديث٨٨، مستدرک حاکم رقم الحديث ٢٠٣٦.

قال احمد بن أبي بكر بن إسماعيل البوصيري:رواه أبويعلى الموصلي وفي سنده ابن لهيعة، لكن رواه أحمد بن حنبل والطبراني في الكبير ورجالهما رجال الصحيح ورواه ابن أبي الدنيا بإسناد حسن والحاكم وصححه .(اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة،ج٣ص٦٧،باب في صوم شهر رمضان وفضله)

وقال الهيثمي : رواه أحمد والطبراني في الكبير ، ورجال الطبراني رجال الصحيح (مجمع الزوائدج٣ص ١٨١)

وقال في موضع آخر:رواه أحمد ، وإسناده حسن على ضعف في ابن لهيعة ، وقد وثق (مجمع الزوائد،ج١٠ ص ٣٨١،باب شفاعة الأعمال)

وقال المنذري:رواه أحمد والطبراني في الكبير ورجاله محتج بهم في الصحيح ورواه ابن أبي الدنيا في كتاب الجوع وغيره بإسناد حسن والحاكم وقال صحيح على شرط مسلم(الترغيب والترهيب ج ٢ ص ٥٠)

وقال الالباني: وجملة القول أن الحديث حسن الإسناد (تمام المنة في التعليق على فقه السنة،ج١،ص٣٩٥، الناشر :المكتبة الإسلامية ، دار الراية للنشر)

اور جب رمضانُ المبارک میں دن کے وقت روزہ رکھا جائے اور رات کو تراویح میں قرآن مجید کی تلاوت یا اُس کی سماعت کی جائے، تو یہ دونوں مقصد ایک ساتھ حاصل ہو جاتے ہیں۔

قرآن مجید کی سفارش کرنے اور اُس کی سفارش قبول کیے جانے کا اور احادیث میں بھی ذکر ہے، جن میں سے کچھ آگے آتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَحَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَااَقُوْلُ الٓمّٓ حَرْفٌ وَلٰكِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کتابُ اللہ کا ایک حرف بھی پڑھتا ہے اس کو اس کے بدلے میں ایک نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے (بلکہ) الف ایک حرف، لام ایک حرف، اور میم ایک حرف ہے (ترمذی)

یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٢٩١٠، ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء فيمن قرأ حرفا من القرآن ماله من الأجر.
قال الترمذی: ويروى هذا الحديث من غير هذا الوجه عن ابن مسعود ، رواه أبو الأحوص، عن ابن مسعود، رفعه بعضهم ووقفه بعضهم عن ابن مسعود "، :هذا حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه سمعت قتيبة بن سعيد، يقول :بلغنى أن محمد بن كعب القرظی ولد فی حياة النبی صلى الله عليه وسلم ومحمد بن كعب يكنى أبا حمزة "

[2] عن عوف بن مالک الأشجعی قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من قرأ حرفا من القرآن كتبت له حسنة، ولا أقول (الم ذلک الكتاب)ولكن الألف حرف، واللام حرف، والميم حرف، والذال حرف، واللام حرف، والكاف حرف .لا يروى هذا الحديث عن عوف بن مالک إلا بهذا الإسناد، تفرد به :سليمان بن بلال(المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحديث ٣١٤)
عن أبی الأحوص، عن عبد الله رضی الله عنه، عن النبی صلى الله عليه وسلم قال :إن هذا القرآن مأدبة الله فاقبلوا من مأدبته ما استطعتم، إن هذا القرآن حبل الله، والنور المبين، والشفاء النافع عصمة لمن تمسک به، ونجاة لمن تبعه، لا يزيغ فيستعتب، ولا يعوج فيقوم، ولا تنقضی عجائبه، ولا يخلق من كثرة الرد، اتلوه فإن الله يأجركم على تلاوته كل حرف عشر حسنات، أما إنی لا أقول الم حرف، ولكن ألف ولام وميم .هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه بصالح بن عمر (مستدرک حاکم، رقم الحديث ٢٠٤٠)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اُن کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَبْتَغِيْ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ كَانَ لَهُ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمَحْوُ عَشْرِ سَيِّئَاتٍ (مصنف ابن أبى شيبة) [1]

ترجمہ: جس نے قرآن کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے (یعنی اخلاص کے ساتھ) پڑھا، تو اُس کو ہر حرف پر دس نیکیاں حاصل ہوں گی، اور دس گناہ مٹا دیے جائیں گے (ابنِ ابی شیبہ)

اس سے قرآن مجید اخلاص کے ساتھ پڑھنے کی عظیم فضیلت معلوم ہوئی۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۳۰۵۵۵، كتاب فضائل القرآن، باب ثواب من قرأ حروف القرآن.

[2] وعن ابن مسعود قال قال رسول الله من قرأ حرفا أى قابلا للإنفصال أو المراد به مثلا من كتاب الله أى القرآن فله به حسنة أى عطية والحسنة بعشر أمثالها أى مضاعفة بالعشر وهو أقل التضاعف الموعود بقوله تعالى من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها والله يضاعف لمن يشاء الأنعام وللحرم مزية على غيره والحرف يطلق على حرف الهجاء والمعانى والجملة المفيدة والكلمة المختلف فى قراء تها وعلى مطلق الكلمة ولذا قال عليه الصلاة والسلام لا أقول ألم حرف ألف بالسكون على الحكاية وقيل بالتنوين حرف ولام حرف وميم حرف قال الطيبى مسمى ألف حرف والاسم ثلاثة أحرف وكذا مسمى ميم وهو مه حرف لما تقرر أن لفظه ميم اسم لهذا المسمى فحمل الحرف فى الحديث على المذكورات مجازا لأن المراد منه فى ضرب الله مثلا كل واحد من ضه وره وبه وعلى هذا إن أريد بألم مفتتح سورة الفيل يكون عدد الحسنات ثلاثين وإن أريد به مفتتح سورة البقرة وشبهها بلغ العدد تسعين اه ولا يخفى أن الوجه الأول بعيد إذ الرواية ألم بالمد لا بفتح اللام وسكون الميم وعلى الوجه الثانى المناسب أن يقال فأحرف بدل ميم حرف إلا أن يقال أنه عليه الصلاة والسلام ذكر من ألم من كل كلمة حرفا وأن يلاحظ المسميات نظرا إلى أن ألم عبارة إجمالية عن تلك المسميات وليس المقصود أداء نفس الأسماء ويمكن أن يوجه الوجه الأول بأن مراده أن فى فاتحة سورة البقرة يكون عدد الحسنات تسعين وفى فاتحة سورة الفيل يكون عددها ثلاثين كما هو عبارة المختصر ولا يريد أن لفظ الحديث يحتملهما لأنه جاء صريحا فى رواية ابن أبى شيبة والطبرانى من قرأ حرفا من القرآن كتب له به حسنة لا أقول ألم ذلك الكتاب ولكن الألف واللام والميم والذال واللام والكاف اه وظاهره أن المعتبر فى الحساب الحروف المكتوبة لا الملفوظة وفى رواية للبيهقى لا أقول بسم الله ولكن باء وسين وميم ولا أقول ألم ولكن الألف واللام والميم رواه الترمذى والدارمى وقال الترمذى هذا حديث صحيح غريب إسنادا أى لا متنا تمييز عن نسبة غريب وقال ووقفه عليه بعضهم وعن الحارث الأعور تابعى من أصحاب على قال مررت فى المسجد أى بناس جالسين قال الطيبى فى المسجد ظرف والمرور به محذوف يدل عليه قوله فإذا الناس يخوضون أى يدخلون دخول مبالغة (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، كتاب فضائل القرآن)

نیز اس حدیث میں حروف مقطعات (یعنی الٓمّٓ) پر بھی ہر حرف کے بدلہ میں دس نیکیاں ملنے کا ذکر ہے جبکہ حروف مقطعات کے معنیٰ اللہ ہی کو معلوم ہیں بندوں کو ان کے معنیٰ کا علم نہیں۔ [1] اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید بغیر سمجھے پڑھنے اور سننے پر بھی ثواب ملتا ہے اگرچہ وہ سمجھ کر پڑھنے اور سننے کے برابر نہیں ہوتا۔ [2]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْقُرْآنُ مُشَفَّعٌ وَمَاحِلٌ مُصَدَّقٌ

---

[1] (بيان الأقوال الواردة فى الحروف المقطعة التى فى أوائل السور) اختلف أهل التأويل فى الحروف التى فى أوائل السور، فقال عامر الشعبى وسفيان الثورى وجماعة من المحدثين: هى سر الله فى القرآن، ولله فى كل كتاب من كتبه سر. فهى من المتشابه الذى انفرد الله تعالى بعلمه، ولا يجب أن يتكلم فيها، ولكن نؤمن بها ونقرأ كما جاء ت. وروى هذا القول عن أبى بكر الصديق وعن على بن أبى طالب رضى الله عنهما. وذكر أبو الليث السمرقندى عن عمر وعثمان وابن مسعود أنهم قالوا: الحروف المقطعة من المكتوم الذى لا يفسر. وقال أبو حاتم: لم نجد الحروف المقطعة فى القرآن إلا فى أوائل السور، ولا ندرى ما أراد الله عز وجل بها. قلت: ومن هذا المعنى ما ذكره أبو بكر الأنبارى: حدثنا الحسن بن الحباب حدثنا أبو بكر بن أبى طالب حدثنا أبو المنذر الواسطى عن مالك بن مغول عن سعيد بن مسروق عن الربيع بن خثيم قال: إن الله تعالى أنزل هذا القرآن فاستأثر منه بعلم ما شاء، وأطلعكم على ما شاء، فأما ما استأثر به لنفسه فلستم بنائليه فلا تسألوا عنه، وأما الذى أطلعكم عليه فهو الذى تسألون عنه وتخبرون به، وما بكل القرآن تعلمون، ولا بكل ما تعلمون تعملون. قال أبو بكر: فهذا يوضح أن حروفا من القرآن سترت معانيها عن جميع العالم، اختبارا من الله عز وجل وامتحانا، فمن آمن بها أثيب وسعد، ومن كفر وشك أثم وبعد (تفسير القرطبى، ج ۱، ص ۱۵۴، سورة البقرة، تحت آية ۱)

[2] آج کل بعض لوگ قرآنِ کریم کو دوسری کتابوں پر قیاس کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک کسی کتاب کے معنیٰ نہ سمجھیں تو اس کے الفاظ طوطے کی طرح پڑھنا پڑھانا فضول اور وقت ضائع کرنا ہے، لیکن ان لوگوں کا یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں قرآنِ کریم کو دوسری کتابوں پر قیاس کرنا غلط ہے، کیونکہ قرآن الفاظ اور معنیٰ دونوں کا نام ہے، جس طرح اس کے معانی کا سمجھنا اور اس کے دیئے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض اور اعلیٰ عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کی تلاوت بھی ایک مستقل عبادت ہے اور عظیم ثواب ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا میں تشریف لانے کے مقاصد یا آپ کے نبوت کے عہدہ اور رسالت کے منصبی فرائض تین بیان کئے گئے ہیں، یعنی تین کاموں کے لئے آپ کو بھیجا گیا ہے۔ ایک تلاوت کتاب اللہ، دوسرے تعلیم کتاب وحکمت، تیسرے لوگوں کا تزکیہ اخلاق وغیرہ (سورہ بقرہ آیت ۲۹) اور یہ تینوں علیحدہ علیحدہ مستقل عبادات ہیں۔ (ملاحظہ ہو معارف القرآن ج ۱ ص ۳۳۲ و ۳۳۳ و ج ۵ ص ۲۲۰، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تلاوتِ قرآن" از حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الٰہ آبادی رحمہ اللہ)

مَنْ جَعَلَهُ إِمَامَهُ قَادَهُ إِلَى الْجَنَّةِ وَمَنْ جَعَلَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ سَاقَهُ إِلَى النَّارِ (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۱۲۴، کتاب العلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن (اہلِ قرآن کے حق میں) سفارش کیا ہوا ہے، اور (قرآن اہلِ قرآن کا) دفاع کرے گا، اور قرآن مجید تصدیق کیا ہوا ہے، جس نے قرآن کو اپنا پیشوا بنایا، تو یہ اُسے جنت کی طرف لے جائے گا، اور جس نے اس کو اپنی پیٹھ کے پیچھے کیا، تو وہ اُسے جہنّم میں لے جائے گا (ابنِ حبان)

مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید عظیم صفات کا حامل ہے، اور اس کو پیشوا بنانے والے کو یہ سفارش کر کے اور اس کی حفاظت کا سامان کر کے جنت میں پہنچانے کا ذریعہ ہوگا۔

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِقْرَءُ وْا الْقُرْآنَ؛ فَإِنَّهُ شَافِعٌ لِأَصْحَابِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِقْرَءُ وْا الزَّهْرَاوَيْنِ: اَلْبَقَرَةَ، وَآلَ عِمْرَانَ؛ فَإِنَّهُمَا يَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ، أَوْ كَأَنَّهُمَا غَيَايَتَانِ، أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ يُحَاجَّانِ عَنْ أَهْلِهِمَا، ثُمَّ قَالَ: اِقْرَءُ وْا الْبَقَرَةَ؛ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ (مسند أحمد، رقم الحدیث ۲۲۱۴۶) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن کی تلاوت کیا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرے گا، دو روشن سورتیں یعنی سورہ بقرہ اور آلِ عمران کی تلاوت کیا کرو، کیونکہ یہ دونوں سورتیں قیامت کے دن سائبانوں کی شکل یا پرندوں کی دو صف بستہ ٹولیوں کی شکل

---

[1] فی حاشیة ابنِ حبان: إسناده جید، رجاله رجال الشیخین غیر عبد الله بن الأجلح، فإنه لم یخرجا له، ولا أحدهما، وهو صدوق.

[2] فی حاشیة مسند احمد: حدیث صحیح.

میں آئیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کا دفاع کریں گی پھر فرمایا کہ سورہ بقرہ کی تلاوت کیا کرو کیونکہ اس کا حاصل کرنا برکت اور چھوڑنا حسرت ہے اور باطل والے (جادوگر) اس (سورہ بقرہ کے توڑ) کی طاقت نہیں رکھتے (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يُقَالُ، يَعْنِي لِصَاحِبِ الْقُرْآن: اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَتَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُ بِهَا (ترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا کہ آپ (قرآن مجید کی) قراءت کیجئے، اور چڑھیے، اور قرآن مجید کو اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے، جس طرح آپ دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے، پس آپ کا مقام اُس آیت کے آخر پر ہوگا، جس کی آپ قراءت کریں گے (ترمذی)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَإِنَّ الْقُرْآنَ يَلْقٰى صَاحِبَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِيْنَ يَنْشَقُّ عَنْهُ قَبْرُهٗ كَالرَّجُلِ الشَّاحِبِ، فَيَقُوْلُ لَهٗ: هَلْ تَعْرِفُنِيْ؟ فَيَقُوْلُ: مَا أَعْرِفُكَ فَيَقُوْلُ: أَنَا صَاحِبُكَ الْقُرْآنُ الَّذِيْ أَظْمَأْتُكَ فِي الْهَوَاجِرِ وَأَسْهَرْتُ لَيْلَكَ، وَإِنَّ كُلَّ تَاجِرٍ مِنْ وَرَاءِ تِجَارَتِهٖ، وَإِنَّكَ الْيَوْمَ مِنْ وَرَاءِ كُلِّ تِجَارَةٍ فَيُعْطَى الْمُلْكَ بِيَمِيْنِهٖ، وَالْخُلْدَ بِشِمَالِهٖ، وَيُوضَعُ عَلٰى رَأْسِهٖ تَاجُ الْوَقَارِ، وَيُكْسٰى وَالِدَاهُ حُلَّتَيْنِ لَا يُقَوَّمُ لَهُمَا أَهْلُ الدُّنْيَا فَيَقُوْلَانِ: بِمَ كُسِيْنَا هٰذَا؟ فَيُقَالُ: بِأَخْذِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ، ثُمَّ يُقَالُ لَهٗ: اِقْرَأْ وَاصْعَدْ

---

[1] رقم الحديث ۲۹۱۴، ابواب فضائل القرآن؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۱۴۶۴.
قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح حدثنا بندار قال: حدثنا عبد الرحمن بن مهدی، عن سفيان، عن عاصم، بهذا الإسناد نحوه.

فِيْ دَرَجِ الْجَنَّةِ وَغُرَفِهَا، فَهُوَ فِيْ صُعُوْدٍ مَا دَامَ يَقْرَأُ، هَذًّا كَانَ، أَوْ تَرْتِيْلًا (مسند احمد) [1]

ترجمہ: اور قیامت کے دن جب انسان کی قبر شق ہوگی تو قرآن اپنے پڑھنے والے سے جو لاغر آدمی کی طرح ہوگا ملے گا اور اس سے کہے گا کہ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا کہ میں تمہیں نہیں پہچانتا، قرآن کہے گا کہ میں تمہارا وہی ساتھی قرآن ہوں جس نے تمہیں سخت گرم دوپہروں میں پیاسا رکھا اور راتوں کو جگایا، ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہوتا ہے، اور آپ آج ہر تجارت کے پیچھے ہوں گے، چنانچہ اس کے دائیں ہاتھ میں (جنت کی) حکومت اور بائیں ہاتھ میں ہمیشہ (جنت کا آرام وسکون) دے دیا جائے گا اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا اور اس کے والدین کو ایسے جوڑے پہنائے جائیں گے جن کی قیمت ساری دنیا کے لوگ مل کر بھی ادا نہ کرسکیں گے اس کے والدین معلوم کریں گے کہ ہمیں یہ لباس کس سبب سے پہنایا گیا؟ تو جواب دیا جائے گا کہ تمہاری اولاد کے قرآن حاصل کرنے کی برکت سے، پھر اس سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھنا اور جنت کے درجات اور بالاخانوں پر چڑھنا شروع کردو چنانچہ جب تک وہ پڑھتا رہے گا چڑھتا رہے گا خواہ تیزی کے ساتھ پڑھے یا ٹھہر ٹھہر کر (اس کی تلاوت اور قرائت کے مطابق ہی درجات حاصل ہوں گے) (مسند احمد)

اس طرح کا مضمون دوسری سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٢٢٩٥٠؛ شرح السنة للبغوی، ج۴، ص ۴۵۴، باب فضل سورة البقرة وآل عمران.
قال البغوی: هذا حديث حسن غريب.
وفی حاشية مسند احمد: إسناده حسن فی المتابعات والشواهد من أجل بشير بن المهاجر الغَنَوی، وباقی رجاله ثقات رجال الشيخين.

[2] عن أبی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تعلموا البقرة، فإن أخذها بركة، وتركها حسرة، ولا يطيقها البطلة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترتیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید پڑھنا جس میں ہر حرف اور اُس کی حرکات وسکنات خوب واضح ہوں، زیادہ اجروثواب اور فضیلت کا باعث ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :يجيء القرآن يوم القيامة كالرجل الشاحب، يقول لصاحبه :هل تعرفني؟ أنا الذى كنت أسهر ليلك، وأظمء هواجرك، وإن كل تاجر من وراء تجارته، وأنا لك اليوم من وراء كل تاجر، فيعطى الملك بيمينه، والخلد بشماله، ويوضع على رأسه تاج الوقار، ويكسى والداه حلتان، لا يقوم لهما الدنيا وما فيها، فيقولان :يا رب، أنى لنا هذا؟ فيقال لهما :بتعليم ولدكما القرآن، وإن صاحب القرآن يقال له يوم القيامة :اقرأ، وارق فى الدرجات، ورتل كما كنت ترتل فى الدنيا، فإن منزلك عند آخر آية معك(المعجم الأوسط، رقم الحديث ۵۷۶۴)

قال الهيثمي: رواه الطبراني فى الأوسط، وفيه يحيى بن عبد العزيز الحماني، وهو ضعيف (مجمع الزوائد، ج۷ص۱۶۰، باب فضل القرآن، باب منه فى فضل القرآن ومن قرأه)

عن يحيى بن أبى كثير قال بلغنا أن القرآن يأتى يوم القيامة فى صورة الشاحب المنافر فيقول لصاحبه تعرفنى فيقول من أنت فيقول أنا خليلك وأنا ضجيعك وأنا شفيقك وأنا الذى كنت اسهر ليلك وأنصب نهارك وأزول معك حيث ما زلت كان كل تاجر قد أصاب من تجارته وأنا اليوم لك من وراء كل تاجر فيعطى الملك بيمينه والخلد بشماله ويوضع تاج الوقار على رأسه ويقال له أذهب فى نعيم مقيم ويكسى أبواه حلتين لم تقم بهما الدنيا فيقولان أى هذا ولم نعمل له فيقول بأخذ ابنكما القرآن ثم يقال اقرا وارق فمن كان يرتله فبحساب ذلك ومن كان يهذه فبحساب ذلك (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۶۰۱۴)

قال الالباني: الحديث حسن أو صحيح، لأن له شاهدا من حديث بريدة بن الحصيب مرفوعا بتمامه......والحديث بتمامهله شاهد آخر من رواية يحيى بن أبى كثير بلاغا .أخرجه عبد الرزاق عن معمر عنه .فهو بلاغ صحيح (سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۲۸۲۹)

عن عبد الله بن بريدة، عن أبيه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :يجيء القرآن يوم القيامة كالرجل الشاحب فيقول لصاحبه :أنا الذى أسهرت ليلك، وأظمأت هواجرك "(مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ۲۲۹۷۶)

فى حاشية مسند احمد: إسناده حسن فى المتابعات والشواهد كسابقه .وأخرجه ابن ماجه من طريق وكيع بن الجراح، بهذا الإسناد.

[1] ورتل القرآن ترتيلا ط عطف على قم الليل وما قيل الترتيل مندوب اجماعا فعطفه على القيام يقتضى كون الأمر بالقيام ايضا للندب فليس بشىء عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقال لصاحب القران اقرأ وارتق ورتل كما كنت ترتل فى الدنيا فان منزلتك عند اخر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور کچھ تیز پڑھنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ اتنا تیز نہ ہو کہ جس میں حروف کٹ جائیں یا اپنے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

آية تقرء ها رواه احمد والترمذی وابو داود والنسائی والترتیل عبارة عن إرسال الكلمة من الفم بسهولة واستقامة كذا فی الصراح وفی القاموس نحوه وعن ابن عباس معناه بينه بيانا وعن الحسن نحوه وقال مجاهد ترتيل فيه ترسلا عن قتادة قال سئل عن انس رض كيف كانت قراء ة النبی صلی الله عليه وسلم فقال كانت مدا ثم قرأ بسم الله الرحمن الرحيم يمد ببسم الله ويمد بالرحمن يمد بالرحيم رواه البخاری قلت معنی قوله يمد ببسم الله ويمد بالرحمن ويمد بالرحيم انه يظهر فيه الالف من الله بعد اللام ومن الرحمن بعد الميم بقدر حركة واما مد الرحيم فيجوز فيه المد بقدر الحركتين واربع وست عند الوقف وفی الوصل لا يجوز الا بقدر حركة اجمع عليه القراء وعن أم سلمة انها سئل عن قراء ة النبی صلی الله عليه وسلم فاذا هی تنعت قراء ة مفسرة حرفا حرفا رواه الترمذی وابو داود والنسائی وعنهما قالت كان رسول الله صلی الله عليه وسلم يقطع قراء ته يقول الحمد لله رب العلمين ثم يقف ثم يقول الرحمن الرحيم ثم يقف رواه الترمذی قلت ويتضمن الترتيل تحسين الصوت بالقرآن عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ما اذن الله لشیء ما اذن لنبی يتغنی بالقران متفق عليه وفی رواية عنه ما اذن الله ما اذن لنبی حسن الصوت بالقران يجهر به متفق عليه وعنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ليس منا من لم يتغن بالقران رواه البخاری وليس المراد الا تحسين الصوت كما خرج به فی بعض الروايات دون إخراجه علی وجه الغناء فانه حرام ممنوع عن حذيفة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم اقرؤا القران بلحون العرب وأصواتها وإياكم ولحون اهل العشق ولحون اهل الكتابين وسيجیء بعدی قوم يرجعون بالقران ترجيع الغناء والنوح لا يتجاوز حناجرهم مفتونة قلوبهم وقلوب الذين يعجبهم شانهم رواه البيهقی فی شعب (فائدة) والحكمة فی الترتيل التدبر فی معانی القران والألفاظ بموعظة والخوف عند اية الوعيد والرجاء عند اية الوعد ونحو ذلک روی البغوی عن ابن مسعود رض قال لا تنثروه نثر الدقل ولا تهزوه هذا الشعر قفوا عند عجائبه وحركوا به القلوب ولا يكن بهم أحدكم اخر السورة وعن حذيفة رض قال صليت مع رسول الله صلی الله عليه واله وسلم صلوة الليل فما مر باية فيها ذكر الجنة الا وقف وسال الله الجنة وما مر باية فيها ذكر النار الا وقف وتعوذ من النار وعن عبيد المليكی وكانت له صحبة قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم يا اهل القران لا تتوسدوا القران واتلوه حق تلاوته اناء الليل والنهار وأفشوه وتغنوه وتدبروا ما فيه لعلكم تفلحون ولا تعجلوا هرابه فان له ثوابا رواه البيهقی فی الشعب وعن سهل بن عبد الساعدی قال بينا نحن نقرأ إذ خرج علينا رسول الله صلی الله عليه وسلم فقال الحمد لله كتاب الله واحد وفيكم الأخيار وفيكم الأحمر والأسود والأبيض اقرؤا القران قبل ان يأتی أقوام يقرأونه يقيمون حروفه كما يقام السهم ولا يجاوز تراقيهم يتعجلون اجره ولا يتاجلونه(التفسير المظهری، ج١٠ ص١٠٤، ١٠٥ ،تحت سورة المزّمّل)

مخارج سے نہ نکلیں، مگر اس کی فضیلت پہلے کے مقابلہ میں کم ہے۔ [1]

صاحبِ قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کرتا ہو، اور اُس پر عمل کرتا ہو، جس کے اولین مصداق قرآن مجید کے حفاظ ہیں، جن کو وقار کا تاج پہنایا جائے گا، اور اُن کے والدین کو عمدہ ترین لباس پہنایا جائے گا۔

اور قرآن پڑھنے کے ساتھ چڑھتے جانے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ جس طرح کی قراءت کرے گا، اس کو اُسی طرح کا جنت میں مقام حاصل ہوگا۔

پس جو اچھے طریقے سے قراءت کرے گا، اُس کو اُسی طرح کا مقام حاصل ہوگا، اور جو اچھی قرائت کے ساتھ قرآن مجید کے علوم سے بھی واقف ہوگا اُس کو اُس کے مطابق زیادہ عظیم اجر وانعام حاصل ہوگا۔ [2]

---

[1] قوله وما يكره أن يهذ كهذ الشعر كأنه يشير إلى أن استحباب الترتيل لا يستلزم كراهة الإسراع وإنما الذى يكره الهذ وهو الإسراع المفرط بحيث يخفى كثير من الحروف أو لا تخرج من مخارجها (فتح البارى لابن حجر، ج۹، ص ۸۹،قوله باب الترتيل فى القراءة)

قوله " :أهَذا "الألف فيه للاستفهام، أى :أتهذ هذا كهذ الشعر، والهذ سرعة القراءة، أى :بسرعة كسرعة من يسرع فى قراء الشعر .وقال الشيخ محى الدين :الهذ -بتشديد الذال -هو شدة الإسراع، والإفراط فى العجلة، ففيه النهى عن الهذ، والحث على الترتيل، والتدبر، وبه قال جمهور العلماء ، قال القاضى :وأباحت طائفة قليلة الهذ، وقال فى " :كهذ الشعر "معناه فى تحفظه وروايته، لا فى إنشاده وترنمه، لأنه يرتل فى الإنشاد والترنم فى العادة (شرح ابى داوٗد للعينى، ج۵، ص ۳۰۱،كتاب الصلاة، باب تحزيب القرآن)

ويسن ترتيل القراءة :قال الله تعالى (ورتل القرآن ترتيلا) وثبت فى الأحاديث الصحيحة أن قراءة رسول الله صلى الله عليه وسلم كانت مرتلة واتفقوا على كراهة الإفراط فى الإسراع ويسمى الهذ (المجموع شرح المهذب، ج۲ ص۱۶۵ ،باب ما يوجب الغسل)

[2] (وعن عبد الله بن عمرو قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-يقال) ، أى عند دخول الجنة وتوجه العاملين إلى مراتبهم على حسب مكاسبهم (لصاحب القرآن) ، أى من يلازمه بالتلاوة والعمل لا من يقرؤه وهو يلعنه (اقرأ وارتق) ، أى إلى درجات الجنة أو مراتب القرب (ورتل) ، أى لا تستعجل فى قراءتک فى الجنة التى هى لمجرد التلذذ والشهود الأكبر كعبادة الملائكة (كما كنت ترتل) ، أى قراءتک، وفيه إشارة إلى أن الجزاء على وفق الأعمال كمية وكيفية (فى الدنيا) من تجويد الحروف ومعرفة الوقوف الناشء عن علوم القرآن ومعارف الفرقان (فإن منزلک عند آخر آية تقرؤها)(مرقاةالمفاتيح، ج۴ص ۱۴۶۹ ، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثانى)

ایک روایت میں قرآن مجید پڑھ کر اُس پر عمل کرنے والے کے گھر والوں کے حق میں دس افراد کی شفاعت کا ذکر آیا ہے۔

مگر وہ روایت سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:اَلْمَاہِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَۃِ الْکِرَامِ الْبَرَرَۃِ، وَالَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَتَتَعْتَعُ فِیْہِ، وَہُوَ عَلَیْہِ شَاقٌّ، لَہٗ أَجْرَانِ(مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی قرآن میں ماہر ہو وہ معزز اور بزرگی والے فرشتوں کے ساتھ ہے اور جو قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اسے پڑھنے میں دشواری پیش آتی ہے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے(مسلم؛ بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ جو قرآن مجید کا ماہر ہو، اور روانی کے ساتھ قرآن مجید ترتیل سے پڑھتا ہو، اُس کا مقام ومرتبہ زیادہ ہے؛ اور جس کو روانی میں دشواری ودقت پیش آتی ہو، اُس کے لئے دو اجر ہیں، ایک قرآن مجید پڑھنے کا اور ایک دُشواری کی کلفت برداشت کرنے کا۔ [3]

---

[1] عن علی بن أبی طالب، قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :من قرأ القرآن واستظھرہ، فأحل حلالہ، وحرم حرامہ أدخلہ اللہ بہ الجنۃ وشفعہ فی عشرۃ من أھل بیتہ کلھم قد وجبت لہ النار(سنن الترمذی، رقم الحدیث ۲۹۰۵؛ مسند احمد، رقم الحدیث ۱۲۶۸)

قال الترمذی:ھذا حدیث غریب لا نعرفہ إلا من ھذا الوجہ ولیس لہ إسناد صحیح، وحفص بن سلیمان أبو عمر بزاز کوفی یضعف فی الحدیث(انتھیٰ کلامہ)

وفی حاشیۃ مسند احمد: إسنادہ ضعیف جداً لضعف عمرو بن عثمان الرقی وحفص أبی عمر -وھو ابن سلیمان البزاز القارء-، ولجھالۃ کثیر بن زاذان۔

[2] رقم الحدیث ۷۹۸”۲۴۴“کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل الماھر فی القرآن، والذی یتتعتع فیہ،واللفظ لہٗ؛ بخاری، رقم الحدیث ۴۹۳۷.

[3] (وعن عائشۃ -رضی اللہ عنھا -قالت :قال رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم :-الماھر بالقرآن) ، أی الحاذق من المھارۃ وھی الحذق، جاز أن یرید بہ جودۃ الحفظ أو جودۃ اللفظ وأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ:إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا تَسَوَّکَ، ثُمَّ قَامَ یُصَلِّیْ قَامَ الْمَلَکُ خَلْفَهٗ، فَتَسَمَّعَ لِقِرَاءَ تِهٖ فَیَدْنُوْ مِنْهُ أَوْ کَلِمَةً نَحْوَهَا حَتّٰی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يريد به كليهما وأن يريد به ما هو أعم منهما، وقال الطيبى :هو الكامل الحفظ الذى لا يتوقف فى القراءة ولا يشق عليه، قال الجعبرى فى وصف أئمة القراءة :كل من أتقن حفظ القرآن وأدمن درسه وأحكم تجويد ألفاظه وعلم مباديه ومقاطعه وضبط رواية قراءته وفهم وجوه إعرابه ولغاته ووقف على حقيقة اشتقاقه وتصريفه ورسخ فى ناسخه ومنسوخه وأخذ حظا وافرا من تفسيره وتأويله وصان نقله عن الرأى وتجافى عن مقاييس العربية ووسعته السنة وجلله الوقار وغمره الحياء وكان عدلا متيقظا ورعا معرضا عن الدنيا مقبلا على الآخرة قريبا من الله فهو الإمام الذى يرجع إليه ويعول عليه ويقتدى بأقواله ويهتدى بأفعاله (مع السفرة)جمع سافر وهم الرسل إلى الناس برسالات الله -تعالى -وقيل :السفرة الكتبة ذكره الطيبى، وقال ميرک :أى الكتبة جمع سافر من السفر، وأصله الكشف فإن الكاتب يبين ما يكتب ويوضحه، ومنه قيل للكتاب سفر بكسر السين لأنه يكشف الحقائق ويسفر عنها والمراد بها الملائكة الذين هم حملة اللوح المحفوظ كما قال -تعالى -(بأيدى سفرة -كرام بررة)سموا بذلک لأنهم ينقلون الكتب الإلهية المنزلة إلى الأنبياء فكأنهم يستنسخونها، قال ابن الملک :والمعنى الجامع بينهم كونه من خزنة الوحى وأمناء الكتب، قال ميرک :وقيل :المراد بها أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -لأنهم أول ما نسخوا القرآن، وقيل :السفرة الملائكة الكاتبون لأعمال العباد أو من السفار بمعنى الإصلاح فالمراد هم حينئذ الملائكة النازلون بأمر الله بما فيه مصلحة العباد من حفظهم عن الآفات والمعاصى وإلهامهم الخير فى قلوبهم، قال القاضى عياض :يحتمل أن يكون المراد بكونه مع الملائكة أن يكون له فى الآخرة منازل يكون فيها رفيقا للملائكة لاتصافه بصفتهم من حمل كتاب الله -تعالى -ويحتمل أن يراد أنه عامل بعملهم وسالک مسلكهم من كونهم يحفظونه ويؤدونه إلى المؤمنين ويكشفون لهم ما يلتبس عليهم فكذلک الماهر (الكرام) جمع الكريم، أى المكرمين على الله المقربين عند مولاه لعصمتهم ونزاهتهم عن دنس المعصية والمخالفة (البررة) جمع بار وهو المحسن، وقال الطيبى :أى المطيعون من البر وهو الطاعة يعنى هو مع الملائكة فى منازل الآخرة لاتصافه بصفتهم من حمل كتاب الله، ويحتمل أن يراد أن عامل عملهم وسالک مسلكهم فى حفظه وأدائه إلى المؤمنين (والذى يقرأ القرآن ويتتعتع فيه) ، أى يتردد ويتبلد عليه لسانه ويقف فى قراءته لعدم مهارته، والتعتعة فى الكلام التردد فيه من حصر أو عى، يقال :تعتع لسانه إذا توقف فى الكلام ولم يطعه لسانه (وهو) ، أى القرآن، أى حصوله أو تردده فيه (عليه) ، أى على ذلک القارء (شاق) ، أى شديد يصيبه مشقة جملة حالية (له أجران) ، أى أجر لقراءته وأجر لتحمل مشقته وهذا تحريض على تحصيل القراءة، وليس معناه أن الذى يتتعتع فيه له من الأجر أكثر من الماهر بل الماهر أفضل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

يَضَعَ فَاهُ عَلٰى فِيْهِ فَمَا يَخْرُجُ مِنْ فِيْهِ شَيْءٌ مِّنَ الْقُرْآنِ، إِلَّا صَارَ فِيْ جَوْفِ الْمَلَكِ، فَطَهِّرُوْا أَفْوَاهَكُمْ لِلْقُرْآنِ(مسند البزار) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب مسواک کرتا ہے، پھر کھڑے ہوکر نماز پڑھتا ہے، تو فرشتہ اس کے پیچھے کھڑا ہوجاتا ہے، اوراس کی قراءت کوسُنتا ہے، پھر فرشتہ اُس کے اور قریب ہوجاتا ہے، یا اسی طرح کا لفظ فرمایا، یہاں تک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأكثر أجرا مع السفرة وله أجور كثيرة حيث اندرج فى سلك الملائكة المقربين أو الأنبياء والمرسلين أو الصحابة المقربين(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۴۵۵، كتاب فضائل القرآن)

(الماهر بالقرآن) أى الحاذق به الذى لا يتوقف ولا يشق عليه قراء ته لجودة حفظه وإتقانه ورعاية مخارجه بسهولة من المهارة وهي الحذق (مع السفرة) الكتبة جمع سافر من السفر وأصله من الكشف فإن الكاتب يبين ما يكتبه ويوضحه ومنه قيل للكتاب سفر بكسر السين لأنه يكشف الحقائق ويسفر عنها والمراد الملائكة الذين هم حملة اللوح المحفوظ سموا بذلك لأنهم ينقلون الكتب الإلهية المنزلة إلى الأنبياء منه كأنهم يستنسخونها وقيل لأنهم يسافرون إلى الناس برسالات الله (الكرام) جمع كريم (البررة) أى المطيعون جمع بار بمعنى محسن ومعنى كونه رفيقا لهم أنه أحل مقامهم وأنزل منازلهم الرفيعة وأسكن مقاماتهم العالية من جوار الحق تعالى (إن المتقين فى جنات ونهر فى مقعد صدق عند مليك مقتدر) على قوة هذه الحالة تقول (إنا لله وإنا إليه راجعون) وقيل معناه كونه عاملا بعملهم بل أفضل فقد جاء فى بعض الطرق أن الملائكة لم يعطوا فضيلة حفظ القرآن وأنهم حريصون على استماعه من بنى آدم فأعظم بها من صفة شريفة وأى شيء أعظم من كلام رب العالمين الذى منه بدأ وإليه يعود؟ وقال القاضى :الماهر بالقرآن حافظ له أمين عليه يؤديه إلى المؤمنين يكشف لهم ما يلتبس عليهم معدود من عداد السفرة فإنهم الحاملون لأصله الحافظون له ينزلون به على أنبياء الله ورسله ويؤدون إليهم ألفاظه ويكشفون معانيه (والذى يقرؤه ويتتعتع) أى يتوقف فى تلاوته والتعتعة فى الكلام التردد فيه لحصر أو عى أو ضعف حفظ (وهو عليه) أى والحال أن القرآن على ذلك القارء (شاق له أجران) أى أجر بقراء ته وأجر بمشقته ولا يلزم من ذلك أفضلية المتتعتع على الماهر لأن كون الماهر مع السفرة أفضل من حصول أجرين بل الآجر الواحد قد يفضل أجورا كثيرة(فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ۹۱۶۵)

[1] رقم الحديث ۶۰۳، ج۲ص ۲۱۴، مسند على بن ابى طالب ، واللفظ لهٗ؛ الزهد والرقائق لابن المبارك، رقم الحديث ۱۲۲۴.

قال المنذرى:رواه البزار بإسناد جيد لا بأس به وروى ابن ماجه بعضه موقوفا ولعله أشبه(الترغيب والترهيب، ج ۱ ص ۱۰۲،الترغيب فى السواك وما جاء فى فضله)

وقال الهيثمى: رواه البزار ورجاله ثقات .قلت :روى ابن ماجه بعضه إلا أنه موقوف وهذا مرفوع(مجمع الزوائد، ج۲ص ۹۹،باب ما جاء فى السواك)

کہ فرشتہ اپنے منہ کو اُس کے منہ کے بالکل قریب کرلیتا ہے، پھر نماز پڑھنے والے کے منہ سے جو بھی قرآن کا لفظ نکلتا ہے، تو وہ فرشتہ کے اندر داخل ہوجاتا ہے، تو تم قرآن مجید کے لئے اپنے مونہوں کو پاک رکھو (بزار)

اس حدیث میں قرآن مجید کو منہ پاک اور صاف کرکے اور نماز میں پڑھنے کی فضیلت معلوم ہوئی، اور تراویح میں جو قرآن مجید پڑھا جاتا ہے، وہ بھی نماز میں پڑھا جاتا ہے، اس لئے اگر حافظِ قرآن تراویح میں قرآن مجید منہ پاک صاف کرکے پڑھے، تو اس کو بھی یقیناً یہ فضیلت حاصل ہوگی، اور اس کے واسطے سے اُس کے مقتدیوں کو بھی ان شاء اللہ تعالیٰ یہ فضیلت حاصل ہوگی۔

قرآن مجید ترتیل سے اور ٹھہر کر پڑھنے کے ساتھ قرآن مجید کو اچھی آواز کے ساتھ پڑھنا بھی فضیلت کا باعث ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّـهُ سَـمِـعَ رَسُـوْلَ الـلّٰـهِ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حُسْنَ الصَّوْتِ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ، يَجْهَرُ بِهٖ (مسلم) [1]

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کسی چیز کو اس طرح کان لگا کر (یعنی توجہ کے ساتھ) نہیں سنتا جتنا خوش آواز نبی کے بآوازِ بلند قرآن پڑھنے کو سنتا ہے (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَـالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ (بخاری) [2]

---

[1] رقم الحديث ٧٩٢ "٢٣٣" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن؛ ابو داؤد، رقم الحديث ١٤٧٣.

[2] رقم الحديث ٧٥٢٧، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: وأسروا قولكم أو اجهروا به، إنه عليم بذات الصدور، ألا يعلم من خلق وهو اللطيف الخبير.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کو خوش آوازی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں (بخاری)

قرآن مجید کیونکہ اللہ کا کلام ہے، اس وجہ سے اس کو لاپرواہی یا بھونڈی آواز کے ساتھ پڑھنا پسندیدہ نہیں، بلکہ خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا پسندیدہ ہے، بشرطیکہ خوش آوازی میں تجوید اور قرآن مجید کے الفاظ کی ترتیب وتنظیم کی رعایت کی جائے۔ [1]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: زَيِّنُوْا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ، فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا (مستدرک حاکم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کیا کرو، کیونکہ اچھی آواز قرآن کے حسن کو زیادہ کرتی ہے (حاکم)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: إِنَّ حُسْنَ الصَّوْتِ تَزْيِيْنٌ لِلْقُرْآنِ (مسند البزار) [3]

---

[1] (ليس منا) أى من العاملين بسنتنا الجارين على طريقتنا (من لم يتغن بالقرآن) يعنى لم يحسن صوته به لأن التطريب به أوقع فى النفوس وأدعى للاستماع والإصغاء وهى كالحلاوة التى تجعل فى الدواء لتنفيذه إلى أمكنة الداء وكالأفاوية التى يطيب بها الطعام ليكون الطبع أدعى قبولا له لكن شرطه أن لا يغير اللفظ ولا يخل بالنظم ولا يخفى حرفا ولا يزيد حرفا وإلا حرم إجماعا كما مر قال ابن أبى مليكة :فإن لم يكن حسن الصوت حسنه ما استطاع والقول بأن المراد يستغنى رده الشافعى بأنه لو أراد الاستغناء لقال من لم يستغن نعم اعترض التوربشتى الأول بعد ما رجح جانب معنى الاستغناء فقال :المعنى ليس من أهل سنتنا أو ممن تبعنا فى أمرنا وهو وعيد ولا خلاف بين الأمة أن قارء القرآن مثاب فى غير تحسين صوته فكيف يجعل مستحقا للوعيد وهو مأجور .قال الطيبى :ويمكن حمله على معنى التغنى أى ليس منا معشر الأنبياء من يحسن صوته بالقرآن ويستمع الله منه بل يكون من جملة من هو نازل عن مرتبتهم فيثاب على قراء ته كسائر المسلمين لا على تحسين صوته كالأنبياء ومن تبعهم فيه(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٧٦٩٠)

[2] رقم الحديث ٢١٢٥، ج١ ص٧٦٨، كتاب فضائل القرآن.

[3] رقم الحديث ١٥٥٣، ج٤ ص٣٥٣، مسند عبدالله بن مسعود رضى الله عنه ؛ مختصر قيام الليل لمحمد بن نصر المروزى، رقم الحديث ١٥١.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ فرمان سُنا کہ اچھی آواز قرآن کی زینت ہے (بزار)

قرآن مجید کو تجوید کے قواعد کی رعایت کے ساتھ ساتھ خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا قرآن مجید کے حُسن وتزیین کا باعث ہے، جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے، اوراس طرح قرآن مجید کی تلاوت اور اُس کی سماعت دِلوں میں زیادہ اَثر کرنے اور ایمان کی زیادتی اور قرآن مجید کے مضامین ومعانی میں تدبُّر اور غور وفکر کرنے کا ذریعہ ہے۔

مگر قرآن مجید میں خوش آوازی اُسی وقت تک مطلوب اور محمود و پسندیدہ ہے، جب تک اس کو اللہ کا کلام سمجھ کر پڑھا جائے، اوراس میں موسیقی اور گانے کے طرز وطریقہ سے بچا جائے۔ [1]

اسی وجہ سے کئی احادیث میں قرآن مجید کو اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے کی تفسیر اللہ کی خشیت وڈر سے کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ صَوْتًا بِالْقُرْآنِ، اَلَّذِیْ إِذَا سَمِعْتُمُوْهُ يَقْرَأُ، حَسِبْتُمُوْهُ يَخْشَى اللّٰهَ (سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں قرآن مجید کے ساتھ

---

[1] (زينوا بأصواتكم بالقرآن) أى الهجوا بقراء ته واشغلوا أصواتكم به واتخذوه شعارا وزينة لأصواتكم (فإن الصوت الحسن يزيد القرآن حسنا) وفى أدائه بحسن الصوت وجودة الأداء بعث للقلوب على استماعه وتدبره والإصغاء إليه قال التوربشتى :هذا إذا لم يخرجه التغنى عن التجويد ولم يصرفه عن مراعاة النظم فى الكلمات والحروف فإن انتهى إلى ذلك عاد الاستحباب كراهة وأما ما أحدثه المتكلفون بمعرفة الأوزان والموسيقى فيأخذون فى كلام الله مأخذهم فى التشبيب والغزل فإنه من أسوأ البدع فيجب على السامع النكير وعلى التالى التعزير وأخذ جمع من الصوفية منه ندب السماع من حسن الصوت وتعقب بأنه قياس فاسد وتشبيه للشىء بما ليس مثله وكيف يشبه ما أمر الله به بما نهى عنه(فيض القدير شرح الجامع الصغير، تحت رقم الحديث ۴۵۷۷)

[2] رقم الحديث ۱۳۳۹، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب فى حسن الصوت بالقرآن.

زیادہ اچھی آواز والا وہ شخص ہے کہ جب تم اُس کو قرائت کرتے ہوئے سُنو تو تم یہ سمجھو کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے (ابنِ ماجہ)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْسَنُ النَّاسِ صَوْتًا بِالْقُرْآنِ؟ قَالَ: مَنْ إِذَا سَمِعْتَ قِرَاءَ تَهٗ رَأَيْتَ أَنَّهٗ يَخْشَى اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ (المعجم الأوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قرآن مجید کے ساتھ زیادہ اچھی آواز والا کون شخص ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص ہے کہ جس کی قرائت کو آپ سُنیں تو آپ یہ سمجھیں کہ وہ اللہ عزوجل سے ڈرتا ہے (طبرانی)

اس قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۴۰۷۴، ج۲ص ۳۱۱، باب الالف؛ مسند الرویانی، رقم الحدیث ۱۴۰۴، تاریخ أصبهان، ج ۱، ص ۳۵۶.

قال الهيثمي: رواه الطبرانی فی الأوسط، وفيه حميد بن حماد بن خوار، وثقه ابن حبان، وقال: ربما أخطأ، وبقية رجال البزار رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۱۶۹۷، باب أی الناس أحسن قراء ة)

وقال ابن حجر: هذا حديث حسن (نتائج الأفكار فی تخريج أحاديث الأذكار، ج۳، ص ۲۲۰)

[2] عن طاووس، عن ابن عباس، قال: سئل النبی صلى الله عليه وسلم من أحسن الناس قراء ة؟ قال ": من إذا قرأ رأيت أنه يخشى الله عز وجل (شعب الإيمان، رقم الحديث۱۹۵۸)

عن طاووس، عن ابن عباس رضی الله تعالى عنه، قال: سأل النبی صلى الله عليه وسلم ": من أحسن الناس قراء ة؟ قال: من إذا سمعته يقرأ رأيت أنه يخشى الله (حلية الأولياء، للأصبهانی، ج ۲، ص۷۷)

ورواه الضياء فی "المختارة (۲/ ۱۳/ ۶۳) "من طريق سفيان عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس مثل لفظ الترجمة. ورجاله ثقات. فهو صحيح الإسناد إن كان ابن جريج سمعه من عطاء. وهو مما يرجح اللفظ الذی صححته من جهة (سلسلة الأحاديث الصحيحة، ج۴، ص ۱۱۲)

عن الزهری قال: بلغنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن من أحسن الناس صوتا بالقرآن، الذی إذا سمعته يقرأ، أريت أنه يخشى الله عز وجل (الزهد والرقائق لابن المبارک، رقم الحديث ۱۱۴)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جب تلاوت کرنے والا قرآن مجید کو اللہ کی کتاب سمجھ کر اچھی آواز کے ساتھ پڑھتا ہے، تو اُس میں یقیناً اللہ تعالیٰ کی خشیت اور خوف ہوتا ہے، جو اُس کی آواز سے ظاہر ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے وہ قرآن مجید کو دوسرے کلام اور بالخصوص موسیقی کے طرز سے پڑھنے سے اجتناب کرتا ہے؛ اس لئے قرآن مجید کو اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے میں جب اللہ تعالیٰ کی خشیت کے آثار ظاہر ہوں گے، تو اس کو اُس اچھی آواز سے پڑھنا قرار دیا جائے گا، جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ [1]

اور اگر اللہ تعالیٰ کی خشیت سے محروم ہو کر اور اس سے بڑھ کر موسیقی اور گانے کے طرز پر یا دنیاوی مال و دولت اور قدر و منزلت حاصل کرنے کے لئے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو پھر یہی تلاوت انسان کی ترقی کے بجائے تنزلی کا باعث ہو جاتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن طاووس ، قال :سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم :أى الناس أحسن قراء ة ؟ قال :الذى إذا سمعته يقرأ رأيت أنه يخشى الله(مصنف ابن أبى شيبة،رقم الحديث ۸۸۳۴،فى حسن الصوت بالقرآن)

قال ابن حجر:وهو مرسل حسن السند(نتائج الأفكارفى تخريج أحاديث الأذكار،ج۳،ص ۲۲۰)

[1] وعن طاووس مرسلا قال :سئل النبى -صلى الله عليه وسلم -أى الناس أحسن صوتا للقرآن) قيل :اللام للتبيين (وأحسن قراء ة) ، أى :ترتيلا وأداء (قال :من إذا سمعته يقرأ أريت) بصيغة المجهول، أى :حسبته وظننته (أنه يخشى الله) وتأثر قلبك منه، أو ظهر عليه آثار الخشية كتغير لونه، وكثرة بكائه، قال الطيبى :وكان الجواب من أسلوبه الحكيم حيث اشتغل فى الجواب عن الصوت الحسن بما يظهر الخشية فى القارىء والمستمع (قال طاووس :وكان طلق كذلك) : أى بهذا الوصف، قال الطيبى :هو أبو على طلق بن على بن عمرو النخعى اليمامى، ويقال أيضا :طلق بن يمامة وهو والد قيس بن طلق اليمامى اهـ .وذكره المؤلف فى الصحابة، وقال :روى عنه ابنه قيس (رواه الدارمى)(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۵۰۶، كتاب فضائل القرآن)

(أحسن الناس قراء ة) للقرآن القارء (الذى إذا قرأ رأيت) أى علمت (أنه يخشى الله) أى يخافه لأن القراءة حالة تقتضى مطالعة جلال الله وعرفان صفاته ولذلك الحال آثار تنشأ عنها الخشية من وعيد الله وزواجر تذكيره وقوارع تخويفه فمن تلبس بهذا الحال وظهرت عليه هيبة الجلال فهو أحسن الناس قراءة لما دل عليه حاله من عدم غفلة قلبه عن تدبر مواعظ ربه وخشية الله سبب لولوج نور اليقين فى القلب والتلذذ بكلام الرب ولم يكن كذلك فالقرآن لا تجاوز حنجرته (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۲۵۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَمَا إِنَّ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ (مسلم) [1]

ترجمہ: آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس کتاب کے ذریعے (بہت سی) قوموں کو بُلند کرتے ہیں، اور اُسی کے ذریعے سے دوسروں کو پست کرتے ہیں (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ جولوگ قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں، اور اُس کی تعظیم اور اُس پر عمل کرتے ہیں، اور اسی مقصد کے تحت اُس کی تلاوت کرتے ہیں، اُن کو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں بلند فرماتے ہیں، اور جولوگ اس کے برخلاف کرتے ہیں، اُن کو پست اور نیچا فرماتے ہیں۔ [2]

حضرت حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّهٗ مَرَّ عَلٰى قَارِءٍ يَقْرَأُ، ثُمَّ سَأَلَ فَاسْتَرْجَعَ،

---

[1] رقم الحديث ٨١٧ "٢٦٩" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل من يقوم بالقرآن، ويعلمه، وفضل من تعلم حكمة من فقه، أو غيره فعمل بها وعلمها.

[2] (وعن عمر بن الخطاب قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :- إن الله يرفع بهذا الكتاب) ، أى بالإيمان به وتعظيم شأنه والعمل به، والمراد بالكتاب القرآن البالغ فى الشرف وظهور البرهان مبلغا لم يبلغه غيره من الكتب المنزلة على الرسل المتقدمة (أقواما) ، أى درجة جماعات كثيرة فى الدنيا والآخرة بأن يحييهم حياة طيبة فى الدنيا ويجعلهم من الذين أنعم الله عليهم فى العقبى (ويضع به آخرين) ، أى الذين كانوا على خلاف ذلک من مراتب الكاملين إلى أسفل السافلين، قال -تعالى -(يضل به كثيرا ويهدى به كثيرا)فهو ماء للمحبوبين دماء للمحجوبين، وقال -عز وجل -(وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظالمين إلا خسارا)قال الطيبى :فمن قرأه وعمل به مخلصا رفعه الله، ومن قرأه مرائيا غير عامل به وضعه الله (رواه مسلم) وذكر البغوى بإسناده فى المعالم أن نافع بن الحارث لقى عمر بن الخطاب بعسفان وكان عمر قد استعمله على أهل مكة، فقال له عمر :من استخلفت على أهل الوادى، أى أهل مكة؟ قال :استخلفت عليهم ابن أبزى، فقال :ومن ابن أبزى؟ قال :مولى من موالينا، قال عمر : فاستخلفت عليهم مولى، قال :يا أمير المؤمنين إنه رجل قارء القرآن عالم بالفرائض قاض، فقال عمر :أما أن نبيكم -صلى الله عليه وسلم -قال " :إن الله -تعالى -يرفع بهذا القرآن أقواما ويضع به آخرين"(مرقاة المفاتيح ،ج۴ص۱۴۵۷ ،كتاب فضائل القرآن)

ثُمَّ قَالَ:سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ:مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللّٰهَ بِهٖ، فَإِنَّهُ سَيَجِيْءُ أَقْوَامٌ يَقْرَءُ وْنَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک قاری کے پاس سے گزرے جو قرائت کررہا تھا، پھراُس نے لوگوں سے مانگنا شروع کیا،تو حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا،اورفرمایا کہ میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جوقرآن پڑھے،اُسے چاہیے کہ قرآن کے ذریعے اللہ سے سوال کرے، کیونکہ عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جوقرآن کو پڑھ کراس کے ذریعے لوگوں سے سوال کریں گے (مسند احمد)

اس قسم کا مضمون اوراحادیث میں بھی آیا ہے۔ [2]

اس لئے تراویح میں بطورِ خاص قرآن مجید کی تلاوت تجوید کی رعایت کرتے ہوئے اچھی آواز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خشیت کوملحوظ رکھ کراوراغراضِ فاسدہ سے اپنے آپ کو بچا کر کرنی اورسننی چاہئے۔

پھرتراویح میں قرآن مجید پڑھنا اورسُننا قابلِ رشک عمل ہونے کے علاوہ قرآن مجید کو یاد رکھنے اوربھولنے سے بچنے کا اہم ذریعہ ہے، کیونکہ کئی احادیث میں قرآن مجید کودن کے علاوہ

---

[1] رقم الحديث ۲۹۱۷، ابواب فضائل القرآن،مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۸۸۵.
قَال الترمذی.هذا حديث حسن ليس إسناده بذاک.
وفی حاشية مسند احمد: حسن لغيره.

[2] قال عبد الرحمن بن شبل :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " :اقرء وا القرآن، ولا تغلوا فيه، ولا تجفوا عنه، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به "(مسند أحمد، رقم الحديث ۱۵۵۲۹)

فی حاشية مسند احمد:حديث صحيح، وهذا إسناد قوى، رجاله ثقات رجال الشيخين، غير أبى راشد الحُبرانى، فقد روى له البخارى فى "الأدب المفرد "، وأبو داود، والترمذى، وابن ماجه، وروى عنه جمع، ووثقه العجلى، وابن حبان، والحافظ ابن حجر فى "التقريب."

رات کے اندر تلاوت کرنے، اور اس کی نگرانی کرنے کو عظیم فضیلت کا سبب اور قرآن مجید کی حفاظت کا باعث قرار دیا گیا ہے، اور تراویح میں تلاوت کرنے اور سننے سے یہ مقاصد بآسانی حاصل ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا حَسَدَ إِلَّا فِيُ اِثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرُآنَ فَهُوَ يَتْلُوْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسد صرف دو آدمیوں پر کیا جا سکتا ہے، ایک وہ آدمی جسے اللہ نے قرآن دیا اور وہ اس کو رات دن پڑھتا ہو اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اسے دن رات (اللہ کی رضا کے کاموں میں) خرچ کرتا ہو (بخاری؛ مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو رات دن تلاوت کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے، حدیث میں حسد سے مراد یہی چیز ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرُآنِ، كَمَثَلِ صَاحِبِ الْإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ، إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمُسَكَهَا، وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتُ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحبِ قرآن کی مثال ایسی ہے

---

[1] رقم الحدیث ۷۵۲۹، کتاب التوحید، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم " :رجل آتاہ اللہ القرآن فھو یقوم بہ آناء اللیل وآناء النھار الخ؛ مسلم، رقم الحدیث ۸۱۵"۲۶۶"

[2] رقم الحدیث ۵۰۳۱، کتاب فضائل القرآن، باب استذکار القرآن وتعاھدہ، مسلم، رقم الحدیث ۷۸۹"۲۲۶"؛ مسند احمد، رقم الحدیث ۴۶۶۵.
فی حاشیۃ مسند احمد: إسنادہ صحیح علی شرط الشیخین.

جیسے کسی اونٹ والے کا اونٹ بندھا ہوا ہو، اگر اس نے اُونٹ کی نگہبانی کی تو وہ محفوظ رہے گا اور اگر اسے چھوڑ دیا تو وہ چلا جائے گا (بخاری؛مسلم؛مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِئْسَ مَا لِأَحَدِهِمْ أَنْ يَّقُوْلَ نَسِيْتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ، بَلْ نُسِّيَ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْآنَ، فَإِنَّهُ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بُری بات ہے کہ تم میں سے کوئی یہ کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا، بلکہ (یہ کہے کہ) وہ بھلادی گئی، اور تم لوگ قرآن کو یاد رکھو اس لیے کہ یہ (قرآن) لوگوں کے سینوں سے نکل جانے میں اونٹ سے زیادہ بھاگ جانے والا ہے (بخاری)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر قرآن مجید کی تلاوت ونگرانی کا اہتمام نہ کیا جائے تو وہ سینہ سے نکل جاتا ہے، جو کہ شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ عمل ہے۔

اور تراویح میں قرآن مجید کی تلاوت وسماعت اس کی نگرانی اور یاد رکھنے کا عظیم ذریعہ ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَامَ صَاحِبُ الْقُرْآنِ فَقَرَأَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ذَكَرَهُ وَإِذَا لَمْ يَقُمْ بِهِ نَسِيَهُ (مستخرج أبی عوانة) [2]

[1] رقم الحدیث ۵۰۳۲، کتاب فضائل القرآن، باب استذکار القرآن وتعاهده؛ مسلم، رقم الحدیث ۷۹۰ "۲۲۸"

[2] رقم الحدیث ۳۸۱۹، ج۲ص۴۵۷، باب ذکر الخبر الموجب لاستذکار القرآن ودراسته، دارالمعرفة، بیروت.

قال الالبانی: "إذا قام صاحب القرآن فقرأه بالليل والنهار ذكره، وإن لم يقم به نسيه ."أخرجه ابن نصر فی "قيام الليل "حدثنا يونس بن عبد الأعلى أخبرنی أنس بن عياض عن موسى بن عقبة عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلى الله عليه وسلم .قلت :وهذا إسناد صحيح رجاله كلهم ثقات رجال الشيخين(سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۵۹۷)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحبِ قرآن نے جب قیام کیا، پس اُس نے رات اور دن میں قرائت کی تو وہ اُسے یاد رہا، اور جب اُس نے قرآن مجید کے ساتھ قیام نہ کیا، تو وہ اسے بھول گیا (ابوعوانہ)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰـهِ صَـلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّمَا مَثَلُ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ الْإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ إِذَا عَاهَدَهَا صَاحِبُهَا عَلٰى عُقُلِهَا أَمْسَكَهَا، وَإِذَا أَغْفَلَهَا ذَهَبَتْ، إِذَا قَامَ صَاحِبُ الْقُرْآنِ فَقَرَأَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ذَكَرَهُ، وَإِذَا لَمْ يَقْرَأْهُ نَسِيَهُ (السنن الكبرى للنسائى) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کی مثال باندھے ہوئے اونٹ کے جیسی ہے، کہ جب اُونٹ کا مالک اُونٹ کی رسی کی نگرانی کرتا ہے، تو اُونٹ کو روکے رکھتا ہے، اور جب اونٹ سے غفلت کرتا ہے، تو اونٹ چلا جاتا ہے (اسی طرح) جب صاحبِ قرآن قیام کرتا ہے، پھر اُسے رات اور دن پڑھتا ہے، تو وہ اسے (یعنی قرآن کو) یاد رکھتا ہے، اور اگر اُس کو نہیں پڑھتا ہے، تو اُسے بھول جاتا ہے (سنن کبریٰ نسائی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو رات دن تلاوت کرنا اُس کی حفاظت کا باعث ہے۔ اور اگرچہ قیام کرنے سے مراد قرآن مجید کی تلاوت وحفاظت کا التزام کرنا ہو، لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر نماز میں کھڑے ہو کر تلاوت کی جائے تو قیام کی فضیلت اور قرآن مجید کی حفاظت زیادہ بہتر طریقہ پر حاصل ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۷۹۸۹، كتاب فضائل القرآن، باب نسيان القرآن، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت؛ شعب الإيمان للبيهقى، رقم الحديث ۱۸۱۱.

[2] (إذا قام صاحب القرآن) أى حافظه وكل شىء لازم شيئا فقد استصحبه (يقرأ) أى قارئا وفى نسخه فقرأ (بالليل والنهار) أى تعهد تلاوته ليلا ونهارا فلم يغفل عنه (ذكره) أى استمر ذاكرا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور تراویح میں قرآن مجید پڑھنے کے ذریعے سے یہ مقصد بآسانی حاصل ہوجاتا ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَرَأَ بِمِائَۃِ آیَۃٍ فِیْ لَیْلَۃٍ، کُتِبَ لَہُ قُنُوْتُ لَیْلَۃٍ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۶۰۵۸) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی نے ایک رات میں سو آیتیں پڑھیں، اس کے لئے ساری رات عبادت کا ثواب لکھا جائے گا (مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کے وقت میں سو آیات کی قرائت کرنے سے پوری رات عبادت کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اگر رمضان کی ایک رات کی تراویح میں ایک سپارہ بھی تلاوت کرلیا جائے تو اُس سے عموماً یہ تعداد پوری ہوجاتی ہے، اور مذکورہ فضیلت حاصل ہوجاتی ہے، بالفاظِ دیگر رمضان المبارک کی وہ بابرکت پوری رات عبادت کے ثواب میں شمار کی جاتی ہے، اور حافظِ قرآن کی اقتداء میں تراویح پڑھنے والوں کو بھی امام کے واسطے سے یہ فضیلت حاصل ہوجاتی ہے۔

کئی احادیث میں رات کی نماز اور قیام اور لمبے قیام کی عظیم فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔ [۲]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حافظا له (وإن لم يقم به) أى بتلاوته (نسيه) فإنه شديد التفلت كالإبل المعلقة التى إذا انفلتت لا تكاد تلحق ونسيانه كبيرة كما يأتى .وفيه ندب إدامة تلاوة القرآن .فتلاوته أفضل الذكر العام بأن لم يخص بوقت أو محل أما ما خص بأن ورد الشرع به فيه فهو أفضل .(محمد بن نصر) الشافعى (فى) كتاب (الصلاة عن ابن عمر) بن الخطاب (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۷۸۸)

[۱] فى حاشية مسند احمد: حديث حسن بشواهده.

[۲] عن أبى هريرة رضى الله عنه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أفضل الصيام، بعد رمضان، شهر الله المحرم، وأفضل الصلاة، بعد الفريضة، صلاة الليل(مسلم، رقم الحديث ۱۱۶۳ "۲۰۲"، باب فضل صوم المحرم)

عن أبى بشر جعفر بن أبى وحشية، أنه سمع حميد بن عبد الرحمن، يقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أفضل الصلاة بعد الفريضة قيام الليل، وأفضل الصيام بعد رمضان المحرم(سنن النسائى، رقم الحديث ۱۶۱۴)

عن جابر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أفضل الصلاة طول القنوت(مسلم، رقم الحديث ۷۵۶"۱۶۴")

اور تراویح رات کی نماز ہے، جس میں قرآن مجید پڑھنے کی صورت میں قیام بلکہ لمبا قیام بھی ہوتا ہے۔اس لئے تراویح میں قرآن مجید پڑھنے اور سننے کے عمل کے ذریعہ سے وہ فضیلتیں بھی حاصل ہوجاتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ إِذَا رَجَعَ إِلٰى أَهْلِهٖ أَنْ يَجِدَ فِيْهِ ثَلَاثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَان،قُلْنَا نَعَمْ،قَالَ فَثَلَاثُ آيَاتٍ يَقْرَأُ بِهِنَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهٖ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلَاثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے، کہ جب گھر واپس آئے، تو تین اونٹنیاں حاملہ، بڑی اور موٹی اس کو مل جائیں؟ ہم نے عرض کیا، کہ بے شک ضرور! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ (قرآن مجید کی) تین آیتیں جن کو تم میں سے کوئی نماز میں پڑھ لے، وہ تین حاملہ، بڑی اور موٹی اونٹنیوں سے افضل ہیں (ترجمہ ختم)

نماز میں تلاوت کرنا، غیر نماز میں تلاوت کرنے سے افضل ہے۔

اس لئے اس کی فضیلت بڑھ چڑھ کر حاصل ہوتی ہے، کہ جس طرح ایک اونٹنی ہو اور اوپر سے موٹی، تازی بھی ہو، اور اس سے بڑھ کر حاملہ بھی ہو، اسی طرح نماز میں تلاوت کی فضیلت بڑھ چڑھ کر حاصل ہوتی ہے۔

اور تراویح میں قرآن مجید پڑھنے اور سننے والے دونوں اس فضیلت کے مستحق ہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۸۰۲ ''۲۵۰'' كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل قراءة القرآن فى الصلاة وتعلمه.

[2] وعن أبى هريرة قال قال رسول الله أيحب أحدكم إذا رجع أهله أن يجد فيه أى فى رجوعه إليهم وقيل أى فى طريقه وقال ابن حجر أى فى أهله يعنى فى محلهم ثلاث خلفات جمع خلفة بفتح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض احادیث میں قرآن مجید کی نماز میں تلاوت کو غیر نماز میں تلاوت سے افضل قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ فِی الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِی غَیْرِ الصَّلٰوةِ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ فِیْ غَیْرِ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنَ التَّکْبِیْرِ وَ التَّسْبِیْحِ (شعب الایمان للبیهقی) [1]

ترجمہ: قرآن مجید کی نماز میں قرائت کرنا غیر نماز میں قرآن مجید کی قرائت کرنے سے افضل ہے، اور قرآن مجید کی غیر نماز میں قرائت کرنا تکبیر اور تسبیح سے افضل ہے (بیہقی)

بعض اور احادیث میں نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کی بہت زیادہ فضیلت بیان کی گئی ہے، جن میں سے بعض احادیث کو محدثین نے شدید ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فکسر من خلفت الناقة أی حملت یعنی حاملات عظام فی الکمیة والماهیة سمان فی الکیفیة والحالیة قلنا نعم أی بمقتضی الطبیعة أو علی وفق الشریعة لیکون للآخرة ذریعة قال أی فإذا قلتم ذلک وغفلتم عما هو أولی فثلاث آیات أی فاعلموا أن قراء ة ثلاث آیات خیر من ثلاث خلفات وقال ابن حجر فإذا کنتم تحبون ذلک فثلاث آیات ولا یخفی عدم السببیة ولذا تکلف الطیبی حیث قال الفاء فی فثلاث آیات جزاء شرط محذوف فالمعنی إذا تقرر ما زعمتم أنکم تحبون ما ذکرت لکم فقد صح أن یفضل علیها ما أذکره لکم من قراء ة ثلاث آیات لأن هذا من الباقیات الصالحات وتلک من الزائدات الفانیات یقرأ بهن أحدکم قال الطیبی الباء زائدة أو للإلصاق فی صلاته بیان للأکمل وتقیید للأفضل خیر له من ثلاث خلفات عظام سمان قال الطیبی التنکیر للتعظیم والتفخیم وفی الأول للشیوع فی الأجناس فلذلک لم یعرف الثانی رواه مسلم(مرقاة المفاتیح، ج۴ص ۱۴۵۵ ،کتاب فضائل القران)

[1] رقم الحدیث ۲۰۴۹،باب تعظیم القرآن،فصل فی قراء القرآن من المصحف.

[2] حدیث :من قرأ حرفاً من کتاب الله عز وجل فی صلاته قائماً ، کتب الله له بذلک الحرف منه حسنة ، إذا کان إنما قام لله به ، ومن قرأ حرفاً من الله فی صلاته قاعداً ، کتب له بکل حرف خمسین حسنة ، ومن قرأ شیئاً من القرآن یحتسب بذلک الأجر فی غیر صلاة ، لم یقرأ حرفا إلا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح بعض احادیث میں قرآن مجید کی سماعت کرنے پر بے شمار نیکیاں حاصل ہونے کا ذکر آیا ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كتب لـه به حسنة ، والله واسع كريم ، إنما يقول للشيء ' :كن '، فيكون .رواه عمرو بن شمر : عـن جابر الجعفى ، عن أبى جعفر محمد بن على ، عن بشر بن غالب ، عن الحسن بن على ، عن أبيه عـلى بن طالب .وعـمرو متروک الحديث .وقال ابن عدى :وهـذا غيـر محفوظ بهذا الإسناد ، ولـعله غير محفوظ أيضاً عن جابر ، وعنه عمرو بن شمر .فإن هذا حدثنا به جعفر بن أحمد بن بيان الـمصرى ، عن الحسن بن زياد الكوفى ، عن عمرو .وجعفر هذا كنا نتهمه بوضع الحديث ، ولعله أتى من جهته (ذخيرالحفاظ ،رقم الحديث ۵۴۹۶)

أخبـرنـا أبو سعد المالينى، أخبرنا أبو أحمد بن عدى، حدثنا ابن أبى عصمة،ومحمد بن عبد الحميد الـفـرغـانى، ومحمد بن على بن إسماعيل، قالوا :حـدثـنـا على بن حرب، حدثنا حفص بن عمر بن حـكيـم، حـدثـنا عمرو بن قيس الملائى، عن عطاء ، عن ابن عباس، قال :قـال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :مـن استـمـع حـرفـا من كتاب الله طاهرا كتبت له عشر حسنات، ومحيت عنه عشر سيـئـات، ورفـعـت له عشر درجات، ومن قرأ حرفا من كتاب الله فى صلاة قاعدا كتبت له خمسون حسـنـة، ومـحـيـت عـنـه خـمسون سيئة، ورفعت له خمسون درجة، ومن قرأ حرفا من كتاب الله فى صلاة قائما كتبت له مائة حسنة، ومحيت عنه مائة سيئة ورفعت له مائة درجة، ومن قرأ فختمه كتب الله عنده دعوة مجابة معجلة أو مؤخرة "فقال له رجل :يا أبا عباس إن كان رجل لم يتعلم إلا سورة أو سورتين، قال :سـأل رجل رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال " :ختـمه من حيث علمه، ختمه مـن حيث علمه " "تـفـرد به حفص بن عمر وهو مجهول "(شـعـب الايمان للبيهقى ،رقم الحديث ۱۹۱۸ ،فصل فى استحباب التكبير عند الختم)

حـفـص بـن عـمر الحكيم يقال لقبه الكبر حدث عن عمرو بن قيس الملائى عن عطاء عن ابن عباس أحـاديـث بو اطيل (الكامل فى ضعفاء الرجال لابن عدى ج۳ص ۲۸۳ ،تحت ترجمة حفص بن عمر الحكيم)

رواه حـفص بن عمر بن حكيم :عـن عـمـرو بن قيس الملائى ، عن عطاء ، عن ابن عباس .وحفص هذا يروى عن عطاء البواطيل ، وهو مجهول(ذخيرة الحفاظ تحت رقم الترجمة ۵۵۰۴)

؎ عن أبى هريرة قال :قـال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من تلا آية من كتاب الـلـه كـانت له نورا يوم القيامة، ومن استمع لآية من كتاب الله كتبت له حسنة مضاعفة (شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ۱۸۲۸)

عـن أنـس أو عـن الـحسـن قـال رسـول الله صلى الله عليه و سلم من استمع إلى آية من كتاب الله كانت له حسنة مضاعفة ومن تعلم آية من كتاب الله كانت له نورا يوم القيامة (مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۶۰۱۳)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراگرچہ محدثین نے ان میں سے بعض احادیث کی سند پر کلام کیا ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن ابن عباس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من استمع حرفا من كتاب الله طاهرا كتبت له عشر حسنات، ومحيت عنه عشر سيئات، ورفعت له عشر درجات، ومن قرأ حرفا من كتاب الله فى صلاة قاعدا كتبت له خمسون حسنة، ومحيت عنه خمسون سيئة، ورفعت له خمسون درجة، ومن قرأ حرفا من كتاب الله فى صلاة قائما كتبت له مائة حسنة، ومحيت عنه مائة سيئة ورفعت له مائة درجة، ومن قرأ فختمه كتب الله عنده دعوة مجابة معجلة أو مؤخرة "فقال له رجل :يا أبا عباس إن كان رجل لم يتعلم إلا سورة أو سورتين، قال :سأل رجل رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال " :ختمه من حيث علمه، ختمه من حيث علمه " "تفرد به حفص بن عمر وهو مجهول "(شعب الإيمان للبيهقي، رقم الحديث ١٩١٨)

عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال " :من استمع إلى آية من كتاب الله عز وجل، كتب له حسنة مضاعفة، ومن تلاها كانت له نورا يوم القيامة "(مسند احمد، رقم الحديث ۸۴۹۴)

؎ قال الهيثمي:رواه أحمد ، وفيه عباد بن ميسرة ، ضعفه أحمد ، وغيره ، وضعفه ابن معين فى رواية ، وضعفه فى أخرى ، ووثقه ابن حبان (مجمع الزوائد ج۲ص۱۶۲)

وفى حاشية مسند احمد : إسناده ضعيف، عباس بن ميسرة لين الحديث، والحسن البصرى لم يسمع من أبي هريرة .أبو سعيد مولى بني هاشم :هو عبد الرحمن بن عبد الله بن عبيد البصرى.

وأخرجه البيهقي فى "شعب الإيمان "، والبغوى فى "معالم التنزيل ۱/۳۴"من طريق إسماعيل بن عياش، عن ليث بن أبى سليم، عن مجاهد، عن أبي هريرة .وهذا إسناد ضعيف أيضاً لضعف ليث، ورواية إسماعيل بن عياش عن غير أهل بلده فيها تخليط، وهذا منها، فإسماعيل حمصى، وليث كوفى.

وقال طاهر المقدسي: حديث :من استمع حرفا من كتاب الله 'أو قرأه نظراً كتب الله له حسنة ، ومحيت عنه سيئة ، ورفعت له درجة ، ومن قرأ حرفاً من كناب الله ظاهراً ، كتب الله له عشر حسنات ، ومحيت عنه عشر سيئات ، ورفع له عشر درجات ، ومن قرأ حرفاً من كتاب الله ، فى صلاة قاعداً كتب له خمسون حسنة ، ومحيت عنه خمسون سيئة ، ورفع له خمسون درجة ، ومن قرأ حرفا من كتاب الله فى صلاة فإنما كتب له مئة حسنة ، ومحيت عنه مئة سيئة ، ورفعت له مئة درجة ، ومن ختمه كتب له عند الله دعوة مستجابة معجلة ؛ أو مؤخرة فقال له رجل :يا ابن عباس ! إن كان رجل لم يتعلم ، إلا سورة ، أو سورتين ؟ قال :سال رجل رسول الله (فقال :ختمه من حيث علمه ختمه من حيث علمه .رواه حفص بن عمر بن حكيم :عن عمرو بن قيس الملائى ، عن عطاء، عن ابن عباس .وحفص هذا يروى عن عطاء البواطيل ، وهو مجهول (ذخيرة الحفاظ محمد بن طاهر المقدسى، رقم الحديث ۵۱۱۱)

لیکن صحیح احادیث سے اُصولی طور پر نماز میں قرآن مجید کی تلاوت اور سماعت کے عظیم فضائل مسلّمہ طور پر ثابت ہیں۔

اوراحادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نماز باجماعت کا ثواب بغیر جماعت کے مقابلے میں پچیس گنا زیادہ ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ أَحَدِكُمْ وَحْدَهُ بِخَمْسَةٍ وَّعِشْرِيْنَ جُزْءًا (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کی نماز تمہارے کسی کے اکیلے نماز پڑھنے سے پچیس جزء (یعنی درجے) افضل ہے (مسلم)

اورتراویح کے اندر جب باجماعت قرآن مجید پڑھا؛ یا سنا جائے گا تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا ثواب بھی اسی حساب سے زیادہ ہوگا، کیونکہ اس صورت میں قرآن مجید کی تلاوت اور مقتدی کی سماعت بھی اس نماز کا حصہ ہوگی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ، فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ (سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا امام ہو، تو امام کی قرائت اُس کے لئے بھی قرائت ہے (ابنِ ماجہ)

اورایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ، فَقِرَاءَتُهُ لَهُ

---

[1] رقم الحديث ۶۴۹ "۲۴۵" "كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد فى التخلف عنها ،نسائى رقم الحديث ۸۳۸.

[2] رقم الحديث ۸۵۰، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا.

قِرَاءَ ةٌ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۶۴۳) ۱؎

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا کوئی امام ہو، تو اُس کی قرائت اُس کے مقتدی کے لئے بھی قرائت ہے (مسند احمد)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے ہی ایک روایت ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،قَالَ: كُلُّ مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ ، فَقِرَاءَ تُهُ لَهُ قِرَاءَ ةٌ (مصنف ابنِ ابی شیبة) ۲؎

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جس کا کوئی امام ہو، تو اُس امام کی قرائت کرنا اُس کے مقتدی کے لئے بھی قرائت کرنا ہے (ابنِ ابی شیبہ)

اس قسم کی احادیث اور سندوں سے بھی مروی ہیں، جن میں سے بعض کی سند پر محدثین کا کلام بھی ہے۔ ۳؎

۱؎ فی حاشية مسند احمد: حسن بطرقه وشواهده.

۲؎ رقم الحديث ۳۸۲۳، كتاب الصلاة، باب من كره القراء ة خلف الإمام.

۳؎ نا أبو إسماعيل محمد، نا محمد بن عباد الرازی، نا إسماعيل بن إبراهيم التيمی، عن سهيل بن أبی صالح، عن أبی هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من كان له إمام فقراء ة الإمام له قراء ة(معجم ابن الأعرابی، رقم الحديث ۱۷۶)

عن عبد الله بن شداد ، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من كان له إمام ، فقراء ته له قراء ة(مصنف ابن ابی شيبة، رقم الحديث ۳۸۰۰)

عن أبی سعيد الخدری قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من كان له إمام فقراء ة الإمام له قراء ة.

لم يرو هذا الحديث عن الحسن بن صالح، عن أبی هارون إلا النضر بن عبد الله، تفرد به :عامر بن إبراهيم (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۷۵۷۹)

قال الهيثمی:رواه الطبرانی فی الأوسط وفيه أبو هارون العبدی وهو متروك(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۲۶۴۹)

عن سالم بن عبد الله ,عن أبيه ,عن النبی صلى الله عليه وسلم قال :من كان له إمام فقراء ته له قراء ة .محمد بن الفضل متروك(سنن الدار قطنی، رقم الحديث ۱۲۳۸)

حدثنا محمد بن مخلد ,ثنا الفضل بن العباس الرازی حدثنا محمد بن عباد الرازی ,ثنا أبو يحيى التيمی ,عن سهيل بن أبی صالح ,عن أبيه ,عن أبی هريرة ,قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من كان له إمام فقراء ته له قراء ة .أبو يحيى التيمی , ومحمد بن عباد ضعيفان(سنن الدار قطنی، رقم الحديث ۱۲۶۴)

لیکن اس میں دورائے ہونے کا امکان نہیں کہ تراویح کی نماز میں حافظ جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، تو وہ مقتدی کی طرف سے بھی کافی ہوتی ہے۔

البتہ بعض فقہاء مقتدی کو سرّی یا جہری قرائت والی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، لیکن سورہ فاتحہ کے علاوہ امام کی طرف سے باقی قرائت کو وہ بھی مقتدیوں کی طرف سے کافی قرار دیتے ہیں۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ تراویح میں جو امام قرآن مجید کی قرائت کرتا ہے، وہ مقتدی کی بھی قرائت کہلاتی ہے، اور اس سے مقتدی کو بھی قرائت کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

لہٰذا اگر امام نماز میں پورے قرآن مجید کی قرائت کرے گا، اور تجوید اور اچھی آواز کے ساتھ قرائت کرے گا، تو اُس کے واسطے سے اس کا ثواب اور اس کے فضائل وفوائد مقتدیوں کو بھی حاصل ہوں گے۔

کئی احادیث میں ایک مہینے میں قرآن مجید کی مکمل تلاوت کا حکم آیا ہے، اس لئے رمضانُ المبارک کے مہینے میں کم از کم ایک مرتبہ قرآن مجید کی تراویح میں تلاوت مکمل کر لینی چاہئے۔ [2]

---

[1] الفصل الثانی فی تنقیح المذهب وبسطها مع إبطال بعضها قد علم من هذهم القتارات وامثالها الواقعة من الثقات إنهم افترقوا فی باب الفاتحة خلف الإمام علی ثلاثة مسالک الاول مسلک الحنفية ومن وافقهم أنه لایقرأ الفاتحة خلف الإمام لا فی السرية ولا فی الجهرية الثانی مسلک الشافعية ومن وافقهم أنه يقرأ الفاتحة فی السرية والجهرية كليهما الثالث مسلک المالكية ومن وافقهم أنه يقرأ الفاتحة فی السرية دون الجهرية ثم تحت كل مسلک مذاهب متشتة ومسالک متفرقة (إمام الكلام فی القراء ة خلف الإمام لعبدالحی اللكنوی، ج۲، ص۲)

[2] عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما، عن النبی صلی الله عليه وسلم، قال :صم من الشهر ثلاثة أيام، قال :أطيق أكثر من ذلک، فما زال حتی قال :صم يوما وأفطر يوما فقال :اقرإ القرآن فی كل شهر، قال :إنی أطيق أكثر فما زال، حتی قال :فی ثلاث (بخاری، رقم الحديث ۱۹۷۸)

عن عبد الله بن عمرو، أنه قال :يا رسول الله، فی كم أقرأ القرآن؟ قال :فی شهر، قال: إنی أقوی من ذلک، يردد الكلام أبو موسی، وتناقصه حتی قال :اقرأه فی سبع، قال: إنی أقوی من ذلک، قال :لا يفقه من قرأه فی أقل من ثلاث(سنن أبی داود، رقم الحديث ۱۳۹۰)

مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت اور سماعت کا جو ثواب رمضان المبارک میں باجماعت تراویح کی شکل میں حاصل ہوتا ہے اس طرح کا ثواب کسی دوسرے طریقے سے قرائت کرنے اور سماعت کرنے سے حاصل نہیں ہوتا، اور اگر تراویح میں پورا قرآن مجید مکمل اور ختم کرلیا جائے، تو اس ختمِ قرآن کی جو فضیلت ہے، وہ کسی دوسرے طریقے سے ختم اور مکمل کر کے حاصل ہونا مشکل ہے۔

ایک تو اس وجہ سے کہ یہ رمضان کے بابرکت مہینے میں مکمل ہوتا ہے (اور رمضان میں ادا کیے گئے عمل کو دوسرے دِنوں کے عمل پر عظیم الشان فضیلت حاصل ہے)

دوسرے اس وجہ سے کہ یہ باوضو پڑھ کر یا سُن کر مکمل کیا جاتا ہے (جس کی فضیلت بے وضو پڑھنے یا سُننے سے زیادہ ہے)

تیسرے اس وجہ سے کہ یہ نماز کی شکل میں مکمل ہوتا ہے (اور نماز میں پڑھے ہوئے قرآن مجید کی فضیلت غیر نماز سے افضل ہے)

چوتھے اس وجہ سے کہ تراویح میں قرآن مجید، عموماً کھڑے ہو کر پڑھا یا سُنا جاتا ہے (جس کی فضیلت بیٹھ کر پڑھنے یا سُننے سے زیادہ ہے)

پانچویں اس وجہ سے کہ تراویح میں باجماعت نماز کی شکل میں قرآن مجید کی تکمیل ہوتی ہے (جس کی فضیلت تنہا نماز سے زیادہ ہے)

چھٹے اس وجہ سے کہ عموماً مسجد میں اس کی تکمیل ہوتی ہے اور مسجد کا عمل یقیناً عظیم اہمیت کا حامل ہے۔

ساتویں اس وجہ سے کہ تراویح میں پڑھے ہوئے قرآن مجید میں غلطی بتلانے والے سامع کا بھی انتظام ہوتا ہے، اس لیے غلط پڑھے جانے سے حفاظت کا انتظام ہوتا ہے (جبکہ انسان اگر خود سے بیٹھ کر قرآن مجید پڑھے تو اس کا انتظام نہیں ہوتا)

آٹھویں جو لوگ قرآن مجید پڑھے ہوئے نہیں، وہ بھی تراویح میں شامل ہو کر پورے قرآن

مجید کو مکمل کرنے کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں، جو اُن کے لیے کسی اور شکل میں حاصل کرنا مشکل ہے۔

نویں اس وجہ سے کہ ہر آدمی کی قرآن مجید کی قرائت تجوید کے مطابق نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے وہ خود سے قرآن مجید تجوید کے ساتھ پڑھ کر مکمل کرنے کی سعادت حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے، اور تراویح کی شکل میں تجوید کے ساتھ پڑھنے والے امام کی اقتداء میں تجوید کے ساتھ قرآن مجید مکمل کرنے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔

تراویح میں دینی فوائد کے علاوہ دنیاوی اور طبی فوائد بھی موجود ہیں، مثلاً سارے دن روزہ کی حالت میں کھانا نہ کھانے کی وجہ سے افطار کے وقت عام طور پر کھانا زیادہ کھایا جاتا ہے۔ جس سے جسم اور معدہ پر بوجھ ہو جاتا ہے، اور وہ تراویح پڑھنے کی برکت سے دُور ہو جاتا ہے، کیونکہ تراویح پڑھنے سے جسم کی ورزش بھی ہوتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ رمضانُ المبارک میں روزوں کے ساتھ ساتھ، تراویح اور اُس میں قرآن مجید پڑھنے اور سُننے کے فضائل سے سب مسلمانوں کو پوری طرح سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

تراویح کی بیس رکعات کی مفصَّل ومدلَّل تحقیق

رمضانُ المبارک کا مہینہ دوسرے تمام مہینوں سے افضل واعلیٰ ہے، اوراس مہینہ میں عبادت کی فضیلت بہت زیادہ ہے، اورتراویح اس مہینہ کا خاص عمل ہے، جس کے فضائل پہلے ذکر کیے جاچکے ہیں، کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی امت کوترغیب دی اورفضیلت بیان کی ہے، اوراس کوسنت قرار دیا ہے، اور یہ بات ناممکن ہے کہ آپ نے امت کواس کی ترغیب دی ہو، اوراس کوسنت بتلایا ہو، اورخوداس پرعمل نہ کیا ہو، البتہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فرض ہونے کے اندیشہ کی وجہ سے ہمیشہ اس کو باجماعت ادانہیں فرمایا۔

اورتراویح کواحادیث میں قیامِ رمضان کا نام دیا گیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نماز عام دنوں کی نماز سے کچھ ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

تراویح کی بیس رکعات ہیں اور یہ بیس رکعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اورصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں، اسی لئے حضرات تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک تراویح کی بیس رکعات ہیں اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق بھی تراویح کی بیس رکعات ہیں، اورامام مالک کے ایک قول کے مطابق اس سے بھی زیادہ ہیں (بیس سے کم کسی روایت میں نہیں)

ان چاروں برحق فقہ وحدیث کے اماموں نے بیس سے کم تراویح کواختیار نہیں فرمایا۔ یہی جمہور کا قول ہے اورآج تک مشرق سے مغرب تک پوری دنیا میں اسی پراہلُ السنۃ والجماعۃ کی اکثریت کا عمل چلا آرہا ہے۔

حرمین شریفین میں بھی آج تک اسی پرعمل ہوتا رہا ہے۔

سعودی عرب کے نامور عالم اورمسجد نبوی کے مشہور مدرس، مدینہ منورہ کے قاضی ’’شیخ عطیہ محمد

سالم“ نے مسجدِ نبوی میں نمازِ تراویح کی ہزار سال سے زیادہ کی تاریخ پر عربی میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

جس کا عربی میں نام ہے:

”اَلتَّرَاوِيُحُ أَكْثَرُ مِنُ أَلُفِ عَامٍ فِى الْمَسُجِدِ النَّبَوِىِّ“

انہوں نے اس کتاب میں ترتیب وار ہر صدی کی تاریخی حیثیت کو واضح کیا ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ جو لوگ آٹھ رکعت سے زیادہ تراویح سے منع کرتے ہیں؛ اور اس سے بڑھ کر نعوذ باللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سنت کی مخالفت کا الزام عائد کرتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں اور سخت گناہگار ہیں، اور بیس تراویح کا عمل ہی سنت ہے، اسی پر خیر القرون میں اور اس کے بعد مسجد نبوی میں عمل رہا ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ وہ اپنی اس کتاب میں فرماتے ہیں کہ:

وهو العدد الذى جمع عمر رضى الله عنه الناس عليه مع أُبَى ابن كعب ويكون هذا العدد مستندا إلى سنة لا مجرد اختيار عمر رضى الله عته و الله أعلم .وبعد هذا فلا يحق لأحد أن يمنع الزيادة على ثمان ركعات وقوفا عند حديث مسروق عن عائشة رضى الله عنها أو يعيب فعل عمر متهما إياه بمخالفة السنة حاشاه رضى الله عنه.

عهد أبى بكر الصديق رضى الله عنه :كان عهد الصديق رضى الله عنه غير طويل، وكان الناس حدثاء عهد بعهد النبوة فلم تتكون عوامل تغيير تذكر بالنسبة للتراويح .ولهذا لم يذكر أحد أن التراويح فى عهد الصديق رضى الله عنه طرأ عليها جديد مستدلين بحديث أبى هريرة رضى الله عنه" :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يُرَغب فى قيام (التراويح أكثر من ألف عام فى المسجد النبوى ص ١٠ ،الناشر:الجامعة الاسلامية المدينة المنورة،السنة الثانية -العدد الأول -رجب 1389هـ/1979م)

فيكون الجديد فى التراويح فى عهد عثمان رضى الله عنه أنّ عليا بنفسه كان يؤم الناس فيها عشرين ليلة، وأنّه وجد دعاء ختم القرآن.

عهد على رضى الله عنه :أما عهد على رضى الله عنه فجاء فى سنن البيهقى أنّه رضى الله عنه جعل للرجال إماما وللنساء إماما، ولكنه كان يؤمهم بنفسه فى الوتر؛ فعن عطاء بن السائب عن أبى عبد الرحمن السلمى عن على رضى الله عنه قال" :دعا القراء فى رمضان فأمر منهم رجلا أن يصلى بالناس عشرين ركعة، قال وكان على رضى الله عنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جو لوگ آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں، وہ جمہور امت اور فقہائے کرام کے اجماع سے کٹے ہوئے ہیں، بہت اقلیت میں ہیں اور غلطی پر ہیں، نیز وہ خیر القرون کے بہت بعد پیدا ہوئے ہیں۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يوتر بهم "، قال البيهقی " :وروی هذا من وجه آخر عن علی."فقد وجدنا هنا تجديدا فی زمن علی حيث أنّه كان فی عهد عثمان رضی الله عنه يصلی بهم التراويح وفی العشر الأخير يقتصر لنفسه، وهنا نجد عليا رضی الله عنه يصلی بهم الوتر .أما إمام النساء فی زمن علی رضی الله عنه فهو عرفجة الثقفی كما عند المروزی، قال عرفجة الثقفی " :أمرنی علی رضی الله عنه فكنت إمام النساء فی قيام رمضان ."ففی زمن علی رضی الله عنه كانت التراويح عشرين والوتر ثلاث، وهذا أغلب الظن كما كانت فی عهد عثمان رضی الله عنه ، وعهد عمر رضی الله عنه ، وأن الزيادة إنما أحدثت بعد عهد علی رضی الله عنه أی الست والثلاثين المتقدمة.وفی زمنه أيضا تولی هو الإمامة فی صلاة الوتر علی خلاف عثمان وعمر رضی الله عنهما .ما بين عمر وعثمان وعلی رضی الله عنهم إلی عمر بن عبد العزيز رضی الله عنه ،مما تقدم يظهر للمتأمل أن عدد ركعات التراويح كان مستقرا إلی ثلاث وعشرين، منها ثلاث ركعات وترا(حواله مذكوره ص ۲۰)

كما فی رواية يزيد بن الرومان عند مالک كما تقدم، قال" :كان الناس يقومون زمن عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرين ركعة؛ وهو كما قال عنه فی التقريب: يزيد بن الرومان المدنی مولی آل الزبير ثقة من الخامسة، مات سنة ثلاثين أی بعد المائة، فيكون قد عنی بزمن عمر فقط، وإلا لقال " :وعثمان وعلی ."وعليه تكون الزيادة التی وردت فی روايات كل من معاذ القارء وصالح مولی التوأمة أنها وجدت بعد عمر وعثمان وعلی رضی الله تعالی عنهم، لأنها محددة بما قبل الحرة، ولم تعين أی وقت كان قبلها.فإذا كانت النصوص تحدد بثلاث وعشرين زمن عمر، وتظل تنص علی ثلاث وعشرين أيضا من فعل علی فی عهد علی فيكون من البين أن هذا العدد كان مستقرا وثابتا إلی زمن علی رضی الله عنه ، وأن الزيادة إنما جاء ت بعده، وقد استمرت إلی عمر بن عبد العزيز فيما بعد(حواله مذكوره ص ۲۱)

؎ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر آٹھ یا بارہ رکعت تراویح پڑھ لی جائیں، تو اس میں کیا حرج ہے، لیکن یہ بات صحیح نہیں، اس سلسلے میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

سیدھی سی بات ہے کہ بیس رکعت کے سنت مؤکدہ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور اجماع کی مخالفت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیونکہ جن روایات میں آٹھ رکعات کا ذکر ہے اس سے مراد تہجد کی نماز ہے، تراویح کی نماز مراد نہیں ہے اور یہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں (جیسا کہ آگے تفصیل کے ساتھ آ رہا ہے) اور آٹھ رکعات تراویح مراد لینے کی صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کو غیر رمضان پر ترجیح نہیں دیتے تھے، اور جتنی نمازیں غیر رمضان کی راتوں میں پڑھا کرتے تھے، صرف اتنی ہی نمازیں رمضان کی راتوں میں پڑھا کرتے تھے۔

اور یہ بات عقل ونقل کے خلاف ہے۔

تراویح کے نام سے استدلال

(۱)......سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ''تراویح'' تَـرْوِیْحَةٌ کی جمع ہے اور تَـرْوِیْحَةٌ چار رکعت کے بعد ایک دفعہ وقفہ کرنے کو کہتے ہیں، اور ''تَـرْوِیْـحَتَـان'' دو وقفوں کو کہا جائے گا، جیسے والدین کا لفظ، والد اور والدہ، دو افراد کے لئے بولا جاتا ہے، اور اسی طرح جانبین، اور طرفین، کا لفظ، دو کے مجموعے پر بولا جاتا ہے۔

اور تراویح دو سے زیادہ وقفوں کو کہا جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد وقفہ ہوا کرتا تھا، اور بیس رکعت کے بعد یہ کل پانچ وقفے بنا کرتے تھے، ان وقفوں کی مناسبت سے اس نماز کا نام

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ناجائز ہے اور یہ اجماع علامت ہے ان احادیث کے منسوخ ہونے کی اور اگر اجماع میں شبہ ہو کہ بعض علماء نے صرف آٹھ کو سنت مؤکدہ لکھا ہے تو جواب یہ ہے کہ اجماع اس (بیس کے) قول سے منعقد ہے پس اس کے مقابلہ میں شاذ قول قابلِ اعتبار نہیں ہوگا۔ جب تاکد ثابت ہو گیا تو اس کے ترک کرنے سے موردِ عتاب ہوگا (اور اگر کوئی کہے کہ صاحبِ فتح القدیر نے آٹھ رکعتوں کا لکھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے) کہ جمہور کے مقابلہ میں ایک صاحبِ فتح القدیر کی رائے نہیں چل سکتی، خصوصاً جب کہ اُن کا عمل خود اُن کے خلاف ہو کیونکہ صاحبِ فتح القدیر کی یہ علمی تحقیق ہے مگر پڑھیں انہوں نے بھی ہمیشہ بیس۔ لہٰذا ان کی تحقیق قابلِ عمل نہیں (خطبات حکیم الامت ج ۱۶ ص ۸۵ وعظ روح القیام)

تراویح پڑھ گیا۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ تین وقفوں سے کم کی صورت میں (جو کہ کم از کم بارہ رکعات پر ہوتے ہیں) تراویح نام رکھنا ہی درست نہیں بنتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

(۲)...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَادَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ شَدَّمِئْزَرَهٗ ثُمَّ لَمْ يَأْتِ فِرَاشَهٗ حَتّٰى يَنْسَلِخَ (شعب الايمان للبيهقى) [2]

ترجمہ: جب رمضان کا مہینہ داخل ہوجاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ازار بند کس لیتے (اور) پھر (آخری عشرہ میں) اپنے بستر مبارک پر نہ آتے یہاں تک

---

[1] وأنبأ ابن فنجويه، أنبأ أحمد بن محمد بن إسحاق بن عيسى السنى، ثنا محمد بن سعيد البزورى، ثنا يعقوب بن إبراهيم الدورقى، ثنا أبو بكر بن عياش، عن الربيع بن سحيم الكاهلى، عن زيد بن وهب قال " : كان عمر بن الخطاب رضى الله عنه يروحنا فى رمضان، يعنى بين الترويحتين قدر ما يذهب الرجل من المسجد إلى سلع "كذا قال، ولعله أراد من يصلى بهم التراويح بأمر عمر بن الخطاب رضى الله عنه، والله أعلم (السنن الكبرىٰ للبيهقى رقم الحديث ۴۲۹۳،باب ما روى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان)

التراويح جمع ترويحة وهى المرة الواحدة من الراحة كتسليمة من السلام سميت الصلاة فى الجماعة فى ليالى رمضان التراويح لانهم اول ما اجتمعوا عليها كانوا يستريحون بين كل تسليمتين (اعلاء السنن ج ۷ ص ۷۶)

(والتراويح) سنة مؤكدة سميت بذلك لأنهم يصلون أربع ركعات ويتروحون ساعة أى: يستريحون (عشرون ركعة) لما روى أبو بكر عبد العزيز فى الشافى عن ابن عباس :أن النبى - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -كان يصلى فى شهر رمضان عشرين ركعة (الروض المربع شرح زاد المستنقع فى اختصار المقنع، لمنصور بن يونس بن ادريس بهوتى حنبلى رحمه الله،ج ۱ ص ۱۱۵، باب صلاة التطوع واوقات النهى)

[2] رقم الحديث ۳۳۵۲،كتاب الصيام، باب فضائل شهر رمضان ، واللفظ لهٗ،فضائل الاوقات للبيهقى رقم الحديث ۶۷، صحيح ابنِ خزيمة رقم الحديث ۲۲۱۶،الكامل لابن عدى، ج۶ ص۲۰۷.

کہ رمضان گزر جاتا (بیہقی)

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے مہینوں کے مقابلہ میں رمضان میں کثرت سے عبادت میں مشغول ہوتے تھے، اور جب پورے رمضان کا اعتکاف فرمایا، اس وقت پورے مہینے میں بیویوں سے بھی علیٰحدگی رکھتے تھے، اور جب آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا تو پھر اس دوران بیویوں سے علیٰحدگی رکھتے تھے۔

جبکہ تہجد کی نماز تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے سال ہی ادا فرمایا کرتے تھے، اگر رمضان میں بھی تہجد کی رکعتوں کے برابر نماز پڑھتے تھے، تو پھر ان الفاظ کا کیا مطلب ہوگا؟

جب آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے عمل کو زیادہ تیز کر دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے، اس لئے رات کو بستر پر بھی تشریف نہیں لاتے تھے۔ [۱]

ملحوظ رہے کہ مذکورہ روایت سند کے لحاظ سے درست ہے۔ [۲]

---

[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کی کثرت تو پورے رمضان ہی کیا کرتے تھے، البتہ بستر پر نہ آنے کا معمول اعتکاف کی حالت میں تھا، جب پورے مہینے کا اعتکاف فرمایا، تو آپ مسجد میں ہونے کی وجہ سے گھر میں سونے اور آرام کرنے کے لئے تشریف نہیں لاتے تھے، پھر بعد میں اعتکاف کا معمول آخری عشرے میں تھا، جس کا ذکر دوسری روایات میں موجود ہے، اس طرح دونوں قسم کی روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے، اور کوئی ظاہری تعارض نہیں رہتا، اور اس روایت کو ضعیف کہہ کر اس کو دوسری احادیث کے مقابلے میں مرجوح قرار دینا درست نہیں، کیونکہ یہ روایت سند کے لحاظ سے درست ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دیگر روایات بھی اس کی مؤید ہیں۔

[۲] چنانچہ سنن بیہقی کی سند درج ذیل ہے کہ:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، ومحمد بن موسى، قالا: حدثنا أبو العباس محمد بن يعقوب، حدثنا الربيع بن سليمان، حدثنا عبد الله بن وهب، أخبرنا سليمان بن بلال، أخبرني عمرو، عن المطلب بن عبد الله، عن عائشة (بيهقى حواله بالا)

اور ابنِ خزیمہ کی سند درج ذیل ہے کہ:

حدثنا الربيع بن سليمان ، حدثنا ابن وهب ، حدثني سليمان وهو ابن بلال ، حدثني عمرو وهو ابن أبي عمرو ، عن المطلب بن عبد الله ، عن عائشة ، زوج النبي صلى الله عليه وسلم ، أنها قالت (ابن خزيمه، حواله بالا)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عائشہ وابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث

(۳)...... ایک دوسری سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اورابنِ عدی کی سند مع متن اور عمرو بن ابی عمرو، راوی کی توثیق کے درج ذیل ہے:

ثنا أبو مصعب عن عبد العزيز بن محمد عن عمرو بن أبى عمرو عن المطلب بن عبد الله عن عائشة زوج النبى صلى الله عليه وسلم وثلاثمائة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخل رمضان شد مئزره فلم يأو إلى فراشه حتى ينسلخ رمضان وعمرو بن أبى عمرو له أحاديث عن أنس غير ما ذكرت وروى عنه مالك وهو عندى لا بأس به لأن مالكا لا يروى إلا عن ثقة أو صدوق(الكامل حواله بالا)

یہی وجہ ہے کہ علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں اس حدیث کے حسن ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔لیکن امام مناوی نے یہ فرمایا ہے کہ اس روایت میں ربیع بن سلیمان ہیں، اگر وہ صاحبِ امام شافعی ہوں تو ثقہ ہیں، اور اگر بصری ہوں تو وہ ضعیف ہیں۔

(هب عن عائشة) رمز المصنف لحسنه فيه الربيع بن سليمان فإن كان هو صاحب الإمام الشافعى فثقة أو الربيع بن سليمان البصرى الأزدى فضعيف قال يحيى :ليس بشئى (فيض القدير للمناوى،تحت حديث رقم ٦٦٨٠)

مگر تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اس روایت میں ربیع بن سلیمان، بن عبد الجبار ہیں، جو کہ صاحبِ امام شافعی اور ثقہ ہیں، کیونکہ یہ ابنِ وہب سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے محمد بن یعقوب روایت کرتے ہیں، اور مذکور روایت میں یہ دونوں راوی موجود ہیں، جبکہ ابنِ عدی کی روایت میں یہ سرے سے موجود ہی نہیں، کما مر۔

چنانچہ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ:

الربيع بن سليمان *(د، ق، س، ت) ابن عبد الجبار بن كامل، الامام المحدث الفقيه الكبير، بقية الاعلام، أبو محمد، المرادى، مولاهم المصرى المؤذن، صاحب الامام الشافعى، وناقل علمه، وشيخ المؤذنين بجامع الفسطاط ومستملى مشايخ وقته.مولده فى سنة أربع وسبعين ومئة أو قبلها بعام.سمع عبدالله بن وهب(سير اعلام النبلاء،جز ١٢ ص ٥٨٧)

اور تہذیب الکمال میں، محمد بن یعقوب کے ان کے شاگرد ہونے کی بھی تصریح ہے۔

وأبو العباس محمد بن يعقوب الاصم النيسابورى (تهذيب الكمال،جز ٩ ص ٨٧)

اور اگر اس روایت میں ربیع بن سلیمان بن داؤد مراد ہوں تو وہ بھی ثقہ ہیں۔

البتہ ربیع بن صبیح کو بعض نے سئ الحفظ قرار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ وہ اس روایت میں موجود نہیں۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

چنانچہ علامہ ابن حجر نے ان تینوں حضرات کا آگے پیچھے اس طرح تذکرہ فرمایا ہے۔

الربيع بن سليمان بن داود الجيزى أبو محمد الأزدى المصرى الأعرج ثقة من الحادية عشرة مات سنة ست وخمسين د س.

الربيع بن سليمان بن عبد الجبار تالمرادى أبو محمد المصرى المؤذن صاحب الشافعى ثقة من الحادية عشرة مات سنة سبعين وله ست وتسعون سنة .

الربيع بن صبيح بفتح المهملة السعدى البصرى صدوق سىء الحفظ وكان عابدا مجاهدا قال الرامهرمزى هو أول من صنف الكتب بالبصرة من السابعة مات سنة ستين خت ت ق(تقريب التهذيب لابن حجر، ج ١ ص ٢٠٦،الناشر: دارالرشيد ،سوريا)

اور ناصر الدین البانی صاحب نے بھی اس روایت کے رجال کو ثقات شمار کیا ہے، لیکن ساتھ ہی عبدالمطلب بن عبداللہ کو مدلس قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

> قلت :و هذا إسناد ضعيف ، و رجاله ثقات ، غير أن عبد المطلب بن عبد الله ، كان كثير التدليس و الإرسال ، كما فى "التقريب(السلسله الضعيفه للالبانى تحت رقم الحديث ٢٣٤٦)

البانی صاحب نے جب اس کے رجال کا ثقات ہونا تسلیم کرلیا تو یہ روایت سند کے لحاظ سے درست ہوئی اور رہا تدلیس کا معاملہ تو وہ مذکورہ روایت میں ہمارے فقہائے کرام کے نزدیک مضر نہیں۔

بلکہ ایک مقام پر خود البانی صاحب نے عمرو بن ابی عمرو کی مطلب بن عبداللہ سے عنعنہ کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہی روایت کو شیخین کی شرط کے مطابق ہونا تسلیم کیا ہے۔

أخرجه أبو داود (٤٧٩٨)و ابن حبان(١٩٢٧)و الحاكم(١/٦٠)من طريق عمروبن أبى عمرو عن المطلب بن عبد الله بن حنطب عن عائشة رضى الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :فذكره .و قال الحاكم " :صحيح على شرط الشيخين . "و وافقه الذهبى .قلت :و هو كما قالا لولا أنه اختلف فى سماع المطلب من عائشة فقال أبو حاتم ":روايته عنها مرسلة و لم يدركها . "و قال أبو زرعة " :نرجو أن يكون سمع منها . "لكن الحديث على كل حال صحيح بما تقدم و قد وجدت له طريقا أخرى عنها موصولة، أخرجه ابن عدى فى "الكامل "(١/١٤٩)عن اليمان بن عدى حدثنا زهير بنمحمد عن يحيى بن سعيد عن القاسم عنها به .و قال " :لا أعلم يرويه عن زهير غيريمان . "قلت :و فيهما ضعف غير شديد ، فحديثهما فى الشواهد لا بأس به(السلسلة الصحيحة تحت رقم الحديث ٧٩٥)

مگر تعجب ہے کہ البانی صاحب نے مبحوث فیہ حدیث کو شواہد کے ہوتے ہوئے ضعیف کہہ دیا، جس سے ہمیں اتفاق نہیں۔

پس اس روایت کو ضعیف قرار دینا درست نہیں، اور امام سیوطی کے فیصلے کے مطابق یہ روایت کم از کم حسن کے درجے میں داخل ہے، بالخصوص جب کہ اس کے ساتھ آگے آنے والی روایات کو بھی جمع کرلیا جائے۔

وَكَثُرَتْ صَلَاتُهُ، وَابْتَهَلَ فِي الدُّعَآءِ، وَأَشْفَقَ مِنْهُ (شعب الایمان للبیھقی) ؁۱

ترجمہ: جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ بدل جاتا تھا اور آپ کی نمازوں میں زیادتی ہوجاتی تھی اور دعا میں تضرّع وزاری بڑھ جاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس (کی عظمت) کی وجہ سے ڈرا کرتے تھے (بیہقی)

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک دوسری سند کے ساتھ اسی مضمون کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

اور یہ روایت اس سے پہلے ذکر شدہ روایت کے مضمون کے مطابق ہے، لہٰذا یہ حدیث بھی کم از کم حسن درجے میں داخل ہے۔ ؁۲

؁۱ رقم الحديث ۳۳۵۳، كتاب الصيام، باب فضائل شهر رمضان ،، فضائل الاوقات للبيهقى رقم الحديث ٦٨.

؁۲ چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے متن میں مذکور حدیث کی سند اس طرح بیان فرمائی ہے کہ:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، وأبو زكريا يحيى بن إبراهيم بن يحيى، قالا :أخبرنا أبو الحسين عبد الباقى بن قانع، حدثنا أحمد بن على الخراز، حدثنا محمد بن عبد المجيد التميمى، حدثنا أبو داود، حدثنا قرة بن خالد، عن عطاء بن أبى رباح، عن عائشة الخ .

امام مناوی رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا کہ:

فيه عبد الباقى ابن قانع قال الذهبى :قال الدارقطنى يخطء كثيرا.(فيض القدير،تحت رقم الحديث ٦٦٨١)

مگر اس سے مذکورہ روایت کا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ امام بیہقی رحمہ اللہ مندرجہ بالا حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

ورواه خلف بن أيوب، عن عوف بن أبى جميلة، عن محمد بن سيرين، عن أبى هريرة قال :كان فذكره.

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، حدثنا محمد بن صالح بن هانء، حدثنا العباس بن حمزة، حدثنا أيوب بن الحسن، حدثنا خلف بن أيوب . . . . .فذكره(حواله بالا)

اور ظاہر ہے کہ دوسری سند میں ابنِ قانع موجود نہیں۔

اور دوسری سند کے اتصال سے یہ بات واضح ہوچکی کہ ابن قانع نے اس روایت کے نقل کرنے میں کوئی خطا نہیں کی۔

اس تقریر کے بعد اگر دوسری سند میں کوئی راوی ضعیف بھی ہو تو وہ مضر نہیں، کما ھو ظاہر باصول الحدیث۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کی حالت کو دوسروں کے مقابلہ میں بہتر جانتی ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت نماز گھر پر ادا فرمایا کرتے تھے۔

پھر مذکورہ روایت میں رمضان کی رات کی نماز کے بارے میں کثرت کا لفظ موجود ہے، جس سے معلوم ہوا کہ رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز دوسرے دنوں کی رات کی نماز کے مقابلے میں تعداد میں زیادہ ہو جاتی تھی۔

لہٰذا یہ مطلب مراد لینا کہ تعداد تو اتنی ہی رہتی تھی، جتنی دوسرے مہینوں میں ہوتی تھی، اور صرف لمبی ہو جاتی تھیں، یہ اس حدیث کے صریح الفاظ کے خلاف ہے۔ [1]

علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ:

> ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضانُ المبارک کے بابرکت مہینہ میں بھی اتنی ہی نمازیں پڑھا کرتے تھے، جتنی کہ دوسرے مہینوں میں پڑھا کرتے تھے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو خاص رمضان کے مہینہ کے قیامِ رمضان اور تراویح کی ترغیب بھی دیتے ہوں اور اس کے فضائل بھی بیان کرتے ہوں، اور اس کو سنت بھی قرار دیتے ہوں“

یہ کسی طرح درست نہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

> جن روایات میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بنسبت دوسروں مہینوں کے زیادہ نماز پڑھتے تھے، تو اس نماز سے مراد تراویح کی نماز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں تراویح پڑھا کرتے

---

[1] اور ویسے بھی یہ مفہوم مراد لینا اس لئے درست نہیں بنتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اور دنوں میں بھی لمبی لمبی نمازیں پڑھا کرتے تھے کہ لمبے قیام کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک ورم کر جاتے تھے، پھر اس میں رمضان کی کیا خصوصیت ہوگی، اور رمضان کی قیامِ لیل والی خاص نماز کا کیا ذکر رہے گا؟

تھے، کہ اس وقت عرف میں تراویح کی تعبیر قیامِ رمضان کے ساتھ کرتے تھے (فتاوی عزیزی ص ۴۸۴، مسائلِ نماز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید، کراچی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث

(۴)...... امام، محدث، حافظ حمزہ بن یوسف سہمی رحمہ اللہ اپنی سند سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ ۱

کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ فَصَلَّى النَّاسَ أَرْبَعَةً وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَأَوْتَرَ بِثَلَاثَةٍ (تاريخ جرجان) ۲

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی ایک رات گھر سے مسجد میں تشریف لائے،

---

۱ السهمى أبو القاسم حمزة بن يوسف بن إبراهيم *

الإمام، الحافظ، المحدث المتقن، المصنف، أبو القاسم حمزة بن يوسف بن إبراهيم بن موسى بن إبراهيم بن محمد القرشى، السهمى، من ذرية صاحب النبى -صلى الله عليه وسلم -هشام بن العاص بن وائل السهمى، محدث جرجان.ولد:سنة نيف وأربعين وثلاث مائة.

وأول سماعه بجرجان كان فى سنة أربع وخمسين، سمع من :أبيه المحدث أبى يعقوب، وأبى بكر محمد بن أحمد بن إسماعيل الصرام، وأبى أحمد بن عدى، وأبى بكر الإسماعيلى، وخلق.

وارتحل فى سنة ثمان وستين إلى أصبهان والرى وبغداد والبصرة والشام ومصر والحرمين وواسط والأهواز والكوفة.

وروى عن:أبى محمد بن ماسى، وأبى حفص الزيات، وأبى محمد بن غلام الزهرى، وأبى بكر الوراق، وعبد الوهاب الكلابى، وأبى بكر بن عبدان الشيرازى، وأبى الحسن الدارقطنى، وأبى زرعة محمد بن يوسف الكشى، وجعفر بن حنزابة الوزير، وميمون بن حمزة العلوى، وطبقتهم.

حدث عنه:أبو بكر البيهقى، وأبو القاسم القشيرى، وأبو صالح المؤذن، وعلى بن محمد الزبحى ، وإسماعيل بن مسعدة الإسماعيلى، وإبراهيم بن عثمان الجرجانى، وأبو بكر أحمد بن على بن خلف الشيرازى، وآخرون.

وصنف التصانيف ، وتكلم فى العلل والرجال .مات:سنة ثمان وعشرين وأربع مائة .وقيل:سنة سبع وعشرين.حدث الخطيب عن رجل عنه(سيراعلام النبلاء ج۱۷ ص ۴۶۹تا ۴۷۱)

۲ رقم الترجمة ۵۵۶، ج ۱ ص۳۱۷، باب حرف العين، من اسمه على، الناشر: عالم الكتب،بيروت.

پھر لوگوں کو چوبیس رکعتیں (چار فرض، اور بیس تراویح) اور تین وتر پڑھائے (تاریخِ جرجان)

فائدہ: اس حدیث کو خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام اور جمہورِ امت کے عمل، نیز حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی آگے آنے والی حدیث سے تائید حاصل ہے۔

اس لیے یہ حدیث حسن درجے میں داخل ہے۔ [1]

اس حدیث کے پہلے راوی ابوالحسن ہیں، جو کہ صالح ہیں۔ [2]

اور دوسرے راوی عبدالرحمٰن بن عبدالمؤمن ہیں، ان کو بھی صدوق اور ثبت قرار دیا گیا ہے۔ [3]

---

[1] مندرجہ بالا حدیث کی سند درج ذیل ہے:

حدثنا أبو الحسن على بن محمد بن أحمد القصرى الشيخ الصالح رحمه الله حدثنا عبد الرحمن بن عبد المؤمن العبد الصالح قال أخبرنى محمد بن حميد الرازى حدثنا عمر بن هارون حدثنا إبراهيم بن الحناز عن عبد الرحمن عن عبد الملک بن عتيک عن جابر بن عبد الله الخ

[2] چنانچہ تاریخِ جرجان میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

أبو الحسن على بن محمد بن أحمد بن عبد الله الفقيه الشافعى الزاهد جرجانى كان يعرف بأبى الحسن القصرى ينزل بباب الخندق وتوفى فى الجامع يوم الجمعة عند المحراب العتيق بعد الصلاة يوم عاشوراء سنة ثمان وستين وثلاثمائة روى عن عبد الرحمن بن عبد المؤمن وعاصم بن سعيد وأحمد بن عبد الكريم والبغوى وابن صاعد وابن أبى داود وغيرهم حدثنا أبو الحسن على بن محمد بن أحمد القصرى الشيخ الصالح رحمه الله حدثنا عبد الرحمن بن عبد المؤمن العبد الصالح قال أخبرنى محمد بن حميد الرازى حدثنا عمر بن هارون حدثنا إبراهيم بن الحناز عن عبد الرحمن عن عبد الملک بن عتيک عن جابر بن عبد الله قال خرج النبى صلى الله عليه و سلم ذات ليلة فى رمضان فصلى الناس أربعة وعشرين ركعة وأوتر بثلاثة (تاريخ جرجان،لحمزة بن يوسف أبو القاسم الجرجانى ،رقم الترجمة ۵۵٦،ج ا ص ۳۱٦،۳۱۷، باب حرف العين، من اسمه على)

[3] چنانچہ تاریخِ جرجان میں ہی خود محدث، حافظ عبداللہ بن یوسف جرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

أبو محمد عبد الرحمن بن عبد المؤمن بن خالد بن يزيد بن عبد الله بن المهلب بن عيينة بن المهلب بن أبى صفرة واسمه ظالم بن سراق بن صبح بن كندى بن عمرو بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور تیسرے راوی محمد بن حمید رازی ہیں، جن کو اگرچہ بعض نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن جلیل القدر محدثین نے ان کو ثقہ فرمایا ہے، اس لیے یہ بھی معتبر راوی ہیں۔ ۱؎

اور اس حدیث کے چوتھے راوی عمر بن ھارون ہیں، جن کو اگرچہ متعدد حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن متعدد حضرات نے ان کو ثقہ اور ان کی حدیث کو حسن فرمایا ہے۔

لہٰذا ان کی یہ حدیث حسن درجے میں داخل ہے۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عدی بن وائل بن الحارث بن العتیک بن أسد بن عمران بن عمرو بن حارثة بن امرء القیس بن ثعلبة بن مازن سمعت أبا بکر الإسماعیلی یقول عبد الرحمن بن عبد المؤمن صدوق ثبت یعرف الحدیث(تاریخ جرجان ،حرف العین ،تحت رقم الترجمة ۴۱۵،ج ۱ ص ۲۵۵)

۱؎ محمد بن حمید بن حیان الرازی أبو عبد الله التمیمی.روی عن ابن المبارک وزید بن الحباب وخلق وعنه أبو داود والترمذی وابن ماجه وطائفة.وثقه أحمد ویحیی وغیر واحد وضعفه النسائی والجوزجانی(طبقات الحفاظ للسیوطی، ۲۱۶)

وقال أبو بکر بن أبی خیثمة :سئل یحیی بن معین عن محمد بن حمید الرازی فقال :ثقة.لیس به بأس ، رازی کیس . وقال علی بن الحسین بن الجنید الرازی :سمعت یحیی ابن معین یقول :ابن حمید ثقة ، وهذه الاحادیث التی یحدث بها لیس هو من قبله ، إنما هو من قبل الشیوخ الذین یحدث عنهم.وقال أبو العباس بن سعید :سمعت جعفر بن أبی عثمان الطیالسی یقول :ابن حمید ثقة ، کتب عنه یحیی وروی عنه من یقول فیه هو أکبر منهم(تهذیب الکمال،ج۲۵ ص ۱۰۱)

۲؎ یا تو اس وجہ سے کہ جرح وتعدیل کے اختلاف کی وجہ سے بذاتِ خود یہ حسن درجے میں داخل ہے، اور یا اس وجہ سے کہ ان کی اس حدیث کو تعاملِ صحابہ وامت اور آگے آنے والی حدیثِ ابنِ عباس سے تائید حاصل ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ حجر فرماتے ہیں کہ:

عمر بن هارون بن یزید الثقفی مولاهم البلخی متروک وکان حافظا من کبار التاسعة مات سنة أربع وتسعین (تقریب التهذیب ج ۱ ص ۴۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ عمر بن ھارون حافظ ہیں، جہاں تک متروک ہونے کا معاملہ ہے، تو ہمارے نزدیک جب تک کسی کے ترک پر اجماع نہ ہو، اُس وقت تک اس کو ترک نہیں کیا جاتا۔

قال یعقوب وقال لی أحمد مذهبی فی الرجال انی لا أترک حدیث محدث حتی یجتمع أهل مصر علی ترک حدیثه (تهذیب التهذیب، ج۵ صفحه ۳۷۷، حرف العین)

قلت :وعند بعض النقاد لا یترک حدیث الراوی حتی یجتمع الجمیع علی ترک حدیثه ، وعلی هذا فمن لم یتفق علی ترک حدیثه فهو عند هذه الطائفة صالح للاعتبار .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس حدیث کے پانچویں راوی ابراہیم بن حناز ہیں، جن پر محدثین کی طرف سے کوئی کلام نہیں مل سکا، اس لیے انہیں زیادہ سے زیادہ مجہول قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن کیونکہ یہ قرونِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهـذه طـريقة أحمد بن صالح المصرى .قـال يعقوب بن سفيان :سـمـعت أحمد بن صالح ، وذكر مسـلمة بن على ، قال " :لا يتـرک حـديـث رجـل حتى يجتمع الجميع على ترک حديثه (تحرير عـلوم الحديث للجديع، ج۲ ص ۱۰۸۰ ؛ تأليف عبد الله بن يوسف الجُديع ،الناشر:مؤسسة الريان للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت -لبنان)

اورآگے آنے والی تفصیل سے ظاہر ہے کہ ان کے ترک پر اجماع نہیں۔

اورامام ترمذی رحمہ اللہ عمر بن ھارون کی ایک حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

> هـذا حـديـث غـريب، وسمعت محمد بن إسماعيل، يقول " :عـمـر بن هارون مقارب الـحـديـث لا أعرف له حديثا ليس له أصل -أو قال -يـنـفـرد به، إلا هذا الحديث :كان الـنبـى صـلـى الله عليه وسلم يأخذ من لحيته من عرضها وطولها، لا نعرفه إلا من حديث عمر بن هارون، ورأيته حسن الرأى فى عمر :"وسمعت قتيبة، يقول " :عمر بن هارون كان صاحب حديث، وكان يقول :الإيمان قول وعمل .سمعت قتيبة قال :حدثنا وكيع بـن الـجـراح، عن رجل، عن ثور بن يزيد، أن النبى صلى الله عليه وسلم نصب المنجنيق عـلـى أهـل الطـائف قـال قتيبة :قـلـت لـوكيع :مـن هـذا؟ قال :صـاحبـكـم عـمـر بن هارون (تـرمـذى،تـحت رقم الحديث ۲۷۶۲ ،ابواب الادب، باب ما جاء فى الأخذ من اللحية)

امام ترمذی کے کلام سے معلوم ہوا کہ عمر بن ہارون بعض کے بقول مقاربُ الحدیث اور حسن اور بعض کے بقول صاحبِ حدیث ہیں۔

ملحوظ رہے کہ عمر بن ہارون پر بعض حضرات نے مرجئہ ہونے کا الزام لگا کر جرح کی ہے، اورامام ترمذی کی مذکورہ عبارت میں بھی ایمان کے قول وعمل ہونے کی ان کی طرف نسبت کی گئی ہے، تو اگر ان پر حنفیت کی وجہ سے مرجئت کا الزام ہو تو ہمارے محدثین کے فیصلے کے مطابق یہ جرح مؤثر شمار نہیں کی جاتی۔

ولـم يـقبـل جـرح بـعـضهم فى الامام ابى حنيفة وشيخه حماد بن ابى سليمان وصاحبيه محمد وأبى يـوسف وغيـرهـم مـن أهـل الـكـوفة بانهم كانوا من المرجئة (الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل صفحه ۲۱، مشموله: مجموعة رسائل اللكنوى جلد۵)

وقـال الـحـاكم روى (اى عمر بن هارون)عن أبى جريج مناكير وقال فى التاريخ كان من أهل السنة والذابين عن أهلها وقال الخليلى يتفرد عن سليمان لكن الاجلاء رووا عنه روى عن ابن جريج حديثا لا يتابع عليه(تهذيب التهذيب ج۷ص۵۰۵)

عمر بن ہارون بلخی امام احمد کے شیوخ میں شمار ہوتے ہیں، اورامام احمد نے مسند احمد میں ان سے روایات لی ہیں (ملاحظہ ہو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ثلاثہ سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا ہمارے نزدیک ان کی جہالت مضر نہیں، بالخصوص جبکہ ان کی اس روایت کو حضرت ابنِ عباس کی آگے آنے والی حدیث اور تعاملِ صحابہ وامت سے بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مسند احمد، رقم الحدیث ۱۷۶۳۵، حدیث نواس بن سمعان الکلابی، ورقم الحدیث ۱۷۹۵۵، حدیث یعلیٰ بن امیۃ رضی اللہ عنہ)

جبکہ بعض حضرات نے ان کو ثقہ بھی قرار دیا ہے۔

رواہ أحمد عن شیخه عمر بن هارون وفیه خلاف وبقیة رواته ثقات (الترغیب والترهیب للمنذری، تحت حدیث رقم ۴۴۵۹، ج۳ص ۳۶۸، کتاب الادب)

رواہ احمد عن شیخه عمر بن هارون وقد وثقه قتیبة وغیره وضعفه ابن معین وغیره (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۲۲)

اور مسند احمد کی عام طور پر ضعیف احادیث بھی متعدد محدثین کے نزدیک شدید درجہ کی ضعیف نہیں ہیں، بلکہ مقبول درجہ کی ہیں، نیز امام احمد نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو سوائے اہلِ سنت اور ثقہ کے کسی اور سے روایت کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، اور جب ان کے اپنے بیٹے پر اتنی سخت شرط عائد کرنے کا معاملہ ہے، تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے لئے بھی اسی معیار کو پسند فرمایا ہوگا۔

کان عبداللہ بن احمد لایکتب الا عن من اذن لهٗ ابوه بالکتابة عنه، وکان لایأذن لهٗ ان یکتب الا عن اهل السنة (تعجیل المنفعة لابن حجر، ج ۱ ص ۲۵۸، تحت ترجمة ابراهیم بن الحسن الباهلی، الناشر: دارالبشائر بیروت)

وقد کان عبدالله بن احمد لا یکتب الا عن من یأذن له ابوه فی الکتابة عنه ولهذا کان معظم شیوخه ثقات (ایضاً ج۲ ص ۱۶۱، ۱۶۲، حرف اللام، تحت ترجمة لیث بن خالد بلخی)

نیز عمر بن ھارون سے جلیل القدر مشائخِ محدثین روایت کرتے ہیں، جن میں امام بخاری کے والد بھی شامل ہیں، اور حضرت ابنِ جریج نے ان کی والدہ (اور ایک روایت کے مطابق اُن کی بہن) سے نکاح کیا تھا، جس کے نتیجے میں انہوں نے ابنِ جریج کی طویل صحبت اُٹھائی اور اُن سے کثرت کے ساتھ احادیث کی سماعت کی ہے، اور ابنِ قتیبہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ ابنِ قتیبہ نے ان سے براہِ راست احادیث کی سماعت کی ہے۔

عمر بن هارون بن یزید بن جابر بن سلمة الثقفی، مولاهم، أبو حفص البلخی....... روی عنه: إبراهیم بن الاشعث البخاری خادم الفضیل بن عیاض وإبراهیم بن عیسی، وإبراهیم بن هارون البلخی البزاز وأحمد بن حاتم الطویل، وأحمد بن حنبل، وأبو الطاهر أحمد بن عمرو بن السرح المصری، وأبو بکر أحمد بن محمد بن سهل البلخی، وأحمد بن ناصح المصیصی، وأبو الحسن إسماعیل بن إبراهیم بن المغیرة الجعفی والد البخاری .... ذکره خلیفة بن خیاط فی الطبقة الخامسة من أهل خراسان. وقال محمد بن سعد: کتب الناس عنه کتابا کبیرا، وترکوا حدیثه. وقال البخاری: تکلم فیه یحیی بن معین. وقال أحمد بن علی الابار، عن أبی غسان محمد بن عمرو قال: عمر بن هارون: ألقیت من حدیثی سبعین ألفا، لابی جزء عشرین ألفا ولعثمان البری کذا وکذا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تائید حاصل ہے۔ [1]

اور چھٹے راوی عبدالرحمٰن بن عطاء ہیں، جو کہ صدوق ہیں، اوران کے بارے میں کچھ کلام بھی ہے، جو کہ مضر نہیں، اور ساتویں راوی عبدالملک بن جابر بن عتیک ہیں، جو کہ ثقہ ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال :فقلت له :يا أبا غسان ما كان حاله ؟ قال :قال بهز :أرى يحيى بن سعيد حسده ، قال :أكثر عن ابن جريج .من لزم رجلا اثنى عشر سنة لا يريد أن يكثر عنه ؟ !قال أبو غسان :وبلغنى أن أمه كانت تعينه على الكتاب .قال أبو بكر الخطيب :وذكر مسلم بن عبد الرحمن البلخى أن ابن جريج تزوج أم عمر بن هارون فمن هناک أكثر السماع منه .وقال أبو أحمد بن عدى :يقال :إنه لقى ابن جريج بمكة ، وكان حسن الوجه ، فسأله ابن جريج :ألک أخت ؟ قال :نعم .فتزوج بأخته ، فقال :لعل هذا الحسن يكون فى أخته كما هو فى أخيها ، فتفرد عن ابن جريج ، وروى عنه أشياء لم يروها غيره .وقال أبو بكر بن أبى داود ، عن سعيد بن زنجل :سمعت صاحبا لنا يقال له :بور بن الفضل .قال :سمعت أبا عاصم ذكر عمر بن هارون .قال :كان عمر عندنا أحسن أخذا للحديث من ابن المبارک. وقال أحمد بن سيار المروزى :عمر بن هارون البلخى كان كثير السماع ، روى عنه عفان بن مسلم ، وقتيبة بن سعيد ، وغير واحد من أهل الحديث ويقال :إن مرجئة بلخ كانوا يقعون فيه وكان أبو رجاء ، يعنى قتيبة -يطريه ويوثقه .وذكر عن وكيع أنه قال :عمر بن هارون مربنا وبات عندنا وكان يزن بالحفظ ، وسمعت أبا رجاء يقال :كان عمر بن هارون شديدا على المرجئة ، وكان يذكر مساوئهم وبلاياهم .قال :وإنما كانت العداوة فيما بينه وبينهم من هذا السبب .قال :وكان من أعلم الناس بالقراء ات ، وكان القراء يقرؤن عليه ويختلفون إليه فى حروف القرآن .وسمعت أبا رجاء يقول :سألت عبد الرحمن بن مهدى ، فقلت :إن عمر ابن هارون قد أكثرنا عنه ، وبلغنا أنک تذكره .فقال :أعوذ بالله ما قلت فيه إلا خيرا .قال :وسمعت أبا رجاء يقول :قلت لعبد الرحمن :بلغنا أنک قلت أنه روى عن فلان ولم يسمع منه .فقال :يا سبحان الله ما قلت أنا ذاقط ، ولو روى ، ما كان عندنا بمتهم (تهذيب الكمال، ج ۲۱ ص ۵۲۰ تا ۵۲۵ ملخصاً)

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مقدمہ اعلاء السنن، قواعد فی علوم الحدیث، صفحہ ۲۰۷، بیان الجہالۃ الضارۃ والجہالۃ غیر الضارۃ فی الراوی۔

[2] چنانچہ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ نے عبدالرحمٰن بن عطاء اور عبدالملک بن جابر بن عتیک کے حوالے سے درجِ ذیل روایت کی ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَطَاءٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم - إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ بِالْحَدِيثِ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِىَ أَمَانَةٌ (ابوداؤد، رقم الحديث ۴۸۶۸؛ ترمذی، رقم الحديث ۱۹۵۹)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع ومنگھڑت نہیں ہے، بلکہ اس کو سند کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ ضعیف کہا جاسکتا ہے۔

لیکن ضعیف حدیث کی اگر کسی دوسری ضعیف حدیث سے بھی تائید ہوجائے تو وہ حسن درجے میں داخل ہوجاتی ہے۔

اور آگے آنے والی حضرت ابنِ عباس کی حدیث اس حدیث کی مؤید ہے۔

نیز صحابۂ کرام اور بالخصوص خلفائے راشدین اور تابعین اور امت کے تعامل سے بھی اس کو تائید حاصل ہے۔

اس لئے بیس تراویح کے سلسلہ میں یہ حدیث یقیناً قابلِ استدلال ہے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صاحبِ تحفۃ الاحوذی لکھتے ہیں کہ:

قَوْلُهُ :(أَخْبَرَنِى عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَطَاءٍ)الْقُرَشِيُّ مَوْلَاهُمْ أَبُو مُحَمَّدٍ الْمَدِينِيُّ وَيُقَالُ لَهُ اِبْنُ أَبِى لَبِيبٍ صَدُوقٌ فِيهِ لِينٌ مِنُ السَّادِسَةِ .

(عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ (الْأَنْصَارِيُّ الْمَدَنِيُّ ثِقَةٌ مِنُ الرَّابِعَةِ (تحفة الاحوذى، تحت رقم الحديث ١٩٥٩ ،باب ما جاء أن المجالس أمانة)

[1] امداد الاحکام میں ہے کہ:

اگر غیر مقلد اس کے ضعیف ہونے کا دعویٰ کریں، تو کتاب وسنت سے دلیل لائیں، کسی عالم کا قول بیان نہ کریں، کیونکہ کسی عالم کا قول جب خود ان کے اوپر حجت نہیں، تو دوسروں پر اس سے حجت قائم کرنے کا ان کو کیا حق ہے؟

دوسرے اگر وہ دو عالموں کا قول اپنی تائید میں لائیں گے، تو ہم دس کا قول اس کے خلاف دکھلا سکتے ہیں (امداد الاحکام ج۱ص۶۴۲)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی حدیث کی سند یا اس کے راوی میں محدثین کی مختلف آراء ہونے کی صورت میں اگر کوئی کسی محدث کی جرح پیش کرے گا تو اس کے جواب میں دوسروں کی تعدیل بھی پیش کی جاسکتی ہے۔

اور اگر کوئی فقہائے کرام کی تقلید کو تو شرک سمجھتا ہو، لیکن ضعیف وقوی ہونے کے سلسلہ میں کسی کی تقلید پر مصِر ہو؛ تو یہ اس کا فعل ہے، لیکن اسے یہ حق نہیں کہ وہ دوسروں کو تو مقلد قرار دے کر برا بھلا کہے، اور خود تقلید کرکے اپنے آپ کو پاک صاف سمجھے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

(۵)...... ابنِ ابی شیبہ؛ یزید بن ہارون سے، اور وہ ابراہیم بن عثمان سے ؛ اور وہ حکم بن عتیبہ سے اور وہ مقسم سے؛ اور وہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَالْوِتْرَ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات (تراویح) اور وتر پڑھا کرتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

اس روایت کے پہلے راوی یزید بن ہارون ہیں۔

جو کہ انتہائی اعلیٰ درجہ کے ثقہ اور متقی و پرہیز گار ہیں، اور بڑے جلیل القدر محدثین نے ان کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے، اور ان کے حافظہ کی زبردست تحسین فرمائی ہے، اور ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں میں سے شمار کیا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۷۷۷۴، كتاب الصلاة،باب كم يصلى فى رمضان من ركعة.

[2] يزيد بن هارون بن زاذان السلمى مولاهم أبو خالد الواسطى ثقة متقن عابد من التاسعة مات سنة ست ومائتين وقد قارب التسعين ع.(تقريب التهذيب ج ا ص ۶۰۶)

يزيد بن هارون بن زاذى ، الامام القدوة، شيخ الاسلام، أبو خالد السلمى مولاهم (ع)الواسطى، الحافظ.مولده فى سنة ثمان عشرة ومئة............قال على بن المدينى :ما رأيت أحفظ من يزيد بن هارون ،وقال يحيى بن يحيى التميمى :هو أحفظ من وكيع.وقال أحمد بن حنبل :كان يزيد حافظا متقنا .وقال زياد بن أيوب :ما رأيت ليزيد كتابا قط، ولا حدثنا إلا حفظا .وقال على بن شعيب :سمعت يزيد بن هارون يقول: أحفظ أربعة وعشرين ألف حديث بالاسناد ولا فخر، وأحفظ للشاميين عشرين ألف حديث لا أسأل عنها .قلت :لانه أكثر إلى الغاية عن محدثى الشام :ابن عياش وبقية، وكان ذاك نازلا عنده، وإنما حسن سماع ذلك من أصحابهما فى أيام أحمد ابن حنبل ونحوه.قال المفضل بن زياد :سمعت أبا عبدالله وقيل له :يزيد بن هارون له فقه ؟ قال :نعم، ما كان أذكاه وأفهمه وأفطنه .قال أحمد بن سنان القطان :ما رأينا عالما قط أحسن صلاة من يزيد بن هارون، لم يكن يفتر من صلاة الليل والنهار .قال أبو حاتم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یزید بن ہارون اس حدیث کو ''ابراہیم بن عثمان'' سے روایت کرتے ہیں۔
ابراہیم بن عثمان، دراصل مشہور محدث ابوبکر بن ابی شیبہ کے رشتہ میں دادا ہیں۔
یہ واسط کے قاضی رہ چکے ہیں، اور اس روایت میں مذکور ان کے شاگرد ''یزید بن ہارون'' ان کے قاضی ہونے کے دور میں منشی وکاتب رہ چکے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الرازی :یزید ثقة إمام، لا يسأل عن مثله .وروى عمرو بن عون، عن هشيم، قال :ما بالمصرين مثل يزيد ابن هارون.وقال مؤمل بن يهاب :سمعت يزيد بن هارون يقول :ما دلست حديثا قط إلا حديثا واحدا عن عوف الاعرابی، فما بورک لی فيه .عن عاصم بن علی قال :كنت أنا ويزيد بن هارون عند قيس بن الربيع، فأما يزيد، فكان إذا صلى العتمة، لا يزال قائما حتى يصلى الغداة.بذلک الوضوء نيفا وأربعين سنة .وقال محمد بن إسماعيل الصائغ نزيل مكة :قال رجل ليزيد بن هارون :كم جزؤک ؟ قال :وأنام من الليل شيئا ؟ إذا لا أنام الله عينی .وقال يحيى بن أبی طالب :سمعت من يزيد ببغداد، وكان يقال :إن فی مجلسه سبعين ألفا .قلت :احتفل محدثو بغداد وأهلها لقدوم يزيد، وازدحموا عليه لجلالته وعلو إسناده.قال أحمد بن عبدالله العجلی :يزيد بن هارن ثقة ثبت متعبد حسن الصلاة جدا، يصلی الضحی ست عشرة ركعة، بها من الجودة غير قليل، قال :وكان قد عمی .قال أبو بكر بن أبی شيبة :ما رأيت أحدا أتقن حفظا من يزيد بن هارون .قال أحمد بن سنان :كان يزيد وهشيم معروفين بطول صلاة الليل والنهار .وقال يعقوب بن شيبة :كان يزيد يعد من الآمرين بالمعروف والناهين عن المنكر ......قال محمد بن رافع :سمعت يحيى بن يحيی يقول :كان بالعراق أربعة من الحفاظ :شيخان :يزيد بن زريع، وهشيم، وكهلان :وكيع، ويزيد بن هارون، ويزيد أحفظهما الابار :سمعت أحمد بن خالد يقول :سمعت يزيد بن هارون يقول :سمعت حديث الصور مرة، فحفظته، وأحفظ عشرين ألفا، فمن شاء ، فليدخل فيها حرفا...........روى أبو طالب، عن أحمد قال :كان يزيد حافظا متقنا للحديث، صحيح الحديث، عن حجاج بن أرطاة، قاهرا لها حافظا .وقال ابن معين :ثقة.وقال أبو زرعة: سمعت أبا بكر بن أبی شيبة يقول :ما رأيت أتقن حفظا من يزيد بن هارون .قال أبو زرعة :والاتقان أكبر من حفظ السرد .وقال أبو حاتم :ثقة إمام صدوق، لا يسأل عن مثله.وقال أحمد بن سنان، عن عفان :أخذ يزيد عن حماد بن سلمة حفظا، وهی صحاح، بها من الاستواء غير قليل، ومدحها.وقال أحمد بن سنان :ما رأيت عالما قط أحسن صلاة من يزيد بن هارون، يقوم كأنه أسطوانة.قال ابن سعد :كان ثقة كثير الحديث(سير اعلام النبلاء ج۹ص ۳۵۸ تا ۳۷۰ ملخصا،تحت ترجمة يزيد بن هارون، رقم الترجمة ۱۱۸)

اور وہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن عثمان اپنے زمانے میں فیصلہ کرنے میں سب سے زیادہ عادل تھے (ان کے بارے میں مزید تفصیل بعد میں آرہی ہے)

اور اس حدیث کے تیسرے راوی حکم بن عتیبہ ہیں، جو کہ امامِ کبیر اور ثقہ ہیں۔ [1]

اور اس حدیث کے چوتھے راوی حضرت مقسم ہیں، یہ بھی معتبر راوی ہیں۔ [2]

دوسری سند سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

(۲)...... امام طبرانی رحمہ اللہ علی بن جعد رحمہ اللہ کے حوالہ سے اس حدیث کو اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

كَـانَ الـنَّبِـيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيُ فِيُ رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ (المعجم الكبير للطبراني) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات (تراویح) اور وتر پڑھا کرتے تھے (طبرانی)

اس روایت میں ابراہیم بن عثمان سے اس حدیث کو روایت کرنے والے یہ دوسرے راوی

---

[1] الحكم بن عتيبة *(ع) الامام الكبير عالم أهل الكوفة، أبو محمد الكندى، مولاهم الكوفى، ويقال :أبو عمرو، ويقال :أبو عبد الله(سير اعلام النبلاء ج٥ص٢٠٨)
وقال احمد أيضا اثبت الناس فى ابراهيم الحكم ثم منصور وقال ابن معين وأبو حاتم والنسائى ثقة. زاد النسائى ثبت وكذا قال العجلى وزاد وكان من فقهاء اصحاب ابراهيم وكان صاحب سنة واتباع وكان فيه تشيع إلا أن ذلك لم يظهر منه(تهذيب التهذيب ج٢ص٤٣٣ و٤٣٤)
قال أبو الحسن الميمونى ، عن أحمد بن حنبل :قال شعبة لم يسمع الحكم حديث مقسم فى الحجامة والصيام من مقسم.وقال فى موضع آخر ، عن أحمد بن حنبل :لم يسمع الحكم من مقسم إلا أربعة أحاديث ، وأما غير ذلك فأخذها من كتاب (تهذيب الكمال ج٢٨ص٤٦٢،تحت ترجمة مقسم بن بجرة)

[2] مقسم بكسر أوله بن بجرة بضم الموحدة وسكون الجيم ويقال نجدة بفتح النون وبدال أبو القاسم مولى عبد الله بن الحارث ويقال له مولى بن عباس للزومه له صدوق وكان يرسل من الرابعة مات سنة إحدى ومائة وما له فى البخارى سوى حديث واحد(تقريب التهذيب ج١ص٥٤٥)

[3] رقم الحديث ١٢١٠٢،ج١١ص٣٩٣، باب العين،المعجم الاوسط ،رقم الحديث٥٤٤٠.

ہیں، جن کا نام علی بن جعد ہے، اور یہ ثقہ اور صدوق ہیں۔ [۱]

تیسری سند سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

(۷)...... امام طبرانی رحمہ اللہ نے ایک اور سند کے ساتھ اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ كَانَ يُصَلِّيُ فِيُ رَمَضَانَ عِشْرِيُنَ رَكُعَةً سِوَى الُوِتُرَ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۷۹۸، ج ا ص ۲۴۳، باب الالف، من اسمه احمد)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں وتروں کے علاوہ بیس رکعات (تراویح) پڑھا کرتے تھے (طبرانی)

اس سند میں بھی حضرت ابراہیم بن عثمان سے روایت کرنے والے علی بن جعد ہیں، جن پر کلام پہلے گزر چکا ہے۔

چوتھی سند سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

(۸)...... امام ابنِ حمید رحمہ اللہ، ابونعیم کے حوالہ سے اس حدیث کو اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

---

[۱] علی بن الجعد (خ، د) ابن عبید، الامام الحافظ الحجة مسند بغداد، أبو الحسن البغدادی............وقال محمد بن حماد المقرء :سألت یحیی بن معین عن علی بن الجعد، فقال :ثقة صدوق، ثقة صدوق، قلت :فهذا الذی کان منه ؟ فقال :أیش کان منه ؟ ثقة صدوق .وقال فیه مسلم :هو ثقة لکنه جهمی .قلت :ولهذا منع أحمد بن حنبل ولدیه من السماع منه .وقد کان طائفة من المحدثین یتنطعون فی من له هفوة صغیرة تخالف السنة، وإلا فعلی إمام کبیر حجة، یقال :مکث ستین سنة یصوم یوما، ویفطر یوما ، وبحسبک أن ابن عدی یقول فی "کامله :"لم أر فی روایاته حدیثا منکرا إذا حدث عنه ثقة.وقد قال یحیی بن معین :هو أثبت من أبی النضر .وعن علی بن الجعد :قال :سمعت بمکة فی سنة سبع وخمسین ومئة من سفیان الثوری .قال أبو حاتم :ما کان أحفظ علی بن الجعد لحدیثه، وهو صدوق (سیر اعلام النبلاء ج۱۰ ص ۴۵۹ تا ۴۶۲، ملخصاً، تحت ترجمة علی بن الجعد)

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً ، وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ (مسند عبد ابن حميد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھا کرتے تھے (مسند عبد بن حمید)

اس روایت میں حضرت ابراہم بن عثمان سے روایت کرنے والے حضرت ابونعیم فضل بن دکین ہیں، جو کہ بہت بڑے حافظُ الحدیث اور شیخُ الاسلام اور ثقہ شمار کئے گئے ہیں۔ [2]

پانچویں سند سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

(۹)...... اور امام بیہقی رحمہ اللہ منصور بن ابی مزاحم کے حوالہ سے اس حدیث کو اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ غَيْرِ جَمَاعَةٍ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ (السنن الكبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث ۴۲۸۶) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعات (تراویح) اور تین وتر پڑھا کرتے تھے (سنن البیہقی)

اس روایت میں حضرت ابراہم بن عثمان سے روایت کرنے والے حضرت منصور بن ابی مزاحم

---

[1] رقم الحديث ۶۵۳، ج ۱ ص ۲۱۸، مسند ابنِ عباس رضى الله عنه، الناشر: مكتبة السنة، القاهرة.

[2] أبو نعيم *(ع) الفضل بن دكين، الحافظ الكبير، شيخ الاسلام(سير اعلام النبلاء ج۱۰ ص ۱۴۲)

الفضل بن دكين الكوفى واسم دكين عمرو بن حماد بن زهير التيمى مولاهم الأحول أبو نعيم الملائى بضم الميم مشهور بكنيته ثقة ثبت(سير اعلام النبلاء ج۱۰ ص ۱۴۲)

من التاسعة مات سنة ثمانى عشرة وقيل تسع عشرة وكان مولده سنة ثلاثين وهو من كبار شيوخ البخارى (تقريب التهذيب ج ۱ ص ۴۴۶)

[3] جماع أبواب صلاة التطوع، وقيام شهر رمضان، باب ما روى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان.

ہیں، جوکہ ثقہ ہیں۔ [1]

چھٹی سند سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

(۱۰)...... ابوالحسن محمد بن طلحہ نعالی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۱۳ ہجری) منصور بن ابی مزاحم کے حوالہ سے اس حدیث کواس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ (جزء من حديث أبي الحسن محمد بن طلحة النعالى) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات (تراویح) اور وتر پڑھا کرتے تھے (جزء من حديث النعالى)

اس روایت میں بھی حضرت ابراہیم بن عثمان سے روایت کرنے والے حضرت منصور بن ابی مزاحم ہیں، جوکہ ثقہ ہیں۔

اب تک کی مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم بن عثمان رحمہ اللہ سے بیس تراویح کی اس حدیث کوروایت کرنے والے یہ چار حضرات ہیں:

(۱) یزید بن ہارون (۲) علی بن جعد

(۳) ابونعیم فضل بن دکین (۴) منصور بن ابی مزاحم

اور یہ چاروں حضرات درجہ بدرجہ ثقہ ہیں۔

اوران چاروں حضرات کے اس حدیث کوروایت کرنے سے اس حدیث کی اصل ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

رہا معاملہ حضرت ابراہیم بن عثمان رحمہ اللہ کا؛ تو یہ اتباعِ تابعین کے دَور سے تعلق رکھتے ہیں،

---

[1] منصور بن أبي مزاحم بشير التركي أبو نصر البغدادي الكاتب ثقة من العاشرة مات سنة خمس وثلاثين وهو ابن ثمانين سنة (تقريب التهذيب ج ا ص۵۴۷)

[2] رقم الحديث ۳۳، ص ۳۴، الناشر: مخطوط نُشر في برنامج جوامع الكلم المجاني التابع لموقع الشبكة الإسلامية.

اورواسط کے قاضی رہ چکے ہیں۔

اوراس دور کے خیر ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے۔

اور یزید بن ھارون (جن کا پہلے ذکر ہوا، اور ابنِ ابی شیبۃ کی روایت میں یہی ان سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں) ابراہیم بن عثمان کے واسط میں قاضی ہونے کے دور میں ان کے منشی اورکاتب رہ چکے ہیں۔

اور وہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن عثمان اپنے زمانے میں فیصلہ کرنے میں سب سے زیادہ عادل تھے۔ [1]

ظاہر ہے کہ ابراہیم بن عثمان کے بارے میں ایک ایسے مسلمہ محدث کی شہادت؛ جوکہ ان کے منشیِ خاص اور محررِ خاص رہ چکے ہیں، انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

اورامام ابنِ عدی فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم بن عثمان کی احادیث صالح ہیں، اوراگرچہ یہ ضعیف ہیں لیکن یہ ابراہیم بن ابی حیۃ سے بہتر ہیں۔ [2]

---

[1] سمعت يحيى يقول أبو شيبة هو جد ابنى أبى شيبة وقال يزيد بن هارون ما قضى على الناس رجل يعنى فى زمانه أعدل فى قضائه منه وكان يزيد بن هارون على كتابته أيام كان قاضيا(تاريخ ابن معين رواية الدورى، ج ۳ص ۵۲۳،رقم الترجمة ۲۵۵۷،الناشر:مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي -مكة المكرمة)

حدثنا العباس بن محمد ، قال :حدثنا يحيى ، قال :حدثنا نوح بن دراج ، قال :أخبرنى إبراهيم بن عثمان بن خواستى ، وهو أبو شيبة (الكبير) ، جد بنى أبى شيبة ، واسم أبيهم :محمد ، وكان أبوهم قاضيا ببعض فارس ، ومات بها ، وهو أبو بنى أبى شيبة ، وبنو أبى شيبة يقولون أبو سعدة جدنا ، وأبو سعدة هو صاحب حديث سعد .وفى موضع آخر :أبو شيبة جد بنى أبى شيبة .قال :يزيد بن هارون :ما قضى على الناس رجل فى زمانه أعدل فى القضاء منه ، وكان يزيد بن هارون على كتابته أيام كان قاضيا (الكنى والأسماء ،لأبى بشر محمد بن أحمد بن حماد الدولابى، ج۲ص ۶۳۴،باب حرف الشين، الناشر:دار ابنِ حزم، بيروت)

[2] ولأبى شيبة أحاديث صالحة غير ما ذكرت عن الحكم وعن غيره وهو ضعيف على ما بينته وهو وان كان نسب الى الضعف فإنه خير من إبراهيم بن أبى حية الذى تقدم ذكره (الكامل فى ضعفاء الرجال، ج ۱ ص ۲۴۱،تحت ترجمة إبراهيم بن عثمان أبو شيبة العبسى، الناشر،دارالفكر بيروت)

ان کی حکم سے مروی روایت کا جواستثناء کیا گیا ہے، وہ اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ بعض حضرات نے اس کو صحیح احادیث کے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جب یہ بقول ابنِ عدی، ابراہیم بن حیہ سے بہتر ہیں، تو ابراہیم بن حیہ کو ابنِ معین نے ایک روایت میں ثقہ قرار دیا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

معارض سمجھا ہے، جبکہ یہ صحیح احادیث کے معارض نہیں، کیونکہ جن احادیث کے اس کو معارض سمجھا گیا ہے، وہ احادیث تہجد سے متعلق ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، لہٰذا تعارض نہ ہونے کی صورت میں اس استثناء کی ضرورت نہیں۔

وقال العباس :سمعت يحيى يقول قال يزيد بن هارون :ما قضى على الناس رجل ، يعنى فى زمانه - أعدل فى قضاء منه ، وكان يزيد بن هارون على كتابه أيام كان قاضيا.

وقال أبو أحمد بن عدى له أحاديث صالحة وهو ضعيف على ما بينته ، وهو وإن نسبوه إلى الضعف خير من إبراهيم بن أبى حية.قال الهيثم بن عدى توفى فى خلافة هارون.وقال قعنب بن المحرر مات سنة تسع وستين ومئة. روى له الترمذى وابن ماجة (تهذيب الكمال للمزى ج٢ص ١٥١ ،تحت ترجمة إبراهيم بن عثمان بن خواستى العبسى)

وقال عباس الدورى عن يحيى بن معين قال قال يزيد بن هارون ما قضى على الناس رجل يعنى فى زمانه أعدل فى قضاء منه وكان يزيد على كتابته أيام كان قاضيا وقال ابن عدى له أحاديث صالحة وهو خير من ابراهيم بن أبى حية قال قعنب بن المحرر مات سنة ١٦٩ (تهذيب التهذيب، ج١ ص ١٣٥ ،ذكر من اسمه ابراهيم)

[۱] حدثنا عبد الرحمن نا يعقوب بن إسحاق الهروى فيما كتب إلى ثنا عثمان بن سعيد الدارمى قال سألت يحيى بن معين قلت :إبراهيم بن أبى حية ؟ فقال :شيخ ثقة (الجرح والتعديل لابن ابى حاتم، ج٢ ص ٩٥ ،تحت ترجمة ابراهيم بن ابى حية، رقم الترجمة ٢٦٠)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

> شاید کوئی غیر مقلد ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے سند پر کچھ کلام کرے تو اس کو تہذیب التہذیب میں حافظ ابن عدی کا یہ قول دیکھ لینا چاہئے، **له احاديث صالحة وهو خير من ابراهيم ابن ابى حية** اھ اس کی یعنی ابراہیم بن عثمان کی احادیث عمدہ ہیں، اور وہ ابراہیم بن ابی حیہ سے بہتر ہے اب ذرا ابراہیم بن ابی حیہ کو بھی لسان المیزان میں دیکھ لو تو اس کے متعلق یحییٰ بن معین امام جرح وتعدیل کا یہ قول ہے، **نقل عثمان الدارمى عن يحيىٰ بن معين انه قال شيخ ثقة كبير** "یعنی عثمان دارمی نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابراہیم بن ابی حیہ کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ شیخ ثقہ ہے بزرگ ہے"

اب بتلاؤ جو شخص ایسے ثقہ شیخ کبیر سے بھی بہتر ہو وہ کیا کچھ ہوگا، پھر ابراہیم بن عثمان کی عدالت وغیرہ کی تعریف امام یزید بن ہارون، محدث حنفی نے کی ہے جو ابراہیم مذکور کے کاتب ومنشی زمانۂ قضاء میں رہ چکے ہیں، اس لئے ہم اس کو ضعیف ماننے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ اس کی تعریف ایک حنفی محدث اور حافظ ابن عدی نے کی ہے، ہمارے لئے تو ایک محدث حنفی کی تعریف ہی راوی کے معتبر ہونے کو کافی تھی، خواہ سارے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابراہیم بن عثمان کو جو متعدد محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، وہ شدید درجہ (یعنی کذب اور فسق کی حد تک) کا ضعف نہیں ہے۔ ۱؎
بلکہ زیادہ سے زیادہ حفظ کی جہت سے ہے، اور وہ بھی اتنا شدید نہیں ہے۔ ۲؎

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

محدثین اس کو ضعیف کہتے ہوں، چہ جائیکہ اس کے ساتھ ابن عدی جیسا امام جرح وتعدیل مسلم فریقین بھی اس کی احادیث کو عمدہ کہتا ہے، تو اب کوئی وجہ نہیں کہ ہم ابراہیم بن عثمان کی حدیث کو ضعیف مانیں۔
اور اگر کوئی غیر مقلد اس حدیث کے ضعیف ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ اول حدیث کے ردوقبول کے اصول کتاب وسنت سے بیان کرے، پھر اس حدیث کو ضعیف ثابت کرے، اور جو چاہے انعام ہم سے لے لے (امدادالاحکام ج۱ص۶۴۸ تا ۶۴۹)

۱؎ اور اگر کسی نے ان پر کذب یا فسق کا الزام عائد کیا ہو تو وہ واقع کے مطابق نہیں۔
چنانچہ محدثِ شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جتنی جرحیں نقل کی جاتی ہیں، سب مقبول نہیں ہیں، بعض ان میں سے مردود بھی ہیں، لیکن افسوس کی بات ہے مقبول جرحوں کے ساتھ مردود جرحوں کو بھی نقل کردیا جاتا ہے، مثلاً نقل کیا جاتا ہے کہ شعبہ نے ابراہیم کی تکذیب کی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ شعبہ کی تکذیب قابلِ قبول نہیں ہے، جیسا کہ حافظ ذہبی کے بیان سے ظاہر ہے، ذہبی نے میزان الاعتدال ج۱ص۲۳ میں لکھا ہے:
كذبه شعبة لكونه روى عن الحكم عن ابن أبي ليلى أنه قال :شهد صفين من أهل بدر سبعون فقال :شعبة كذب، والله لقد ذاكرت الحكم فما وجدنا شهد صفين أحدا من أهل بدر غير خزيمة.قلت :سبحان الله، أما شهدها علي !أما شهدها عمار.......
دیکھئے اس بیان سے شعبہ کی تکذیب کی حقیقت کھل گئی، اور معلوم ہوگیا کہ انہوں نے اس وجہ سے تکذیب کی تھی، کہ ابراہیم نے حکم کے واسطہ سے ابنِ ابی لیلیٰ کا یہ بیان روایت کیا تھا کہ صفین میں ستر بدری صحابی شریک تھے، مگر جب شعبہ نے حکم سے مذاکرہ کیا تو ایک سے زیادہ بدری صحابی کی شرکت معلوم نہ ہوسکی، تو اس سے ابراہیم کا جھوٹ کیونکر ثابت ہوا؟ ان کا جھوٹ تو جب ثابت ہوتا کہ شعبہ جب حکم سے مذاکرہ کرنے گئے تھے، تو وہ یہ کہتے کہ میں نے ابراہیم سے یہ بیان نہیں کیا، مگر شعبہ حکم کا انکار نہیں کرتے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ مذاکرہ سے صرف ایک صحابی ثابت ہوا، لہٰذا اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حکم نے ضرور بیان کیا تھا......
اس بیان سے شعبہ کی تکذیب کا ناقابلِ قبول ہونا واضح ہوگیا (رکعات تراویح ص۵۶، و۵۸ ملخصاً، ناشر: مجلس علمی، جامعہ مفتاح العلوم مئو، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا، طابع: تنویر پریس لکھنؤ)
۲؎ چنانچہ محدثِ شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
اب رہی قوتِ حافظہ تو ابنِ عدی کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم کا حافظہ بھی بہت زیادہ خراب نہ تھا،

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

اور بعض حضرات کے نزدیک تو ابراہیم بن عثمان سرے سے ضعیف ہی نہیں ہیں۔ ؎۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اس لئے کہ ابنِ عدی نے اقرار کیا ہے کہ ابراہیم کی مرویات میں درست اور ٹھیک حدیثیں بھی ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا حافظہ بالکل خراب نہیں تھا، ورنہ اس کے پاس درست حدیثیں کیوں ہوتیں؟ اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ ابراہیم کے باب میں جس قدر مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے، وہ صحیح نہیں ہے، وہ مجروح بے شک ہے، لیکن نہ اتنا کہ جتنا بتایا جاتا ہے۔

بہرحال ہم کو اتنا تسلیم ہے کہ ابراہیم ضعیف راوی ہے، اور اس کی وجہ سے یہ حدیث بھی ضعیف ہے، لیکن ابراہیم اتنا ضعیف و مجروح نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے یہ حدیث مصنوعی یا بے اصل روایتوں میں جگہ پانے کی مستحق ہو، وہ ایسی نہ سہی کہ بالکلیہ اسی پر اعتماد کیا جائے، لیکن ایسی بھی نہیں ہے کہ استدلال یا تائید کے موقع پر اس کا ذکر بھی نہ کیا جائے (رکعات تراویح ص۵۹)

؎۱ رہا بعض حضرات کا ان کو متروک قرار دینا (کمافی تقریب التھذیب) تو اس سے اتفاق نہیں، کیونکہ متروک ہونا تب معتبر ہے، جبکہ ان کے ترک پر اجماع ہو، اور اوپر امام مزی کے حوالے سے ابواحمد بن عدی کا یہ قول گزر چکا ہے کہ ''لہٗ احادیث صالحۃ'' اس کے علاوہ امام مزی کا یہ فیصلہ بھی گزر چکا ہے کہ ان کی طرف محدثین کے ضعف کی نسبت کرنے کے باوجود یہ ابراہیم بن ابی حیۃ سے بہتر ہیں۔

اور ابراہیم بن ابی حیۃ کے بارے میں یحییٰ بن معین کا یہ قول گزر چکا ہے کہ ''شیخ ثقۃ''۔

أخبرنا أبو بكر بن عبد المنعم الصاعدی الفراوی، قراء ۃ علیه بنیسابور قال :أخبرنا محمد بن إسماعیل الفارسی قال :أخبرنا أبو بكر أحمد بن الحسین البیهقی الحافظ :أخبرنا الحسین بن الفضل :أخبرنا عبدالله بن جعفر :حدثنا یعقوب بن سفیان، قال :سمعت أحمد بن صالح، قال :لا یترک حدیث رجل حتی یجتمع الجمیع علی ترک حدیثه .قد یقال :فلان ضعیف، فأما أن یقال : فلان متروک، فلا، إلا أن یجتمع الجمیع علی ترک حدیثه(مقدمة ابن الصلاح ،ص ۲۴۶،النوع الثالث والعشرون معرفة صفة من تقبل روایته، ومن ترد روایته،الناشر:دارالکتب العلمیة،بیروت)

قال یعقوب وقال لی أحمد مذهبی فی الرجال انی لا أترک حدیث محدث حتی یجتمع أهل مصر علی ترک حدیثه (تهذیب التهذیب، ج۵ ص ۳۷۷، حرف العین)

قلت :وعند بعض النقاد لا یترک حدیث الراوی حتی یجتمع الجمیع علی ترک حدیثه ، وعلی هذا فمن لم یتفق علی ترک حدیثه فهو عند هذه الطائفة صالح للاعتبار .

وهذه طریقة أحمد بن صالح المصری .قال یعقوب بن سفیان :سمعت أحمد بن صالح، وذكر مسلمة بن علی ، قال " :لا یترک حدیث رجل حتی یجتمع الجمیع علی ترک حدیثه ، قد یقال : (فلان ضعیف) ، فأما أن یقال :(فلان متروک) فلا ، إلا أن یجتمع الجمیع علی ترک حدیثه " وكذلک جاء عن أحمد بن شعیب النسائی ، أنه لا یترک حدیث الرجل حتی یجتمع الجمیع علی ترک حدیثه (تحریر علوم الحدیث للجدیع، ج۲ ص ۱۰۸۹ ،الباب الثانی، المبحث

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس بعض حضرات نے ان پر جو سخت جرحیں نقل کی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ وہ مؤثر نہیں ہیں۔ [1]

حدیثِ ابنِ عباس کے حسن ومقبول ہونے کی بحث

پس مذکورہ تفصیل کی روشنی میں بنظرِ انصاف جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس حدیث کو حسن کہنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

اور اگر اس کے باوجود کوئی اس بات کو تسلیم نہ کرے اور ان کو ضعیف کہنے پر ہی مصِر رہے؛ تو تب بھی اس حدیث کی شان پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اور یہ حدیث مقبول درجہ سے کم نہیں ہوتی۔ جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

(۱)...... اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے تائید حاصل ہے۔

اور جب ضعیف حدیث کو کسی دوسری حدیث سے تائید حاصل ہو جائے؛ اگر چہ وہ دوسری حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو، تو اس کا ضعف منجبر ہو جاتا ہے۔

(۲)...... اس حدیث کو خلفائے راشدین کے عمل سے قوت حاصل ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الثانی، صلاحية الراوی؛ تأليف، عبد الله بن يوسف الجُديع، الناشر: مؤسسة الريان للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت)

[1] کسی راوی میں کسی محدث کے طعن وجرح سے اگر وہ راوی ضعیف یا اس کی احادیث ضعیف ہو جایا کریں تو خود امام بخاری بھی ضعیف اور ان کی احادیث بھی ضعیف ہو جائیں گی، کیونکہ امام بخاری پر بھی امام محمد بن یحییٰ ذہلی نے جرح کی ہے، دیکھو مقدمۂ فتح الباری، نیز بخاری کے بہت سے راویوں پر بعض محدثین نے جرح وطعن کیا ہے، جیسا کہ مقدمۂ فتح الباری کے مطالعہ سے واضح ہوگا، پس اگر بعض محدثین کا طعن بوجہ دوسرے محدثین کی توثیق وتعدیل کے امام بخاری میں اور ان کی احادیث میں مؤثر نہیں ہو سکتا، تو ابراہیم بن عثمان میں بھی کسی کا طعن حافظ ابنِ عدی کی تعدیل اور یزید بن ہارون کی تعریف کے بعد مؤثر نہ ہونا چاہئے، لہٰذا کسی کا منہ نہیں جو اس حدیث کو ضعیف کہہ سکے، اور علمائے حنفیہ میں سے بھی کسی نے بعض محدثین کی تقلید کر کے اس کو ضعیف کہہ دیا ہو تو ان کا قول ہم پر حجت نہیں، کیونکہ اس وقت اصولی گفتگو ہو رہی ہے، تقلیدی گفتگو نہیں (امداد الاحکام ج۱ ص۶۴۹)

اورخلفائے راشدین کا عمل صحیح احادیث کی روشنی میں بذاتِ خودسنت ہے۔
(جس کی تفصیل آگے آتی ہے)

(۳)......اس حدیث سے متعدد فقہاء نے بیس تراویح پر استدلال کیا ہے۔ [۱]
اور فقہائے کرام کے کسی حدیث سے استدلال کرنے سے وہ مقبول درجہ حاصل کرلیتی ہے۔ [۲]

(۴)...... اس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے، یعنی صحابہ وتابعین اور جمہور امت کا تعامل اس کے مطابق ہے۔
اور جب کسی حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہوجائے تو وہ اس کی وجہ سے مقبول قرار پاتی ہے، اگرچہ اس کی سند صحیح نہ ہو۔ [۳]

---

[۱] ولنا ما روى عن ابن عباس رضى الله تعالى عنه أنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى عشرين ركعة فى شهر رمضان ثم كان يوتر بثلاث بعدها خص رمضان بالذكر فالظاهر أنه أراد به التراويح وهو المشهور من الصحابة والتابعين رضوان الله عليهم أجمعين (فتاوى قاضى خان ،كتاب الصوم)

[۲] المجتهد اذا استدل بحديث كان تصحيحا له، كمافى التخريج لابن الهمام وغيره.
وفى تدريب الراوى: قال ابن الحسن بن الحصار فى تقريب المدارک على مؤطا مالک قديعلم الفقيه صحة الحديث. اذا لم يكن فى سنده كذاب، وموافقة آية من كتاب الله او بعض اصول الشريعة ، فيحمله ذالک على قبوله والعمل به. قلت فيكون مثل هذا تصحيحا لغيره لالذاته، كما يشعر به كلام السيوطى فى التدريب متصلا بقوله المذكور. وقال الحافظ فى التلخيص الحبير فى حديث تكلم فيه البيهقى مانصه ، وقد احتج بهذا الحديث احمد وابن المنذر ،وفى جزمها بذالک دليل على صحته عندهااه. قلت: وكذافى جزم كل مجتهد بحديث دليل على صحته عنده فافهم. وقال ابن الجوزى فى التحقيق فاذا اورد الحديث محدث واحتج به حافظ، لم يقع فى النفوس الا انه صحيح، كذافى نصب الراية. وقال الحافظ فى الفتح اخرجه ابن حزم محتجا به. قلت: فكل حديث ذكره محمد بن الحسن الامام، او المحدث الحافظ الطحاوى ، محتجين به، فهو حجة صحيحة على هذاالاصل لكونهما محدثين مجتهدين كماسنبينه فى موضعه(قواعد فى علوم الحديث مقدمة اعلاء السنن جلد ۱۹ ص۵۷تا ۵۹)

[۳] وظاهر كلام أبى الحسن بن القطان يرشد إليه فإنه قال هذا القسم لا يحتج به كله بل يعمل به فى فضائل الأعمال ويتوقف عن العمل به فى الأحكام إلا إذا كثرت طرقه أو عضده اتصال عمل أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَأَمَّا تَضْعِيفُ الْحَدِيثِ بِمَنْ ذَكَرَ فَقَدْ يُقَالُ إِنَّهُ اعْتَضَدَ بِمَا مَرَّ مِنْ نَقْلِ الْإِجْمَاعِ عَلَى سُنِّيَّتِهَا مِنْ غَيْرِ تَفْصِيلٍ مَعَ قَوْلِ الْإِمَامِ رَحِمَهُ اللّٰهُ إِنَّ مَا فَعَلَهُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمْ يَتَخَرَّجْهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهِ وَلَمْ يَكُنْ فِيهِ مُبْتَدِعًا وَلَمْ يَأْمُرْ بِهِ إِلَّا عَنْ أَصْلٍ لَدَيْهِ وَعَهْدٍ مِّنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هـ فَتَأَمَّلْ مُنَصَّفًا (منحة الخالق على هامش البحر الرائق) [1]

ترجمہ: اور رہا اس حدیث کی سند میں مذکور بعض راویوں کی وجہ سے اس حدیث کو

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

موافقة شاهد صحيح أو ظاهر القرآن واستحسنه شيخنا -يعني ابن حجر(قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث،ص ۱۰۹، بحث الضعيف إذا تعددت طرقه، المؤلف :العلامة جمال الدين القاسمي الدمشقي،الناشر:دارالكتب العلمية، بيروت)

قد يحكم للحديث بالصحة، اذا تلقّاه الناس بالقبول، وان لم يكن له اسناد صحيح.

قال ابن عبدالبر فى الاستذكار لماحكى عن الترمذى ان البخارى صحح حديث البحر "هو الطهور ماء ه" واهل الحديث لايصححون مثل اسناده.لكن الحديث عندى صحيح ، لان العلماء تلقوه بالقبول.قلت: والقبول تارة بالقول وتارة بالعمل عليه، ولذا قال المحقق فى الفتح: وقول الترمذى: (العمل عليه عند اهل العلم) يقتضى قوة أصله، وان ضعَّف خصوصَ هذا الطريق اه .وقال السيوطى فى التعقبات :الحديث اخرجه الترمذى ،وقال حسين ضعَّفه احمد وغيره، والعمل عليه عند اهل العلم. فاشار بذلک ان الحديث اعتضد بقول أهل العلم ، وقد صرح غير واحد بان من دليل صحة الحديث قولَ اهل العلم به ، وان لم يكن له اسناد يُعتمَد على مثله اه (قواعد فى علوم الحديث مقدمة اعلاء السنن جلد ۱۹ ص۶۰ تا ۶۲)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

وقال المحقق فى الفتح اذا تايد الضعيف بما يدل على صحته من القرائن كان صحيحا . وقال ايضا لقائل ان يقول الحكم بالضعف والصحة انما هو فى الظاهر ، اما فى نفس الامر فيجوز صحة ماحكم بضعفه ظاهرا اه. اى اذا قامت قرينة عليها، كما مثل لذالک متصلا بكلامه المذكور بثبوت كون مذهب ابى هريرة، بكفاية الغسل ثلاثا من ولوغ الكلب فى الاناء ،انه قرينة تفيد صحة ماروى فى هذا الباب عنه مرفوعا، وان هذا مما اجاده الراوى المضعف (قواعد فى علوم الحديث مقدمة اعلاء السنن جلد ۱۹ ص۵۷ تا ۵۹)

[1] ج۲ ص۷۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل،بيان صلاة التراويح .

ضعیف قرار دینے کا معاملہ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس کے سنت ہونے پر جو اجماع نقل کیا جا چکا ہے، اس کو اس سے تائید حاصل ہے، نیز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اس قول سے بھی تائید حاصل ہے، کہ بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے کوئی چیز دین میں داخل نہیں کی، اور وہ اس معاملہ میں نعوذ باللہ مبتدع نہیں تھے، اور انہوں نے جو اس کا حکم دیا وہ اسی وجہ سے تھا کہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عہد تھا، اس لئے آپ کو انصاف سے غور کرنا چاہیئے (منحۃ الخالق)

اور العرفُ الشذی میں ہے کہ:

وَفِی التَّاتَارْخَانِیَّةِ سَأَلَ أَبُوْ یُوْسَفَ أَبَا حَنِیْفَةَ: هَلْ کَانَ لِعُمَرَ عَهْدٌ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ قَرَّرَ التَّرَاوِیْحَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَأَعْلَنَ بِهَا؟ قَالَ أَبُوْ حَنِیْفَةَ: لَمْ یَکُنْ عُمَرُ مُبْتَدِعًا أَیْ لَا بُدَّ مِنْ کَوْنِ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً مَرْفُوْعَةً (العرف الشذی للکشمیری) [1]

ترجمہ: تاتارخانیہ میں مذکور ہے کہ امام ابو یوسف (رحمہ اللہ) نے حضرت امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) سے سوال کیا کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیس تراویح کو باجماعت علی الاعلان شروع کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی عہد تھا؟ تو اس کے جواب میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نعوذ باللہ مبتدع نہیں تھے، یعنی یہ بات ضروری ہے کہ بیس رکعات تراویح کا ہونا مرفوع ہے (عرف الشذی)

اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ابو شیبہ کے نزدیک جد ابوبکر بن ابی شیبہ میں اس قدر ضعف ثابت نہیں کہ ان کی

---

[1] ج ۱ ص ۳۱۴، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی وصف صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل.

حدیث مطلق متروک کردی جائے، البتہ اگراس حدیث کے معارض کوئی دوسری حدیث صحیح ہوتی تو وہ حدیث ساقط ہوسکتی اوراوپر بیان کیا گیا کہ یہ جو بعض لوگوں کا گمان ہوتا ہے کہ اس حدیث کے معارض حدیث ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی ہے، جو ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے اور وہ حدیث اوپر مذکور ہوئی ہے تو یہ گمان صحیح نہیں، درحقیقت یہ حدیث ابوسلمہ کی معارض نہیں، تو وہ حدیث جس سے بیس رکعت تراویح کی نماز پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جو اوپر مذکور ہے صحیح وسالم ہے، قابلِ عمل ہے، اور کیوں اس حدیث میں شبہ کیا جائے حالانکہ فعلِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے (فتاوی عزیزی ص ۴۸۴) [1]

لہٰذا اس حدیث سے بیس تراویح کی دلیل پکڑنا یقیناً درست اور صحیح ہے۔ [2]

اور مشکاۃُ المصابیح کی شرح ''التعلیق الصبیح'' میں ہے کہ:

---

[1] باب الفقه، مطبوعه: ایچ ایم سعید، کراچی، سنِ اشاعت: ۱۴۱۲ ھ.

[2] حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

غیر مقلد بتلائیں کہ وہ اس اجماع کی مخالفت کر کے کہاں رہیں گے، اخیر میں ہم اتنا اور بتلائے دیتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہ تمام آثار اور ان کا بیس رکعات تراویح پر اجماع واتفاق کرنا یہ سب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی تائید کررہا ہے جو ابن ابی شیبہ نے مرفوعاً ان سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات اور وتر پڑھا کرتے تھے، اب اس حدیث کے صحیح ہونے میں کچھ شک نہیں، کیونکہ حدیث کی صحت کی یہ بھی دلیل ہے کہ امت نے اس کی تَلَقِّیْ بِالْقُبُوْلِ کی ہو، قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں منتقی کی پہلی ہی حدیث کی شرح میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے (ص ۱۵ ج ۱) اور اس سے بڑھ کر تلقی کیا ہوگی کہ خلفائے ثلثہ کے عہد میں صحابہ نے بیس رکعت تراویح پر اجماع واتفاق کیا، اور ان کے بعد سے اب تک تمام امت کا اس پر اتفاق چلا آرہا ہے، اگر کسی نے بیس پر زیادتی کی ہو تو کی ہو بیس سے کمی کسی نے نہیں کی، سوائے غیر مقلدوں کے اور ہم ان کے تمام دلائل کا ضعیف ہونا اوپر ظاہر کرچکے پس حدیث مرفوع صحیح بالتلقی وحسن بالسند اور آثار کثیرہ واجماعِ صحابہ کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کو جس کے دل میں خدا کا خوف ہو یہ حق نہیں کہ وہ بیس رکعات تراویح کا انکار کرے، یا اس کو خلافِ سنت کہے، اور گیارہ رکعت کو رواج دے، خدا ایسی سستی اور کاہلی سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے (امداد الاحکام ج ۱ ص ۶۵۲ تا ۶۵۳)

ثُـمَّ اِعْلَمْ اَنَّ الْحَدِيْثَ الَّذِىْ رَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ فِىْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً اَلَّذِىْ ضَـعَّـفَـهُ اَئِمَّةُ الْحَدِيْثِ هُوَ صَحِيْحٌ عِنْدَ هٰذَا الْعَبْدِ الضَّعِيْفِ عَفَا اللّٰهُ عَـنْـهُ. لِـمَـا ذَكَرَهُ الْعَلَّامَةُ السُّيُوْطِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى التَّدْرِيْبِ ، قَـالَ بَـعْضُهُمْ يُحْكَمُ لِلْحَدِيْثِ بِالصِّحَّةِ اِذَا تَلَقَّاهُ النَّاسُ بِالْقُبُوْلِ وَاِنْ لَّـمْ يَـكُـنْ لَّـهُ اِسْـنَـادٌ صَـحِيْـحٌ. وَقَـالَ اِبْـنُ عَبْدِالْبَرِّ فِى الْاِسْتِذْكَارِ لَـمَّـا حَـكٰـى عَـنِ التِّـرْمِـذِىِّ اَنَّ الْبُـخَـارِىَّ صَحَّحَ حَدِيْثَ الْبَحْرِ هُوَ الـطُّهُـوْرُ مَـاءُهٗ وَاَهْـلُ الْـحَـدِيْـثِ لَايُـصَـحِّحُوْنَ مِثْلَ اِسْنَادِهٖ لٰـكِنَّ الْـحَـدِيْـثَ الَّـذِىْ عِـنْدِىْ صَحِيْحٌ لِتَلَقِّى الْعُلَمَاءِ بِالْقُبُوْلِ .وَقَالَ فِى التَّـمْهِيْـدِ رُوِىَ عَـنْ جَـابِـرٍ عَـنِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم اَلدِّيْنَارُ اَرْبَـعَةٌ وَّعِشْـرُوْنَ قِيْـرَاطًـا،قَـالَ وَفِـىْ قَوْلِ جَمَاعَةِ الْعُلَمَاءِ وَاِجْمَاعِ الـنَّـاسِ عَـلٰـى مَـعْـنَـاهُ غِـنًـى، عَنْ اِسْنَادِهٖ، وَنُقِلَ مِثْلُ ذٰلِكَ عَنْ اِبْنِ الْمُبَارَكِ وَالْاُسْتَاذِ اَبِىْ اِسْحَاقَ الْاَسْفَرَايِيْنِىْ .اِنْتَهٰى.

فَـاِذَاكَـانَ الْـحَـدِيْـثُ يُـصَـحَّـحُ بِتَـلَـقِّى الْعُلَمَاءِ الصَّالِحِيْنَ فَكَيْفَ لَايُـصَـحَّـحُ بِتَـلَـقِّـى الْـخُـلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ وَسَائِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَجَمْهُوْرِ الْاَئِمَّةِ وَالْمُجْتَهِدِيْنَ ،وَمَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَاللّٰهِ حَسَـنٌ ،فَـحَـدِيْـثُ اِبْنِ عَبَّاسٍ فِىْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً اَلَّذِىْ تَلَقَّاهُ الْخُلَفَاءُ الـرَّاشِـدُوْنَ وَالسَّـابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ، وَالَّذِىْ اِسْتَـقَـرَّ عَـلَيْهِ الْاَمْرُ فِىْ سَائِرِ الْبُلْدَانِ وَالْاَمْصَارِ اَحَقُّ بِالتَّصْحِيْحِ مِنْ حَـدِيْـثِ الْبَـحْرِ وَاَجْدَرُ بِالتَّحْسِيْنِ مِنْ حَدِيْثِ الدِّيْنَارِ (التعليق الصبيح ج۲ص۱۰۵،باب قيام شهر رمضان) ؎

؎ وفى اعلاء السنن:

وهذا الاثر قد تأيد بمواظبة الخلفاء والصحابة فى ليالى رمضان على القدر الذى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: پھر آپ کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ وہ حدیث جس کو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات تراویح کے بارے میں روایت کیا ہے، اوراس کو ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے، وہ بندۂ ضعیف عفا اللہ عنہ کے نزدیک صحیح ہے۔

بوجہ اس کے کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تدریب میں ذکر کیا ہے کہ: بعض حضرات نے فرمایا کہ حدیث کے صحیح ہونے کا اس وقت بھی حکم لگا دیا جاتا ہے، جب لوگوں کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہو جائے، اگرچہ اس کی اسناد صحیح نہ ہو۔

اور ابنِ عبدالبر نے استذکار میں فرمایا کہ: امام ترمذی سے منقول ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو کہ ''سمندر کا پانی پاک ہے'' صحیح قرار دیا ہے، اور محدثین اس طرح کی سند کو صحیح قرار نہیں دیتے، لیکن یہ حدیث میرے نزدیک اس لئے صحیح ہے کہ علماء کی طرف سے اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔

اور تمہید میں فرمایا کہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ دینار چوبیس قیراط کا ہوتا ہے، اور فرمایا کہ علماء کی جماعت اور لوگوں کے اجماع کے قول نے اس کی سند سے بے نیاز کر دیا، اوراسی طرح حضرت ابنِ مبارک اور استاد ابو اسحاق اسفرایینی سے بھی منقول ہے، تمہید کا کلام ختم ہوا۔

پس جب علمائے صالحین کے قبول کر لینے سے بھی حدیث صحیح قرار پاتی ہے، تو

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ذكر فيه، وقد قدمناه فى المقدمة ان المرسل ضعيف عند الشافعي ومن تابعه، ولكن اذا وافقه قول صحابى صار حجة عندالكل، وصرح بذلك ابن الهمام نفسه فى "الفتح" فقال: وقول الترمذى:"العمل عليه عند اهل العلم يقتضى قوة اصله وان ضعف خصوص هذا الطريق اهـ(ا :١٨٨)واى اهل العلم افضل من الخلفاء والصحابة؟فكيف لايكون عملهم دليلا على قوة اصله؟فالحق ان الاثر ان لم يكن صحيحا فلااقل من ان يكون حسنا.

واما قوله: مع مخالفته للصحيح اهـ، فقد اجبنا عنه آنفا، واثبتناان الاثر ليس بمخالف للصحيح (اعلاء السنن ج٧ص ٨٣، باب التراويح)

جب خلفائے راشدین اور تمام صحابہ وتابعین اور جمہور ائمہ ومجتہدین کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہو تو حدیث کو کیونکر صحیح قرار نہیں دیا جائے گا، اور جس کو مومنین اچھا سمجھیں، وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے، پس حضرت ابنِ عباس کی بیس رکعات تراویح والی حدیث جس کو خلفائے راشدین اور مہاجرین وانصار، سابقین اولین کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے، اور جس پر تمام شہروں اور علاقوں میں عمل ہے، وہ سمندر والی مذکورہ حدیث کے مقابلہ میں صحیح ہونے کی زیادہ مستحق ہے، اور حدیثِ دینار کے مقابلہ میں تحسین کے زیادہ لائق ہے (التعلیق الصبیح) [1]

(اس کی مزید تفصیل جمہور امت کا اتفاق کے ذیل میں آتی ہے)

خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثبوت

(۱۱)...... ابنِ ابی شیبہ حمید بن عبدالرحمٰن سے اور وہ حسن بن صالح سے اور وہ عبدالعزیز بن رفیع سے روایت کرتے ہیں کہ:

كَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِالْمَدِيْنَةِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [2]

ترجمہ: رمضان میں مدینہ منورہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو بیس

---

[1] اور محدثِ شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
ابوشیبہ کی یہ حدیث چاہے اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہو، مگر اس لحاظ سے وہ بے حد قوی اور ٹھوس ہے کہ عہدِ فاروقی کے مسلمانوں کا علانیہ عمل اسی کے موافق تھا، یا کم از کم آخر میں وہ لوگ اسی پر جم گئے، اور روایتوں سے حضرت علی کے زمانے کے مسلمانوں کا عمل بھی اسی کے موافق ثابت ہوتا ہے، اور ہر چہار ائمۂ مجتہدین کے اقوال بھی اسی کے مطابق ہیں، اور عہدِ فاروقی کے بعد سے ہمیشہ امت کا عمل بھی بلا اضافہ یا اضافہ کے ساتھ اسی کے موافق رہا ہے، ان باتوں کے انضمام سے ابوشیبہ کی حدیث اس قدر قوی اور مستحکم ہوجاتی ہے کہ اس کے بعد اس کو ضعیف کہہ کر جان چھڑانا ناممکن سی بات ہوجاتی ہے (رکعات تراویح ص ۶۰)

[2] رقم الحديث ٧٧٦٦، كتاب الصلاة، باب كم يصلي في رمضان من ركعة.

رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھایا کرتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ [1]

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں تراویح پڑھانے کے لئے مامور کیا تھا، اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے تراویح پڑھاتے تھے، اور تراویح کی فضیلت کے بیان میں پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی پچھلی صف میں موجود ہوا کرتے تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں باجماعت بیس تراویح ادا کی جاتی تھیں۔

حضرت عمر سے بیس تراویح کے ثبوت کی دوسری روایت

(۱۲)...... اور ابنِ ابی شیبہ ہی حضرت وکیع سے اور وہ مالک بن انس سے اور وہ یحیٰی بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ عُـمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَ رَجُـلًا يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ۷۷۶۴، کتاب الصلاة، باب کم يصلی فی رمضان من رکعة)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس

---

[1] اس روایت کے تینوں راویوں پر مختصر کلام درجِ ذیل ہے:

(۱) حـميـد بن عبد الرحمن بن حميد بن عبد الرحمن الرؤاسی بضم الراء بعدها همزة خـفيفة أبو عوف الكوفی ثقة من الثامنة مات سنة تسع وثمانين وقيل تسعين وقيل بعدها (تقريب التهذيب ج ۱ ص ۱۸۲)

(۲) الحسن بن صالح بن صالح بن حی وهو حيان بن شفی بضم بالمعجمة والفاء مصغر الهـمـدانـی بسكون الميم الثوری ثقة فقيه عابد رمی بالتشيع من السابعة مات سنة تسع وستين وكان مولده سنة مائة (تقريب التهذيب ج ۱ ص ۱۶۱)

(۳) عبـد الـعـزيز بن رفيع بفاء مصغر الأسدی أبو عبد الملک المكی نزيل الكوفة ثقة من الـرابـعة مـات سـنة ثـلاثـين ويـقـال بـعـدهـا وقـد جـاوز التسعين (تقريب التهذيب ج ۱ ص ۳۵۷)

رکعات تراویح پڑھائے (ابنِ ابی شیبہ)

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ۱

تیسری روایت

(۱۳)......حضرت امام مالک رحمہ اللہ، یزید بن رومان سے، روایت کرتے ہیں کہ:

كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً(مؤطاامام مالک) ۲

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ رمضان میں تئیس رکعات (یعنی بیس تراویح اور تین رکعات وتر) پڑھا کرتے تھے (مؤطاامام مالک)

اس روایت کی سند قوی ہے۔ ۳

---

۱ اس روایت کے تینوں راویوں پر مختصر کلام درج ذیل ہے:

(۱)وكيع بن الجراح بن مليح الرؤاسى بضم الراء وهمزة ثم الركعة أبوسفيان الكوفى ثقة حافظ عابد من كبار التاسعة مات فى آخر سنة ست وأول سنة سبع وتسعين وله سبعون سنة(تقريب التهذيب لابنِ حجر ج ا ص ۵۸۱)

(۲)مالک بن أنس بن مالک بن أبى عامر بن عمرو الأصبحى أبو عبد الله المدنى الفقيه إمام دار الهجرة رأس المتقنين وكبير المتثبتين حتى قال البخارى أصح الأسانيد كلها مالک عن نافع عن ابن عمر من السابعة مات سنة تسع وسبعين وكان مولده سنة ثلاث وتسعين وقال الواقدى بلغ تسعين سنة(تقريب التهذيب ج ا ص ۵۱۶)

(۳)يحيى بن سعيد بن قيس الأنصارى المدنى أبو سعيد القاضى ثقة ثبت من الخامسة مات سنة أربع وأربعين أو بعدها (تقريب التهذيب ج ا ص ۵۹۱)

۲ رقم الحديث ۳۸۰، ج۲ص ۱۵۹، كتاب السهو ،باب ما جاء فى قيام رمضان.

۳ يزيد بن رومان المدنى أبو روح مولى آل الزبير ثقة من الخامسة مات سنة ثلاثين وروايته عن أبى هريرة مرسلة ع(تقريب التهذيب ج ا ص ۶۰۱)

قال النسائى :ثقة.وذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات"وقال الواقدى وكاتبه محمد بن سعد ، وعمرو بن على ، ومحمد بن عبد الله بن نمير ، والترمذى :مات سنة ثلاثين ومئة.زاد محمد بن سعد : وكان عالما كثير الحديث ، ثقة.(تهذيب الكمال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورامام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی متعدد مقامات پر اس کو روایت کیا ہے۔ [1]

چوتھی روایت

(۱۴)...... ابنِ ابی الدنیا حضرت شجاع بن مخلد سے اور وہ ہشیم سے اور وہ یونس بن عبید سے اور وہ جلیلُ القدر تابعی حضرت حسن رحمہ اللہ سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

كَانُوا يُصَلُّونَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً ، وَالْوِتْرَ ثَلَاثًا (فضائل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ج۳۲ص۱۲۳، تحت ترجمة يزيد بن رومان ، رقم الترجمة ۶۹۸۶)

رہا اس کا مرسل ہونا تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ ایسی مرسل ہے، جس کو دوسری روایات سے زبردست قوت حاصل ہے، اور ایسی روایت کے معتبر ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔

وعلى مذهب الأكثرين يكون مرسلا لبعض كبار التابعين، وقد سبق أن مرسل التابعي الكبير يحتج به عندنا إذا اعتضد بقول الصحابة. أو قول أكثر العلماء، أو غير ذالك مماسبق. وقد اعتضد هذا الحديث، فقال به من الصحابة رضى الله عنهم، من سنذكره في فرع مذاهب العلماء اه، كلام النووى. فظهرت صحة الاحتجاج بالحديث المذكور على كل التقديرات (أضواء البيان فى ايضاح القرآن، لمحمد الامين الشنقيطي بن محمد المختار، متوفىٰ ۱۳۹۳ھ، ج ۱ ص ۴۳۲،تحت آيت ۹۵ من سورة المائدة،الناشر:دارالفكر، بيروت)

[1] وأخبرنا أبو زكريا قال :أخبرنا أبو الحسن الطرائفي قال :حدثنا عثمان بن سعيد قال :حدثنا يحيى بن بكير قال :حدثنا مالک.

قال :وحدثنا القعنبى فيما قرأ على مالک، عن يزيد بن رومان، أنه قال :كان الناس يقومون فى زمان عمر بن الخطاب فى رمضان بثلاث وعشرين ركعة (معرفة السنن والآثار للبيهقي،رقم الحديث ۵۴۱۰، ۵۴۱۱، كتاب الصلاة، باب قيام رمضان)

أخبرنا أبو زكريا بن أبي إسحاق، حدثنا أبو الحسن الطرائفي، حدثنا عثمان بن سعيد، حدثنا يحيى بن بكير، حدثنا مالک، قال :وحدثنا القعنبي، فيما قرأ على مالک، عن يزيد بن رومان، أنه قال ": كان الناس يقومون فى زمن عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى رمضان بثلاث وعشرين ركعة (شعب الايمان للبيهقي ،رقم الحديث ۳۰۰۰،كتاب الصيام ، باب قيام شهر رمضان)

أنبأ أبو أحمد العدل، أنبأ محمد بن جعفر المزكي، ثنا محمد بن إبراهيم، ثنا ابن بكير، ثنا مالک، عن يزيد بن رومان قال " :كان الناس يقومون فى زمان عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى رمضان بثلاث وعشرين ركعة "ويمكن الجمع بين الروايتين، فإنهم كانوا يقومون بإحدى عشرة، ثم كانوا يقومون بعشرين ويوترون بثلاث، والله أعلم(السنن الكبرىٰ للبيهقي،رقم الحديث ۴۲۸۹ ،باب ما روى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان)

رمضان لابنِ ابی الدنیا) [۱]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان کے مہینہ میں لوگ بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے (فضائل رمضان)

اس روایت کے تمام روای انتہائی اعلیٰ درجہ کے معتبر اور ثقہ راوی ہیں، چنانچہ ابنِ ابی الدنیا جو اس کو روایت کرنے والے ہیں، وہ حافظُ الحدیث ہیں، اور ان کی بے شمار تصانیف ہیں۔ [۲]
اور اس روایت کے پہلے راوی شجاع بن مخلد ہیں، ان کو بھی محدثین نے ثقہ شمار کیا ہے۔ [۳]
اور اس روایت کے دوسرے راوی ہشیم بن بشیر ہیں، یہ بھی معتبر راوی ہیں۔ [۴]

---

[۱] رقم الحديث ۴۸،ص۷۸، القيام فى شهرِ رمضان، الناشر:دار السلف، الرياض -السعودية.

[۲] عبد الله ابن محمد ابن عبيد ابن سفيان القرشي مولاهم أبو بكر ابن أبى الدنيا البغدادى صدوق حافظ صاحب تصانيف من الثانية عشرة مات سنة إحدى وثمانين وله ثلاث وسبعون فق(تقريب التهذيب ج ۱ ص ۳۲۱)

[۳] شجاع بن مخلد الفلاس ، أبو الفضل البغوى ،نزيل بغداد ....قال عبد الله بن أحمد بن حنبل : سألت يحيى بن معين عن شجاع بن مخلد ، فقال :أعرفه ، ليس به بأس ، نعم الشيخ أو نعم الرجل ، ثقة.وقال صالح بن محمد البغدادى : صدوق.وقال إبراهيم الحربى : حدثنى شجاع بن مخلد ولم نكتب ها هنا عن أحد خير منه .وذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات "وقال الحسين بن فهم : شجاع بن مخلد من أبناء أهل خراسان من البغيين ، وهو ثقة ثبت ، (تهذيب الكمال ج۱۲ ص ۳۷۹، ۳۸۰، ملخصاً، تحت ترجمة شجاع بن مخلد)

شجاع بن مخلد الفلاس أبو الفضل البغوى نزيل بغداد صدوق وهم فى حديث واحد رفعه وهو موقوف فذكره بسببه العقيلي من العاشرة مات سنة خمس وثلاثين(تقريب التهذيب ج ۱ ص ۲۶۴)

[۴] رہا بعض حضرات کا ان کو مدلس قرار دینا تو مبحوث فیہ روایت میں انہوں نے عنعنہ کے بغیر اس کو تحدیث کے ساتھ روایت کیا ہے۔

هشيم بن بشير بن القاسم بن دينار السلمى ، أبو معاوية بن أبى خازم ، وقيل :أبو معاوية بن بشير بن أبى خازم ، الواسطى ، قيل :إنه بخارى الاصل ....قال أبو داود : قال أحمد بن حنبل :ليس أحد أصح حديثا عن حصين من هشيم.

وقال أحمد بن على الابار : سمعت على بن حجر يقول :هشيم فى أبى بشر مثل ابن عيينة فى الزهرى ، سبق الناس هشيم فى أبى بشر.وقال إبراهيم بن موسى الرازى ، عن عنبسة بن سعيد ، عن ابن المبارك :من غير الدهر حفظه ، فلم يغير حفظ هشيم .وقال أحمد بن سنان القطان : سمعت عبد الرحمن بن مهدى يقول :حفظ هشيم عندى أثبت من حفظ أبى عوانة ، وكتاب أبى عوانة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس روایت کے تیسرے راوی یونس بن عبید ہیں، جو بہت زبردست محدث ہیں۔ ۱
اوراس روایت کے آخری راوی مشہور تابعی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ہیں، جن کی مرسل احادیث کو بھی متعدد محدثین کے نزدیک قبولیت کا مقام حاصل ہے۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أثبت عندى من حفظ هشيم .وقال محمد بن عبد الله بن عمار الموصلى : إذا اختلف أبو عوانة وهشيم فالقول قول هشيم ، لم يعد عليه خطأ .وقال أحمد بن عبد الله العجلى : هشيم واسطى ثقة ، وكان يدلس .وقال عبد الرحمن بن أبى حاتم : سئل أبى عن هشيم ، ويزيد بن هارون ، فقال : هشيم أحفظهما .وقال أيضا سألت أبى عن هشيم ، فقال :ثقة ، وهشيم أحفظ من أبى عوانة.
وقال أيضا : سئل أبو زرعة عن جرير وهشيم ؟ فقال :هشيم أحفظ .وقال محمد بن سعد : كان ثقة ، كثير الحديث ، ثبتا ، يدلس كثيرا ، فما قال فى حديثه أخبرنا فهو حجة ، وما لم يقل فيه أخبرنا فليس بشىء .وقال سليمان بن إسحاق الجلاب أيضا ، عن إبراهيم(تهذيب الكمال ج۳۰ص۲۷۲تا ۲۸۳ملخصاً، تحت ترجمة هشيم بن بشير)

۱ يونس بن عبيد بن دينار العبدى ، أبو عبد الله ، ويقال :أبو عبيد البصرى ، مولى عبدالقيس .رأى إبراهيم النخعى ، وأنس بن مالك ، وسعيد بن جبير ....وذكره محمد بن سعد فى الطبقة الرابعة من أهل البصرة ، وقال : كان ثقة كثير الحديث .وقال أبو طالب عن أحمد بن حنبل ، وإسحاق بن منصورعن يحيى بن معين ، وأبو عبد الرحمن النسائى :ثقة .وقال عثمان بن سعيد الدارمى : قلت ليحيى بن معين :يونس بن عبيد أحب إليك فى الحسن أو حميد ، يعنى الطويل ؟ فقال :كلاهما .وقال على ابن المدينى : يونس بن عبيد أثبت فى الحسن من ابن عون .وقال أبو زرعة : يونس بن عبيد أحب إلى فى الحسن من قتادة ، لان يونس من أصحاب الحسن ، وقتادة ليس من أقران يونس ، ويونس أحب إلى من هشام بن حسان .وقال أبو حاتم : ثقة، وهو أحب إلى من هشام بن حسان وأكبر من سليمان التيمى ، ولا يبلغ التيمى منزلة يونس بن عبيد(تهذيب الكمال ج۳۲ص۵۱۷تاص۵۲۰ ملخصاً،تحت ترجمة يونس بن عبيد)
يونس بن عبيد بن دينار العبدى أبو عبيد البصرى ثقة ثبت فاضل ورع من الخامسة مات سنة تسع وثلاثين(تقريب التهذيب ج۱ص۶۱۳)

۲ الحسن بن أبى الحسن ، واسمه يسار ،البصرى ، أبو سعيد ، مولى زيد بن ثابت ، ويقال : مولى جابر بن عبد الله ، ويقال :مولى جميل بن قطبة بن عامر بن حديدة ، ويقال :مولى أبى اليسر ، وأمه خيرة مولاة أم سلمة ، زوج النبى صلى الله عليه وسلم ....وقال محمد بن أحمد بن محمد بن أبى بكر المقدمى :سمعت على ابن المدينى ، يقول :مرسلات يحيى بن أبى كثير ، شبه الريح ، ومرسلات الحسن البصرى التى رواها عنه الثقات صحاح ما أقل ما يسقط منها .وقال أبو أحمد بن عدى :سمعت الحسن بن عثمان يقول :سمعت أبا زرعة يقول :كل شىء قال الحسن : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "، وجدت له أصلا ثابتا ، ما خلا أربعة أحاديث(تهذيب الكمال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پانچویں روایت

(۱۵)...... اور حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ سے مرسلاً مروی ہے کہ:

كَانَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرِ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً يُطِيْلُوْنَ فِيْهَا الْقِرَاءَةَ وَيُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ

(مختصر قيام الليل وقيام رمضان وكتاب الوتر لمحمد بن نصر المروزى) [1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ رمضان کے مہینہ میں بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے، جن میں لمبی قرأت کیا کرتے تھے، اور تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے (قیامِ رمضان)

حضرت محمد بن کعب قرظی جلیل القدر تابعی ہیں، جنہوں نے متعدد صحابۂ کرام کی زیارت کی ہے، اور آخر میں مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی ہے، اور بعض حضرات کے بقول ان کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ج٦ ص ٩٥ تا ١٢٤ ملخصاً، تحت ترجمة الحسن بن ابى الحسن)

الحسن بن أبى الحسن البصرى واسم أبيه يسار بالتحتانية والمهملة الأنصارى مولاهم ثقة فقيه فاضل مشهور وكان يرسل كثيرا ويدلس قال البزار كان يروى عن جماعة لم يسمع منهم فيتجوز ويقول حدثنا وخطبنا يعنى قومه الذين حدثوا وخطبوا بالبصرة هو رأس أهل الطبقة الثالثة مات سنة عشر ومائة وقد قارب التسعين(تقريب التهذيب ج ا ص ١٦٠)

[1] ج ا ص ٢٢٠ ،باب عدد الركعات التى يقوم بها الإمام للناس فى رمضان،الناشر: حديث أكادمى، فيصل اباد -باكستان.

[2] محمد بن كعب بن سليم. وقال محمد بن سعد: محمد بن كعب بن حيان بن سليم ، بن أسد القرظى ، أبو حمزة ، وقيل :أبو عبد الله المدنى ، من حلفاء الاوس بن حارثة .وكان أبوه من سبى قريظة .سكن الكوفة ثم تحول إلى المدينة فسكنها ، واشترى بها مالا ....ذكره محمد بن سعد فى الطبقة الثالثة من أهل المدينة ، وقال :كان ثقة ، عالما ، كثير الحديث ، ورعا.وقال على بن المدينى ، وأبو زرعة : ثقة.وقال العجلى ، مدنى ، تابعى ، ثقة ، رجل صالح ، عالم بالقرآن.وقال البخارى: كان أبوه ممن لم ينبت يوم قريظة فترك .قال :وحدثنى ابن بشار ، قال :حدثنا أبو بكر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان روایات سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس تراویح پڑھی جاتی تھیں۔

ظاہر ہے کہ اتنے بڑے بڑے ثقہ اور حافظُ الحدیث محدثین غلط بیانی سے کام نہیں لے سکتے، اگر نعوذ باللہ ایسا ہوتا، تو پھر ان کو ثقہ وحافظ کیوں قرار دیا جاتا، اوران کی دیگر احادیث کو کیسے قبول کیا جاتا؟

چھٹی روایت

(۱۶)...... امام ابوبکر فریابی، تمیم بن منتصر سے، اور وہ یزید بن ہارون سے اور وہ ابنِ ابی ذئب سے اور وہ ابنِ خصیفہ سے، اور وہ حضرت سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ:

كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرِ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً -وَلٰكِنْ كَانُوْا يَقْرَءُوْنَ بِالْمِائَتَيْنِ فِيْ رَكْعَةٍ ، حَتّٰى كَانُوْا يَتَوَكَّئُوْنَ عَلٰى عُصِيِّهِمْ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ(الصيام للفريابى) [۱]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ بیس رکعات

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يعنى الحنفى ، قال :حدثنا الضحاك بن عثمان ، عن أيوب بن موسى ، قال :سمعت محمد بن كعب القرظى ، قال :سمعت عبد الله بن مسعود ، عن النبى صلى الله عليه وسلم "من قرأ حرفا من كتاب الله فله حسنة ."قال البخارى :لا أدرى حفظه أم لا.وقال أبو داود :سمع من على ، ومعاوية ، وعبد الله بن مسعودوقال فى موضع آخر :سمعت قتيبة بن سعيد يقول :بلغنى أن محمد بن كعب رأى النبى صلى الله عليه وسلم.وقال الترمذى : سمعت قتيبة بن سعيد يقول :بلغنى أن محمد بن كعب القرظى ولد فى حياة النبى صلى الله عليه وسلم(تهذيب الكمال ج۲٦ ص ۳۴۰ تا ۳۴۴،ملخصاً ، تحت ترجمة محمد بن كعب القرظى)

اور مرسل حدیث کے بارے میں اس بات سے اہلِ علم واقف ہیں کہ دوسری مرسل یا متصل ضعیف حدیث سے بھی یہ قوت حاصل کر لیتی ہے، جبکہ یہاں قوی متصل ومرسل متعدد روایات موجود ہیں۔

[۱] رقم الحديث ١٧٦ ،باب ما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم فى فضل القيام فى شهر رمضان وكيف كان بدو الأمر فيه، الناشر:الدار السلفية -بومباى.

(تراویح) پڑھا کرتے تھے، اور ایک رکعت میں دوسو آیات پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ قیام کی شدت کی وجہ سے لوگ اپنی لاٹھیوں پر سہارا لیتے تھے (الصیام)

یہ روایت سند کے لحاظ سے انتہائی عمدہ اور قوی ومضبوط ہے۔

چنانچہ اس روایت کو بیان کرنے والے ابوبکر جعفر بن محمد فریابی ہیں، جو کہ حافظُ الحدیث، امام اور شیخِ وقت ہیں۔ [1]

اور اس روایت کے پہلے راوی تمیم بن منتصر ہیں، جو کہ حافظ اور قوی ثقہ ہیں۔ [2]

اور اس روایت کے دوسرے راوی یزید بن ہارون ہیں، جو کہ انتہائی اعلیٰ درجہ کے ثقہ اور متقی وپرہیز گار ہیں، اور ان پر تفصیلی کلام حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ضمن میں پہلے گزر چکا ہے۔ [3]

اور اس روایت کے تیسرے راوی ابنِ ابی ذئب ہیں، جن کا نام محمد بن عبدالرحمٰن بن مغیرہ ہے، اور یہ شیخ الاسلام، ثقہ، فاضل اور فقیہ ہیں، اور محدثین نے ان کے اساتذہ کو بھی ثقہ قرار دیا ہے۔ [4]

---

[1] الفريابى: جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض .الامام الحافظ الثبت،شيخ الوقت، أبو بكر الفريابى القاضى.ولد سنة سبع ومئتين .وقال :أول ما كتبت الحديث سنة أربع وعشرين ومئتين .أرخ مولده القاضى أبو الطاهر الذهلى .قلت :ارتحل من فيرياب وهى مدينة من بلاد الترک إلى بلاد ماوراء النهر، وخراسان، والعراق، والحجاز، والشام، ومصر، والجزيرة، ولقى الاعلام، وتميز فى العلم، وولى قضاء الدينور(سيراعلام النبلاء ج۱۴ ص ۹۶،۹۷،تحت ترجمة الفريابى جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض)

[2] تميم بن المنتصر بن تميم بن الصلت الهاشمى مولاهم الواسطى جد أسلم بن سهل الحافظ لأمه ثقة ضابط مات سنة أربع أو خمس وأربعين وله ست وسبعون سنة(تقريب التهذيب ج ا ص ۱۳۰)

[3] يزيد بن هارون بن زاذان السلمى مولاهم أبو خالد الواسطى ثقة متقن عابد من التاسعة مات سنة ست ومائتين وقد قارب التسعين ع.(تقريب التهذيب ج ا ص ۶۰۶)

[4] محمد بن عبد الرحمن بن المغيرة بن الحارث بن أبى ذئب القرشى العامرى أبو الحارث المدنى ثقة فقيه فاضل من السابعة مات سنة ثمان وخمسين وقيل سنة تسع(تقريب التهذيب ج ا ص ۴۹۳)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس روایت کے چوتھے راوی یزید بن خصیفہ ہیں، جن کا پورا نام یزید بن عبداللہ بن خصیفہ ہے، اور یہ بھی اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں، اوران سے امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابنِ ماجہ، امام دارقطنی، امام دارمی، امام احمد اورامام مالک رحمہم اللہ وغیرہ سب نے روایات لی ہیں۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

محمد بن عبد الرحمن بن المغيرة بن الحارث بن أبى ذئب، واسمه هشام ، بن شعبة بن عبد الله بن أبى قيس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤى بن غالب القرشي العامرى ، أبو الحارث المدنى .أمه بريهة بنت عبد الرحمن ، وخاله الحارث بن عبد الرحمن بن أبى ذئب..........وقال عبد الله بن محمد البغوى ، عن أحمد بن حنبل :كان ابن أبى ذئب رجلا صالحا يأمر بالمعروف وكان يشبه بسعيد بن المسيب .وقال أحمد بن سعد بن أبى مريم ، عن يحيى بن معين :ابن أبى ذئب ثقة وكل من روى عنه ابن أبى ذئب ثقة إلا أبا جابر البياضى ، وكل من روى عنه مالک ثقة إلا عبد الكريم أبا أمية.وقال أبو داود فى موضع آخر :سمعت أحمد بن صالح يقول : شيوخ ابن أبى ذئب كلهم ثقات إلا أبو جابر البياضى .وقال يعقوب بن شيبة السدوسى :ابن أبى ذئب ثقة صدوق، غير أن روايته عن الزهرى خاصة تكلم الناس فيها ، فطعن بعضهم فيها بالاضطراب ، وذكر بعضهم أن سماعه منه عرض ، ولم يطعن بغير ذلک ، والعرض عند جمع من أدركنا صحيح(تهذيب الكمال ج۲۵ ص ۶۳۰ تا ۶۳۵ ملخصاً، تحت ترجمة محمد بن عبدالرحمان ،رقم الترجمة ۵۴۰۸)

ابن أبى ذئب(ع) محمد بن عبدالرحمن بن المغيرة بن الحارث بن أبى ذئب -واسم ابى ذئب : هشام بن شعبة -الامام، شيخ الاسلام، أبو الحارث القرشى، العامرى، المدنى، الفقيه(سيراعلام النبلاء ج۷ص ۱۳۹، ۱۴۰ ،تحت ترجمة ابن ابى ذئب)

[۱] يزيد بن خصيفة هو ابن عبد الله بن خصيفة يأتى (تقريب التهذيب ج ۱ ص ۶۰۰)

يزيد بن عبد الله بن خصيفة بمعجمة ثم الركعة بن عبد الله بن يزيد الكندى المدنى وقد ينسب لجده ثقة من الخامسة (تقريب التهذيب ج ۱ ص ۶۰۲)

يزيد بن عبدالله بن خصيفة (ع) وخصيفة هو أخو السائب ابنى يزيد بن سعيد بن أخت نمر الكندى، المدنى، الفقيه.حدث عن السائب بن يزيد، وعروة بن الزبير، وبسر بن سعيد، ويزيد بن قسيط.وعنه :مالک، والثورى، وسليمان بن بلال، واسماعيل بن جعفر، وابن عيينة، والدراوردى، وآخرون.وثقه يحيى بن معين.وقال ابن سعد :كان ثبتا، عابدا، ناسكا، كثير الحديث .قلت :توفى بعد الثلاثين ومئة(سير اعلام النبلاء ج۶ ص۱۵۷، ۱۵۸ ،تحت ترجمة يزيد بن عبدالله بن خصيفة)

يزيد بن عبد الله بن خصيفة بن عبد الله بن يزيد الكندى المدنى عن السائب بن يزيد وعروة بن الزبير وعنه ابن جريج وسليمان بن بلال وإسماعيل بن جعفر وطائفة وثقه أبو حاتم والنسائى وابن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اس حدیث کے پانچویں اور آخری راوی حضرت سائب بن یزید ہیں، جو کہ چھوٹے صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں بچپن

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

معین وأحمد(لسان المیزان لابن حجر ج۳ص ۲۶۴)

قال الاثرم عن أحمد وأبی حاتم والنسائی ثقة وقال الآجری عن أبی داود قال أحمد منکر الحدیث وقال ابن أبی مریم عن ابن معین ثقة حجة وقال ابن سعد کان عابدا ناسکا کثیر الحدیث ثبتا وذکرہ ابن حبان فی الثقات .قلت :زعم ابن عبد البر انه ابن أخی السائب بن یزید وکان ثقة مأمونا(تهذیب التهذیب لابن حجر ج ۱۱ ص ۳۴۰)

یزید بن خصیفة بن یزید بن سعید بن ثمامة وهو ابن أخی السائب بن یزید وروی عن السائب بن یزید وغیرہ وکان عابدا ناسکا ثقة کثیر الحدیث ثبتا(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج۵ص ۳۹۶، تحت ترجمة یزید بن خصیفة،الناشر :دار الکتب العلمیة،بیروت)

روی له الجماعة(تهذیب الکمال ج ۳۲ص ۱۷۴، تحت ترجمة یزید بن عبدالله بن خصیفة)

بعض حضرات نے ان کے بارے میں امام احمد کا ایک قول منکر الحدیث ہونے کا ذکر کیا ہے، لیکن اس قول کی کوئی سند دریافت نہیں ہوسکی، اور یہی وجہ ہے کہ امام احمد کے بیٹے سے ان کے بارے میں صرف توثیق منقول ہے، اس لئے عقل اور نقل کی رُو سے اثرم کی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔

یزید بن عبدالله (ع) بن خصیفة .وقد ینسب إلی جدہ فیقال :یزید بن خصیفة.عن السائب بن یزید، وعروة، ویزید بن عبدالله بن قسیط . .وعنه مالک، وطائفة .وثقه أحمد من روایة الاثرم عنه، وأبو حاتم، وابن معین، والنسائی. وروی أبو داود أن أحمد قال :منکر الحدیث(میزان الاعتدال للذهبی ج۴ص ۴۳۰، رقم الترجمة ۹۷۱۵)

یزید بن خصیفة ما أعلم إلا خیرا(کتاب العلل ومعرفة الرجال،تحت رقم الترجمة ۳۲۳۲، ج۲ص ۴۹۰)

هذا شیء لم یثبت عن أحمد ، فیما أری والله أعلم ، فقد تقدم قول الأثرم عنه ، وفی العلل لابنه عبد الله ، أنه قال :ما أعلم إلا خیرا (۳۵/۲)وهو توثیق واضح .(حاشیه تهذیب الکمال لبشار عواد معروف، ج۳۲ص ۱۷۳، تحت ترجمة یزید بن عبدالله بن خصیفة)

مگر افسوس کہ جناب البانی صاحب نے ایک غیر مستند قول کی بنیاد پر اس روایت پر اپنے رسالہ ''صلاۃ التراویح'' میں جرح کی ہے، دراں حالیکہ ابوداؤد کی ایک حدیث کے ضمن میں یزید بن خصیفہ کی سائب بن یزید سے مروی ایک حدیث کی سند کے رجال کو ثقہ اور رجالِ بخاری قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی حضرت سائب بن یزید کو صحابیٔ صغیر بھی تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

إسنادہ :حدثنا مسدد :حدثنا سفیان قال :حسبت أنی سمعت یزید بن خُصَیْفَةَ یذکر عن السائب بن یزید .قلت :وهذا إسناد رجاله ثقات رجال البخاری؛ إلا الرجل الذی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

میں شریک رہ چکے ہیں، اور ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے بازار کی نگرانی پر مامور فرمایا تھا، اور یہ مدینہ منورہ میں موجود صحابۂ کرام میں سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی ہیں۔ [1]

ساتویں روایت

(۱۷)...... امام بیہقی رحمہ اللہ؛ ابوطاہر فقیہ سے؛ اور وہ ابوعثمان بصری سے؛ اور وہ ابواحمد سے؛ اور وہ خالد بن مخلد سے؛ اور وہ محمد بن جعفر سے؛ اور وہ یزید بن خصیفہ سے؛ اور وہ حضرت سائب بن یزید سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

كُنَّا نَقُومُ فِيْ زَمَانِ عُمَرِ بْنِ الْخَطَّابِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ (معرفة السنن والآثار للبيهقي، رقم الحديث ۵۴۰۹، كتاب الصلاة، باب قيام رمضان)

ترجمہ: ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعات (تراویح) اور وتر پڑھا کرتے تھے (معرفۃ السنن)

اس روایت کی سند کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اس روایت کے پہلے راوی ابوطاہر فقیہ ہیں، جو کہ خراسان کے اصحابُ الحدیث کے امام اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نسی اسمه.سفيان -وهو ابن عيينة -، لكن الظاهر أنه صحابي؛ فإن السائب صحابي صغير، حجَّ به في حجة الوداع، وهو ابن سبع سنين(صحيح ابى داؤد للالباني، ج۷ص ۳۴۰،تحت حديث رقم ۲۳۳۲، كتاب الجهاد، باب في لبس الدروع)

جبکہ حضرت سائب بن یزید کی یہ روایت متصل اور معتبر سند کے ساتھ امام بیہقی نے بھی روایت کی ہے، جس کا آگے ذکر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو فہمِ سلیم عطا فرمائیں۔

[1] السائب بن يزيد بن سعيد بن ثمامة الكندي وقيل غير ذلك في نسبه ويعرف بابن أخت النمر صحابي صغير له أحاديث قليلة وحج به في حجة الوداع وهو ابن سبع سنين وولاه عمر سوق المدينة مات سنة إحدى وتسعين وقيل قبل ذلك وهو آخر من مات بالمدينة من الصحابة(تقريب التهذيب ج ۱ ص ۲۲۸)

ان کے متفقہ فقیہ ومفتی ہیں۔ ۱؎

اوراس روایت کے دوسرے راوی ابوعثمان بصری ہیں، جوکہ امام ومقتدیٰ اورزاہد وصالح شمار کئے گئے ہیں، جوان کی ثقاہت کی دلیل ہے۔ ۲؎

اوراس روایت کے تیسرے راوی ابواحمد محمد بن عبدالوہاب ہیں، یہ بھی ثقہ ہیں۔ ۳؎

اوراس روایت کے چوتھے راوی خالد بن مخلد ہیں، جوکہ بڑے محدث شمار کئے گئے ہیں، ان سے امام ابوبکر ابنِ ابی شیبہ اوراہلِ عراق روایت کرتے ہیں، ابنِ حبان نے ان کوثقات میں شمار کیاہے، اورابنِ معین نے ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں بتلایا، ان سے متعدد محدثین

۱؎ اگرچہ محمد بن جعفر سے پہلے راویوں پرکلام کی یہاں زیادہ حاجت نہیں تھی، کیونکہ یزید بن خصیفہ تک اس کا صحیح سند کے ساتھ ثبوت گزرچکاہے، لیکن ہم نے تبرعاً یہاں ان سے پہلے راویوں پرکلام کردیاہے۔

محمد بن محمد بن محمش بن على بن داود الفقيه أبو طاهر الزيادى. كان يسكن ميدان زياد بن عبد الرحمن من نيسابور ، فنسب إليه......قال عبد الغافر :إمام أصحاب الحديث بخراسان وفقيههم ومفتيهم بالاتفاق بلا مدافعة .قال الذهبى :الأديب الفقيه الشافعى .ولد أبو طاهر سنة سبع عشرة وثلاثمائة .وكان إمام أصحاب الحديث بنيسابور ، وفقيههم ومفتيهم بلا مدافعة .وكان متبحراً فى علم الشروط ، قد صنف كتاباً فيه وله معرفة قوية بالعربية.قال عبد الغافر بن إسماعيل :بقى يملى نحو ثلاث سنين ، ولولا ما اختص به من الإقتار وحرفة أهل العلم لما تقدم عليه أحد من أصحابه.ومات فى شعبان سنة عشر وأربعمائة(شيوخ البيهقى فى السنن الكبرىٰ لأبى عبد الله حامد بن أحمد آل بكر، تحت رقم الترجمة ١٥٣ ،وكذافى سيراعلام النبلاء ج١٧ ص٢٧٦)

۲؎ البصرى: أبو عثمان عمرو بن عبد الله بن درهم الإمام، القدوة، الزاهد الصالح، أبو عثمان عمرو بن عبد الله بن درهم النيسابورى المطوعى الغازى، المعروف بالبصرى . سمع :محمد بن عبد الوهاب الفراء ، وأحمد بن معاذ، وغيرهما .حدث عنه:الحافظ أبو على، وأبو إسحاق المزكى، وأبو عبد الله بن مندة، والحسن بن على بن المؤمل، وأبو طاهر بن محمش، والعلوى، وآخرون.توفى فى شعبان سنة أربع وثلاثين وثلاث مائة. وقد نيف على ثمانين سنة .قال الحاكم :لم أرزق السماع منه على أنه كان يحضر منزلنا، وأنبسط إليه. قال لى أبى :صحبته إلى رباط فراوة .وما رأيت مثل اجتهاده حضرا وسفرا(سيراعلام النبلاء ١٥ ص٣٦٤،٣٦٥)

۳؎ محمد بن عبد الوهاب بن حبيب بن مهران العبدى ، أبو أحمد الفراء النيسابورى ، ابن عم بشر بن الحكم بن حبيب العبدى......قال النسائى :ثقة.وذكره ابن حبان فى كتاب (الثقات) (تهذيب الكمال ج٢٦ص ٢٩ تا ٣٢،ملخصاً)

محمد بن عبد الوهاب بن حبيب بن مهران العبدى أبو أحمد الفراء النيسابورى ثقة عارف من الحادية عشرة مات سنة اثنتين وسبعين وله خمس وتسعون سنة(تقريب التهذيب ج ١ ص ٤٩٤)

نے احادیث کی کتب میں روایات لی ہیں۔ ۱

اوراس روایت کے پانچویں راوی محمد بن جعفر ہیں، جوکہ ثقہ اور معتبر راوی ہیں۔ ۲

اس روایت میں سائب بن یزید سے یزید بن خصیفہ روایت کرتے ہیں، جن پر کلام پہلے گزر چکا ہے۔

---

۱ اور امام احمد بن حنبل نے ان کی بعض احادیث کو منکر قرار دیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ دیگر محدثین کا فیصلہ نہیں، نیز اس حدیث کا غیر منکر ہونا بالکل ظاہر ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کسی راوی کی ثقاہت ثابت ہونے کے لئے محدثین سے ثقہ کے الفاظ منقول ہونا ضروری نہیں، بلکہ ثقاہت ثابت کرنے کے لئے محدثین متعدد الفاظ استعمال کرتے ہیں، اوراسی وجہ سے محدثین نے ثقاہت ثابت کرنے کے الفاظ کے درجات قائم فرمائے ہیں، اور امام وحافظ کو بھی الفاظِ توثیق میں شمار کیا گیا ہے۔

خالد بن مخلد الامام المحدث أبو الهيثم القطواني الكوفي.سمع مالكا وسليمان بن بلال وعلى بن صالح بن حي وابا الغصن ثابت بن قيس ونافع بن ابى نعيم وعدة.وعنه البخارى وروى هو والجماعة سوى ابى داود عن رجل عنه والدارمي وعبد وابو امية الطرسوسي وآخرون حتى ان عبيد الله بن موسى قد روى عنه(تذكرة الحفاظ ج ا ص۲۹۸)

خالد بن مخلد القطوانى البجلى كنيته أبو الهيثم من أهل الكوفة يروى عن موسى بن يعقوب الزمعى وسليمان بن بلال روى عنه أبو بكر بن أبى شيبة وأهل العراق وكان يكره أن يقال له القطوانى (ثقات ابنِ حبان ج۴ص ۲۲۴)

خالد بن مخلد القطوانى ، أبو الهيثم البجلى مولاهم الكوفى ، وقطوان موضع بالكوفة......قال عبد الله بن أحمد بن حنبل ، عن أبيه :له أحاديث مناكير.وقال عثمان بن سعيد الدارمى ، عن يحيى بن معين :ما به بأس.وقال أبو حاتم : يكتب حديثه.وقال أبو عبيد الآجرى : سئل أبو داود عنه فقال : صدوق ولكنه بتشيع.قال أبو أحمد بن عدى :هو من المكثرين فى محدثى الكوفة ، وهو عندى إن شاء الله لا بأس به.قال مطين : مات سنة ثلاث عشرة ومئتين وروى له أبو داود فى حديث مالك ، والباقون (تهذيب الكمال ج۸ص۱۶۳ تا ۱۶۶ ملخصاً)

والتشيع المذكور ليس بجرح عند المحدثين .

۲ محمد بن جعفر بن أبى كثير الأنصارى الزرقى ، مولاهم ، المدنى ، أخو إسماعيل بن جعفر ، وكثير بن جعفر ، ويحيى بن جعفر ، ويعقوب بن جعفر......قال عباس الدورى ، عن يحيى بن معين :ثقة.وقال على بن المدينى : معروف.وقال النسائى : صالح.وذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات" روى له الجماعة(تهذيب الكمال ج۲۴ص۵۸۳ تا ۵۸۵،ملخصاً، تحت ترجمة محمد بن جعفر بن ابى كثير)

محمد بن جعفر بن أبى كثير الأنصارى مولاهم المدنى أخو إسماعيل وهو الأكبر ثقة من السابعة (تقريب التهذيب ج ا ص ۴۷۱)

اس قوی اور متصل السند روایت سے بھی بیس تراویح کا ثبوت ہوا۔

آٹھویں روایت

(۱۸)...... امام عبدالرزاق؛ اسلمی سے اور وہ حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی ذباب سے اور وہ حضرت سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ:

كُنَّا نَنْصَرِفُ مِنَ الْقِيَامِ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ وَقَدْ دَنَا فُرُوْعُ الْفَجْرِ ، وَكَانَ الْقِيَامُ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ ثَـلَاثَةً وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً (مصنف عبدالرزاق) [1]

ترجمہ: ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تراویح پڑھ کر لوٹتے تھے، اور فجر کا وقت قریب ہوجاتا تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تراویح کی (وتروں سمیت) تئیس رکعات پڑھی جاتی تھیں (عبدالرزاق)

ممکن ہے کہ بعض اوقات تراویح میں قرآن زیادہ پڑھا جاتا ہو، اور اس وجہ سے دیر ہوجاتی ہو، بہرحال اس روایت سے تراویح کی بیس رکعات پڑھے جانے کا ثبوت ہوا۔

دوسری احادیث وروایات کے پیشِ نظر اس روایت کی سند حسن درجہ میں داخل ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۷۷۳۳، كتاب الصيام، باب قيام رمضان.

[2] چنانچہ پہلے راوی ابراہیم بن محمد بن ابویحییٰ اسلمی ہیں، جو کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے شیوخ میں شمار ہوتے ہیں، اور انہوں نے ان کی توثیق کی ہے، اور ابنِ عدی نے بھی یہی کہا ہے۔

اور اگرچہ ان کو دیگر متعدد حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ ضعیف ہوں، مگر ان کی حدیث کے شاہد بننے کی صلاحیت میں کوئی شبہ نہیں۔

(إبراهيم بن محمد بن أبى يحيى الاسلمى) شيخ الامام الشافعى وصفه الامام أحمد بن حنبل بالتدليس(التبيين لاسماء المدلسين ص ۱۴ ،تاليف :ابوالوفاء برهان الدين الحلبى الشافعى، الناشر: دارالكتب العلمية،بيروت)

حدثنا عبد الله بن محمد بن مسلم حدثنا محمد بن إدريس قال سمعت الحميدى يقول قال الشافعى وليت على عمل باليمن فجهدت فيه فقدمت فلقيت ابن أبى يحيى وكنت أجالسه فقال لى تجالسوننا وتصغون فإذا شرع لأحدكم شيئا دخل فيه فوبخنى فلقيت ابن عيينة فقال قد بلغنا ولايتك فما أحسن ما انتشر عنك وما أديت كل الذى لله عليك ولا تعد فكانت موعظة بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس روایت کا انکار سوائے مکابرہ کے اور کچھ نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عيينة إياى ابلغ فى مما صنع ابن أبى يحيى قال الشيخ سألت احمد بن سعيد فقلت تعلم أحدا أحسن القول فى إبراهيم بن أبى يحيى غير الشافعى فقال لى نعم حدثنا احمد بن يحيى الاودى قال سألت حمدان بن الأصبهانى يعنى محمد فقلت أتدين بحديث إبراهيم بن أبى يحيى فقال نعم قال الشيخ ثم قال لى احمد بن محمد بن سعيد نظرت فى حديث إبراهيم بن أبى يحيى كثيرا وليس هو بمنكر الحديث قال الشيخ وهذا الذى قاله كما قال وقد نظرت انا أيضا فى حديثه الكثير فلم أجد فيه منكرا إلا عن شيوخ يحتملون وقد حدث عنه ابن جريج والثورى وعباد بن منصور ومندل وأبو أيوب ويحيى بن أيوب المصرى وغيرهم من الكبار (الكامل لابنِ عدى، ج ۱ ص۳۵۷،۳۵۸،تحت ترجمة إبراهيم بن محمد بن أبى يحيى الأسلمى)

إبراهيم بن أبى يحيى *(ق) هو الشيخ العالم المحدث، أحد الاعلام المشاهير، أبو إسحاق إبراهيم بن محمد بن أبى يحيى الاسلمى، مولاهم المدنى، الفقيه .ولد فى حدود سنة مئة، أو قبل ذلك.وحدث عن :صالح مولى التوأمة، وابن شهاب، ومحمد بن المنكدر، وموسى بن وردان، وصفوان بن سليم، ويحيى بن سعيد، وخلق كثير. وصنف "الموطأ "وهو كبير أضعاف موطأ الامام مالك .حدث عنه جماعة قليلة، منهم :الشافعى، وإبراهيم بن موسى الفراء، والحسن بن عرفة، وقد كان الشافعى مع حسن رأيه فيه إذا روى عنه ربما دلسه، ويقول :أخبرنى من لا أتهم.فتجد الشافعى لا يوثقه، وإنما هو عنده ليس بمتهم بالكذب، وقد اعترف الشافعى بأنه كان قدريا.......... قال ابن عدى :لم أجد لابراهيم حديثا منكرا إلا عن شيوخ يحتملون(سيراعلام النبلاء ج۸ص ۴۵۰ تا ۴۵۳ ملخصاً،تحت ترجمة ابراهيم بن ابى يحيىٰ)

وقال سعيد بن أبى مريم :قال لى إبراهيم بن أبى يحيى :سمعت من عطاء سبعة آلاف مسألة.وقال الربيع بن سليمان :سمعت الشافعى يقول :كان إبراهيم ابن أبى يحيى قدريا ، قيل للربيع :فما حمل الشافعى على أن روى عنه ؟ قال :كان يقول :لان يخر إبراهيم من بعد أحب إليه من أن يكذب ، وكان ثقة فى الحديث .وكان الشافعى يقول :أخبرنى من لا أتهم عن سهيل وغيره ، يعنى إبراهيم بن أبى يحيى .وقال أبو أحمد بن عدى : سألت أحمد بن محمد بن سعيد ، يعنى ابن عقدة - فقلت له :تعلم أحدا أحسن القول فى إبراهيم بن أبى يحيى غير الشافعى ؟ فقال :نعم .حدثنا أحمد بن يحيى الأودى ، قال :سمعت حمدان ابن الأصبهانى ، يعنى محمد بن سعيد -قلت :أتدين بحديث إبراهيم بن أبى يحيى ؟ فقال :نعم .ثم قال لى أحمد بن محمد بن سعيد :نظرت فى حديث إبراهيم بن أبى يحيى كثيرا وليس بمنكر الحديث.قال ابن عدى :وهذا الذى قاله كما قال ، وقد نظرت أناأيضا فى حديثه الكثير ، فلم أجد فيه منكرا ، إلا عن شيوخ يحتملون.وقد حدث عنه ابن جريج والثورى وعباد بن منصور ، ويحيى بن أيوب المصرى وغيرهم من الكبار ، وهؤلاء أقدم موتا منه وأكبر سنا ، وله أحاديث كثيرة ، وله كتاب الموطأ ، أضعاف موطأ مالك ، ونسخ كثيرة.وهذا الذى قاله ابن سعيد كما قال ، وقد نظرت أنا فى أحاديثه وتبحرتها ، وفتشت الكل منها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیونکہ گزشتہ معتبر احادیث وروایات سے بیس تراویح کا ثبوت معلوم ہو چکا۔ ل

نویں روایت

(۱۹)......امام عبدالرزاق؛ داؤد بن قیس سے اور وہ محمد بن یوسف سے اور وہ حضرت سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فليس فيها حديث منكر ، وإنما يروى المنكر من قبل الراوى عنه ، أو من قبل شيخه لا من قبله ، وهو في جملة من يكتب حديثه ، وقد وثقه الشافعي وابن الأصبهاني وغيرهما .(تهذيب الكمال ج۲ص ۱۸۹،۱۹۰ ، تحت ترجمة إبراهيم بن محمد بن أبي يحيى)

إبراهيم بن محمد بن أبي يحيى سمعان الأسلمي مولاهم أبو إسحاق المدني .روى عن الحارث بن فضيل وسهيل بن أبي صالح وصالح مولى التوأمة والزهرى والعلاء بن عبد الرحمن.وعنه الشافعي وعبد الرزاق وسعيد بن سالم القداح والحسن بن عرفة وهو آخر من حدث عنه .قال أحمد :كان قدرياً معتزلياً جهمياً كل بلاء فيه ضعفه ابن معين وغيره ووثقه الشافعي وغيره .وقال ابن عدى :ليس له حديث منكر وإنما يروى المنكر من قبل شيخه أو الراوى عنه.وله كتاب الموطأ أضعاف موطأ مالک مات سنة أربع وثمانين ومائة.(طبقات الحفاظ للسيوطي ص ۱۰۰،۱۱۱)

ل اس روایت کے دوسرے راوی حارث بن عبدالرحمٰن ہیں، جو کہ صدوق ہیں، البتہ بعض نے ان کے بارے میں وہم ہوجانے کا حکم لگایا ہے، مگر دوسری احادیث کے پیشِ نظر صاف ظاہر ہے کہ ان کو اس روایت میں وہم نہیں ہوا۔

لہٰذا جناب ناصر الدین البانی صاحب نے جو ''صلاۃ التراویح'' میں بعض حضرات کی طرف سے ان کے حافظہ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ان کی حدیث کو ضعیف قرار دے کر رد کیا ہے، وہ انصاف پرمبنی معلوم نہ ہوا۔

اور حضرت سائب بن یزید کی توثیق پہلے گزر چکی ہے۔

الحارث بن عبد الرحمن بن عبد الله بن سعد ، ويقال :المغيرة بن أبي ذباب الدوسي المدني (تهذيب الكمال ، ج۵ص ۲۵۳ ، تحت ترجمة الحارث بن عبدالرحمن)

الحارث بن عبد الرحمن بن المغيرة بن أبي ذباب الدوسي من أهل المدينة يروى عن أبي سلمة وعطاء بن ميناء كان ينزل الاعوص بالمدينة روى عنه صفوان بن عيسى ومحمد بن إسحاق وأهل المدينة مات سنة ست وأربعين ومائة(ثقات ابنِ حبان ج۶ص ۱۷۲)

الحارث بن عبد الرحمن بن المغيرة بن أبي ذباب الدوسي من المتقنين مات سنة ست وأربعين ومائة(مشاهير علماء الامصار، تحت رقم ۱۰۱۴ ،ص۲۰۸ ،الناشر:دار الوفاء للطباعة والنشر والتوزيع -المنصورة)

الحارث بن عبد الرحمن بن عبد الله بن سعد بن أبي ذباب بضم المعجمة وموحدتين الدوسي بفتح الدال المدني صدوق يهم من الخامسة مات سنة ست وأربعين (تقريب التهذيب ج ۱ ص ۱۴۶)

أَنَّ عُمَرَ جَمَعَ النَّاسَ فِيْ رَمَضَانَ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ، عَلٰى تَمِيْمِ الدَّارِيِّ، عَلٰى إِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً ، يَقْرَؤُوْنَ بِالْمِئِيْنِ وَيَنْصَرِفُوْنَ عِنْدَ فُرُوْعِ الْفَجْرِ (مصنف عبدالرزاق) ۱

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو رمضان میں ابی بن کعب اور تمیم داری کی امامت پر اکیس رکعتوں پر جمع کیا تھا، جو (ایک رکعت میں) سو آیتیں پڑھتے تھے، اور فجر کے قریب لوٹتے تھے (عبدالرزاق)

حضرت سائب بن یزید کی اس روایت میں جو اکیس کا ذکر ہے، ان میں سے بیس رکعتیں تراویح کی مراد ہیں، جیسا کہ دیگر روایات سے واضح ہے، اور ان میں سے ایک رکعت کو بعض حضرات نے وتر پر محمول کیا ہے، جبکہ احناف نے دیگر احادیث کے پیشِ نظر وتروں کی تین رکعات کو ترجیح دی ہے، جیسا کہ حضرت سائب بن یزید کی دیگر روایات سے بھی واضح ہے۔ ۲
اس روایت کو بیان کرنے والے عبدالرزاق صنعانی مشہور محدث اور حافظ الحدیث ہیں، ان سے صحاحِ ستہ والوں نے احادیث لی ہیں۔ ۳

---

۱ رقم الحديث ٧٧٣٠، كتاب الصيام، باب قيام رمضان.

۲ احناف کے نزدیک ایک وتر کے اعتبار سے یہ روایت شاذ ہے، مزید تفصیل کے لئے ہماری دوسری کتاب ''وتر کی نماز کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں۔

۳ اور ناصر الدین البانی صاحب نے ''صلاۃ التراویح'' میں جو امام عبدالرزاق کے بارے میں یہ کہا ہے کہ ان کو آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، اور معلوم نہیں کہ یہ حدیث اختلاط سے پہلے کی ہے یا بعد کی ہے، اس لئے یہ حدیث قابلِ قبول نہیں ہے۔

ان کی یہ بات انصاف اور عدل پر مبنی نہیں ہے، کیونکہ ان کی کتب میں موجود احادیث کے بارے میں اختلاط کا شبہ نہیں کیا جاسکتا، اور یہ حدیث ان کی کتاب سے لی گئی ہے۔

وقال أحمد بن صالح المصرى قلت لاحمد بن حنبل رأيت أحدا أحسن حديثا من عبد الرزاق قال لا وقال أبو زرعة الدمشقي عبد الرزاق أحد من ثبت حديثه وقال ابن أبى السرى عن عبد الوهاب بن همام كنت عند معمر فقال يختلف إلينا أربعة رباح بن زيد ومحمد بن ثور وهشام بن يوسف وعبد الرزاق فأما رباح فخليق أن يغلب عليه العبادة وأما هشام فخليق أن يغلب عليه السلطان وأما ابن ثور فكثير النسيان وأما عبد الرزاق فإن عاش فخليق أن تضرب إليه أكباد الابل.قال ابن أبى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس روایت کے پہلے راوی داؤد بن قیس ہیں، جو کہ ثقہ اور معتبر راوی ہیں۔ ۱؎

اوردوسرے راوی محمد بن یوسف اعرج ہیں، یہ بھی ثقہ اور معتبر راوی ہیں۔ ۲؎

ان تمام روایات سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعات تراویح کا ہونا ثابت ہوا۔

یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ شریک دیگر خلفائے راشدین وصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بیس رکعتوں ہی کو کیوں اختیار فرمایا، اوراس پر کسی نے اعتراض بھی نہیں کیا۔

اوراس سے کم یا زیادہ کو کیوں اختیار نہیں فرمایا؟ جبکہ یہ کوئی عقلی چیز بھی نہیں کہ خود اپنی عقل سے سوچ کر تعداد مقرر کر لی جاتی۔

اس کا جواب سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ حضرت عمر اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السری فو اللہ لقد أتعبها وقال أحمد حديث عبد الرزاق عن معمر أحب إلى من حديث هؤلاء البصريين كان يتعاهد كتبه وينظر فيها باليمن وكان يحدثهم حفظا بالبصرة يعنى معمرا وقال الاثرم سمعت أحمد يسأل عن حديث النار جبار فقال ومن يحدث به عن عبد الرزاق قلت حدثنى أحمد عن شبويه قال هؤلاء سمعوا بعدما عمى كان يلقن فلقنه وليس هو فى كتبه كان يلقنها بعد ما عمى وقال حنبل بن إسحاق عن أحمد نحو ذلک وزاد من سمع من الكتب فهو أصح وقال أبو زرعة الدمشقى قلت لاحمد من أثبت فى ابن جريج عبد الرزاق أو البرسانى قال عبد الرزاق(تهذيب التهذيب ج٦ ص ٣١٢)

۱؎ داود بن قيس الفراء الدباغ أبو سليمان القرشى مولاهم المدنى ثقة فاضل من الخامسة مات فى خلافة أبى جعفر (تقريب التهذيب ج ١ ص ١٩٩)

وقال الشافعى :ثقة حافظ .وقال أبو طالب، عن أحمد بن حنبل :ثقة ، هو أكبر من هشام بن سعد.وقال عباس الدورى ، عن يحيى بن معين :كان صالح الحديث وهشام بن سعد فيه ضعف ، وداود أحب إلى منه .قيل له :محمد بن عجلان ؟ قال :ثقة ، وكان داود يجلس إليه يتحفظ عنه . قال أبو زكريا :كان يتذكر حديث نفسه ، لأنه يأخذ عنه ما لم يسمع .وقال أبو زرعة ، وأبو حاتم والنسائى :ثقة.زاد أبو حاتم :وهو أقوى عندنا من هشام بن سعد ، كان القعنبى يثنى عليه .وقال محمد بن سعد ، عن القعنبى :ما رأيت بالمدينة رجلين كانا أفضل من داود بن قيس ومن الحجاج بن صفوان.(تهذيب الكمال ج٨ص ٤٤١، تحت ترجمة داود بن قيس الفراء الدباغ)

۲؎ محمد بن يوسف بن عبد الله الكندى المدنى الأعرج ثقة ثبت من الخامسة مات فى حدود الأربعين (تقريب التهذيب ج ١ ص ٥١٥)

رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل اسی طرح سنا یا دیکھا تھا۔ [1]

اگر بیس رکعات رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوتیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہرگز اس کا اہتمام نہ فرماتے، کیونکہ پھر یہ بدعت ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ بدعات کا دشمن کون ہوسکتا تھا؟

اور اگر بالفرض ان سے کوئی غلطی ہوتی تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر جان دینے والے صحابۂ کرام اس کو کیسے گوارا کرسکتے تھے؟

جبکہ اس وقت صحابۂ کرام کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں، اور آپ کا حجرہ مبارک مسجدِ نبوی کے بالکل متصل تھا، جہاں آپ کی موجودگی میں بیس تراویح ادا کی جارہی تھیں (جبکہ بیس تراویح کے منکر اور آٹھ رکعات کے مدعی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی غیر متعلقہ حدیث کا سہارا لے کر ہی استدلال کرتے ہیں، جس پر کلام آگے آتا ہے)

یقیناً ان حضرات کے پاس رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا فعل موجود تھا، خواہ وہ ہم تک صحیح سند کے ساتھ نہ پہنچ سکا ہو، اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس رکعات تراویح کا فعل حدیثِ جابر وابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روشنی میں پہلے پیش کرچکے ہیں۔ [2]

---

[1] ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ اپنے عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے متبع تھے، پس ان کا ایسا عمل جس پر بعد میں سب نے اتفاق کرلیا ہو، یقیناً حجت ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کے پاس اس عمل کی کوئی دلیل ضرور موجود تھی (امداد الاحکام ج۱ ص ۶۳۷)

[2] فیکاد یکون عجر فة من القول وسفسفة من البیان ،فهل یمکن ان مافعله علی رؤوس الاشهاد فی مسجده صلی الله علیه وسلم ووصل امره عیانا لکل صغیر وکبیر خفی علی مثل الفاروق وابی بن کعب وغیرهما من اجلآء الصحابة وکبارهم ؟

ومثل هذاالقول لایقوله من یفهم مایقول (معارف السنن ج۵ ص ۵۴۵، تحقیق ان عشرین رکعات تراویح اتفق علیها الائمة)

وبالجملة لیست هی البدعة الشرعیة المذمومة ضد السنة قطعاً بعد ثبوتها قولاً وفعلاً عن صاحب الشریعة صلی الله علیه وسلم وعمل الفاروق ایام جمهرة الصحابة وهذه یکفی لکونه من امر الدین عند البصیر المنصف (ایضاً صفحه ۵۵۴)

اور اگر کوئی ہٹ دھرم اس بات کو تسلیم نہ کرے، تو اسے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابۂ کرام کا ایسا عمل خود سنت اور مرفوع حدیث کا درجہ رکھتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کے عمل کو سنت قرار دیا ہے۔

جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

حضرت سائب کی گیارہ رکعت والی روایت پر کلام

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے محمد بن یوسف کے واسطے سے حضرت سائب بن یزید سے ایک روایت بیان کی ہے، اس میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے۔ [1]

اس کا محدثین واہلِ علم حضرات نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ جب بے شمار صحیح اور مستند روایات اور خود حضرت سائب بن یزید کا اپنے عمل سے بیس رکعات تراویح کا ثبوت ہو گیا، تو اس کے مقابلہ میں اس ایک روایت کو، ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ [2]

---

[1] اس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

مـالک، عن محمد بن یوسف، عن السائب بن یزید؛ أنه قال :أمر عمر بن الخطاب أبی بن کعب وتمیما الدیری أن یقوما للناس بإحدی عشرة رکعة .
قال :وقـد کان القارء یقرأ بالمئین، حتی کنا نعتمد علی العصی من طول القیام .وما کنا ننصرف إلا فی فروع الفجر (مؤطاامام مالک ،رقم الحدیث ۳۷۹، کتاب السهو،باب ماجاء فی قیامِ رمضان)

[2] بالخصوص جبکہ دوسری تمام روایات سے قطع نظر کرتے ہوئے حضرت سائب بن یزید کی روایت کو بھی ان سے یزید بن خصیفہ، اور حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی ذباب نے بیس رکعات کو روایت کیا ہے، اور داؤد بن قیس نے بھی محمد بن یوسف سے بیس رکعات کو ہی روایت کیا ہے، جس کا پہلے ذکر گزرا۔

نیز حضرت یزید بن خصیفہ سے محمد بن جعفر اور ابنِ ابی ذئب نے بھی بیس رکعات کو روایت کیا ہے۔

اور امام بیہقی نے صحیح، متصل سند کے ساتھ بیس رکعات کی روایت کو بیان کیا ہے۔

لہٰذا ان سب روایات کو اس روایت کے مقابلہ میں مرجوح قرار دیا جانا مشکل ہے۔

چنانچہ امداد الاحکام میں ہے:

سائب بن یزید سے محفوظ اور صحیح روایت وہ ہے جس کو مالک اور بیہقی نے یزید بن خصیفہ کے واسطہ سے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ایک جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے بعض اوقات کچھ رکعات جماعت کے ساتھ پڑھی گئی ہوں، اور کچھ رکعات پرانے معمول کے مطابق لوگوں نے انفرادی طور پر ادا کی ہوں، اور با جماعت ادا کئے گئے اس عمل کو اس روایت میں بیان کیا گیا ہو۔

لہٰذا اس سے بیس رکعات تراویح کی نفی لازم نہیں آتی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سائب بن یزید سے روایت کیا ہے......اور اس کے محفوظ اور صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے الفاظ میں راویوں نے اختلاف نہیں کیا، دوسرے اس کے مؤیدات بہت زیادہ ہیں (امداد الاحکام ج ۱ص ۶۲۱، ۶۴۲ ملخصاً)

خلاصہ یہ کہ جس روایت سے آٹھ رکعات پر استدلال کیا جاتا ہے، خود اس روایت کی کیفیت یہ ہے کہ یہ کئی طرح سے منقول ہے، کسی میں بیس کا ذکر ہے، کسی میں اکیس کا ذکر ہے، کسی میں گیارہ کا، اور کسی میں تیرہ کا۔

ظاہر ہے کہ اس میں سے صحیح قول ایک ہے، اور وہ بیس والی روایت کا ہے، کیونکہ اوپر والی حدیث میں حضرت سائب بن یزید جو اپنا اور دوسروں کا عمل نقل کر رہے ہیں اس میں بھی بیس تراویح پڑھنے کا صاف ذکر ہے، اگر گیارہ والی روایت صحیح ہوتی تو وہ خود بھی گیارہ ہی پڑھتے۔

لہٰذا ان کا عمل بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ بیس تراویح والی روایت ہی صحیح ہے، کیونکہ راوی کے اپنی روایت کے خلاف کرنے کے اس کے علاوہ اور کوئی معنیٰ نہیں، کہ اس کے نزدیک وہ روایت صحیح نہیں۔

اور جو روایت دوسری صحیح روایات اور خلفائے راشدین وصحابۂ کرام اور امت کے اجماعی فیصلے کے بھی عین مطابق ہو، ظاہر ہے کہ اس روایت کو بہرحال ترجیح حاصل ہوگی۔

[1] فرواية يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد اقوى واولىٰ وارجح من رواية محمد بن يوسف عنه ؛ فان يزيد لم يختلف عليه فيما رواه بخلاف محمد بن يوسف فقد اختلف عليه اختلافاشديدا(اعلاء السنن ج۷ص ۸۵، باب التروايح)

(بإحدى عشرة ركعة) ، أى فى أول الأمر لما قال ابن عبد البر :هذه الرواية وهم، والذى صح أنهم كانوا يقومون على عهد عمر بعشرين ركعة، واعترض بأن سند تلك صحيح أيضا، ويجاب بأنه لعلهم فى بعض الليالى قصدوا التشبيه به صلى الله عليه وسلم، فإنه صح عنه أنه صلى بهم ثمانى ركعات والوتر، وإن كان الذى استقر عليه أمرهم العشرين، ورواية ثلاث وعشرين حسب راويها الثلاثة الوتر، فإنه جاء أنهم كانوا يوترون بثلاث، وهذا يدل على أن الوتر ثلاث على ما تقرر عليه آخر الأمر، وأنه غير داخل فى صلاة الليل .(فكان القارء) ، أى :الإمام (يقرأ) ، أى :فى كل ركعة (بالمئين) :جمع مائة، والظاهر أن المراد به التقريب لا التحديد، وفى نسخة بالمائتين، قال ابن حجر، أى بالسور التى يزيد كل منها على مائة آية، وفيه أنه لا دلالة على الزيادة، ولا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس روایت میں دو حضرات کی امامت کا ذکر ہے، ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک دس رکعات پڑھاتا ہو، جیسا کہ آج کل بھی بعض مقامات پر بلکہ حرمین شریفین میں ایسا ہی ہوتا ہے، اس لئے روایت میں ایک امام کی تعداد کا ذکر کر دیا گیا ہو۔ [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیس تراویح کا ثبوت

(۲۰)...... امام بیہقی رحمہ اللہ، حافظ ابو عبداللہ فنجویہ سے، اور وہ ابوبکر احمد بن محمد سنی سے؛ اور وہ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد سے، اور وہ علی بن جعد سے، اور وہ ابنِ ابی ذئب سے؛ اور وہ یزید بن خصیفہ سے؛ اور وہ حضرت سائب بن یزید سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً -قَالَ -وَكَانُوْا يَقْرَءُوْنَ بِالْمِئِيْنِ ، وَكَانُوْا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على أنها سورة مستقلة، لا سيما وأريد الختم بالتراويح بناء على أنه سنة على القول الصحيح .(حتى كنا نعتمد على العصا) : وفي نسخة :على العصى بكسرتين وتشديد الياء جمع العصا، فالأولى للجنس، والثانية من باب مقابلة الجمع بالجمع .(من طول القيام) : علة للاعتماد، أى :من أجل طول قيام الإمام الناشيء من قراء ة المائتين، (فما كنا ننصرف إلا في فروع الفجر) ، أى :أوائله وأعاليه وفرع كل شيء أعلاه، ذكره الطيبي، وفي بعض الروايات إلى بزوغ الفجر، وفي النهاية :البزوغ الطلوع، والمراد أوائل مقدماته فلا ينافي ما سيأتي أنهم كانوا يتسحرون بعد انصرافهم، ولعل هذا التطويل كان في آخر الأمر (مرقاة المفاتيح، ج۳ص ۹۷۱، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان)

[1] جبکہ بعض حضرات نے اس کو راوی کا وہم قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ اصل روایت میں ''إحدى وعشرين ركعة'' کے الفاظ تھے، جیسا کہ داؤد بن قیس نے محمد بن یوسف سے روایت کئے ہیں، لیکن کسی نے ''إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً'' روایت کر دیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قلت ويمكن توجيه آخر غير ماتقدم ،وهو ان يقال احدى وعشرين باعتبار مجموع ماصلياه ،واحدى عشرة كل واحد منهما عشراعشرا، والواحد الوتر ،يصلى مرة هذا ومرة هذا ؛فيصح النسبة اليهما معا ،وعلىٰ هذا لايحتاج الى وهم احد ، ولايخالف سائر الروايات الواردة فى الباب (اوجز المسالک شرح موطاامام مالک ج ۱ ص ۳۹۴)

يَتَوَكَّئُوْنَ عَلٰى عُصِيِّهِمْ فِيْ عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ (السنن الکبریٰ للبیھقی) [1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ رمضان کے مہینے میں بیس رکعات (تراویح) پڑھا کرتے تھے، اور ایک رکعت میں سو آیات پڑھا کرتے تھے، اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قیام کی شدت کی وجہ سے لوگ اپنی لاٹھیوں پر سہارا لیتے تھے (سنن البیہقی)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔

چنانچہ اس روایت کے پہلے راوی ابو عبداللہ حسین بن محمد بن حسین ہیں، جو کہ بہت بڑے حدیث کے امام اور شیخ اور محدث اور ثقہ ہیں، اور مشہور محدث ابنِ سنی کے شاگرد ہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۴۲۸۸، جماع أبواب صلاة التطوع، وقيام شهر رمضان،باب ما روى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان.

[2] ابن فنجويه *الشيخ الامام، المحدث المفيد، بقية المشايخ، أبو عبد الله، الحسين بن محمد بن الحسين بن عبدالله بن صالح بن شعيب بن فنجويه، الثقفى الدينورى (سير اعلام النبلاء ج۱۷ ص۳۸۳، تحت ترجمة ابن فنجويه الحسين بن محمد بن الحسين)

فنجويه :الحسين بن محمد بن الحسين بن عبد الله بن فنجويه الدينورى، روى السنن عن ابن السنى.وابنه أبو بكر محمد، روى عن أبيه، وعاش تسعين عاماً(تبصير المنتبه بتحرير المشتبة لابن حجر العسقلانى، ج۳ص۱۰۸۴، تحت ترجمة فنجويه،الناشر:المكتبة العلمية، بيروت)

والحسين بن محمد بن عنبة هو أبو عبد الله الحسين بن محمد بن فنجوية الثقفى من أهل الدينور حافظ كبير صنف مصنفات انتهى(توضيح المشتبه فى ضبط أسماء الرواة وأنسابهم وألقابهم وكناهم،لابن ناصر الدين الدمشقى، ج۶ ص۱۵۹ ،حرف العين، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت)

أبو عبد الله الحسين بن محمد بن الحسين بن عبد الله بن فنجويه الدينورى حدث عن أبى بكر أحمد بن محمد بن إسحاق السنى بكتاب السنن لأبى عبد الرحمن النسائى وحدث عن الفضل بن الفضل الكندى وأبى القاسم عبد الله بن إبراهيم الجرجانى وأحمد بن إبراهيم بن شاذان وعبد الله بن محمد بن شنبة وغيرهم وله مصنفات حدث عنه جماعة منهم ابناه أبو القاسم سفيان وأبو بكر محمد وأبو الفتح عبدوس بن عبد الله بن عبدوس التانى وابو طاهر بن سلمة وأبو القاسم مكى بن محمد بن دلير وعبد الرحمن بن أبى عبدالله بن منده الأصبهانى وانتقل إلى نيسابور فسكنها وحدث بها وحدث عنه من أهل نيسابور وأبو سعد عبد الرحمن بن منصور بن رامش العدل وأبو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس روایت کے دوسرے راوی مشہور محدث حافظُ الحدیث اورثقہ ابنِ سنی ہیں۔ ۱؎
اوراس روایت کے تیسرے راوی عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز ہیں، یہ بھی مشہور حافظُ الحدیث اورثقہ ہیں۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بكر احمد ابن الحسين البيهقي الحافظ حدث عنه في مصنفاته توفي بنيسابور في سنة اربع عشرة وأربعمائة ثقة صالح(تكملة الإكمال لابى بكرمحمد بن عبد الغنى البغدادى ج۴ص۴۹۵ ،باب فنجويه وفتجويه ومنجويه وفنجوه،الناشر:جامعة ام القرىٰ ، المكة المكرمة)

الحسين بن محمد بن الحسين بن عبد بن صالح بن شعيب بن فنجويه الثقفي أبو عبد الله الدينوري.روى عن :هارون بن محمد العطار ، وأبى بكر بن السني ، وبرهان الصوفي ، وأبى على الحسين بن محمد بن حبش المقرىء ، وعبد الله بن عبد الرحمن الدقاق الدينوريين ، وأبى الحسين بن أحمد بن جعفر بن حمدان الدينوري ، وأبى بكر أحمد بن جعفر بن حمدان القطيعي ، وعيسى بن حامد الرخجي ، وإسحاق بن محمد النعالي ، وخلق من الهمذانيين ، وغيرهم .روى عنه:جعفر الأبهري ، وعبد الرحمن بن أبى عبد الله بن مندة ، وسعد بن حمد ، ووالده سفيان وأبو بكر محمد ، وأبو الفضل القُومساني ، وأحمد بن عبد الله إبنا عبد الرحمن بن على ، وأبو غالب بن قصار ، وأبو الفتح بن عبدوس ، وأبو نصر أحمد بن محمد بن صاعد ، وعلى بن أحمد بن الأخرم ، وأبو صالح المؤذن ومحمد بن يحيى المزكي ، ومكي بن محمد بن دُلير ، وأحمد بن الحسين القرشي ، والبيهقي وآخرون .قال عبد الغافر :شيخ فاضل ، كثير الحديث ، كثير الشيوخ ، كثير التصانيف الحسنة ، والمعرفة بالحديث .توفي في ربيع الآخر سنة أربع عشرة وأربعمائة بنيسابور (شيوخ البيهقي في السنن،ص۲۴، رقم الترجمة،۴۸ ، أبو عبد الله حامد بن أحمد آل بكر)

لہٰذا صاحبِ تحفۃ الاحوذی نے جوان کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ ان کے حال سے واقف نہیں، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حقیقت میں بھی مجہول ہوں۔

ان کا حدیث میں عالی مقام ہونا پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے، جس کے بعد اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔

۱؎ ابن السني *الامام الحافظ الثقة الرحال، أبو بكر، أحمد بن محمد بن إسحاق بن إبراهيم بن أسباط الهاشمي الجعفري مولاهم الدينوري، المشهور بابن السني .ولد في حدود سنة ثمانين ومئتين(سيراعلام النبلاء ج١٦ ص٢٥٥)

۲؎ عبد الله بن محمد بن عبد العزيز بن المرزبان بن سابور أبو القاسم ابن بنت أحمد بن منيع بغوى الأصل ولد ببغداد سنة ثلاثة عشرة ومائتين وقيل سنة أربع عشرة.

سمع على بن الجعد وخلف بن هشام ومحمد بن عبد الله الحارثي وأبا الأحوص محمد بن حبان البغوى وعبيد الله بن محمد التميمي وأبا نصر التمار وداود بن عمرو وإمامنا وعلى بن المديني ويحيى بن معين في آخرين حدث عنه يحيى بن صاعد وعلى بن إسحاق المادرائي وعبد الباقي بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس روایت کے باقی راویوں کے معتبر ہونے پر کلام پہلے گزر چکا ہے۔

اس معتبر ومستند اور موصول روایت سے معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رکعات تراویح ادا کی جاتی تھیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی اس کا تسلسل جاری رہا۔

بلکہ آخری خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی تراویح کی بیس رکعات ادا کی جاتی تھیں، اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں، اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی صراحتاً بیس تراویح پڑھنے کا روایات میں ذکر ہے، جو کہ آگے آ رہی ہیں۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں علی الاعلان باجماعت بیس تراویح ادا کی جاتی رہیں، تو اس وقت تیسرے خلیفۂ راشد حضرت عثمان بن عفان اور چوتھے خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی یقیناً حیات تھے، وہ بھی بیس تراویح ہی ادا کیا کرتے تھے، اوران کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی اختلاف مذکور نہیں، اگر بعد میں اس تعداد میں تبدیلی آتی تو یقیناً اس کا روایات میں ذکر ہوتا، کیونکہ تراویح باجماعت علی الاعلان ادا کی جاتی تھیں، جن کا کسی سے مخفی رہنا دشوار تھا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قانع وابن مالک (طبقات الحنابلة ج ا ص ۱۹۰، الناشر: دارالمعرفة، بيروت)

البغوى: الحافظ الثقة الكبير مسند العالم أبو القاسم عبد الله بن محمد بن عبد العزيز بن المرزبان البغوى الاصل البغدادى ابن بنت احمد بن منيع. مولده فى رمضان سنة اربع عشرة ومائتين، وبكر بالسماع باعتناء عمه على بن عبد العزيز وجده فسمع من على بن الجعد وعلى بن المدينى واحمد ابن حنبل ......وأخذ ابن عدى يضعفه، ثم فى الآخر قواه، وقال :طال عمره واحتاجوا إليه وقبله الناس، قال :ولو لا انى شرطت ان كل من تكلم فيه متكلم ذكرته والا كنت لا اذكره .قلت وقد احتج به عامة من خرج الصحيح كالاسماعيلى والدار قطنى والبرقانى وعاش مائة سنة وثلاث سنين.قال الخطيب أبو بكر :كان ثقة ثبتا فهما عارفا.وقال السلمى سألت الدار قطنى عن البغوى فقال :ثقة جبل امام اقل المشايخ خطأ .وقال أبو يعلى الخليلى :البغوى شيخ معمر عنده عن مائة شيخ تفرد بهم فى زمانه، منهم الحكم بن موسى وطالوت بن عباد ونعيم بن الهيصم -إلى ان قال: هو حافظ عارف صنف مسند عمه، وقد حسدوه فى آخر عمره فتكلموا فيه بشيئ لا يقدح فيه(تذكرة الحفاظ ج۲ص۲۱۷، ۲۱۸ ملخصاً،رقم الترجمة ۷۳۸)

بیس تراویح کا خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثبوت

(۲۱)...... امام بیہقی رحمہ اللہ؛ حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ دَعَا الْقُرَّاءَ فِيْ رَمَضَانَ ، فَأَمَرَ مِنْهُمْ رَجُلاً يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً .قَالَ :وَكَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُوْتِرُ بِهِمْ.وَرُوِيَ ذٰلِكَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ عَلِيٍّ(السنن الکبریٰ للبیہقی) [1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قراء کو بلایا پھر ان میں سے ایک قاری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

اور وتر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود پڑھایا کرتے تھے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت دوسرے طریقہ سے بھی روایت کی گئی ہے (سنن للبیہقی)

امام بیہقی رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس تراویح کا ثبوت صرف اس ایک روایت پر موقوف نہیں ہے، بلکہ دوسری روایات سے بھی ثابت ہے۔

ان میں سے ایک روایت امام بیہقی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ہی آگے آرہی ہے۔

لہٰذا اگر اس سند میں کوئی ضعف ہو تو وہ نقصان دہ نہیں، کیونکہ ضعیف حدیث کے ساتھ اگر کوئی دوسری ضعیف حدیث جمع ہو جائے تو پھر اس کا یہ ضعف باقی نہیں رہتا۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۴۲۹۱، جماع أبواب صلاة التطوع، وقيام شهر رمضان،باب ما روى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان.

[2] بلکہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے پہلے حضرت سوید بن غفلہ اور حضرت شتیر بن شکل کی بیس تراویح ادا کرنے کی روایات کو ذکر کیا ہے، اور حضرت شتیر بن شکل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے، اور اس کے بعد اس کی تائید میں مندرجہ بالا روایت کو پیش کیا ہے، اور ان روایات کو قوی ثابت کرنے کے لئے متصلاً مندرجہ بالا روایت کو پیش کیا ہے۔
اور یہ بات اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ جب ایک روایت کو دوسری روایت سے قوت حاصل ہوتی ہے تو یہ قوت طرفین کی روایات کو حاصل ہوتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس تراویح کے ثبوت کی دوسری روایت

(۲۲)...... امام بیہقی رحمہ اللہ؛ ہی اپنی سند سے ابی الحسناء سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (السنن الکبریٰ للبیہقی) [1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح پڑھایا کرے (سنن البیہقی)

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا حکم فرمایا تھا۔

اس روایت کی سند میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے۔ [2]

لیکن دوسری روایات کے پیشِ نظر اس روایت کا ضعف قطعاً نقصان دہ نہیں۔ [3]

تیسری روایت

(۲۳)...... امام ابنِ ابی شیبہ رحمہ اللہ؛ حضرت وکیع سے، اور وہ حسن بن صالح سے اور وہ عمرو بن قیس سے اور وہ ابوالحسناء سے روایت کرتے ہیں کہ:

---

[1] رقم الحديث ۴۲۹۲، جماع أبواب صلاة التطوع، وقيام شهر رمضان، باب ما روى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان.

[2] كما قال البيهقى: وفى هذا الإسناد ضعف والله أعلم (حواله بالا)

[3] قلت: الا ظهران ضعفه من جهة ابى سعد سعيد بن المرزبان البقال فانه متكلم فيه فان كان كذلك فقد تابعه عليه غيره قال ابن ابى شيبة فى المصنف ثنا وكيع عن الحسن بن صالح عن عمرو بن قيس عن ابى الحسناء ان عليا امر رجلا يصلى بهم فى رمضان عشرين ركعة ،وعمرو بن قيس اظنه الملائى وثقه احمد ويحيى وابو حاتم وابو زرعة وغيرهم واخرج له مسلم ثم ذكر حديثا فى سنده المغيرة ابن زياد فقال (ليس بالقوى) * قلت *ضعفه؟ فى باب ترك القصر وقال فى باب خل الخمر (صاحب مناكير) وقد وثقه ابن معين وجماعة فلم يذكر البيهقى شيئا من ذلك * *قال *(باب القنوت فى الوتر) ذكر فيه حديث الحسن *قلت *ذكره ابن جرير الطبرى فى التهذيب ثم قال فيه الابانة عن صحة قول القائلين (الجوهر النقى لابن التركمانى ج۲ص۴۹۵ تا ۴۹۷، باب ما روى فى عدد ركعات قيام شهر رمضان)

أَنَّ عَلِيًّا أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّيُ بِهِمُ فِيُ رَمَضَانَ عِشُرِيُنَ رَكُعَةً (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۷۷۶۳، کتاب الصلاة،باب کم یصلی فی رمضان من رکعة)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کوحکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھایا کرے (ابنِ ابی شیبہ)

یہ روایت بھی پہلی روایت کی شاہد ہے،اس لئے اس کی سند میں جو بعض حضرات نے ضعف کا حکم لگایا ہے؛ وہ نقصان دہ نہیں۔ [۱]

---

[۱] اس روایت کی سند کے پہلے راوی وکیع بن جراح ہیں،جن کے ثقہ ہونے میں شبہ نہیں،اور دوسرے راوی حسن بن صالح ہیں، جنہیں امام احمد بن حنبل ،یحیٰی بن معین ، ابوحاتم اورنسائی نے ثقہ قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو: تہذیب الکمال ج۶ص۱۷۷)

اور تیسرے راوی عمرو بن قیس ہیں، یہ بھی ثقہ ہیں۔

عمرو بن قيس بن ثور بن مازن الكندى أبو ثور الحمصى ثقة من الثالثة مات سنة أربعين ومائة وله مائة سنة(تقريب التهذيب،ج ۱ ص ۴۲۶)

عمرو بن قيس الكندى الحمصى كنيته أبو ثور وهو الذى يقال له عمرو ابن قيس السكونى يروى عن عبد الله بن عمر روى عنه الاوزاعى وأهل الشام مات سنة أربعين ومائة وهو بن مائة سنة وكان مولده سنة أربعين سنة (ثقات ابن حبان ج۵ص ۱۸۰)

اور چوتھے راوی ابوالحسناء ہیں، جبکہ بعض نے ان کو ابوالحسن اور بعض نے ابنِ ابی الحسناء بتلایا ہے،اوران سب کے بارے میں ابنِ ماکولا کا درجِ ذیل کلام ملاحظہ ہو۔

أبو الحسناء الكوفى روى عن الحكم، روى عنه شريك والحسن بن صالح. وعقبة بن أبى الحسناء ، يحدث عن أبى هريرة بنسخة نحواً من ثلاثين حديثاً، روى عنه فرقد بن الحجاج، عداده فى البصريين. والحسن ابن أبى الحسناء أبو سهل البصرى القواس، يحدث عن أبى العالية البراء والحسن البصرى، روى عنه أبو عبيدة الحداد وأبو نعيم وروح بن عبادة.وعبد الحميد بن أبى الحسناء الكوفى، حدث عن يزيد بن زياد الغطفانى، روى عنه يونس بن أرقم .(الاكمال فى رفع الارتياب لابن ماكولا ج۲ص ۴۷۶،باب :حسناء وخشناء وخنساء ،الناشر:دارالكتب العلمية، بيروت)

اور اگر یہ وہ ابوالحسناء ہوں جو کہ حکم کے واسطہ سے حضرت علی کی قربانی کی روایت کو ذکر کرتے ہیں تو ان کو اگر چہ بعض نے مجہول قرار دیا ہے،لیکن امام حاکم نے ان کا نام حسن بن حکم بتلایا ہے،اورامام ترمذی نے بھی امام مسلم کے حوالہ سے ان کا نام حسن فرمایا ہے،اورامام حاکم رحمہ اللہ اورعلامہ ذہبی نے ان کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔

قال مسلم اسمه الحسن (ترمذى،تحت رقم الحديث ۱۴۹۵ ،باب ماجاء فى الاضحية عن الميت)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چوتھی روایت

(۲۴)......امام آجری رحمہ اللہ نے ابی الحسناء سے اس طرح روایت کیا ہے کہ:

أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللہُ عَنْهُ أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً(الشريعة للآجرى) [۱]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت تراویح پڑھایا کرے(الشریعہ)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے بیس تراویح کا ثبوت

(۲۵)...... حضرت محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ اپنی سند سے حضرت زید بن وہب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه وأبو الحسناء هذا هو: الحسن بن الحكم النخعي، قال الذهبي فى التلخيص: صحيح (مستدرک حاکم،رقم الحديث ۷۵۵٦)

ابو الحسناء الكوفي، اسمه الحسن، ويقال :الحسين، روى عن الحكم بن عتيبة عن حنش عن على فى الاضحية، وعنه شريک النخعي (تهذيب التهذيب ج۱۲ ص ۷۴،۷۵)

قال ابوحاتم صالح الحديث (الكاشف فى معرفة من له رواية فى الكتب الستة للذهبي، ج ۱ ص ۳۲۴،رقم الترجمة ۱۰۲۳، الناشر: دار القبلة للثقافة الإسلامية -مؤسسة علوم القرآن، جدة)

قال ابومحمد روى عنه حنش بن الحارث النخعي ومروان الفزارى .حدثنا عبدالرحمن سئل ابى عن الحسن بن الحكم النخعي فقال:ثقة.حدثنا عبدالرحمن انا ابن ابى خيثمة فيما كتب الى قال سمعت يحيىٰ بن معين يقول:الحسن بن الحكم النخعي ثقة.سألت ابى عنه فقال: هو صالح الحديث (الجرح والتعديل ج۳ص۷،رقم الترجمة ۲۴)

اس صورت میں یہ روایت مرسل ہوگی،اور دوسری مرسل ومتصل کے اعتضاد سے پھر بھی مردود نہ ہوگی۔

اوراس تفصیل سے قطع نظر ان کو زیادہ سے زیادہ مجہول قرار دیا جاسکتا ہے،مگر دوسری روایات کے پیشِ نظر اس صورت میں بھی اس روایت کے معتبر ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

[۱] رقم الحديث ۱۲۴۰، ج۴ص ۱۷۸۱،باب ذكر أتباع على بن أبى طالب رضى الله عنه فى خلافته لسنن أبى بكر وعمر وعثمان رضى الله عنهم،الناشر: دارالوطن:الرياض،السعودية.

كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُصَلِّيْ بِنَا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَيَنْصَرِفُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ ،قَالَ الْاَعْمَشُ كَانَ يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلٰثٍ (قيام رمضان لمحمد بن نصر المروزی) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں رمضان کے مہینے میں تراویح پڑھاتے تھے، اور جب فارغ ہوکر واپس آتے تو ابھی رات باقی ہوتی۔

حضرت اعمش کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے (قیامِ رمضان)

حضرت ابنِ ابی ملیکہ سے بیس تراویح کا ثبوت

(۴۶)...... امام ابنِ ابی شیبہ حضرت وکیع بن جراح سے اور وہ حضرت نافع بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ:

كَانَ ابْنُ أَبِيْ مُلَيْكَةَ يُصَلِّيْ بِنَا فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۷۷۶۵، كتاب الصلاة، باب كم يصلی فی رمضان من ركعة)

ترجمہ: (عبداللہ بن عبید اللہ) بن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھایا کرتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

اس روایت کی سند انتہائی اعلیٰ ہے۔

حضرت وکیع بن جراح کے بارے میں تو ذکر پہلے گزر چکا، اور حضرت نافع بن عمر بہت اعلیٰ درجہ کے محدث ہیں، ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ایک سو انہتر ہجری میں ہوا۔ [2]

---

[1] ص ۲۲۰ ،باب عدد الركعات التی يقوم بها الإمام للناس فی رمضان ، الناشر: حديث أكادمی، فيصل اباد -باكستان.

[2] نافع بن عمر بن عبد الله بن جميل بن عامر ابن حذيم بن سلامان بن ربيعة بن سعد بن جمح القرشی الجمحی المكی ، امه ام ولد .نسبه الزبير بن بكار............قال عبد الرحمن بن مهدی :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحضرت عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ جلیلُ القدر تابعی ہیں۔
جو حضرت علی رضی اللہ کی خلافت کے زمانے میں یا اس سے بھی پہلے پیدا ہوئے۔
اورحضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ان کے قاضی اور مؤذن تھے، اوران کا انتقال ایک سوسترہ ہجری میں ہوا۔ [1]
اس سے معلوم ہوا کہ خیرُ القرون کے دور میں جلیلُ القدر صحابۂ کرام اور محدثین بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

حضرت علی بن ربیعہ سے بیس تراویح کا ثبوت

(۲۷)...... ابن ابی شیبہ حضرت فضل بن دکین سے اور وہ سعید بن عبید سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبِيْعَةَ كَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ فِيْ رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كان من أثبت الناس .وقال أبو طالب ، عن أحمد بن حنبل :ثبت ثبت ، صحيح الحديث.وقال صالح بن أحمد بن حنبل ، عن أبيه :نافع بن عمر أثبت من عبد الله بن المؤمل.وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل : قال أبى :نافع بن عمر احب الى من عبد الجبار بن الورد ، وهو اصح حديثا ، وهو فى الثقات ثقة.وقال إسحاق بن منصور ، عن يحيى بن معين :ثقة .وكذلك قال النسائى.وقال عبد الرحمن بن أبى حاتم : سئل أبى عنه ، فقال :ثقة وسألت أبى عنه :يحتج بحديثه ؟ قال :نعم.وقال محمد بن سعد ، عن شهاب بن عباد :مات بمكة سنة تسع وستين ومئة ، وكان ثقة ، قليل الحديث فيه شيئ.وذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات ، وقال :مات بفخ سنة تسع وستين ومئة ، وأمه أم ولد (تهذيب الكمال ج۲۹ص۲۸۷ تا ۲۸۹ ملخصاً، تحت ترجمة نافع بن عمر بن عبد الله بن جميل)

[1] عبد الله بن عبيد الله بن أبى مليكة ، واسمه زهير ، بن عبد الله بن جدعان بن عمرو بن كعب بن سعد بن تيم بن مرة القرشي التيمى ، أبو بكر ، ويقال :أبو محمد ، المكى الاحول .كان قاضيا لعبد الله بن الزبير ، ومؤذنا له......قال أبو زرعة ، وأبو حاتم :ثقة .وقال البخارى : وغير واحد : مات سنة سبع عشرة ومئة ، روى له الجماعة(تهذيب الكمال ۱۵ ص۲۵۶ تا ۲۵۹ ملخصاً)
الامام الحجة الحافظ أبو بكر وأبو محمد القرشي التيمى المكى القاضى الاحول المؤذن، ولد فى خلافة على أو قبلها(سراعلام النبلاء ج۵ص۸۸،۸۹)

[2] رقم الحديث ۷۷۷۲، كتاب الصلاة،باب كم يصلى فى رمضان من ركعة.

ترجمہ: علی بن ربیعہ ان کو رمضان میں پانچ ترویحے (بیس رکعات تراویح) اور تین وتر پڑھاتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

اس روایت کی سند درست ہے۔

فضیل بن دکین کے بارے میں کلام پہلے گزر چکا، اور سعید بن عبید طائی اونچے درجہ کے محدث ہیں۔ [1]

اور حضرت علی بن ربیعہ بھی بہت بڑے محدث تابعی ہیں۔ [2]

حضرت شتیر بن شکل سے بیس تراویح کا ثبوت

(۲۸)...... امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَرُوِّيْنَا عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً ، وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ (السنن الکبریٰ للبیہقی) [3]

---

[1] سعيد بن عبيد الطائى أبو الهذيل الكوفى ثقة من السادسة (تقريب التهذيب ج ا ص ۲۳۹)
سعيد بن عبيد الطائى ، أبو الهذيل الكوفى ، أخو عقبة بن عبيد ....قال على ابن المدينى ، عن يحيى بن سعيد :ليس به بأس.وقال أبو طالب عن أحمد بن حنبل ، وإسحاق بن منصور عن يحيى بن معين ، النسائى :ثقة.وقال أبو حاتم : يكتب حديثه.وقال أبو عبيد الآجرى ، عن أبى داود : كان شعبة يتمنى لنا أربعة -فذكر منهم :سعيد بن عبيد الطائى ، والصلت بن بهرام.وذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات."روى له الجماعة سوى ابن ماجة(تهذيب الكمال ج ۱۰ ص ۵۴۹، ۵۵۰ ملخصاً)

[2] على بن ربيعة بن نضلة الوالبى بلام مكسورة وموحدة أبو المغيرة الكوفى ثقة من كبار الثالثة يقال هو الذى روى عنه العلاء بن صالح فقال حدثنا على بن ربيعة الأسماء وفرق بينهما البخارى (تقريب التهذيب ج ا ص ۴۰۱)
على بن ربيعة بن نضلة الوالبى الأسدى ، ويقال :البجلى ، أبو المغيرة الكوفى........... قال إسحاق بن منصور عن يحيى بن معين :ثقة.وكذلك قال النسائى .وقال أبو حاتم : صالح الحديث .وقال أيضا : على بن ربيعة هذا هو البجلى الذى روى عنه العلاء بن صالح ، هما واحد.روى له الجماعة(تهذيب الكمال ج ۲۰ ص ۴۳۱، ۴۳۲ ملخصاً)

[3] رقم الحديث ۴۲۹۰، كتاب الصلاة،باب ما روى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان.

ترجمہ: اور ہم نے حضرت شتیر بن شکل سے روایت کیا، اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے تھے کہ وہ لوگوں کو رمضان کے مہینہ میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے (سنن البیہقی)

حضرت شتیر بن شکل بہت اعلیٰ درجہ کے تابعی ہیں۔

اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے بھی ہیں۔ [۱]

یقیناً انہوں نے تراویح کی تعداد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ہی اخذ کی ہے۔

حضرت سوید بن غفلہ سے بیس تراویح کا ثبوت

(۲۹)...... امام بیہقی رحمہ اللہ؛ حضرت ابوالخصیب سے روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

كَانَ يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِيْ رَمَضَانَ فَيُصَلِّيْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (السنن الكبرىٰ للبيهقى) [۲]

ترجمہ: حضرت سوید بن غفلہ رمضان کے مہینہ میں ہماری امامت کرتے تھے، اور وہ ہمیں پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے (سنن البیہقی)

حضرت ابوالخصیب ثقہ محدث ہیں۔ [۳]

---

[۱] شتير بن شكل بن حميد العبسى ، أبو عيسى الكوفى ......قال النسائى :ثقة.وذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات" (تهذيب الكمال ج۱۲ ص۳۷۶،۳۷۷ ملخصاً)

قلت :وقال مات فى ولاية ابن الزبير وقال ابن سعد توفى زمن مصعب وكان ثقة قليل الحديث وقال العجلى ثقة من أصحاب عبدالله وقال أبو موسى فى ذيل الصحابة يقال أنه أدرك الجاهلية (تهذيب التهذيب ج۴ ص۳۱۱،۳۱۲)

[۲] رقم الحديث ۴۲۹۰، كتاب الصلاة،باب ما روى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان.

[۳] زياد بن عبد الرحمن القيسى أبو الخصيب البصرى مقبول من الرابعة (تقريب التهذيب ج۱ ص۲۲۰)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت سوید بن غفلہ عظیم تابعی ہیں، ان کا انتقال اسی ہجری کے لگ بھگ ہوا، اوران کی عمر ایک سو بیس سال کے لگ بھگ ہوئی، اس طرح ان کی ولادت رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانے میں ہوئی، البتہ یہ صحابیت کے شرف سے محروم رہے۔ [1]

حضرت سعید بن جبیر سے بیس تراویح کا ثبوت

(۳۰)...... امام طبرانی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ:

كَانَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ يُصَلِّيُ بِنَا فِيُ رَمَضَانَ أَرْبَعَةً وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً ، وَكَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ (مسند الشاميين للطبرانی) [2]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر ہمیں رمضان میں چوبیس رکعات اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے (طبرانی)

چوبیس رکعتوں میں سے چار رکعات فرضوں کی تھیں، اوراس طرح وہ بھی تراویح کی بیس رکعات پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت سعید بن جبیر جلیل القدر تابعی اور کئی صحابۂ کرام کے شاگرد ہیں، اوران کو حجاج بن

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ زياد بن عبد الرحمن القيسى ، أبو الخصيب البصرى ، من بنى قيس بن ثعلبة. روى عن : عبد الله بن عمر بن الخطاب (د) روى عنه : عقيل بن طلحة السلمى (د) ذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات" (تهذيب الكمال ج۹ ص ۴۹۴، ۴۹۵)

[1] سويد بن غفلة بن عوسجة بن عامر بن وداع بن معاوية بن الحارث بن مالك بن عوف بن سعد بن عوف بن حريم بن جعفى بن سعد العشيرة بن مذحج ، وهو مالك بن أدد بن زيد بن يشجب بن عريب بن زيد بن كهلان بن سبأ بن يشجب بن يعرب بن قحطان الجعفى ، أبو أمية الكوفى .أدرك الجاهلية......قال إسحاق بن منصور عن يحيى بن معين ، وأحمد بن عبد الله العجلى :ثقة............وقال حسين بن على الجعفى ، عن أخيه الوليد بن على ، عن أبيه : كان سويد بن غفلة يؤمنا فى شهر رمضان فى القيام وقد أتى عليه عشرون ومئة سنة......وقال أبو نعيم : مات سنة ثمانين. وقال أبو الحسن المدائنى ، وأبو عبيد القاسم بن سلام ، ومحمد بن عبد الله بن نمير :مات سنة إحدى وثمانين . وقال خليفة بن خياط، وعمرو بن على :مات سنة اثنتين وثمانين (تهذيب الكمال ج۱۲ ص۲۶۵ تا ۲۶۸ ملخصاً)

[2] رقم الحديث ۲۲۷۲، ج۳ص ۲۸۴، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت.

یوسف نے پچانوے ہجری میں شہید کیا۔ [۱]

حضرت ابو البختری سے بیس تراویح کا ثبوت

(۳۱)...... امام ابنِ ابی شیبہ رحمہ اللہ؛ اپنی سند سے حضرت ابوالبختر ی کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ فِيْ رَمَضَانَ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ (مصنف ابنِ ابی شیبة،رقم الحديث ۷۷۶۸، كتاب الصلاة،باب كم يصلى فى رمضان من ركعة)

ترجمہ: حضرت ابوالبختر ی رمضان میں پانچ ترویحے (یعنی بیس رکعات تراویح) اور تین وتر پڑھا کرتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت ابوالبختر ی بھی عظیم تابعی اور کوفہ کے فاضلین میں سے ہیں، اوران کومحدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ [۲]

---

[۱] سعيد بن جبير بن هشام الأسدى الوالبى ، مولاهم ، أبو محمد ، ويقال :أبو عبد الله الكوفى. ووالبة هو ابن الحارث بن ثعلبة بن دودان بن أسد بن خزيمة ، فيما قاله له محمد بن حبيب .روى عن :أنس بن مالک (د س) ، والضحاک بن قيس الفهرى وعبد الله بن الزبير ، وعبد الله بن عباس (ع) ، وعبد الله بن عمر بن الخطاب (ع) ، وعبد الله بن مغفل (م ق) ، وعدى بن حاتم (ت س) ، وعمرو بن ميمون الأودى (خ) ، وأبى سعيد الخدرى (ت) ، وأبى عبد الرحمن السلمى (خ م س) ، وأبى مسعود الأنصارى ، وأبى موسى الاشعرى (س) ، وأبى هريرة ، وعائشة............وقال أبو القاسم هبة الله بن الحسن الطبرى :هو ثقة ، إمام حجة على المسلمين ، قتل فى شعبان سنة خمس وتسعين ، وهو ابن تسع وأربعين سنة .روى له الجماعة (تهذيب الكمال ج۱۰ ص۳۵۸ تا ۳۷۶ ملخصاً)

[۲] سعيد بن فيروز ، وهو ابن أبى عمران ، أبوالبخترى ، الطائى مولاهم ، الكوفى ....قال عبد الله بن شعيب الصابونى ، عن يحيى بن معين :أبوالبخترى الطائى اسمه سعيد ، وهو ثبت ، ولم يسمع من على شيئا .وقال أبو بكر بن أبى خيثمة عن يحيى بن معين ، وأبو زرعة ، وأبو حاتم : ثقة.زاد أبو حاتم :صدوق.وقال أبو داود :لم يسمع من أبى سعيد.وقال فطر بن خليفة ، عن حبيب بن أبى ثابت :اجتمعت أنا وسعيد بن جبير ، وأبو البخترى الطائى ، وكان الطائى أعلمنا وأفقهنا.وقال هلال بن خباب :كان من أفاضل أهل الكوفة.وقال أبو نعيم : مات فى الجماجم سنة ثلاث وثمانين (تهذيب الكمال ج۱۱ ص۳۲ تا ۳۴ ملخصاً)

حضرت حارث سے بیس تراویح کا ثبوت

(۳۲)...... امام ابنِ ابی شیبہ نے اپنی سند سے حضرت حارث سے روایت کیا ہے کہ:

أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِيْ رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ وَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ (مصنف ابنِ ابی شيبة) [1]

ترجمہ: وہ لوگوں کو رمضان میں تراویح کی بیس رکعات اور تین وتر پڑھاتے تھے، اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت حارث دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں، اور احادیث کے باب میں ان پر بعض محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن بعض حضرات نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ [2]

اور اس وجہ سے ان کی مرویات حسن درجہ میں داخل ہیں، اور مشاہدات کے ہوتے ہوئے تو حسن درجہ میں داخل ہونے میں شبہ ہی نہیں ہونا چاہئے۔

بہرحال اس بحث سے قطع نظر اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ شاگرد بھی تراویح کی بیس رکعات پڑھا کرتے تھے، بلکہ لوگوں کی امامت بھی کرایا کرتے تھے۔

---

[1] رقم الحديث ٧٧٦٧، كتاب الصلاة، باب كم يصلى فى رمضان من ركعة.

[2] الحارث بن عبد الله الأعور الهمدانى الخارفى أبو زهير الكوفى. قال البخارى : وقال بعضهم :الحارث بن عبيد...... وقال أيضا :قيل ليحيى بن معين :الحارث صاحب على ؟ فقال :ضعيف .وقال عباس الدورى ، عن يحيى بن معين :قد سمع من ابن مسعود وليس به بأس .وقال عثمان بن سعيد الدارمى :سألت يحيى بن معين ، قلت :أى شىء حال الحارث فى على ؟ قال :ثقة ، قال عثمان :ليس يتابع عليه .وقال أبو زرعة :لا يحتج بحديثه .وقال أبو حاتم :ليس بقوى ، ولا ممن يحتج بحديثه .وقال النسائى :ليس بالقوى ، وقال فى موضع آخر :ليس به بأس .(تهذيب الكمال ٥ ص ٢٤٤ تا ٢٤٩ ملخصاً)

کئی جلیل القدر تابعین سے بیس تراویح کا ثبوت

(۳۴۳)...... ابنِ ابی الدنیا حضرت شجاع سے، اور وہ حضرت ہشیم سے اور وہ یونس بن عبید سے روایت کرتے ہیں کہ:

شَهِدْتُ النَّاسَ قَبْلَ وَقْعَةِ اِبْنِ الْأَشْعَثِ وَهُمْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ ، فَكَانَ يَؤُمُّهُمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَسَعِيْدُ بْنُ أَبِي الْحَسَنِ ، وَمَرْوَانُ الْعَبْدِيِ ، فَكَانُوْا يُصَلُّوْنَ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (فضائل رمضان لابنِ ابی الدنیا) [1]

ترجمہ: میں لوگوں کے پاس ابنِ اشعث کے واقعہ (دیر جماجم) سے پہلے حاضر ہوا، تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور سعید بن ابی الحسن اور مروان عبدی لوگوں کو رمضان کے مہینے میں تراویح کی بیس رکعات پڑھایا کرتے تھے (فضائل رمضان)

اس روایت کی سند پر کلام پہلے گزر چکا ہے، جس کی روشنی میں یہ روایت سند کے لحاظ سے درست ہے۔

واقعہ اشعث تراسی ہجری میں پیش آیا۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۵۰،ص ۸۰،باب القيام فى شهر رمضان، الناشر: دارالسلف، الرياض، السعودية،قيام رمضان لمحمد بن نصر المروزى،باب عدد الركعات التى يقوم بها الإمام للناس فى رمضان .

[2] وكانت وقعة دير الجماجم فى شعبان من هذه السنة، وقيل :كانت سنة ثلاث وثمانين .(الكامل فى التاريخ، ذكروقعة دير الجماجم، ج۳ص ۴۹۴، الناشر: دارالكتاب العربى، بيروت)

وفى هذه السنة :كانت وقعة دير الجماجم بين الحجاج وابن الأشعث وذلك فى شعبان وبعضهم يقول :إنما كانت فى سنة ثلاث وثمانين(المنتظم لابن الجوزى، ج٦ص ۲۳۱ ، ثم دخلت سنة اثنتين وثمانين ،الناشر: دارالكتب العلمية، بيروت)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ تمام حضرات جلیل القدر تابعین میں شمار ہوتے ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ؎

کئی صحابۂ کرام وتابعینِ عظام سے بیس تراویح کا ثبوت

(۳۴)...... امام ابنِ ابی الدنیا؛ حضرت شجاع بن مخلد سے، اور وہ حضرت ہشیم سے، اور وہ عبدالملک سے اور وہ جلیل القدر تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

كَانُوْا يُصَلُّوْنَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً ، وَالْوِتْرَ ثَـلَاثًا(فضائل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

دیرِ جماجم یا واقعہ اشعث حجاج کے تسلط اور امارت کے زمانے میں عراق کے مسلمانوں کی خانہ جنگی اور حجاج سے بغاوت اور اس کے خلاف خروج کا نہایت افسوس ناک واقعہ ہے، عبدالرحمٰن بن اشعث نے کوفہ پر غلبہ حاصل کر کے اپنی امارت قائم کر لی، اس کے ساتھ ایک لاکھ سے زیادہ لشکر فراہم ہو گیا تھا، حجاج فوج لے کر مقابلہ پر آیا، مقامِ دیرِ جماجم میں ایک عرصہ تک ان میں گھمسان کے معرکے ہوتے رہے، جن میں بکثرت مسلمان دونوں جانب سے کام آئے، بڑے بڑے علماء، فضلاء اور قیمتی جانیں اس خانہ جنگی میں ضائع ہوئیں، اس واقعہ نے مرکزِ خلافت کو ہلا کر رکھ دیا تھا، خلیفۂ وقت ولید بن عبدالملک نے گھٹنے ٹیک کر حجاج کو معزول کرنے کی پیشکش بھی صلح کے لئے کر دی تھی، جو ابنِ اشعث کے لوگوں نے قبول نہ کی، اس طرح خون ریزی جاری رہی، تا آنکہ ایک فریق دوسرے پر غالب آ گیا۔

(ملاحظہ ہو: البداية والنهاية ، ج ۹ ص ۴۰ تا ۴۲ ملخصاً، وقعة دير الجماجم)

؎ اس روایت میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے الفاظ ہیں، مگر محدث مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب نے صحیح لفظ بکرۃ قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ:

اس روایت میں بصرہ کا حال مذکور ہے، جیسا کہ واقفِ فن سمجھ سکتا ہے، اور بصرہ کے رہنے والے ابنِ ابی بکرۃ ہی ہیں، نیز تاریخ واقعہ کے لحاظ سے بھی انہی کا نام قرینِ قیاس ہے (رکعاتِ تراویح ص ۸۲)

عبد الرحمن بن أبى بكرة ، واسمه :نفيع بن الحارث الثقفى ، أبو بحر ، ويقال :أبو حاتم البصرى ، أخو عبد العزيز ، وعبيد الله ، ومسلم ، ورواد ، ويزيد بنى أبى بكرة .وهو أول مولود ولد فى الاسلام بالبصرة............ذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات "روى له الجماعة(تهذيب الكمال ۱۷ ص ۵ تا ۶ ملخصاً)

سعيد بن أبى الحسن البصرى أخو الحسن ثقة من الثالثة مات سنة مائة(تقريب التهذيب ج ۱ ص ۲۳۴)

رمضان لابنِ ابی الدنیا رقم الحدیث ۴۹، ص ۷۹، باب القیام فی شهر رمضان)

ترجمہ: صحابہ وتابعین رمضان کے مہینہ میں تراویح کی بیس رکعات اور تین وتر پڑھا کرتے تھے (فضائل رمضان)

یہ روایت سند کے لحاظ سے بالکل درست ہے۔

چنانچہ اس روایت کے پہلے راوی شجاع بن مخلد ہیں، اور دوسرے راوی ہشیم ہیں؛ جن پر کلام پہلے گزر چکا ہے۔

اور تیسرے راوی عبدالملک بن ابی سلیمان ہیں جو کہ ثقہ ہیں، اور ان کا ایک سو پینتالیس ہجری میں انتقال ہوا۔ [۱]

ان کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ولادت ہوئی، اور مکہ مکرمہ میں

---

[۱] عبد الملک بن أبی سلیمان واسمه میسرة العرزمی ، أبو محمد ، وقیل :أبو سلیمان ، وقیل :أبو عبد الله الکوفی ، نزل جبانة عرزم بالکوفة فنسب إلیها ، وقیل : إن عرزم إنسان أسود وهو عم محمد بن عبید الله العرزمی مولی النخع ، وقیل :مولی بنی فزارة ، وقیل :من أنفسهم............وقال أبو الحسن المیمونی ، عن أحمد بن حنبل :عبد الملک بن أبی سلیمان من عیون الکوفیین .وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل ، عن أبیه ، ثقة .وقال صالح بن أحمد حنبل ، عن أبیه :عبد الملک بن ابی سلیمان من الحفاظ إلا أنه کان یخالف ابن جریج فی إسناد أحادیث ، وابن جریج أثبت منه عندنا .وقال أبو زرعة الدمشقی : سمعت أحمد ویحیی یقولان :کان عبدالملک بن أبی سلیمان ثقة. وقال عثمان بن سعید الدارمی : وسألته ، یعنی یحیی بن معین -قلت : عبد الملک بن أبی سلیمان أحب إلیک أو ابن جریج ؟ فقال :کلاهما ثقتان .وقال إسحاق بن منصور ، عن یحیی بن معین :ضعیف ، وهو أثبت فی عطاء من قیس بن سعد .وقال محمد بن عبد الله بن عمار الموصلی : ثقة حجة .وقال أحمد بن عبد الله العجلی : ثقة ثبت فی الحدیث ، ویقال :کان سفیان الثوری یسمیه المیزان ، وکان راویه عن عطاء بن أبی رباح .وقال یعقوب بن سفیان : حدثنا أبو نعیم ، قال :حدثنا سفیان عن عبدالملک بن أبی سلیمان ، العرزمی ثقة متقن فقیه .وقال فی موضع آخر : عبد الملک بن أبی سلیمان فزاری من أنفسهم ثقة .وقال النسائی :ثقة .وقال أبو زرعة الرازی : لا بأس به .قال أبو نعیم ، والهیثم بن عدی ، وغیر واحد : مات سنة خمس وأربعین ومئة .زاد الهیثم :فی ذی الحجة (تهذیب الکمال ج۱۸ ص ۳۲۲ تا ۳۲۸ ملخصاً)

پرورش ہوئی، اور ایک سو چودہ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔ [1]

(۳۵)...... اور امام ابنِ شیبہ؛ ابنِ نمیر سے اور وہ عبدالملک سے، اور وہ حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

أَدْرَكْتُ النَّاسَ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ ثَلَاثًا وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۷۷۷۰، کتاب الصلاة، باب کم یصلی فی رمضان من رکعة)

ترجمہ: میں نے لوگوں (یعنی صحابہ وتابعین) کو اس حال میں پایا کہ وہ رمضان کے مہینہ میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے (ابنِ ابی شیبہ)

یہ روایت بھی سند کے لحاظ سے مستند ہے۔

اس روایت کے پہلے راوی عبداللہ بن نمیر ہیں، جو کہ ثقہ ہیں، جن کی ولادت ایک سو پندرہ ہجری میں ہوئی، اور وفات ایک سو ننانوے ہجری میں ہوئی۔ [2]

---

[1] عطاء بن أبی رباح ، واسمه أسلم القرشی الفهری ، أبو محمد المكی مولی آل أبی خثیم ، عامل عمر بن الخطاب علی مكة ، ويقال :مولی بنی جمح. ولد فی خلافة عثمان بن عفان ، ويقال : إنه من مولدی الجند ونشأ بمكة............وقال العلاء بن عمرو الحنفی ، عن عبد القدوس ، عن حجاج :قال عطاء :وددت أنی أحسن العربية .قال :وهو يومئذ ابن تسعين سنة .وقد تقدم عن ابن أبی ليلی أنه قال :وكان يوم مات ابن نحو مئة سنة.وقال سفيان بن عيينة ، عن عمر بن قيس المكی ، عن عطاء :أعقل مقتل عثمان بن عفان .وقال أبو حفص الباهلی ، عن عمر بن قيس :سألت عطاء متی ولدت ؟ قال :لعامين خلوا من خلافة عثمان .وذكر أحمد بن يونس الضبی أن عطاء ولد سنة سبع وعشرين.وقال أبو المليح الرقی : مات عطاء بن أبی رباح سنة أربع عشرة ومئة .فقال ميمون :ما خلف مثله .وقال يعقوب بن سفيان ، عن حيوة بن شريح ، عن عباس بن الفضل ، عن حماد بن سلمة :قدمت مكة سنة مات عطاء بن أبی رباح سنة أربع عشرة ومئة .وكذلک قال البخاری فی "التاريخ الكبير" عن حيوة بن شريح .وقال فی "التاريخ الصغير" ،عن حيوة :سنة خمس عشرة.......روی له الجماعة (تهذيب الكمال ج۲۰ ص ۶۹ تا ۸۶ ملخصاً)

[2] عبد الله بن نمير الهمدانی الخارقی ، أبو هشام الكوفی ، والد محمد بن عبد الله بن نمير..........وقال عثمان بن سعيد الدارمی : قلت ليحيی بن معين :ابن إدريس أحب إليک فی الأعمش أو ابن نمير ؟ فقال :كلاهما ثقة.وقال أبو حاتم : كان مستقيم الامر .قال ابنه محمد بن عبد الله بن نمير ، وغير واحد : مات فی ربيع الاول سنة تسع وتسعين ومئة .زاد بعضهم :وصلی عليه محمد بن بشر.وقيل :مات فی ذی القعدة. وقيل :إنه ولد سنة خمس عشرة ومئة.قال أبو بكر الخطيب : حدث عنه محمد بن بشر العبدی والحسن بن علی بن عفان العامری ، وبين وفاتيهما سبع وستون سنة .روی له الجماعة.(تهذيب الكمال ج۱۶ ص۲۲۵ تا ۲۲۹ ملخصاً)

اور باقی راویوں پر کلام پہلے گزر چکا ہے۔

(۳۶)...... اور ابنِ ابی الدنیا؛ حضرت شجاع بن مخلد سے، اور وہ حضرت ہشیم سے، اور وہ منصور بن زاذان سے، اور وہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

كَانُوْا يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (فضائل رمضان لابنِ ابی الدنیا) [1]

ترجمہ: صحابہ وتابعین تراویح کی بیس رکعات پڑھا کرتے تھے (فضائلِ رمضان)

اس روایت کی سند عمدہ ہے۔

چنانچہ حضرت شجاع بن مخلد، اور حضرت ہشیم پر تو کلام پہلے گزر چکا ہے۔

اور منصور بن زاذان ثقہ محدث ہیں، جن کی وفات ایک سو تیس ہجری کے لگ بھگ ہوئی۔ [2]

(۳۷)...... امام ابو یوسف حضرت امام ابوحنیفہ سے اور وہ حضرت حماد سے اور وہ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ:

اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ فِيْ رَمَضَانَ (الآثار لابی یوسف رقم الحديث ۲۱۱، ص ۴۱، الناشر: دارالكتب العلمية، بيروت)

---

[1] رقم الحديث ۵۳، ص ۸۳، باب القيام في شهر رمضان، الناشر: دارالسلف، الرياض، السعودية.

[2] اور حضرت ہشیم اس روایت کو عنعنہ کے بغیر بیان کرتے ہیں۔

منصور بن زاذان الواسطى , أبو المغيرة الثقفى ، مولى عبد الله بن أبى عقيل الثقفى أخى المغيرة بن أبى عقيل ، ويقال : كنية ابيه زاذان : أبو عقيل............قال عبد الله بن أحمد بن حنبل : سئل أبى عنه ، فقال : شيخ ثقة. وقال إسحاق بن منصور عن يحيى بن معين ، وأبو حاتم ، والنسائى : ثقة. وقال العجلى : رجل صالح متعبد. وقال محمد بن سعد : كان ثقة ، ثبتا ....قال أبو بكر بن أبى عاصم : مات سنة ثمان وعشرين ومئة. وقال غيره : مات سنة تسع وعشرين ومئة. وقال يزيد بن هارون : مات فى الطاعون سنة الوباء سنة إحدى وثلاثين ومئة روى له الجماعة. (تهذيب الكمال ۲۸ ص ۵۲۳ تا ۵۲۶ ملخصاً)

منصور بن زاذان بزاى وذال غدا الواسطى أبو المغيرة الثقفى ثقة ثبت عابد من السادسة مات سنة تسع وعشرين على الصحيح (تقريب التهذيب ج ۲ ص ۵۴۶)

ترجمہ: صحابہ وتابعین پانچ ترویحے (یعنی بیس رکعات تراویح) رمضان میں پڑھا کرتے تھے (الآثار لابی یوسف)

اس روایت کی سند صحیح ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ مجتہد، محدث اور قاضی القضاۃ ہیں، آپ کی ولادت ایک سو تیرہ ہجری میں ہوئی، اور آپ احادیث میں ثقہ شمار ہوتے ہیں۔ [1]

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعارف کے محتاج نہیں، آپ کی ولادت اسی ہجری میں ہوئی، اور آپ جلیل القدر تابعین میں شمار ہوتے ہیں، صحابیِ رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی آپ نے زیارت کی۔ [2]

---

[1] القاضى أبو يوسف *هو الامام المجتهد، العلامة المحدث، قاضى القضاة، أبو يوسف، يعقوب بن إبراهيم بن حبيب بن حبيش بن سعد بن بجير بن معاوية الانصارى الكوفى. وسعد بن بجير له صحبة، وهو سعد ابن حبتة، وهى أمه، وهو بجلى من حلفاء الانصار، شهد الخندق وغيرها.مولد أبى يوسف فى سنة ثلاث عشرة ومئة.............

قال إبراهيم بن أبى داود البرلسى :سمعت ابن معين يقول :ما رأيت فى أصحاب الرأى أثبت فى الحديث، ولا أحفظ، ولا أصح رواية من أبى يوسف .وروى عباس، عن ابن معين :أبو يوسف صاحب حديث، صاحب سنة .وعن يحيى البرمكى قال :قدم أبو يوسف، وأقل ما فيه الفقه، وقد ملا بفقهه الخافقين.قال أحمد :كان أبو يوسف منصفا فى الحديث .وعن أبى يوسف قال :صحبت أبا حنيفة سبع عشرة سنة............قال ابن عدى :لا بأس به .وقال النسائى فى طبقات الحنفية :وأبو يوسف ثقة.وقال أبو حاتم :يكتب حديثه .(سير اعلام النبلاء ،ج٨ص ٥٣٥ تا ٥٣٨ ملخصاً،تحت ترجمة القاضى ابويوسف)

[2] أبو حنيفة(ت، س) الامام، فقيه الملة، عالم العراق، أبو حنيفة النعمان بن ثابت بن زوطى التيمى، الكوفى، مولى بنى تيم الله بن ثعلبة يقال :إنه من أبناء الفرس ولد سنة ثمانين فى حياة صغار الصحابة، ورأى أنس بن مالك لما قدم عليهم الكوفة...........وروى حيان بن موسى المروزى، قال :سئل ابن المبارك :مالك أفقه، أو أبو حنيفة ؟ قال :أبو حنيفة.وقال الخريبى :ما يقع فى أبى حنيفة إلا حاسد أو جاهل..وقال يحيى بن سعيد القطان :لا نكذب الله، ما سمعنا أحسن من رأى أبى حنيفة، وقد أخذنا بأكثر أقواله .وقال على بن عاصم :لو وزن علم الامام أبى حنيفة بعلم أهل زمانه، لرجح عليهم.وقال حفص بن غياث :كلام أبى حنيفة فى الفقه، أدق من الشعر، لا يعيبه إلا جاهل . وروى عن الاعمش أنه سئل عن مسألة، فقال :إنما يحسن هذا النعمان بن ثابت الخزاز، وأظنه بورك له فى علمه.وقال جرير :قال لى مغيرة :جالس أبا حنيفة تفقه، فإن إبراهيم النخعى لو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحضرت حماد مشہور تابعی اور ثقہ ہیں، آپ کی وفات ایک سو بیس ہجری کے لگ بھگ ہوئی۔ لے
اورحضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ عظیم تابعی ہیں، اورآپ نے صحابۂ کرام کی ایک جماعت کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كان حيا لجالسه.وقال ابن المبارك :أبو حنيفة أفقه الناس.وقال الشافعي :الناس في الفقه عيال على أبي حنيفة.قلت :الامامة في الفقه ودقائقه مسلمة إلى هذا الامام.وهذا أمر لا شك فيه.وليس يصح في الاذهان شيء،إذا احتاج النهار إلى دليل وسيرته تحتمل أن تفرد في مجلدين، رضي الله عنه، ورحمه.توفي شهيدا مسقيا في سنة خمسين ومئة.وله سبعون سنة، وعليه قبة عظيمة ومشهد فاخر ببغداد، والله أعلم.وابنه الفقيه حماد بن أبي حنيفة :كان ذا علم ودين وصلاح وورع تام.(سير اعلام النبلاء ج٦ص ٣٩٠ تا ٤٠٣ ملخصاً)

وقال محمد بن سعد العوفي : سمعت يحيى بن معين يقول :كان أبو حنيفة ثقة لا يحدث بالحديث الا بما يحفظه ، ولا يحدث بما لا يحفظ.وقال صالح بن محمد الأسدي الحافظ : سمعت يحيى بن معين يقول :كان أبو حنيفة ثقة في الحديث .وقال أحمد بن محمد بن القاسم بن محرز ، عن يحيى ابن معين :كان أبو حنيفة لا بأس به. وقال مرة : كان أبو حنيفة عندنا من اهل الصدق ، ولم يتهم بالكذب ، ولقد ضربه ابن هبيرة على القضاء فأبى ان يكون قاضيا ....قد ذكرنا فيما مضى ان مولد أبي حنيفة كان في سنة ثمانين ، وذكرنا عن روح بن عبادة وغيره ان وفاته كانت في سنة خمسين ومئة.وكذلك قال أبو نعيم ، والهيثم بن عدي ، وقعنب بن المحرر ، وسعيد بن كثير بن عفير في آخرين ، وهو المحفوظ.زاد ابن عفير :في رجب.وزاد الهيثم : ببغداد. وقال أبو بكر بن أبي خيثمة عن يحيى بن معين :مات سنة احدى وخمسين ومئة.وقال مكي بن ابراهيم البلخي : مات سنة ثلاث وخمسين ومئة ، ولقيته بالكوفة ، وببغداد ، وبمكة(تهذيب الكمال ج٢٩ص ٤٢٤ تا ٤٤٤ ملخصاً)

لے حماد بن أبي سلميان ، واسمه مسلم الاشعري ، أبو إسماعيل الكوفي الفقية ، مولى أبي موسى ، وقيل :مولى إبراهيم بن أبي موسى الاشعري ....وقال :ذكره أبي عن إسحاق بن منصور ، عن يحيى بن معين أنه سئل عن مغيرة وحماد أيهما أثبت ؟ قال :حماد .وقال :حماد ثقة.وقال :قرء على عباس الدوري عن يحيى بن معين أنه كان يقدم حماد بن أبي سليمان على أبي معشر : يعني :زياد بن كليب ....وقال أحمد بن عبد الله العجلي : حماد بن أبي سليمان كوفي ثقة ، وكان من أفقه أصحاب إبراهيم يروى عن مغيرة.............وقال أبو بكر بن أبي شيبة :مات سنة عشرين ومئة وقال غيره : سنة تسع عشرة ومئة (تهذيب الكمال ج٧ص ٢٦٩ تا ٢٧٨ ملخصاً)

مات حماد سنة عشرين ومئة، أرخه خليفة، وقيل :سنة تسع عشرة ومئة.فأفقه أهل الكوفة علي وابن مسعود، وأفقه أصحابهما علقمة، وأفقه أصحابه إبراهيم، وأفقه أصحاب إبراهيم حماد، وأفقه أصحاب حماد أبو حنيفة، وأفقه أصحابه أبو يوسف، وانتشر أصحاب أبي يوسف في الآفاق، وأفقههم محمد، وأفقه أصحاب محمد أبو عبد الله الشافعي، رحمهم الله تعالى(سيراعلام النبلاء ج٥ص ٢٣٦)

پایا ہے، اور اپنے زمانہ میں کوفہ کے مفتی رہ چکے ہیں، آپ کی وفات چھیانوے ہجری میں ہوئی۔ [1]

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مذکورہ روایت اس بحث کی ''ختامہ مسلک'' کا مصداق ہے، اور مذکورہ روایات اپنے مقصود میں بالکل واضح ہیں، مزید کسی تفصیل وتشریح کی محتاج نہیں۔

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ خیرالقرون کے دور میں آٹھ رکعات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، لہٰذا اس کے باوجود اس دور کے متعدد غیر مقلدین کا بیس تراویح کو غلط بلکہ نعوذ باللہ تعالیٰ بدعت قرار دینا اور آٹھ رکعات کو سنت کے عین مطابق قرار دینا؛ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کے حضور سخت مؤاخذہ کا خطرہ ہے۔

کم ازکم بیس رکعات تراویح پر جمہور امت کا اتفاق

احادیث وروایات کی روشنی میں تراویح کی بیس رکعات کے ثبوت کے بعد اب مزید دلائل قائم کرنے کی خاطر خواہ ضرورت نہیں رہتی، لیکن کیونکہ اجماعِ امت بھی ایک مستقل دلیل ہے، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

إِنَّ أُمَّتِىْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰى ضَلَالَةٍ فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ

---

[1] إبراهيم النخعى(ع) الامام، الحافظ، فقيه العراق، أبوعمران، إبراهيم بن يزيد بن قيس ابن الاسود بن عمرو بن ربيعة بن ذهل بن سعد بن مالک بن النخع النخعى، اليمانى ثم الكوفى، أحد الاعلام، وهو ابن مليكة أخت الاسود بن يزيد(سير اعلام النبلاء ج۴ص ۵۲۰)

قال أحمد بن عبد الله العجلى : لم يحدث عن أحد من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم وقد أدرک منهم جماعة ، ورأى عائشة رؤيا ، وكان مفتى أهل الكوفة هو والشعبى فى زمانهما ، وكان رجلا صالحا فقيها متوقيا قليل التكلف ، ومات وهو مختف من الحجاج. وقال أبو أسامة عن الأعمش :كان إبراهيم صيرفى الحديث .وقال جرير بن عبدالحميد عن إسماعيل بن أبى خالد : كان الشعبى وإبراهيم وأبو الضحى يجتمعون فى المسجد يتذاكرون الحديث ، فإذا جاء هم شىء ليس عندهم فيه رواية رموا إبراهيم بأبصارهم . وقال عباس الدورى عن يحيى بن معين : مراسيل إبراهيم أحب إلى من مراسيل الشعبى ....قال البخارى : وقال أبو نعيم :مات إبراهيم سنة ست وتسعين .وقال غيره :مات وهو ابن تسع وأربعين ، وقيل :ابن ثمان وخمسين .روى له الجماعة.(تهذيب الكمال ج۲ص۲۳۷ تا ۲۴۰ ملخصاً)

الْأَعْظَمِ(سنن ابنِ ماجة) ل

ترجمہ: میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی، پس جب تم اختلاف دیکھوتو سوادِ اعظم (بڑی جماعت) کولازم پکڑلو(ابنِ ماجہ)

یہ حدیث مختلف سندوں سے تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ مروی ہے۔ ۲

اورسوادِاعظم سے مراد جمہور مسلمان ہیں۔ ۳

اور جمہور صحابۂ کرام سے تراویح کی بیس رکعات کا ثبوت پہلے گزر چکا ہے، اور صحابۂ کرام کی پیروی واقتداء میں جمہور امت بھی تراویح کی کم از کم بیس رکعات کے قائل ہیں، اس لئے اب سوادِ اعظم اور جمہور امت کے چند حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيْ قِيَامِ رَمَضَانَ فَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنْ يُصَلِّيَ إِحْدَى وَأَرْبَعِيْنَ رَكْعَةً مَعَ الْوِتْرِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ .

ل رقم الحديث ۳۹۵۰، كتاب الفتن، باب السواد الاعظم ،واللفظ لهٔ،مسند عبد بن حميد رقم الحديث ۱۲۲۰ عن انس، ترمذى ،رقم الحديث ۲۱۶۷،مستدرک حاكم، ج ا ص ۲۰۰ عن ابنِ عمر ،مسنداحمدرقم الحديث ۲۷۲۲۴ عن ابى بصرة الغفارى، سنن الدارمى رقم الحديث ۵۵ عن عمرو بن قيس،المعجم الكبير للطبرانى،رقم الحديث ۳۴۴۰ عن ابى مالک الاشعرى.

۲ قال الحاكم : فقد استقر الخلاف فى إسناد هذا الحديث على المعتمر بن سليمان ، وهو أحد أركان الحديث من سبعة أوجه لا يسعنا أن نحكم أن كلها محمولة على الخطإ بحكم الصواب لقول من قال عن المعتمر ، عن سليمان بن سفيان المدنى ، عن عبد الله بن دينار ، ونحن إذا قلنا هذا القول نسبنا الراوى إلى الجهالة فوهنا به الحديث ، ولكنا نقول :إن المعتمر بن سليمان أحد أئمة الحديث ، وقد روى عنه هذا الحديث بأسانيد يصح بمثلها الحديث فلا بد من أن يكون له أصل بأحد هذه الأسانيد ، ثم وجدنا للحديث شواهد من غير حديث المعتمر لا أدعى صحتها ولا أحكم بتوهينها بل يلزمنى ذكرها لإجماع أهل السنة على هذه القاعدة من قواعد الإسلام ، فممن روى عنه هذا الحديث من الصحابة عبد الله بن عباس (مستدرک حاكم ،ج ا ص ۲۰۱، كتاب العلم)

۳ قال المناوى :(فعليكم بالسواد الأعظم) من أهل الإسلام أى الزموا متابعة جماهير المسلمين فهو الحق الواجب والفرض الثابت الذى لا يجوز خلافه فمن خالف مات ميتة جاهلية (فيض القديرللمناوى تحت رقم الحديث ۲۲۲۱)

وَأَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى مَا رُوِىَ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً .
وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ و قَالَ الشَّافِعِيُّ وَهٰكَذَا أَدْرَكْتُ بِبَلَدِنَا بِمَكَّةَ يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً(ترمذی) [1]

ترجمہ: اہلِ علم کا تراویح کے بارے میں یہ اختلاف ہے، کہ بعض وتر سمیت اکتالیس رکعات کے قائل ہیں، اور اہلِ مدینہ کا قول یہی ہے، اور اسی پر ان کا عمل ہے۔ [2]

اور اکثر (وجمہور) اہلِ علم اس پر ہیں جو حضرت عمر اور حضرت علی اور ان کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور وہ بیس رکعت ہیں۔

اور حضرت سفیان ثوری (المتوفیٰ سنہ ۱۶۱ ہجری) اور حضرت ابنِ مبارک (المتوفیٰ سنہ ۱۸۱ ہجری) اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ (المتوفی سنہ ۲۰۴ ہجری) کا بھی یہی قول ہے، اور امام شافعی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے مکہ شہر کے لوگوں کو تراویح کی بیس رکعت پڑھتے دیکھا ہے (ترمذی)

امام ترمذی رحمہ اللہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر وحضرت علی اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بیس تراویح منقول ہیں، اور جمہور اہلِ علم کا قول وعمل اسی کے مطابق ہے۔

---

[1] تحت رقم الحديث ۸۰۶، ج۳ص ۱۶۰، ابواب الصوم، باب ما جاء فی قیام شهر رمضان.

[2] اس سے امام مالک رحمہ اللہ کے ایک قول کی طرف اشارہ ہے، کہ ان سے ایک روایت میں چھتیس اور ایک میں اکتالیس رکعتیں مروی ہیں، جبکہ ان کی تیسری روایت جمہور ہی کے مطابق ہے۔
پھر اکتالیس والی روایت میں بھی تین رکعتیں وتر کی، اور دو نفلیں بعد الوتر کی شامل ہیں، اس لئے روایتیں دو ہی ہوئیں، ایک بیس رکعات کی، اور ایک چھتیس رکعات کی (ملاحظہ ہو: درسِ ترمذی ج۲ص ۶۵۲)
اور بعض کم فہموں نے امام مالک کی طرف گیارہ رکعت کے قول کی بھی نسبت کی ہے جو کہ درست نہیں ہے، البتہ مؤطا امام مالک میں گیارہ رکعتوں کی ایک روایت مذکور ہے، اس پر کلام پہلے گزر چکا ہے۔

البتہ امام مالک رحمہ اللہ بیس رکعات سے زیادہ کے قائل ہیں (جس کی وجہ آگے آتی ہے) پس کم ازکم بیس رکعات پر سب کا اجماع واتفاق ہوا۔ [1]

اور علامہ ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَالَ الثَّوْرِيُّ وَأَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ دَاوُدَ قِيَامُ رَمَضَانَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرَ لَا يُقَامُ بِأَكْثَرَ مِنْهَا اِسْتِحْبَابًا. وَذُكِرَ عَنْ وَكِيْعٍ عَنْ حَسَنِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِي الْحُسَيْنِ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِهِمْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً. وَهٰذَا هُوَ الْاِخْتِيَارُ عِنْدَنَا وَبِاللّٰهِ تَوْفِيْقُنَا (الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار) [2]

ترجمہ: حضرت سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد بن داؤد وتر کے علاوہ تراویح کی بیس رکعات کے قائل ہیں، ان سے زیادہ رکعتیں پڑھنا بہتر نہیں ہے، اور حضرت وکیع نے حسن بن صالح سے اور انہوں نے عمرو بن قیس سے اور انہوں نے ابوالحسین سے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو رمضان میں بیس رکعتیں پڑھانے کا حکم دیا، اور

---

[1] یری الالبانی ان تعبیر الشافعی والترمذی فی العبارتین المذکورتین بصیغة روی تضعیف منهما لثبوت ذلک عن الصحابة ، لان النووی ذکر ان صیغة روی للتمریض عندالمحققین ، والشافعی والترمذی من ائمة المحققین ......فالجواب عنه ان مع هذه الصیغة من هذین الامامین تدل علی عدم قصدهما بها التضعیف ، وهی قول الشافعی فی عبارته واحب الی عشرون، لانه روی عن عمر ، وکذلک یقومون بمکة ویوترون بثلاث ، وفی عبارة الترمذی بقوله"واکثر اهل العلم علی ماروی عن عمر وعلی وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة وهوقول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی" فقول الشافعی واحب الی عشرون ، وذکرالترمذی ان عمل اکثر اهل العلم من الصحابة وغیرهم فی ذالک دلیلان قاطعان علی عدم التضعیف (تصحیح حدیث صلاة التراویح عشرین رکعة والرد علی الالبانی فی تضعیفه صفحة ۹ وصفحة ۲۳،۲۴، تالیف :فضیلة الشیخ اسماعیل بن محمد الانصاری ،الباحث فی دارالافتاء بالریاض فی المملکة العربیة السعودیة ،الناشر: مکتبة الامام الشافعی بالریاض)

[2] ج۲ص ۷۰، کتاب الصلاة فی رمضان،باب ماجآء فی قیام شهر رمضان ،الناشر: دارالکتب العلمیة، بیروت.

ہمارے نزدیک یہی پسندیدہ ہے، اور توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے (الاستذکار) ۱

اور مسلم شریف کے شارح امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

إِعْلَمْ أَنَّ صَلَاةَ التَّرَاوِيْحِ سُنَّةٌ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ ، وَهِيَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً ، يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ (الاذكار النووية) ۲

ترجمہ: یہ بات جان لینی چاہئے کہ تراویح باتفاقِ علماء سنت ہے، اور وہ بیس رکعتیں ہیں، ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے گا (الاذکار)

اور امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المجموع میں اس موضوع پر مفصل ومدلل بحث کے ذریعہ سے بیس رکعات کو ثابت فرمایا ہے۔ ۳

---

۱ اور امام بغوی رحمہ اللہ شرح السنۃ میں فرماتے ہیں کہ:

وأما أكثر أهل العلم ، فعلى عشرين ركعة يروى ذلك عن عمر وعلى وغيرهما من أصحاب النبى (صلى الله عليه وسلم) ، وهو قول الثورى ، وابن المبارك ،والشافعى، وأصحاب الرأى ، قال الشافعى :وهكذا أدركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة (شرح السنة للامام البغوى، ج۴ص ۱۲۳،كتاب الصلاة،باب قيام شهر رمضان وفضله)

۲ ج ۱ ص ۱۸۳ ،كتاب الاذكار فى صلوات مخصوصة، باب اذكار صلاة التراويح.

۳ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

مذهبنا أنها عشرون ركعة بعشر تسليمات غير الوتر وذلك خمس ترويحات والترويحة أربع ركعات بتسليمتين هذا مذهبنا وبه قال أبو حنيفة وأصحابه وأحمد وداود وغيرهم ونقله القاضى عياض عن جمهور العلماء وحكى أن الاسود بن مزيد كان يقوم بأربعين ركعة ويوتر بسبع وقال مالك التراويح تسع ترويحات وهى ستة وثلاثون ركعة غير الوتر.واحتج بأن أهل المدينة يفعلونها هكذا وعن نافع قال أدركت الناس وهم يقومون رمضان بتسع وثلاثين ركعة يوترون منها بثلاث .واحتج أصحابنا بما رواه البيهقى وغيره بالإسناد الصحيح عن السائب بن يزيد الصحابى رضى الله عنه قال "كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى شهر رمضان بعشرين ركعة وكانوا يقومون بالمائتين وكانوا يتوكؤن على عصيهم فى عهد عثمان من شدة القيام وعن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون فى زمن عمر بن الخطاب رضى الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح علامہ ابنِ قدامہ حنبلی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب المغنی میں اس پر مدلل کلام فرمایا ہے، اورفرمایا ہے کہ کم ازکم بیس رکعات تراویح پر صحابہ اور بعد کے حضرات کا اجماع ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عنه بثلاث وعشرين ركعة رواه مالك فى الموطأ عن يزيد بن رومان ورواه البيهقى لكنه مرسل فإن يزيد بن رومان لم يدرك عمر قال البيهقى يجمع بين الروايتين بأنهم كانوا يقومون بعشرين ركعة ويوترون بثلاث وروى البيهقى عن على رضى الله عنه أيضا قيام رمضان بعشرين ركعة وأما ما ذكروه من فعل أهل المدينة فقال أصحابنا سببه أن أهل مكة كانوا يطوفون بين كل ترويحتين طوافا ويصلون ركعتين ولا يطوفون بعد الترويحة الخامسة فأراد أهل المدينة مساواتهم فجعلوا مكان كل طواف أربع ركعات فزادوا ست عشرة ركعة وأوتروا بثلاث فصار المجموع تسعا وثلاثين والله أعلم.

(فرع)قال صاحبا الشامل والبيان وغيرهما قال أصحابنا ليس لغير أهل المدينة أن يفعلوا فى التراويح فعل أهل المدينة فيصلوها ستا وثلاثين ركعة لأن لأهل المدينة شرفا بمهاجرة رسول صلى الله عليه وسلم ومدفنه بخلاف غيرهم وقال القاضى أبو الطيب فى تعليقه قال الشافعى فأما غير أهل المدينة فلا يجوز أن يماروا أهل مكة ولا ينافسوهم(المجموع شرح المهذب، ج۴ص ۳۲، ۳۳،باب صلاة التطوع، فى مذاهب العلماء فى عدد ركعات التراويح)

۱؎ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

والمختار عند أبى عبد الله، رحمه الله، فيها عشرون ركعة .وبهذا قال الثورى، وأبو حنيفة، والشافعى .وقال مالك :ستة وثلاثون .وزعم أنه الأمر القديم، وتعلق بفعل أهل المدينة، فإن صالحا مولى التوأمة، قال :أدركت الناس يقومون بإحدى وأربعين ركعة، يوترون منها بخمس .ولنا، أن عمر، -رضى الله عنه -لما جمع الناس على أبى بن كعب، وكان يصلى لهم عشرين ركعة، وقد روى الحسن أن عمر جمع الناس على أبى بن كعب، فكان يصلى لهم عشرين ليلة، ولا يقنت بهم إلا فى النصف الثانى .فإذا كانت العشر الأواخر تخلف أبى، فصلى فى بيته، فكانوا يقولون :أبق أبى رواه أبو داود، ورواه السائب بن يزيد، وروى عنه من طرق .وروى مالك، عن يزيد بن رومان، قال :كان الناس يقومون فى زمن عمر فى رمضان بثلاث وعشرين ركعة .وعن على، أنه أمر رجلا يصلى بهم فى رمضان عشرين ركعة .وهذا كالإجماع، فأما ما رواه صالح، فإن صالحا ضعيف، ثم لا ندرى من الناس الذين أخبر عنهم؟ فلعله قد أدرك جماعة من الناس يفعلون ذلك، وليس ذلك بحجة، ثم لو ثبت أن أهل المدينة كلهم فعلوه لكان ما فعله عمر، وأجمع عليه الصحابة فى عصره، أولى بالاتباع، قال بعض أهل العلم :إنما فعل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ترمذی کی شرح العرف الشذی میں ہے کہ:

لَمْ يَقُلْ أَحَدٌ مِّنَ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ بِأَقَلِّ مِّنْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً فِى التَّرَاوِيْحِ، وَإِلَيْهِ ذَهَبَ جُمْهُوْرُ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللهِ عَنْهُمْ (العرف الشذى شرح سنن الترمذى، ج ۲ ص ۲۰۸، كتاب الصوم، باب ماجاء فى قيام شهر رمضان)

ترجمہ: چاروں فقہائے کرام میں سے کسی کا بھی بیس رکعت سے کم تراویح کا قول نہیں، اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے (العرف الشذی)

اس کے علاوہ دیگر متعدد حضرات نے بھی یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ [1]

رہا امام مالک رحمہ اللہ کا چھتیس رکعات کا ایک قول؛ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں تراویح کی ہر چار رکعات کے بعد اتنا وقفہ ہوتا تھا کہ لوگ اس وقفہ میں ایک طواف کرلیا کرتے تھے، اور بیس رکعات کے بعد طواف نہیں کیا کرتے تھے، تو مدینہ منورہ کے حضرات نے؛ مدینہ منورہ اور مسجدِ نبوی کے احترام میں ہر چار رکعات کے بعد مزید چار رکعتیں پڑھنا شروع کیں، تا کہ ان کو بھی اہلِ مکہ کے ساتھ کسی درجہ میں موافقت ہو جائے، کیونکہ مدینہ منورہ میں طواف نہیں

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

هذا أهل المدينة لأنهم أرادوا مساواة أهل مكة، فإن أهل مكة يطوفون سبعا بين كل ترويحتين، فجعل أهل المدينة مكان كل سبع أربع ركعات، وما كان عليه أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أولى وأحق أن يتبع (المغنى لابن قدامة الحنبلى، ج ۲ ص ۱۲۳، مسئلة قيام شهر رمضان عشرون ركعة)

[1] چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے کہ:

وأما قدرها فعشرون ركعة فى عشر تسليمات، فى خمس ترويحات كل تسليمتين ترويحة وهذا قول عامة العلماء. وقال مالك فى قول: ستة وثلاثون ركعة، وفى قول ستة وعشرون ركعة، والصحيح قول العامة لما روى أن عمر -رضى الله عنه -جمع أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فى شهر رمضان على أبى بن كعب فصلى بهم فى كل ليلة عشرين ركعة، ولم ينكر أحد عليه فيكون إجماعا منهم على ذلك (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ۱ ص ۲۸۸، كتاب الصلاة، فصل فى قدر صلاة التراويح)

ہوسکتا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصلاً ان کے نزدیک بھی تراویح کی بیس رکعات ہیں، اوراسی وجہ سے علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے بیس ہی کی روایت کو اختیار کیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا

(ملاحظہ ہو: درسِ ترمذی ج۲ص۶۵۲،۶۵۳)

چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

امام مالک سے جو منقول ہے کہ وتر کے سوا چھتیس رکعات پڑھنا چاہئے، اور وہ کہتے ہیں کہ اہلِ مدینہ کا عمل اسی پر تھا، تو اہلِ تاریخ نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ مکہ معظّمہ کے لوگ دو ترویحوں کے درمیان سات شوط طواف (یعنی پورا ایک طواف) کرتے تھے؛ تو چونکہ مدینہ منورہ میں طواف تو ہو نہیں سکتا تھا، اس واسطے مدینہ منورہ کے لوگوں نے اختیار کیا کہ دو ترویحوں کے درمیان چار چار رکعت نماز پڑھتے تھے، تو اس وجہ سے ان لوگوں کی مجموعی نماز چھتیس رکعات ہوجاتی تھیں (فتاوی عزیزی ص۴۸۵، مطبوعہ: ایچ ایم سعید، کراچی) ؎۱

؎۱ اور عمدۃ القاری میں ہے کہ:

عددها عشرون ركعة وبه قال الشافعي وأحمد ونقله القاضي عن جمهور العلماء وحكى أن الأسود بن يزيد كان يقوم بأربعين ركعة ويوتر بسبع وعند مالك ستة وثلاثون ركعة غير الوتر واحتج على ذلك بعمل أهل المدينة واحتج أصحابنا والشافعية والحنابلة بما رواه البيهقي بإسناد صحيح عن السائب بن يزيد الصحابي قال كانوا يقومون على عهد عمر رضي الله تعالى عنه بعشرين ركعة وعلى عهد عثمان وعلي رضي الله تعالى عنهما مثله وفي المغني عن علي أنه أمر رجلا أن يصلي بهم في رمضان بعشرين ركعة قال وهذا كالإجماع (فإن قلت) قال في الموطأ عن يزيد بن رومان قال كان الناس في زمن عمر يقومون في رمضان بثلاث وعشرين ركعة (قلت) قال البيهقي والثلاث هو الوتر ويزيد لم يدرك عمر فيكون منقطعا والجواب عما قاله مالك أن أهل مكة كانوا يطوفون بين كل ترويحتين ويصلون ركعتي الطواف ولا يطوفون بعد الترويحة الخامسة فأراد أهل المدينة مساواتهم فجعلوا مكان كل طواف أربع ركعات فزادوا ست عشرة ركعة وما كان عليه أصحاب رسول الله أحق وأولى أن يتبع(عمدة القاري شرح صحيح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس تفصیل کے بعد اب جو شخص صحابہؓ کرام اور سوادِ اعظم کے ساتھ اپنے آپ کو شامل کرنا چاہے، تو اس کے لئے یہ سعادت کی بات ہے، اور جو اپنی محرومی کے باعث ان سے علیٰحدگی اختیار کرے، تو یہ اس کا اپنا فعل ہے، اور کیونکہ آٹھ رکعت کا وجود خیر القرون کے دور میں نہیں تھا اس لئے اس کو بدعت قرار دینا قاعدہ واصول کے مطابق ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

تراویح کی بیس رکعت پڑھنے پر صحابہ کا اجماع ثابت ہے، تو یہ امر بھی ضروریاتِ دین میں سے ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ تراویح کی نماز بیس رکعت ہے، اور اسی پر عمل کرنا چاہئے، اور اسی وجہ سے فقہائے کرام اس بارے میں نہایت تاکید کرتے ہیں کہ تراویح کی نماز بیس رکعت پڑھنا چاہئے، اور اکثر ایسے امورِ شرعیہ ہیں کہ ان کے بارے میں جس قدر شرعاً (تاکید) ہے وہ پہلے معلوم نہ تھی، وہ تاکید اجماع سے ثابت ہے، اور اجماع بھی شرعاً حجت ہے، چنانچہ اجماع کا منکر کافر ہے، علی الخصوص جس امر پر اجماع ہو اور وہ شعار اہلِ حق کا ہو جائے، اور وہ امر اس کے لئے مابہ الامتیاز ہو جائے؛ کہ جو شخص اس اجماع کے موافق عمل کرے، وہ اہلِ حق

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البخاری، ج۷ص۱۷۸، کتاب التھجد، باب تحریض النبی علی صلاۃ اللیل والنوافل من غیر إیجاب)

اس موقعہ پر بعض نادانوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب رحمہ اللہ نے آٹھ رکعت کا متفق علیہ ہونا بیان کیا ہے چنانچہ انہوں نے براہینِ قاطعہ میں لکھا ہے، کہ سنتِ مؤکدہ ہونا آٹھ رکعت تراویح کا تو بالاتفاق ہے۔

مگر ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے دراصل ایک خاص پسِ منظر میں یہ بات فرمائی ہے کہ تراویح اپنی ذات میں بدعت نہیں اور اس کے بدعت ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں یہاں تک کہ غیر مقلدین کا بھی آٹھ رکعت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔

لہٰذا اس سے جمہور امت اور صحابہ کرام میں سے کسی کے نزدیک آٹھ رکعت کا سنت ہونا کسی طور پر ثابت نہیں ہوتا (ملاحظہ ہو امداد الاحکام ج اول ص ۶۴۷)

سے ہے، اور جو شخص اس کے خلاف عمل کرے، وہ بدعتی ہے، تو اس اجماع پر عمل کرنے کے بارے میں نہایت تاکید ہے (فتاویٰ عزیزی ص ۴۸۵، مطبوعہ: ایچ ایم سعید، کراچی)

بیس رکعات تراویح کی عقلی وجوہ

گزشتہ دلائل سے بیس رکعات تراویح کا حق اور صحیح ہونا، احادیث، صحابۂ کرام، خلفائے راشدین اور اجماعِ امت کی روشنی میں واضح ہو چکا۔

اس کے بعد ایک منصف اور حق پرست کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔

لیکن بیس تراویح کی تقرری میں متعدد عقلی حکمتیں و مصلحتیں بھی ہیں۔

مثلاً ایک حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دن، رات میں جو پانچ وقت نماز فرض کی ہیں، ان میں ہر دن ورات کے فرض وواجب کی تعداد بیس ہے، دو فجر کے، چار ظہر کے، چار عصر کے، تین مغرب کے، اور چار عشاء کے، اور تین وتر، ان سب کی مجموعی تعداد بیس بنتی ہے۔ [1]

پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رمضان کے مہینے کی ہر رات میں تراویح کی بیس رکعتیں مقرر فرما کر رمضان کے ہر دن کی فضیلت و برتری کا حق ادا کرایا گیا۔

اور ایک حکمت یہ ہے کہ ہر رات کی مغرب اور عشاء کی نماز کے فرضوں اور وتروں کی مجموعی تعداد دس ہے، تین مغرب کے، چار عشاء کے، اور تین وتر۔

تو رمضان المبارک کی فضیلت کے دو چند ہونے کا تقاضا یہ ہوا کہ اس کی ہر رات میں اس کی دوگنی تعداد مقرر کی جائے۔ پس اس طرح بیس رکعتوں کی تعداد کا تقرر نقلی اور عقلی دونوں قسم کے دلائل کے عین مطابق ہے۔ [2]

---

[1] وتر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہیں، جن کو فرضِ عملی کہا جاتا ہے۔

[2] جب کہ بعض فقہائے کرام جو دن رات میں دس مؤکدہ سنتوں کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں، کہ رمضان کے مہینے کی فضیلت و برتری کو ظاہر کرنے کے لیے اس کے ہر دن میں اس کی دوگنی رکعتیں مقرر فرمائی گئی ہیں، جو کہ بیس ہیں۔

(قولہ :فضوعفت فیہ) أی فی رمضان.واعترض بأن التضعیف أن یزاد علی الشء مثلہ فیقتضی أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چند شبہات کے جوابات

مذکورہ تفصیل سے انصاف پسندوں کے لئے یہ بات سمجھنا کوئی مشکل نہیں رہا کہ رمضان کے مہینے میں تراویح کی بیس رکعات سنت ہیں، اوران کے سنت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

لیکن آج کل کچھ لوگ سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے شکوک وشبہات پیدا کرنے والی مختلف باتیں پیش کرکے ان کو پریشان کرتے ہیں، یا پھر دین سے دور عوام کے لئے آزادی کے مزید راستے کھول دیتے ہیں۔

اس لئے اب اسی قسم کے چند شبہات کے جوابات ذکر کئے جاتے ہیں۔

خلفائے راشدین کی سُنَّت

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوجاتا ہے کہ جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوا گرچہ وہ کتنے بڑے صحابی اور خلفائے راشدین ہی سے کیوں نہ ثابت ہو، وہ حجت نہیں اور کیونکہ تراویح کی تعداد اور موجودہ تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں لہٰذا ہمارے لئے یہ قابلِ قبول نہیں۔

حالانکہ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ تراویح کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور عمل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التراويح عشر ركعات، لأنه إذا زيد على العشر ركعات المؤكدات مثلها صارت عشرين، عشرة منها هى المؤكدة من الرواتب، والعشرة الأخرى هى التروايح .وأجيب -كما فى سم -بأن المعنى: فزيد قدرها وضعفه، لا فزيد عليها قدرها فقط، لأنه ليس كذلك.أى زيد قدر الرواتب العشرة، وضعف هذا القدر الزائد أى مثله وهو عشرة، فيصير الجميع ثلاثين ركعة، الرواتب عشرة، والتراويح عشرون .وهذا كما ترى مبنى على أن ضعف الشء مثله، أما إذا قيل إن ضعفه مثلاه فلا تأويل، وهذا الأخير هو المشهور، كما فى ع ش .وفى الرشيدى ما نصه :فقوله :فضوعفت، أى وجعلت بتضعيفها زيادة فى رمضان(اعانة الطالبين على حل الفاظ فتح المعين، ج ا ص۳۰۷، باب الصلاة، للبكرى الدمياطى الشافعى)

سے ثابت ہے۔

پھر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کے عمل کو بھی امت کے لئے حجت قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافاً كَثِيْراً فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ،تَمَسَّكُوْابِهَا وَعَضُّوْاعَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: بلاشبہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلافات دیکھے گا، پس تم پر (ایسے وقت) میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے، جو ہدایت یافتہ ہیں، اس سنت کو تم مضبوطی سے پکڑے رکھنا اور اس کو اپنی ڈاڑھوں کے نیچے خوب دبا لینا، اور تم (دین میں) نئی نئی باتوں کے (پیدا کرنے) سے بچنا کیونکہ (دین میں) جو بھی نئی چیز نکالی جائے بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے (مسند احمد)

امام حاکم اس حدیث کو سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

---

[1] رقم الحديث ۱۷۱۴۵ ،واللفظ لهٗ، ابو داؤد رقم الحديث ۴۶۰۹، كتاب السنة باب لزوم السنة ، ترمذی رقم الحدیث ۲۶۰۰، باب الاخذ بالسنة واجتناب البدعة ، ابن ماجة رقم الحديث ۴۳، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين ، سنن دارمی رقم الحديث ۹۶، باب اتباع السنة ،المعجم الكبير للطبرانی رقم الحديث ۱۵۰۲۱ ، شعب الايمان رقم الحديث ۷۱۱۰،سنن البيهقی رقم الحديث ۲۰۸۳۵، مستدرک حاكم رقم الحديث ۳۲۹.

فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح، وهو مكرر سابقه، إلا أن شيخ أحمد هنا هو الوليد ابن مسلم -وهو مدلس يدلس تدليس التسوية -وقد صرح بالتحديث فی جميع طبقات الإسناد، فانتفت شبهة تدليسه، وقد قرن بعبد الرحمن السلمی حجر بن حجر، وهو مجهول، تفرد بالرواية عنه خالد بن معدان، ولم يؤثر توثيقه عن غير ابن حبان.

هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ لَيْسَ لَهٗ عِلَّةٌ(مستدرک حاکم تحت رقم الحديث ۳۲۹)

ترجمہ: یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر صحیح ہے اور مجھے اس میں کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی (حاکم)

اورامام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

صَحِيْحٌ لَيْسَ لَهٗ عِلَّةٌ(تلخيص الذهبی علی المستدرک تحت رقم الحديث ۳۲۹)

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے اوراس میں کوئی خرابی نہیں ہے (تلخیص)

اورامام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

هَذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ (ترمذی،تحت رقم الحديث ۲۶۰۰،باب ما جاء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدع)

ترجمہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے (ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں صاف طور پر عربی قواعد کے لحاظ سے خلفائے راشدین کی سنت کے لازم ہونے اوراس کی مخالفت سے بچنے کی جتنی بھی صورتیں ممکن ہوسکتی تھیں ارشادفرمادی ہیں،جن میں سے چندایک یہ ہیں:

(۱)......آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کوخلفاء کے لفظ سے تعبیر فرمایاہےاور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ خلیفہ اور نائب کے حکم کی اتباع اتنی ہی لازم اورضروری ہوتی ہے جتنی کہ اصل کی۔ورنہ خلیفہ ہونے کا کیا مطلب اورکیا معنٰی ؟

(۲)......آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عَلَيْكُمْ'' فرما کر خلفائے راشدین کی سنت کوبھی ویسا ہی لازم قرار دے دیا جیسا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت لازم ہے، کیونکہ یہ لفظ لازم کے معنٰی میں آتا ہے۔ [1]

---

[1] فان لفظ "عليكم" يدل على اللزوم وضعا، والمعطوف فی حكم المعطوف عليه لغة، فثبت به لزوم سنة الخلفاء كلزوم سنة الرسول صلى الله عليه وسلم ، فلايصح التفرقة بالسنية والندب، فان المندوب لايكون لازما(اعلاء السنن ج ۷ ص ۸۰،باب التراويح،للعلامة ظفر احمد عثمانی رحمه الله)

(۳)...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلفاء کو راشدین (درست راستہ پر ہونے والے) بھی فرمایا اور یہ بات واضح ہے کہ جب ان خلفاء کا طریقہ درستگی والا ہے تو ان کے مقابلہ میں جو عمل ہوگا وہ درست اور سیدھا نہیں ہوگا۔

(۴)...... راشدین کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مَھْدِیِّیْنَ" کے لفظ کا اضافہ فرما کر بتلا دیا کہ جب وہ ہدایت یافتہ ہیں تو ان کی پیروی اور اتباع لازمی ہے کیونکہ اگر ہدایت یافتہ کی پیروی اور اتباع نہ ہوگی تو پھر کس کی اتباع ہوگی؟

اور ہدایت یافتہ وہی ہوسکتا ہے جس کو اللہ ربُّ العزت کی طرف سے ہدایت کے اعلیٰ مقام کی سعادت عطا فرمائی گئی ہو۔

معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین کو یہ ہدایت یافتہ ہونے کا خصوصی مقام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ انعام مرحمت ہوا ہے۔

(۵)...... اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "تَمَسَّکُوْا بِھَا" (مضبوطی سے تھا مو) بھی بڑھا دیا جس کا مطلب ہے کہ تم اپنے ارادہ سے بتکلف کوشش کر کے ان کی سنت کو مضبوط تھامو اور اس بارے میں کسی قسم کی غفلت اور لاپرواہی کا مظاہرہ نہ کرو (لِاَنَّ التَّکَلُّفَ یُوْجَدُ فِیْ بَابِ التَّفَعُّلِ وَالتَّمَسُّکُ مِنْ ھٰذَاالْقَبِیْلِ)

(۶)...... پھر مزید تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "عَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ" (کہ ان کی سنت کو اپنی ڈاڑھوں کے ساتھ نہایت مضبوطی سے پکڑو)

اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جو چیز ڈاڑھوں سے پکڑی جاتی ہے وہ دوسرے دانتوں میں پکڑے جانے کی بنسبت زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔

(۷)...... پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام تاکیدیں اور ہدایات ایک ہی صیغے اور جملے کے ساتھ اس طرح ارشاد فرمائیں کہ اپنی سنت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت کو جمع کر دیا اور اپنی اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت میں ذرا بھی فرق نہیں کیا۔

اس سے واضح ہوا کہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو بھی سنت کہنا بالکل صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اس کا نام خود سنت رکھ دیا ہے۔

(۸)......اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح طور پر فرمادیا کہ جس کو (آپ کے بعد) زندگی حاصل ہوگی اور زمانہ گزرنے سے دینی اور مذہبی ماحول تبدیل ہوتا جائے گا تو بہت سے اختلافات سامنے آئیں گے۔

ایسے موقع پر ہر مسلمان کا اسلامی فریضہ ہوگا کہ وہ میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے اور اسی کی اتباع کرے۔ گویا کہ اختلافات کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کی سنت حجت اور معیار ہوگی۔

(۹)......آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ بھی نشاندہی فرمادی کہ آپ کی اور آپ کے خلفائے راشدین کی سنت کے مقابلہ میں جو جو کام بھی دین میں رونما کئے جائیں گے وہ بدعت ہوں گے۔ اور ان سے بچنا ضروری ہوگا۔

معلوم ہوا کہ مذکورہ سنت کے مقابلہ میں دین میں جو عمل بھی ایجاد کیا جائے (گو وہ نیک نیتی سے ہی کیوں نہ ہو) درجہ بدرجہ بدعت ہوگا۔

(۱۰)...... پھر آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف بدعت کہنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ یہ بھی فرمادیا کہ بدعت ضلالت اور گمراہی ہے۔ جو لوگ اس کو ہدایت سمجھیں گے وہ غلطی پر ہوں گے۔

اب بھی اگر کوئی شخص یا طبقہ خلفائے راشدین کی سنت سے گریز کرے بلکہ نعوذ باللہ تعالیٰ اسی سنت کو خلافِ سنت قرار دے اور اس پر چلنے والوں کو آباء واجداد کی تقلید کا طعنہ دے (جیسا کہ آج کچھ لوگ بیس تراویح کو دین پر زیادتی اور بالفاظِ دیگر بدعت کہتے ہیں) تو اس کا کیا علاج ہے؟ خوب اچھی طرح اس کے دنیوی واُخروی نتائج پر غور کر لینا چاہئے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تحفة الاخيار مع نخبة الانظار، للامام المحدث الفقيه الشيخ محمد عبدالحيى اللكنوى الهندى، مشموله: مجموعه رسائل الكنوى ج۴)

خلفائے راشدین کی سنت کے منکرین سے چند سوالات

جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بیس رکعات تراویح حضرت عمر کے دور میں شروع ہوئیں پہلے نہ تھیں، اس لئے ہم اس تعداد کو سنت نہیں مانتے، یہی لوگ پورے رمضان مستقل با جماعت تراویح اور وتر پڑھتے ہیں۔

ان کے مذکورہ دعوے اور عمل کے مطابق ہمارے ان سے چند سوالات ہیں:

(۱) پورے رمضان تراویح پڑھنا؟ (۲) پورے رمضان باجماعت تراویح پڑھنا؟ (۳) پورے رمضان میں وتر کی نماز باجماعت پڑھنا؟ (۴) تراویح میں پورا قرآن مجید پڑھنا؟ یہ تمام چیزیں کس سے ثابت ہیں؟

ظاہر ہے کہ ان تفصیلی امور کا ثبوت بھی خلفائے راشدین ہی سے ہے۔

ان لوگوں کی یہ عجیب نرالی منطق ہے کہ دورِ فاروقی میں تراویح کی پوری کیفیت تو قابلِ قبول ہے اور بدعت کے مفہوم میں داخل نہیں لیکن تراویح کی تعداد محلِ نظر ہے۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعات تراویح ثابت ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین سے بیس تراویح کا ثبوت پہلے تفصیلی دلائل کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے، لیکن بعض حضرات اس کے برعکس تراویح کے سلسلہ میں آٹھ رکعت کی ایک روایت سے شبہ میں پڑ جاتے ہیں، جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں آٹھ رکعت پڑھائیں۔ [1]

---

[1] اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:

حدثنا عثمان بن عبيد الله الطلحي الكوفي، حدثنا جعفر بن حميد، حدثنا يعقوب بن عبد الله القمي، عن عيسى ابن جارية، عن جابر بن عبد الله رضى الله عنه قال :صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم في شهر رمضان ثمان ركعات وأوتر ,فلما كانت القابلة اجتمعنا في المسجد ورجونا أن يخرج ,فلم نزل فيه حتى أصبحنا ,ثم دخلنا ,فقلنا يا رسول الله ,اجتمعنا البارحة في المسجد ,ورجونا أن تصلي بنا ,فقال :إني خشيت أن يكتب عليكم "(المعجم الصغير للطبراني، رقم الحديث ۵۲۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین اور دیگر صحابۂ کرام وتابعین سے بیس تراویح کا پڑھنا منقول ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی چند راتوں میں جو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھانا مروی ہے، ان میں سے کسی روایت میں بھی اس تعداد کا ذکر نہیں جبکہ اس روایت کو مختلف ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے، اور صرف اس کا ذکر اس مذکورہ روایت میں ہے، جس میں ایک راوی عیسیٰ بن جاریہ ہیں، جن کے بارے میں محدثین پہلے ہی یہ فرما چکے ہیں، کہ وہ منکر ہیں، اور ایسی باتیں روایت کرتے ہیں جو دوسرے ثقہ راویوں سے مروی نہیں ہوتیں۔ [1]

اور یہاں تراویح کی تعداد کے مسئلہ میں بھی ان کی طرف سے اسی قسم کی منکر بات سامنے آئی ہے، اس لئے یہ ثقہ راویوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں۔

اور اگر اس روایت کو قبول کیا جائے تو بھی اس سے بیس رکعات کی نفی لازم نہیں آتی، کیونکہ ممکن ہے کہ کسی دن آٹھ رکعتیں جماعت سے پڑھی گئی ہوں اور باقی رکعتیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے حسبِ معمول بغیر جماعت کے پڑھی ہوں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تراویح کو بغیر جماعت کے ہی پڑھنے کا معمول تھا، اس سلسلہ میں بخاری، مسلم وغیرہ کی چند صحیح ومستند احادیث وروایات پہلے ذکر کی جا چکی ہیں۔

اور اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھانے کا ذکر ہے، اس کا ذکر نہیں ہے کہ اس

---

[1] عیسی بن جاریة الأنصاری المدنی.......... قال أبو بکر بن أبی خیثمة عن یحیی بن معین : لیس حدیثه بذاک لا أعلم أحدا روی عنه غیر یعقوب القمی. وقال عباس الدوری ، عن یحیی بن معین :عنده مناکیر ، حدث عنه یعقوب القمی ، وعنبسة قاضی الری. وقال أبو زرعة ینبغی أن یکون مدینیا ، لا بأس به . وقال أبو حاتم :عیسی الأنصاری الذی روی عن أبی سلمة روی عنه زید بن أبی أنیسة هو عندی عیسی بن جاریة .وقال أبو عبید الآجری ، عن أبی داود :منکر الحدیث وقال فی موضع آخر :ما أعرفه ، روی مناکیر . وذکره ابن حبان فی کتاب "الثقات(تهذیب الکمال ج۲۲ص۵۸۸ تا ۵۹۰ ملخصاً)

قال ابن معین :عنده مناکیر .وقال النسائی :منکر الحدیث، وجاء عنه :متروک.وقال أبو زرعة :لا بأس به(میزان الاعتدال ج۳ص ۳۱۱،رقم الترجمة ۶۵۵۵)

قلت :وذکره الساجی والعقیلی فی الضعفاء وقال ابن عدی أحادیثه غیر محفوظة(تهذیب التهذیب ج۸ص۲۰۷)

سے بعد میں یا اس سے پہلے بھی کچھ رکعتیں پڑھی گئی تھیں یا نہیں۔

پس اس روایت میں جو آٹھ رکعات کا ذکر ہے وہ کسی خاص دن جماعت کی شکل میں ادا کرنے کے بارے میں ہے، نہ کہ سِرے سے آٹھ رکعتیں پڑھنے کے بارے میں، اور اس سے بیس رکعت کی نفی لازم نہیں آتی۔

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آج بھی کوئی شخص کچھ رکعتیں جماعت سے پڑھ لے، اور کچھ بغیر جماعت کے، تو ظاہر ہے کہ کل تعداد مجموعی ہی شمار کی جائے گی، البتہ جماعت سے پڑھی جانے والی رکعتوں کا الگ سے ذکر کیا جائے گا۔

اور اگر کوئی اس بات کو بھی تسلیم نہ کرے تو پھر خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام کا جو عمل بیس رکعتیں ادا کرنے کا تھا، کیا کوئی عقل مند مسلمان یہ تصور کرسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صحابۂ کرام کو صرف آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں خلفائے راشدین وصحابۂ کرام نے اس کی خلاف ورزی کی؟

ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف آٹھ رکعات پر اکتفاء فرماتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعتیں پڑھے جانے کے وقت بعض صحابۂ کرام اس سے ضرور اختلاف فرماتے۔ واذ لیس فلیس۔

اور ہم حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہی ایک حدیث پہلے ذکر کر چکے ہیں، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس رکعتیں پڑھتے رہنے کا ذکر ہے، جبکہ مذکورہ روایت میں صرف ایک دن کا واقعہ ہے، اور اس سے بھی بیس کی نفی لازم نہیں آتی، جبکہ بیس رکعات والی حدیث سے یقیناً آٹھ پر اکتفاء کرنے کی نفی لازم آتی ہے۔ کما لایخفی علیٰ اھل العلم۔

کیا تراویح اور تہجد ایک نماز ہے؟

آج کل ایک گروہ؛ جو فقہائے کرام کی تقلید کا قائل نہیں، اور وہ فقہائے کرام کے عالمانہ

ومحققانہ اجتہاد کے مقابلہ میں اپنے عامیانہ وجاہلانہ اجتہاد کو ترجیح دیتا ہے، اس کا دعویٰ یہ ہے کہ تراویح کی آٹھ رکعات ہیں اوران کا ثبوت مندرجہ ذیل حدیث سے ہے۔

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّيْ أَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ أَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلَاثًا. قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ (بخاری) [1]

ترجمہ: انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رمضان (کی رات) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ (رمضان کی کیا خصوصیت؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھتے کچھ نہ پوچھو کہ وہ کتنی حسین وطویل ہوتی تھیں، پھر چار رکعتیں پڑھتے کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ میری

---

[1] رقم الحديث ۱۱۴۷، كتاب التهجد، باب قيام النبى صلى الله عليه وسلم بالليل فى رمضان وغيره، مسلم، رقم الحديث ۱۲۵"۷۳۸" باب صلاة الليل وعدد ركعات النبى صلى الله عليه وسلم، ابوداؤد، رقم الحديث ۱۳۴۱؛ باب فى صلاة الليل، ترمذى، رقم الحديث ۴۳۹؛ باب ما جاء فى وصف صلاة النبى صلى الله عليه وسلم بالليل، نسائى، رقم الحديث ۱۶۹۷؛ باب كيف الوتر بثلاث.

آنکھیں سوتی ہیں، اور میرا دل نہیں سوتا (بخاری)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز عموماً رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت ہوتی تھیں اور اس روایت میں ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھنے کا ذکر ہے، اور وتر پورے سال تین رکعت پڑھنے کا ذکر ہے، نیز وتروں کو سونے کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے۔

بعض لوگ اس روایت کو رمضان میں تہجد کے بجائے تراویح پر محمول کرتے ہیں جو کہ صریح غلطی ہے، کیونکہ:

(الف)...... اس حدیث میں رمضان اور غیر رمضان کا ذکر ہے، اور ظاہر ہے کہ تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے غیر رمضان میں پڑھنے کا کیا معنٰی ؟

معلوم ہوا کہ اس حدیث میں رات کی وہ نماز مراد ہے جو بارہ مہینے پڑھی جاتی ہے اور وہ صلاۃُ اللیل یعنی تہجد ہی ہوسکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اکثر محدثین نے اس حدیث کو تہجد اور قیام اللیل کے باب میں ذکر کیا ہے (جیسا کہ اوپر حوالوں کے ساتھ ابواب کے ذکر سے ظاہر ہے)

نیز اس حدیث میں ایک سلام سے چار چار رکعتیں پڑھنے کا ذکر ہے، اور ظاہر کہ تراویح ایک سلام کے ساتھ دو دو کر کے پڑھی جاتی ہیں۔

پھر اس حدیث میں ساتھ ہی یہ بھی ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر سو کر اٹھنے کے بعد رات کے آخری حصہ میں پڑھا کرتے تھے اس سے بھی ثابت ہوا کہ ان آٹھ رکعتوں سے تہجد کی نماز مراد ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول وتروں کو تہجد کے بعد رات کے آخری حصے میں پڑھنے کا تھا اور تراویح اور وتر تو رات کے آخری حصے کے بجائے عشاء کے بعد سونے سے پہلے متصل پڑھی جاتی ہے۔ [1]

---

[1] قولہ :(ثم یصلی ثلاثا) ولفظ ثم للتراخی، وکانت ھذہ الثلاث بسلام واحد(فیض الباری، باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(ب)...... صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں زیادہ ہوجاتی تھی، اس قسم کی بعض احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔

اور مذکورہ حدیث سے تراویح مراد لینے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی تعداد ومقدار بارہ مہینے ایک جیسی ہوتی تھی اور یہ بات صحیح احادیث کے مخالف ہے، کئی احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں زیادہ عبادت کیا کرتے تھے۔

(ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تراویح جماعت کے ساتھ پڑھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس طرح بڑے مجمع کے ساتھ تہجد باجماعت ادا نہیں فرمائی (درسِ ترمذی ج۲ص۲۶۶) [1]

(د)...... مندرجہ بالا حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وصال سنہ اٹھاون ہجری میں پینسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقولها يا رسول الله أتنام قبل أن توتر يحتمل معنيين:
أحدهما :أنه كان ينام بإثر صلاة العشاء قبل أن يوتر ثم يقوم من الليل لصلاته ووتره فقالت له كيف تفعل ذلك وربما ذهب بك النوم عن وترك .ويحتمل أن تكون أرادت أنه صلى أربعا ثم نام قبل أن يوتر فقالت له ذلك فقال يا عائشة إن عيني تنامان ولا ينام قلبي يعني والله أعلم أنه لا ينام عن مراعاة الوقت .وهذا مما خص به النبي -صلى الله عليه وسلم -من أمر النبوة والعصمة ولذلك كان -صلى الله عليه وسلم -لا يحتاج إلى الوضوء من النوم لعلمه بما يكون منه(المنتقىٰ شرح المؤطا، ج ا ص ٢١٦ ،باب صلاة النبي صلى الله عليه وسلم في الوتر)

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تراویح تین دن باجماعت ادا کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کو بالکل ترک فرمادیا ہو، اس سے تو صرف جماعت پر دوام نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، نہ کہ تراویح کو چھوڑ دینے پر دوام ہونا۔

تین دن جماعت کے ساتھ پڑھنے کے بعد بقیہ دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے بغیر تراویح ادا فرمائی۔

[2] وقال الواقدي وغيره :فيها توفيت أم المؤمنين أم عبد الله عائشة بنت الصديق حبيبة رسول الله صلى الله عليه وسلم وفقيهة نساء الأمة عن خمس وستين سنة في رمضان (العبر في خبر من غبر للذهبي، ج ا ، ص ٤٦، سنة ثمان وخمسين)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور (علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی ''تاریخ الخلفاء'' کے مطابق) سنہ چودہ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے باقاعدہ تراویح کی نماز باجماعت پڑھانے کا انتظام کرایا تھا۔ [1] اس طرح بیالیس سال اماں جی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے حجرے کے بالکل ساتھ مسجد نبوی میں بیس رکعات تراویح جاری رہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پورے عرصہ میں ایک مرتبہ بھی آٹھ رکعات والی حدیث بیس تراویح کے اس عمل کے خلاف پیش نہیں فرمائی۔

جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ فِيْهِ فَهُوَ رَدٌّ (صحيح بخاری) [2]

ترجمہ: جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالے، جو دین میں نہ ہو تو وہ مردود ہے (بخاری)

اب دو ہی راستے ہیں یا تو مان لیا جائے کہ اس حدیث کا تراویح سے کوئی تعلق نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہی سمجھتی تھیں یا پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث سے آٹھ تراویح سمجھتی تھیں لیکن ان کے دل میں نعوذ باللہ تعالیٰ سنت کی محبت اور بدعت سے نفرت اتنی بھی نہیں تھی جتنی آج کے دور کے آٹھ رکعت تراویح کو سنت اور بیس رکعت کو بدعت کہنے والے کے دل میں ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''بیس تراویح کا ثبوت'' از مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد كانت وفاتها فى هذا العام سنة ثمان وخمسين، وقيل قبله بسنة، وقيل بعده بسنة، والمشهور فى رمضان منه وقيل فى شوال، والأشهر ليلة الثلاثاء السابع عشر من رمضان (البداية والنهاية ج۸ص ۹۴،ام المؤمنين عائشه بنت ابوبكر الصديق)

[1] وفيها (اى فى سنة أربع عشرة) جمع عمر الناس على صلاة التراويح قاله العسكرى فى الأوائل (تاريخ الخلفاء للسيوطى ،ص ۱۰۶ ،عمر بن الخطاب، فصل فى خلافته)

[2] رقم الحديث ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ابوداؤد رقم الحديث ۴۶۰۶، واللفظ لهما، صحيح مسلم رقم الحديث ۱۷۱۸ "۱۷"، ابنِ ماجه رقم الحديث ۱۴، مسند احمد رقم الحديث ۲۶۰۳۳، بلفظ ماليس منه.

(ہ)...... جو لوگ اس حدیث سے آٹھ تراویح ثابت کرنے کی بے جا کوشش کرتے ہیں ان لوگوں کا اپنا عمل بھی اس حدیث پر پوری طرح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ کا عمل تین وتر پڑھنے کا ثابت ہو رہا ہے جبکہ آٹھ تراویح کے قائلین ہمیشہ تین وتروں کے قائل نہیں۔

(و)...... پھر اگر اس کے باوجود بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ روایت سے آٹھ رکعات تراویح مراد لینے پر ہی اصرار کیا جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز میں صرف آٹھ رکعتیں پڑھنے ہی کا ذکر نہیں، بلکہ بعض روایات میں تیرہ رکعتیں پڑھنے کا بھی ذکر ہے، جن میں تین وتر شامل ہیں۔

جس سے یہ لازم آتا ہے کہ تراویح آٹھ کے بجائے دس رکعتیں ہوں۔

چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ يُصَلِّىْ إِذَا سَمِعَ النِّدَآءَ بِالصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، پھر جب فجر کی اذان سنتے تو دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھا کرتے تھے (بخاری)

اور اگر کوئی رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے معمول کے بارے میں یہ کہے کہ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ اور بعض اوقات دس پڑھا کرتے تھے، تو اس صورت میں ہمیشہ آٹھ رکعات پڑھنے کے کوئی معنیٰ نہیں، بلکہ کبھی آٹھ اور کبھی دس پڑھنی چاہئیں۔

اور بخاری شریف میں ہی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے بھی تیرہ رکعتیں پڑھنے کا ذکر ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَتْ صَلَاةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يَعْنِىْ

[1] بخاری، رقم الحدیث ۱۱۷۰، کتاب التهجد، باب ما یقرأ فی رکعتی الفجر.

بِاللَّيُلِ (بخاری) ۱؎

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رات والی نماز تیرہ رکعتیں ہوتی تھیں (بخاری)

پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح وتروں سمیت گیارہ رکعتیں پڑھنے کا ذکر ہے، اسی طرح بعض اوقات وتروں سمیت سات اور بعض اوقات نو رکعتیں پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔

چنانچہ بخاری شریف ہی میں حضرت مسروق سے روایت ہے کہ:

قَالَ سَأَلُتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنُهَا عَنُ صَلَاةِ رَسُوُلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيُلِ فَقَالَتُ سَبُعٌ وَتِسُعٌ وَإِحُدَى عَشُرَةَ سِوَى رَكُعَتِي الُفَجُرِ (بخاری) ۲؎

ترجمہ: حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں سوال کیا؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بعض اوقات سات، بعض اوقات نو، اور بعض اوقات گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں، فجر کی سنتوں کے علاوہ (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ بخاری شریف اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز جس میں وتر بھی شامل تھے؛ بعض اوقات سات، اور بعض اوقات نو اور بعض اوقات گیارہ رکعتیں ہوا کرتی تھیں۔ ۳؎

۱؎ رقم الحديث ١١٣٨، كتاب التهجد، باب كيف كان صلاة النبي صلى الله عليه وسلم وكم كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل.

۲؎ رقم الحديث ١١٣٩، كتاب التهجد، باب كيف كان صلاة النبي صلى الله عليه وسلم وكم كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل.

۳؎ اور روایت میں چونکہ رات کی نماز کے بارے میں سوال ہے، اور جواب میں فجر کی سنتوں کے علاوہ کی صراحت ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ رات کی اس نماز میں تہجد اور وتر دونوں شامل ہیں۔

اور اگر کوئی اس بات کو تسلیم نہ کرے تو پھر اسی روایت میں جو گیارہ رکعتیں پڑھنے کا ذکر ہے، اس میں بھی اس بات کا انکار

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

معلوم نہیں کہ بخاری شریف کا حوالہ دے کر بیس تراویح کا انکار کرنے والے حضرات بخاری شریف کا پہلے ہی صحیح مطالعہ کیوں نہیں کرتے؟

(ز)...... جولوگ آٹھ رکعات کا نام تراویح رکھتے ہیں، ان کا یہ نام رکھنا شریعت کے علاوہ لغت کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں، کیونکہ تراویح عربی کا لفظ ہے، اور یہ ''ترویحۃ'' کی جمع ہے، اور ''ترویحۃ'' کے معنیٰ وقفہ کرنے کے آتے ہیں، کیونکہ ہر چار رکعات کے بعد ایک وقفہ ہوتا ہے، اس مناسبت سے اس نماز کا نام تراویح رکھا گیا ہے، اور تراویح کا یہ نام صحابۂ کرام کے دور سے چلا آ رہا ہے اور اس کو بدلنا درست نہیں۔

اور آٹھ رکعات مراد لینے کی صورت میں دو ''ترویحے'' یعنی دو وقفے ہوتے ہیں، پہلا چوتھی رکعت پر، اور دوسرا آٹھویں رکعت پر، اور اس کا نام ''ترویحتان'' ہونا چاہئے تھا، کیونکہ تراویح عربی میں جمع کا صیغہ ہے، جو دو ترویحوں والی نماز کا نام نہیں ہوسکتا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ تراویح کا نام کم از کم بارہ یا بارہ سے زیادہ رکعات پر بولا جا سکتا ہے، بارہ سے کم پر نہیں۔

معلوم ہوا کہ بیس رکعات تراویح کے خلاف پیش کئے جانے والے شبہات واعتراضات دلائل وحقائق کے اعتبار سے کوئی وقعت نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ قلبِ سلیم اور فہمِ صحیح عطا فرمائیں۔

آمین۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لازم آتا ہے، جس کا شاید منکر بھی قائل نہ ہو۔

وعن مسروق قال سألت عائشة عن صلاة رسول الله بالليل فقالت سبع أى مرة وتسع أى أخرى وإحدى عشرة ركعة أى كل مع ثلاث الوتر سوى ركعتي الفجر أى غير سنة الفجر رواه البخارى (مرقاة المفاتيح، ج۳ص۹۰۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الليل)

تراویح کے احکام

تراویح کے فضائل اور اس کی بیس رکعات کے سنتِ مؤکدہ ثابت ہوجانے کے بعد اب تراویح سے متعلق اہم مسائل اور احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

نمازِ تراویح سے متعلق چند بنیادی احکام

مسئلہ نمبر۱...... رمضانُ المبارک کے مہینہ کی ہر رات میں تراویح کی نماز عاقل، بالغ، غیر معذور مسلمان کے حق میں سنتِ مؤکدہ ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲......تراویح کی نماز جس طرح مَرد حضرات کے لئے سنت ہے، اسی طرح خواتین

---

[1] (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعا(الدر المختار،باب الوتر والنوافل)

(قوله سنة مؤكدة) صححه في الهداية وغيرها، وهو المروي عن أبي حنيفة .وذكر في الاختيار أن أبا يوسف سأل أبا حنيفة عنها وما فعله عمر، فقال :التراويح سنة مؤكدة، ولم يتخرجه عمر من تلقاء نفسه، ولم يكن فيه مبتدعا؛ ولم يأمر به إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله -صلى الله عليه وسلم -ولا ينافيه قول القدوري إنها مستحبة كما فهمه في الهداية عنه، لأنه إنما قال يستحب أن يجتمع الناس، وهو يدل على أن الاجتماع مستحب، وليس فيه دلالة على أن التراويح مستحبة، كذا في العناية .وفي شرح منية المصلي :وحكى غير واحد الإجماع على سنيتها، وتمامه في البحر.

(قوله لمواظبة الخلفاء الراشدين) أي أكثرهم لأن المواظبة عليها وقعت في أثناء خلافة عمر -رضي الله عنه -، ووافقه على ذلك عامة الصحابة ومن بعدهم إلى يومنا هذا بلا نكير، وكيف لا وقد ثبت عنه -صلى الله عليه وسلم -عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ كما رواه أبو داود بحر (قوله إجماعا) راجع إلى قول المتن سنة للرجال والنساء ، وأشار إلى أنه لا اعتداد بقول الروافض إنها سنة الرجال فقط على ما في الدرر والكافي أو أنها ليست بسنة أصلا كما هو المشهور عنهم على ما في حاشية نوح، لأنهم أهل بدعة يتبعون أهواء هم لا يعولون على كتاب ولا سنة، وينكرون الأحاديث الصحيحة(رد المحتار على الدر المختار،باب الوتر والنوافل،مبحث صلاة التراويح)

کے لئے بھی سنت ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۳...... نمازِ تراویح رمضانُ المبارک کی تمام راتوں کی سنت ہے، جس کا آغاز رمضان کا چاند نظر آنے یا تیس شعبان کے بعد آنے والی رات سے ہوجاتا ہے، اور رمضان کی آخری رات تک جاری رہتا ہے۔ ۲؎

۱؎ (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعا(الدر المختار مع ردالمحتار)

(قوله إجماعا) راجع إلى قول المتن سنة للرجال والنساء ، وأشار إلى أنه لا اعتداد بقول الروافض إنها سنة الرجال فقط على ما في الدرر والكافي أو أنها ليست بسنة أصلا كما هو المشهور عنهم على ما في حاشية نوح، لأنهم أهل بدعة يتبعون أهواء هم لا يعولون على كتاب ولا سنة، وينكرون الأحاديث الصحيحة (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل،مبحث صلاة التراويح)

التروايح سنة مؤكدة للرجال والنساء توارثها الخلف عن السلف من لدن تاريخ رسول صلى الله عليه وسلم إلى يومنا وهكذا روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنها سنة لا ينبغي تركها وقال قوم من الروافض سنة للرجال دون النساء وقال قوم منهم أنه ليس بسنة أصلا (فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص۱۶۷، باب التراويح)

وهي سنة عين مؤكدة "على الرجال والنساء "ثبتت سنيتها بفعل النبي صلى الله عليه وسلم وقوله قال" :عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدى "وقد واظب عليها عمر وعثمان وعلي رضى الله عنهم .وقال صلى الله عليه وسلم في حديث " :افترض الله عليكم صيامه وسننت لكم قيامه "وفيه رد لقول بعض الروافض هي سنة للرجال دون النساء وقول بعضهم سنة عمر لأن الصحيح أنها سنة النبي صلى الله عليه وسلم والجماعة سنة فيها أيضا لكن على الكفاية (مراقي الفلاح، ج ۱، ص۱۵۷، فصل في التراويح)

(سنة مؤكدة)للرجال والنساء جميعا بإجماع الصحابة ومن بعدهم من الأئمة منكرها مبتدع ضال مردود الشهادة كما في المضمرات (مجمع الانهر، ج ۱، ص۱۳۵، باب الوتر والنوافل، فصل التراويح)

وفي المجتبى لا خلاف أنها سنة في حق الرجال والنساء (دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱، ص۱۱۹)

اتفق الفقهاء على سنية صلاة التراويح، وهي عند الحنفية والحنابلة وبعض المالكية سنة مؤكدة، وهي سنة للرجال والنساء (الموسوعة الفقهية، ج۲۷، ص۱۳۶، الأجزاء ۲۴ تا ۳۸، الطبعة الأولى، مطابع دار الصفوة -مصر)

۲؎ (وينبغي أن يجتمع الناس في كل ليلة من شهر رمضان بعد العشاء ، فيصلي بهم إمامهم خمس ترويحات (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱، ص ۶۹، باب صلاة التراويح)

يصلي التراويح في أول ليلة من رمضان دون أول ليلة من شوال (ردالمحتار، ج۲، ص ۴۵۲، باب الاعتكاف)

مسئلہ نمبر ۴...... بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جو شخص روزہ نہ رکھے وہ تراویح بھی نہ پڑھے یہ غلط ہے، روزہ اور تراویح دونوں رمضانُ المبارک کے الگ الگ حکم ہیں، روزہ فرض اور رمضان کے دن کا عمل ہے، اور تراویح سنت اور رمضان کی رات کا عمل ہے، لہٰذا ایک کی وجہ سے دوسرے کو چھوڑنے کا تصور صحیح نہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۵...... راجح یہ ہے کہ بلا عذر بیٹھ کر تراویح پڑھنا جائز ہے (کیونکہ تراویح میں قیام فرض نہیں) لیکن مستحب اور افضل یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھے، کیونکہ سنت و نفل نماز کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے میں احادیث کی رو سے آدھا ثواب ملتا ہے۔

البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے پوری یا کچھ رکعتیں بیٹھ کر پڑھے، تو پھر ثواب میں کمی نہیں کی جاتی۔ [۲]

---

[۱] حدثنا النضر بن شيبان، قال - :قلت لأبى سلمة بن عبد الرحمن، حدثنى بشىء سمعته من أبيک، سمعه أبوک من رسول الله صلى الله عليه وسلم، ليس بين أبيک وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد فى شهر رمضان قال :نعم -حدثنى أبى، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن الله تبارک وتعالى فرض صيام رمضان عليكم وسننت لكم قيامه، فمن صامه وقامه إيمانا واحتسابا خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه (سنن نسائى، رقم الحديث ٢٢١٠، كتاب الصيام، ثواب من قام رمضان وصامه إيمانا واحتسابا)

[۲] ويجوز التراويح قاعدا من غير عذر لأنه تطوع إلا أنه لا يستحب؛ لأنه خلاف السنة المتوارثة (بدائع الصنائع، ج ١، ص ٢٩٠، كتاب الصلاة، فصل فى سنن صلاة التراويح)

ذكر قاضى خان فى فتاويه من باب التراويح الأصح أن سنة الفجر لا يجوز أداؤها قاعدا من غير عذر والتراويح يجوز أداؤها قاعدا من غير عذر والفرق أن سنة الفجر مؤكدة لا خلاف فيها والتراويح فى التأكيد دونها انتهى وقد نقلناه فى سنة الفجر فى موضعها من رواية الحسن.

وهكذا صححه حسام الدين ثم قال الصحيح أنه لا يستحب فى التراويح لمخالفته للتوارث وعمل السلف وهذا كله فى الابتداء (البحر الرائق، ج ٢، ص ٦٨، باب الوتر والنوافل، قوله ويتنفل قاعدا مع قدرته على القيام ابتداء وبناء)

اتفقوا على أن أداء التراويح قاعدا لا يستحب بغير عذر واختلفوا فى الجواز قال بعضهم :يجوز وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم (الفتاوىٰ الهندية، ج ١، ص ١١٨، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فى التراويح)

وأداؤها قاعد يجوز فى المختار ولو بلا عذر لكن لا يستحب بخلاف سنة الفجر فإنه لا يجوز قاعداً (الفتاوىٰ البزازية، ج ١، ص ١٥، الثالث التراويح) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۶ ......جس طرح پوری تراویح کو بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ تراویح کی نماز کھڑے ہوکر شروع کرے، پھراسی رکعت میں یا دوسری رکعت میں بیٹھ جائے۔

اوراسی طرح تراویح بیٹھ کر پڑھنی شروع کرے، پھراسی رکعت میں یا دوسری رکعت میں کھڑا ہوجائے، تو یہ بھی جائز ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اتفقوا على أنه لا يستحب بغير عذر واختلفوا فى الجواز فقال بعضهم لا يجوز بغير عذر واستدلوا بما روى الحسن عن أبى حنيفة رحمه الله تعالى أنه لو صلى سنة الفجر قاعداً بغير عذر لا يجوز فكذا التراويح إذ كل واحد منهما سنة مؤكدة وقال بعضهم يجوز أداء التراويح قاعداً بغير عذر وفرقوا بين التراويح وبين سنة الفجر وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم ووجه الفرق أن سنة الفجر سنة مؤكدة لا خلاف فيها والتراويح فى التأكيد دونها فلا يجوز التسوية بينهما (فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص ۱۷۲، کتاب الصوم، فصل فى أداء التراويح قاعداً)

عن عمران بن حصين قال :سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلاة الرجل قاعدا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :صلاة القائم أفضل وصلاة القاعد على النصف من صلاة القائم (ابنِ خزیمه، رقم الحديث ۱۲۳۶، باب تقصير أجر صلاة القاعد عن صلاة القائم فى التطوع)

أخبرنى أنس بن مالك قال :قدم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة وهى محمة ، فحم الناس، فدخل النبى صلى الله عليه وسلم المسجد، والناس قعود يصلون .فقال النبى صلى الله عليه وسلم " :صلاة القاعد نصف صلاة القائم، فتجشم الناس الصلاة قياما (مسند احمد، رقم الحديث ۱۲۳۹۵، مسند أنس بن مالك رضى الله تعالى عنه)

فى حاشية مسند احمد:حديث صحيح، وهذا إسناد رجاله ثقات رجال الشيخين .

عن المسيب بن رافع الكاهلى ، قال :صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم إلا من عذر (مصنف ابن ابى شيبة، رقم الحديث ۴۶۷۲، باب صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم)

وذلك عندنا والله أعلم على المصلى تطوعا قاعدا وهو يطيق أن يصلى قائما، فيكون له بذلك نصف ما يكون له لو صلى قائما ,وليس هو على صلاته قاعدا، وهو لا يطيق القيام، ذلك صلاته قاعدا فيما يكتب له من الثواب بها كصلاته إياها قائما ;لأنه هاهنا قد قصد إلى القيام وقصر به عنه فاستحق من الثواب ما يستحقه لو صلاها قائما ,فكان إذا كان يطيق القيام فصلى قاعدا قد ترك القيام اختيارا فلم يكتب له ثوابه ,وكتب له ثواب المصلى قاعدا على صلاته كذلك (شرح مشكل الآثار للطحاوى، تحت رقم حديث ۱۶۹۴، باب بيان مشكل ما روى عن عمران بن حصين فى كيفية الصلاة الخ)

اوراگرکوئی قرائت وتلاوت کے موقع پر بیٹھ کرتراویح پڑھتا رہے، اور جب رکوع کا موقع آئے، تو کھڑا ہوجائے، اوررکوع کرے، تواس طرح کرنا بھی جائزاور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... مسافر کے لئے تراویح کی تاکید نہیں ہے، پھربھی اگرکوئی ہمت کرکے پڑھ لے،توافضل ہے۔

اوراگرپوری بیس تراویح نہ پڑھے،توبسہولت رمضان کی رات میں قیامُ اللیل کی فضیلت کا حصہ پانے کے لئے کچھ رکعتیں پڑھ لینا بھی باعثِ فضیلت ہے۔ [2]

---

[1] وأما قوله وبناء بأن شرع فيه قائما ثم قعد من غير عذر فهو قول أبى حنيفة وهذا استحسان وعندهما لا يجزئه وهو قياس لأن الشروع معتبر بالنذر وله أنه لم يباشر القيام فيما بقى ولما باشر صحة بدونه بخلاف النذر لأنه التزمه نصا حتى لو لم ينص على القيام لا يلزمه القيام عند بعضهم كما لو نذر صلاة لأنه فى النفل وصف زائد فلا يلزمه إلا بشرط وعند البعض يلزمه القيام لأن إيجاب العبد معتبر بإيجاب الله وأينما أوجبها الله تعالى أوجبها قائما والصحيح الأول كالتتابع فى الصوم كذا فى المحيط وغاية البيان ورجح الثانى فى فتح القدير بحثا بأن الصلاة عبارة عن القيام والقراء ة إلى آخرها فهو الركن الأصلى غير أنه يجوز تركه إلى القعود رخصة فى النفل فلا ينصرف المطلق إلا إليه قيدنا بكونه شرع قائما ثم قعد لأنه لو كان على عكسه فإنه يجوز اتفاقا وهو فعله -صلى الله عليه وسلم - كما روت عائشة أنه كان يفتتح التطوع قاعدا فيقرأ ورده حتى إذا بقى عشر آيات ونحوها قام إلى آخره.

وهكذا كان يفعل فى الركعة الثانية وذكر فى التجنيس أن الأفضل أن يقوم فيقرأ شيئا ثم يركع ليكون موافقا للسنة ولو لم يقرأ ولكنه استوى قائما ثم ركع جاز وإن لم يستو قائما وركع لا يجزئه لأنه لا يكون ركوعا قائما ولا ركوعا قاعدا انتهى وليس هو بناء القوى على الضعيف لأن القعود والقيام فى النفل سواء والفرق لمحمد بين هذا وبين قوله ببطلان صلاة المريض إذا قدر على القيام فى أثناء صلاته أن تحريمة المتطوع لم تنعقد للقعود ألبتة بل للقيام لأنه أصل هو قادر عليه ثم جاز له شرعا تركه بخلاف المريض لأنه لم يقدر على القيام فما انعقد إلا للمقدور وهو القعود (البحرالرائق، باب الوتر والنوافل، قوله ويتنفل قاعدا مع قدرته على القيام ابتداء وبناء)

[2] واختلفوا فى ترك السنن فى السفر فقيل :الأفضل هو الترك ترخيصا وقيل الفعل تقربا وقال الهندوانى :الفعل حال النزول والترك حال السير، وقيل يصلى سنة الفجر خاصة، وقيل سنة المغرب أيضا، وفى التجنيس والمختار أنه إن كان حال أمن وقرار يأتى بها؛ لأنها شرعت مكملات والمسافر إليه محتاج، وإن كان حال خوف لا يأتى بها؛ لأنه ترك بعذر اهـ. (البحرالرائق، ج۲، ص ۱۴۱، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نمازِ تراویح کی رکعات اور اُن سے متعلق احکام

مسئلہ نمبر ۱...... نمازِ تراویح کی بیس رکعات سنت ہیں، اور بیس رکعات سے کم تراویح کے مسنون ہونے کا کوئی مستند ثبوت نہیں ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۲...... بغیر کسی معقول عذر کے تراویح چھوڑ دینا یا بیس رکعات سے کم پڑھنا درست نہیں، کیونکہ بیس تراویح سنتِ مؤکدہ ہیں، جن کا درجہ واجب کے قریب ہے۔ ۲

مسئلہ نمبر ۳...... اگر کوئی تراویح کی نیت سے بیس رکعات سے کم پڑھے، تو اس کو تراویح کی سنت کا ثواب حاصل نہیں ہوگا، اور اس سے تراویح کی سنت ادا نہیں ہوگی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفى السفر يرى جمهور الفقهاء استحباب صلاة السنن الرواتب أيضا لكنها فى الحضر آكد . واستدلوا بأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يصلى النوافل على راحلته فى السفر حيث توجهت به .وبحديث أبى قتادة أنهم كانوا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى سفر فناموا عن صلاة الصبح حتى طلعت الشمس، فساروا حتى ارتفعت الشمس، ثم نزل رسول الله صلى الله عليه وسلم فتوضأ، ثم أذن بلال بالصلاة فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين، ثم صلى الغداة فصنع كما كان يصنع كل يوم. وجوز بعض الحنفية للمسافر ترك السنن، والمختار عندهم أنه لا يأتى بها فى حال الخوف، ويأتى بها فى حال القرار والأمن .وعند الحنابلة يخير المسافر بين فعل الرواتب وتركها إلا فى سنة الفجر والوتر فيحافظ عليهما سفرا وحضرا .وقالت طائفة :لا يصلى الرواتب فى السفر، وهو مذهب ابن عمر ثبت عنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص ۲۷۶)

(باب فضل من قام رمضان) أى قام لياليه مصليا والمراد من قيام الليل ما يحصل به مطلق القيام كما قدمناه فى التهجد سواء وذكر النووى أن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح يعنى أنه يحصل بها المطلوب من القيام لا أن قيام رمضان لا يكون إلا بها وأغرب الكرمانى فقال اتفقوا على أن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح (فتح البارى، ج۴، ص ۲۵۱، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان)

۱ (وهى عشرون ركعة) حكمته مساواة المكمل للمكمل (الدرالمختار مع ردالمحتار)

(قوله وهى عشرون ركعة) هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقا وغربا (ردالمحتار، ج۲، ص۴۵، باب الوتر والنوافل)

۲ التراويح، وأنها سنة مؤكدة، وهى فى معنى الواجب، ورواية الحسن لا تنفى الوجوب؛ لأن التخيير قد يجرى بين الواجبات (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، فصل صلاة الكسوف والخسوف)

البتہ رمضان کی رات میں نفلی عبادت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

اگر کوئی مریض ہو، جس کو تراویح کی بیس رکعات کا پڑھنا دُشوار ہو، یا مسافر ہو، اور وہ اپنی حسبِ حالت بیس رکعات سے کم پڑھ لے، تو اُس کو قیامِ رمضان کی نفلی عبادت کا ثواب حاصل ہوگا، اور مرض وعذر یا سفر کی وجہ سے تراویح کی بیس رکعات پوری نہ پڑھنا قابلِ ملامت نہ ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... تراویح کی بیس رکعات کو دو دو رکعات کر کے پڑھنا چاہیے کہ دو دو رکعت کی نیت کی جائے، اور ہر دوسری رکعت پر سلام پھیرا جائے، اور پھر اگلی دو رکعتیں الگ سلام کے ساتھ پڑھی جائیں، اور اس طرح بیس رکعتیں مکمل کی جائیں۔ [2]

---

[1] فقيام رمضان بعشرين ركعة والوتر هوالسنة المؤكدة يضلل تاركها ويلام من نقص عنها (اعلاء السنن ج ۷ ص ۸۴)

(باب فضل من قام رمضان) أى قام لياليه مصليا والمراد من قيام الليل ما يحصل به مطلق القيام كما قدمناه فى التهجد سواء وذكر النووى أن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح يعنى أنه يحصل بها المطلوب من القيام لا أن قيام رمضان لا يكون إلا بها وأغرب الكرمانى فقال اتفقوا على أن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح (فتح البارى، ج۴،ص ۲۵۱، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان)

ولما شاع فى الأمصار تحديده بعشرين ركعة غير الشفع والوتر وكان يتوهم عدم حصول ذلك الثواب بأقل منها دفعه بقوله :(وإن قمت فيه) أى فى رمضان (بما تيسر) من الصلاة ولو أقل من عشرين ركعة (فذلك) الذى تيسر لك (مرجو فضله) أى ثوابه لاشتمال كل ركعة على قيام وسجود وقراءة :والله يضاعف لمن يشاء) ورجاء الفضل من القيام القليل لا ينافى أن الكثير أكثر ثوابا (و) مرجو (تكفير الذنوب به) وإنما قال :مرجو فضله ولم يجزم بحصوله لما تقرر من أن الإثابة على الأعمال الصالحة غير مقطوع بها، إذ الإثابة عليها متوقفة على الإخلاص والقبول(الفواكه الدوانى على رسالة ابن أبى زيد القيروانى،لأحمد بن غانم شهاب الدين المالكى، ج ۱، ص۳۱۷، باب فى الصيام،حكم التراويح فى رمضان، الناشر: دارالفكر)

[2] ومنها أن يصلى كل ركعتين بتسليمة على حدة (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۸۹، كتاب الصلاة، فصل فى سنن صلاة التراويح)

وأراد بالعشرين أن تكون بعشر تسليمات كما هو المتوارث يسلم على رأس كل ركعتين (البحرالرائق، ج ۲، ص ۷۲، كتاب الصلاة، صلاة التراويح)

قال -رحمه الله -(وسن فى رمضان عشرون ركعة بعشر تسليمات بعد العشاء قبل الوتر وبعده بجماعة (تبيين الحقائق، ج ۱، ص۱۷۸، باب الوتر والنوافل)

مسئلہ نمبر۵...... اگر ایک سلام سے تراویح کی چار رکعتیں پڑھی جائیں، اور دوسری رکعت پر قعدہ بھی کیا جائے، تو بھی جائز ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۶...... اگر کسی نے چار سے زیادہ مثلاً چھ یا آٹھ یا دس یا اس سے زیادہ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھیں، اور ہر دوسری رکعت پر قعدہ بھی کیا، تو یہ تمام رکعتیں تراویح کے اعتبار سے معتبر ہوجائیں گی، لیکن جان بوجھ کر اور بلاعذر ایسا کرنا مناسب نہیں، بلکہ معروف ومتوارث طریقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر۷...... تراویح کی نماز میں ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر وقفہ کرنا مستحب ہے، اور یہ وقفہ حسبِ ضرورت وراحت کم وبیش کیا جاسکتا ہے۔

اور اس وقفہ میں اختیار ہے کہ خواہ خاموش رہے، یا کوئی ذکر کرے، اور اگر کوئی یہ وقفہ نہ کرے

---

[۱] ولو صلى ترويحة بتسليمة واحدة وقعد في الثانية قدر التشهد، لا شك أنه يجوز على أصل أصحابنا أن صلوات كثيرة تتأدى بتحريمة واحدة بناء على أن التحريمة شرط وليست بركن عندنا خلافا للشافعي (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۸۹، كتاب الصلاة، فصل في سنن صلاة التراويح)

[۲] وفي المحيط لو صلى التراويح كلها بتسليمة واحدة وقد قعد على رأس كل ركعتين، فالأصح أنه يجوز عن الكل لأنه قد أكمل الصلاة ولم يخل بشيء من الأركان إلا أنه جمع المتفرق واستدام التحريمة فكان أولى بالجواز لأنه أشق وأتعب للبدن انتهى وظاهره أنه لا يكره وقد صرح بعدم الكراهة في منية المصلي ولا يخفى ما فيه لمخالفته المتوارث مع تصريحهم بكراهة الزيادة على ثمان في مطلق التطوع ليلا فلأن يكره هنا أولى فلهذا نقل العلامة الحلبي أن في النصاب وخزانة الفتاوى الصحيح أنه لو تعمد ذلك يكره فلو لم يقعد إلا في آخرها فقد علمت أن الصحيح أنه يجزئه عن تسليمة واحدة فيما لو صلى أربعا بتسليمة فكذلك هنا (البحر الرائق، ج ۲، ص ۷۲، كتاب الصلاة، صلاة التراويح)

(بعشر تسليمات) فلو فعلها بتسليمة؛ فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة وإلا نابت عن شفع واحد به يفتى (الدر المختار مع رد المحتار)

(قوله وصحت بكراهة) أي صحت عن الكل .وتكره إن تعمد، وهذا هو الصحيح كما في الحلية عن النصاب وخزانة الفتاوى، خلافا لما في المنية من عدم الكراهة، فإنه لا يخفى ما فيه لمخالفته المتوارث مع تصريحهم بكراهة الزيادة على ثمان في مطلق التطوع ليلا فهنا أولى بحر (رد المحتار، ج ۲، ص ۴۵، باب الوتر والنوافل)

تب بھی گناہ نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... اگر تراویح کی دو یا چار یا چند رکعات کے بعد درمیان میں کسی وجہ سے غیر معمولی وقفہ ہو جائے، یا کوئی ضرورت پیش آجائے، اور باقی ماندہ رکعتوں کو رات میں ہی طلوعِ فجر سے پہلے پہلے پڑھ لیا جائے، تب بھی کوئی گناہ نہیں، اور اس طرح کرنے سے پہلے پڑھی ہوئی رکعتیں ضائع نہیں جاتیں۔ [2]

تراویح کی رکعات وتعداد میں غلطی واشتباہ سے متعلق احکام

مسئلہ نمبر ۱...... تراویح کی رکعات کی تعداد کو یادرکھنے کی طرف توجہ اور دھیان کرنا نماز یا نماز کے خشوع کے خلاف نہیں، البتہ ساتھ ساتھ نماز کے دیگر ارکان واذکار کی طرف توجہ رکھنا ضروری ہے۔

اگر صرف توجہ سے کسی کو تراویح کی رکعات کی تعداد یادرکھنا مشکل ہو تو بامرِ مجبوری انگلیاں وغیرہ کھول اور بند کر کے اشارہ سے تراویح کی رکعات کو شمار کرنا جائز ہے، اور اگر کوئی تسبیح کے

---

[1] كلما صلى ترويحة قعد بين الترويحتين قدر ترويحة يسبح، ويهلل ويكبر، ويصلى على النبى -صلى الله عليه وسلم (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۹۰، كتاب الصلاة، فصل فى سنن صلاة التراويح)

(يجلس) ندبا (بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادى، نعم تكره صلاة ركعتين بعد كل ركعتين (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۶)

والانتظار بين كل ترويحتين مستحب فى رواية الحسن عن ابى حنيفة رحمهما الله (خلاصة الفتاوىٰ، ج ۱، ص ۶۳)

[2] (قوله والمستحب الجلوس) قيل ينبغى أن يقول :والمستحب الانتظار بين الترويحتين لأنه استدل بعادة أهل الحرمين، وأهل المدينة كانوا يصلون بدل ذلك أربع ركعات فرادى، وأهل مكة يطوفون بينهما أسبوعا ويصلون ركعتى الطواف، إلا أنه روى البيهقى بإسناد صحيح أنهم كانوا يقومون على عهد عمر، ونحن لا نمنع أحدا من التنفل ما شاء ، وإنما الكلام فى القدر المستحب بجماعة وأهل كل بلدة بالخيار يسبحون أو يهللون أو ينتظرون سكوتا أو يصلون أربعا فرادى، وإنما استحب الانتظار لأن التراويح مأخوذ من الراحة فيفعل ذلك تحقيقا لمعنى الاسم وكذا هو متوارث(فتح القدير للكمال ابن الهمام، ج ۱، ص ۴۶۸، و ۴۶۹، فصل فى قيام شهر رمضان)

دانے یا کنکری وغیرہ قریب رکھے، اور ہر دو یا چار رکعت کے بعد سلام پھیر کر ان کو ایک طرف کر دیا کرے، تا کہ تعداد یاد رہے، اور غلطی نہ ہو، یا اسی طرح کی کوئی اور شکل اختیار کرے، تب بھی جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... اگر تراویح کی پہلی رکعت میں کوئی بھولے سے بیٹھ گیا تو اگر ایک رُکن کی مسنون مقدار (یعنی اعتدال کے ساتھ تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ یا سبحان ربی العظیم) کہنے کی مقدار سے کم بیٹھا پھر کھڑا ہو گیا، تو سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جلسۂ استراحت ثابت ہے، اور اگر مذکورہ مقدار کے برابر یا اس سے زیادہ دیر تک بیٹھا رہا پھر کھڑا ہوا تو سجدۂ سہو کی ضرورت ہوگی۔ [2]

---

[1] ویکرہ عد الرکعات فی التراویح لما فیہ من إظہار الملالۃ (فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص ۱۷۳، باب التراویح)

وفی القنیۃ :لا یعد التسبیحات بالأصابع إن قدر أن یحفظ بالقلب وإلا یغمز الأصابع (رد المحتار علی الدر المختار، ج ۲، ص ۲۸، باب الوتر والنوافل، مطلب فی صلاۃ التسبیح)

ولا یکرہ الغمز بالأنامل فی موضعہا ولا الإحصاء بالقلب اتفاقا کعدد تسبیحہ فی صلاۃ التسابیح وہی معلومۃ وباللسان مفسد اتفاقا ولا یکرہ خارج الصلاۃ فی الصحیح (مراقی الفلاح، ج ۱، ص ۱۳۲، باب ما یفسد الصلاۃ، فصل فی المکروہات)

[2] ہر شخص کے اذکار کے پڑھنے کی رفتار مختلف ہوتی ہے، اس لئے مسنون طریقہ پر اعتدال کے ساتھ تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ یا سبحان ربی العظیم کہنے کی مقدار کا اعتبار مبتلیٰ بہ یعنی نمازی کے اپنے ظن کے مطابق ہوگا، کہ اُس کے ظن کے مطابق اگر اتنی مقدار گزر گئی ہو، جس میں کم از کم تین مرتبہ رکوع یا سجدہ کی مسنون تسبیح اعتدال کے ساتھ پڑھی جا سکتی تھی، تو سجدۂ سہو کا حکم ہوگا، ورنہ نہیں۔

قولہ" :وجب علیہ سجود السہو "إذا شغلہ التفکر عن أداء واجب بقدر رکن أو شغلہ عن الوضوء بعد سبق الحدث لشکہ أنہ صلی ثلاثا أو أربعا یجب السہو وإلا فلا کذا فی الشرح ولم یبینوا قدر الرکن وعلی قیاس ما تقدم أن یعتبر الرکن مع سنتہ وہو مقدر بثلاث تسبیحات (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، ج ۱، ص ۴۷۴، باب سجود السہو)

والحاصل أنہ اختلف فی التفکر الموجب للسہو، فقیل ما لزم منہ تأخیر الواجب أو الرکن عن محلہ بأن قطع الاشتغال بالرکن أو الواجب قدر أداء رکن وہو الأصح (ردالمحتار، ج ۲، ص ۹۴، باب سجود السہو)

وکذا القعدۃ فی آخر الرکعۃ الأولی أو الثالثۃ فیجب ترکہا، ویلزم من فعلہا أیضا تأخیر القیام إلی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... ایک رکعت پر سلام پھیر کر یاد آیا کہ ایک رکعت ہوئی ہے تو جب تک نماز کے خلاف کوئی عمل نہیں کیا، مثلاً نہ تو قبلہ کی طرف سے سینہ پھیرا، نہ کسی سے بات چیت کی، نہ وضو توڑا وغیرہ، تو اگرچہ کچھ دیر ہی کیوں نہ گزر گئی ہو، تب بھی اس وقت تک کھڑے ہو کر ایک رکعت مزید ملا کر آخر میں سجدۂ سہو کرنے سے نماز صحیح ہو جائے گی۔

اور اگر سلام پھیرنے کے بعد نماز کے خلاف کوئی عمل کر لیا، تو اس کی یہ رکعت ضائع چلی جائے گی۔

اگر باجماعت نماز پڑھنے کی صورت میں سلام پھیرنے کے بعد امام نے نماز کے خلاف کوئی عمل کر لیا، مثلاً بات چیت کر لی، یا قبلے کی طرف سے سینہ پھر گیا (خواہ مقتدیوں سے رکعتوں کی تعداد کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے ہی کیوں نہ ہو) تو پھر اس کی اور اس کے واسطے سے اس کے تمام مقتدیوں کی یہ نماز ضائع چلی جائے گی، اور اگر امام کی طرف سے ایسا کوئی عمل سرزد نہیں ہوا، تو جن مقتدیوں کی طرف سے سرزد ہوا، صرف اُن کی یہ نماز ضائع ہوگی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الثانية أو الرابعة عن محله، وهذا إذا كانت القعدة طويلة، أما الجلسة الخفيفة التي استحبها الشافعي فتركها غير واجب عندنا، بل هو الأفضل كما سيأتي وهكذا كل زيادة بين فرضين يكون فيها ترك واجب بسبب تلك الزيادة؛ ويلزم منها ترك واجب آخر وهو تأخير الفرض الثاني عن محله (ردالمحتار، ج ۱، ص ۴۶۹، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)

ما يستكثره المصلِّي، قال الإمام السرخسي :هذا أقرب إلى مذهبِ أبي حنيفة -رضي الله عنه -، فإن دأبه التفويض إلى رأي المبتلى به (شرح الوقاية، ج۲، ص ۳۶۳، بابُ ما يفسدُ الصلاة وما يكره فيه)

[1] لو سلم ساهيا للتحليل قبل أوانه لا يضره ويتم صلاته (حاشية الشرنبلالي على درر الحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱ ص ۱۰۱، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها)

قوله: أتمها بفعل ما تركه "حاصل المسألة أنه إذا سلم ساهيا على الركعتين مثلا وهو في مكانه ولم يصرف وجهه عن القبلة ولم يأت بمناف عاد إلى الصلاة من غير تحريمة وبنى على ما مضى وأتم ما عليه (حاشية الطحطاوي على مراقي، ج ۱، ص ۴۷۳، باب سجود السهو)

(ويسجد للسهو ولو مع سلامه) ناويا (للقطع) لأن نية تغيير المشروع لغو (ما لم يتحول عن القبلة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴...... اگر کوئی شخص تراویح کی دوسری رکعت میں بھولے سے کھڑا ہونے لگے، اور پھر خود یاد آنے یا امام ہونے کی صورت میں مقتدیوں کی طرف سے یاد دھیانی کرانے پر واپس آ جائے، تو اکثر مشائخِ احناف کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ نہ تو مکمل کھڑا ہوا تھا، اور نہ کھڑا ہونے کے قریب تھا، بلکہ بیٹھنے کے قریب تھا، جس کی پہچان یہ ہے کہ اس کا نچلا دھڑ ابھی مکمل سیدھا نہیں ہوا تھا، تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں، اور اگر وہ مکمل کھڑا ہو چکا تھا، یا کھڑے ہونے کے قریب ہو چکا تھا (جس کی پہچان یہ ہے کہ اس کا نچلے والا دھڑ سیدھا ہو چکا تھا) تو اکثر مشائخِ حنفیہ کے نزدیک اس کو سجدۂ سہو کا حکم ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أو يتكلم) لبطلان التحريمة (الدرالمختار مع ردالمحتار)

(قوله ويسجد للسهو ولو مع سلامه للقطع) أى قطع الصلاة، وعدم العود إليها بالسجود، قيد بالسهو لأنه لو سلم ذاكرا أن عليه سجدة تلاوة أو قراء ة التشهد الأخير سقطت عنه لأن سلامه عمد فيخرجه من الصلاة (ردالمحتار، ج۲، ۹۱، كتاب الصلاة، باب سجود السهو)

[1] فإن عاد "من سها عن القعود "وهو إلى القيام أقرب "بأن استوى النصف الأسفل مع انحناء الظهر وهو الأصح فى تفسيره "سجد للسهو "لترك الواجب "وإن كان إلى القعود أقرب" بانعدام استواء النصف الأسفل لا سجود "سهو عليه فى الأصح "وعليه الأكثر "(مراقى الفلاح شرح نورالايضاح ص ۱۸۰، باب سجود السهو)

قوله" :وهو إلى القيام أقرب الخ "ظاهره أنه إن لم يستو قائما يجب عليه العود ثم يفصل فى سجود السهو فإن كان إلى القيام أقرب سجد له وإن كان إلى القعود أقرب لا فحكم السجود متعلق بالقرب وعدمه وحكم العود متعلق بالاستواء وعدمه والذى فى كلام غيره انهما متعلقان بالاستواء وعدمه أو بالقرب من القيام وعدمه وعلى الأول إن عاد قبل أن يستوى قائما ولو كان إلى القيام أقرب لا سهو عليه لقوله إذا استتم أحدكم قائما فليصل وليسجد سجدتى السهو وإن لم يستتم قائما فليجلس ولا سهو عليه رواه الطحاوى وعليه فيكون هذا التفصيل الذى ذكره بعد إنما هو على ما اختاره صاحب الهداية والكنز أنه كان إلى القيام أقرب لا يعود وإلا عاد قوله" :مع انحناء الظهر "قيد به لأنه لو اعتدل فيه كان قائما فيمتنع العود بالأولى قوله" :بانعدام استواء النصف الأسفل "إنما كان إلى القعود أقرب لأنه لا يعده قائما فى هذه الحالة لا حقيقة ولا عرفا ولا شرعا لأنه لو قرأ وركع وسجد فى هذه الحالة من غير عذر لا يجوز لأنه ليس بقائم كما فى الحلبى قوله : "فى الأصح وعليه الأكثر "وفى الولواجية المختار وجوب السجود لأنه بقدر ما اشتغل بالقيام صار مؤخرا واجبا وجب وصله بما قبله من الركن فصار تاركا للواجب فيجب سجود السهو (حاشية الطحطاوى على المراقى ص۴۶۶،۴۶۷، باب سجود السهو)

مسئلہ نمبر۵...... اگر کسی نے دو رکعت تراویح کی نیت باندھی لیکن دوسری رکعت پر تشہد پڑھنے کے بعد بھولے سے کھڑا ہوگیا اور تیسری اور چوتھی رکعت بھی ملالی تو صحیح یہ ہے کہ چاروں رکعتیں تراویح میں شمار ہوجائیں گی اور سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ تراویح ایک سلام سے چار رکعت پڑھنا ابتداءً بھی صحیح ہے، جیسا کہ پہلے گزرا "فکذا الحکم بقاءً" [1]

مسئلہ نمبر۶...... اگر کسی نے دو رکعت تراویح کی نیت باندھی، پھر وہ تراویح کی دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا اور سیدھا کھڑا ہوگیا تو جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو واپس آکر بیٹھ جائے اور سجدۂ سہو کرکے نماز پوری کرے۔ [2]

اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرلیا ہو تو چوتھی رکعت ملاکر سجدۂ سہو کے ساتھ چار رکعت نماز مکمل کرے۔

پھر اگر اُس نے مذکورہ صورت میں چار رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ دوسری رکعت پر بالکل

---

[1] ولو صلى ترويحة بتسليمة واحدة وقعد فى الثانية قدر التشهد، لا شك أنه يجوز على أصل أصحابنا أن صلوات كثيرة تتأدى بتحريمة واحدة بناء على أن التحريمة شرط وليست بركن عندنا خلافا للشافعى، لكن اختلف المشايخ أنه هل يجوز عن تسليمتين أو لا يجوز إلا عن تسليمة واحدة؟ قال بعضهم :لا يجوز إلا عن تسليمة واحدة؛ لأنه خالف السنة المتوارثة بترك التسليمة، والتحريمة، والثناء ، والتعوذ والتسمية فلا يجوز إلا عن تسليمة واحدة، وقال عامتهم :إنه يجوز عن تسليمتين وهو الصحيح.

وعلى هذا لو صلى التراويح كلها بتسليمة واحدة وقعد فى كل ركعتين . أن الصحيح أنه يجوز عن الكل؛ لأنه قد أتى بجميع أركان الصلاة وشرائطها؛ لأن تجديد التحريمة لكل ركعتين ليس بشرط عندنا هذا إذا قعد على رأس الركعتين قدر التشهد (بدائع الصنائع، ج ا ، ص ۲۸۹ ، كتاب الصلاة، فصل فى سنن صلاة التراويح)

وإن قعد على الثانية قدر التشهد اختلفوا فيه قال بعضهم لا يجوز إلا عن تسليمة واحدة وعلى قول العامة يجوز عن تسليمتين وهو الصحيح لأنه جمع المتفرق ولم يخل بشىء فيجوز كما لو أوجب على نفسه أن يصلى أربع ركعات بتسليمتين فصلى أربعاً بتسليمة واحدة وقعد فى الثانية فإنه يجوز فكذا هنا (فتاوىٰ قاضى خان، ج ا ، ص ۱۷۱)

[2] وعن أبى بكر الإسكاف رحمه الله تعالى أن سئل عن رجل قام إلى الثالثة فى التراويح ولم يقعد فى الثانية قال إن تذكر فى القيام ينبغى أن يعود ويقعد ويسلم ما لم يقيد الثالثة بالسجدة (فتاوىٰ قاضى خان، ج ا ، ص ۱۷۱ ، فصل فى السهو)

قعدہ نہ کیا تو اس میں حنفی مشائخ کا اختلاف ہے کہ آیا یہ چاروں رکعتیں تراویح کی شمار ہوں گی، یا ان میں سے دو رکعتیں تراویح کی شمار ہوں گی؟

بعض حضرات کے نزدیک صرف دو رکعتیں تراویح کی شمار ہوں گی، اور دو رکعتیں تراویح کی شمار نہیں ہوں گی، اس قول کو زیادہ صحیح قرار دیا گیا ہے۔ [1]

جبکہ بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں چاروں رکعتیں تراویح کی شمار ہو جائیں گی (کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص ظہر کی چار سنتوں میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول جائے) [2]

---

[1] اور اس قول کے مطابق دلیل کے لحاظ سے راجح یہ ہے کہ اس صورت میں آخر کی دو رکعتیں تراویح کی شمار ہوں گی، کیونکہ پہلی دو رکعتوں کے ساتھ قعدہ شامل نہ ہونے کی وجہ سے وہ کامل نہیں ہوئیں، اور آخر کی دو رکعتیں قعدہ پائے جانے کی وجہ سے کامل ہو گئیں۔

فأما إذا لم يقعد فسدت صلاته عند محمد، وعند أبي حنيفة، وأبي يوسف يجوز، وأصل المسألة يصلى التطوع أربع ركعات إذا لم يقعد في الثانية قدر التشهد وقام وأتم صلاته أنه يجوز استحسانا عندهما، ولا يجوز عند محمد قياسا.

ثم إذا جاز عندهما فهل يجوز عن تسليمتين أو لا يجوز إلا عن تسليمة واحدة الأصح أنه لا يجوز إلا عن تسليمة واحدة؛ لأن السنة أن يكون الشفع الأول كاملا، وكماله بالقعدة ولم توجد والكامل لا يتأدى بالناقص (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۸۹، كتاب الصلاة، فصل في سنن صلاة التراويح)

فلو صلى الإمام أربعا بتسليمة ولم يقعد في الثانية فأظهر الروايتين عن أبي حنيفة وأبي يوسف عدم الفساد ثم اختلفوا هل تنوب عن تسليمة أو تسليمتين قال أبو الليث تنوب عن تسليمتين وقال أبو جعفر وابن الفضل تنوب عن واحدة وهو الصحيح كذا في الظهيرية والخانية وفي المجتبى وعليه الفتوى ولو قعد على رأس الركعتين فالصحيح أنه يجوز عن تسليمتين وهو قول العامة (البحر الرائق، ج ۲، ص ۷۲، كتاب الصلاة، صلاة التراويح)

(قوله ثم اختلفوا إلخ) قال الرملي أقول :على القولين يجب سجود السهو فتأمل اهـ.

قلت :هذا في السهو أما العمد فسيأتي أن انجباره بالسجود ضعيف (منحة الخالق على البحر الرائق، ج ۲، ص ۷۲، كتاب الصلاة، صلاة التراويح)

[2] إذا صلى الإمام أربع ركعات بتسليمة واحدة ولم يقعد في الثانية في القياس تفسد صلاته وهو قول محمد وزفر رحمهما الله تعالى ويلزمه قضاء هذه التسليمة وهو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وفي الاستحسان وهو أظهر الروايتين عن أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى لا تفسد وإذا لم تفسد اختلفوا في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى أنها تنوب عن تسليمة أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مذکورہ صورت میں جبکہ دوسری رکعت پر بھولے سے بالکل قعدہ نہ کیا ہو، تو سجدۂ سہو بھی کرنا ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... اگر کسی نے تراویح کی تین رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا، تو جب تک نماز کے خلاف کوئی عمل نہیں کیا، مثلاً کسی سے بات چیت نہیں کی، قبلے کی طرف سے رُخ نہیں پھیرا، تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تسليمتين قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى تنوب عن تسليمتين لأن الأربع لما جاز وجب أن ينوب عن تسليمتين كمن أوجب على نفسه أن يصلي أربع ركعات بتسليمتين فصلى أربعاً بتسليمة واحدة ذكر في الأمالي عن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه يجوز فكذا هنا وكذا لو صلى الأربع قبل الظهر ولم يقعد على رأس الركعتين جاز استحساناً وقال الفقيه أبو جعفر والشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل رحمهما الله تعالى في التراويح تنوب الأربع عن تسليمة واحدة وهو الصحيح لأن القعدة على رأس الثانية فرض في التطوع فإذا تركها كان ينبغي أن تفسد صلاته أصلاً كما هو وجه القياس وإنما جاز استحساناً فأخذنا بالقياس وقلنا بفساد الشفع الأول وأخذنا بالاستحسان في حق بقاء التحريمة وإذا بقيت التحريمة صح شروعه في الشفع الثاني وقد أتمها بالقعدة فجاز عن تسليمة واحدة (فتاویٰ قاضي خان، ج ۱، ص ۱۷۲، فصل في السهو)

اور کیونکہ اصح قول کے مطابق صرف آخری دو رکعتیں تراویح کی شمار ہوں گی، جس کی رو سے تکمیلِ قرآن کی سنت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے پہلی دو رکعتوں میں پڑھے ہوئے قرآن مجید کو محسوب نہیں کیا جائے گا، اور اس کا اعادہ کرنا ہوگا، لیکن ایک قول کے مطابق چاروں رکعتیں تراویح کی شمار ہوں گی، جس کی رو سے چاروں رکعتوں میں پڑھا ہوا قرآن مجید بھی تکمیلِ قرآن کی سنت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے محسوب کیا جائے گا، اور اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔

پس عام حالات میں تو اصح قول کے مطابق عمل کرنا چاہئے، لیکن اگر اس پر عمل کرنے میں مشکلات کا سامنا ہو، تو مشکلات سے بچنے کی حد تک دوسرے قول پر عمل کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔

چنانچہ اگر مثلاً پہلی دو رکعتوں میں پڑھے ہوئے قرآن مجید کی مقدار زیادہ ہے، جس کا اعادہ مشکل ہے، بالخصوص جبکہ باجماعت تراویح میں قرآن مجید پڑھا گیا ہو، تو ان چاروں رکعتوں میں پڑھے ہوئے قرآن مجید کو تکمیلِ قرآن کی سنت میں محسوب کر لینے کی گنجائش ہے، تاہم اگر دو رکعتوں کا اعادہ مشکل نہ ہو تو دو رکعتوں کا اعادہ کر لینا چاہئے۔

اور اگر کوئی کسی ضرورت ومصلحت کے تحت (مثلاً کسی جگہ کے عوام کی کم ہمتی کے باعث فتنہ فساد وانتشار سے بچنے کی خاطر) قرآن مجید اور رکعتوں کی تعداد دونوں کے اعتبار سے ان چاروں رکعتوں کو تراویح میں محسوب کرے تو بھی باعثِ ملامت نہیں، اور ایسی صورت میں اس کے خلاف فتویٰ جاری اور حکم صادر کر کے عوام کو فتنہ وانتشار میں ڈالنا مناسب نہیں، مفتی کو عوام کے حالات سے واقفیت ضروری ہے۔

[1] وانما تجب الاعادة اذا ترك واجبا عمداً جبرا لنقصانه (البحر الرائق، ج ۲، ۹۸، كتاب الصلاة، باب سجود السهو)

اُسے دوبارہ کھڑے ہوکر چوتھی رکعت مکمل کر لینی چاہئے، اور اس صورت میں ان چاروں رکعتوں کے یا ان میں سے دو رکعتوں کے تراویح میں شمار ہونے نہ ہونے کے بارے میں وہی تفصیل ہے جو اس سے پہلے مسئلہ میں ذکر کی گئی۔

لیکن اگر کسی نے چوتھی رکعت شامل نہیں کی، بلکہ تین رکعت پر ہی اکتفاء کیا، تو اگر دوسری رکعت پر قعدہ کر لیا تھا، تو پہلی دو رکعتیں شفع مکمل ہونے کی وجہ سے تراویح کی شمار ہوں گی، اور تیسری رکعت نامکمل ہونے کی وجہ سے ضائع چلی جائے گی۔

اور اگر دوسری رکعت پر بالکل قعدہ نہیں کیا تھا، تو صحیح قول کے مطابق یہ تینوں رکعتیں تراویح میں شمار نہیں کی جائیں گی، اور ان کی جگہ تراویح کی دو رکعتوں کو دوبارہ پڑھنا پڑے گا۔ [1]

---

[1] اور اس صورت میں صحیح قول کے مطابق تکمیلِ قرآن کی سنت کو حاصل کرنے کے لئے تینوں رکعتوں میں پڑھے ہوئے قرآن مجید کے اعادہ کا بھی حکم ہوگا، اور ایک قول کے مطابق یہ نماز ضائع نہ ہوگی، لان التطوع معتبر بالمکتوبة کما لو صلی المغرب ثلاث رکعات ولم یقعد فی الثانیة۔

ولو صلى التطوع ثلاث ركعات ولم يقعد على رأس الركعتين الأصح أنه تفسد صلاته (الفتاویٰ الهندية، ج ۱، ص ۱۱۳، كتاب الصلاة، الباب التاسع)

وإن صلى ثلاث ركعات بتسليمة واحدة فهو على وجهين أما إن قعد فى الثانية أو لم يقعد فإن قعد جاز عن تسليمة واحدة ويجب عليه قضاء ركعتين لأنه شرع فى الشفع بعد إكمال الأول فإذا أفسد الشفع الثانى بترك الرابعة كان عليه قضاء ركعتين.

وإن لم يقعد فى الثانية ساهياً أو عامداً لا شك إن فى القياس وهو قول محمد وزفر رحمهما الله تعالى وإحدى الروايتين عن أبى حنيفة رحمه الله تعالى تفسد صلاته ويلزمه قضاء ركعتين لا غير وأما فى الاستحسان هل تفسد صلاته فى قول أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما الله تعالى اختلفوا فيه قال بعضهم تفسد ولا يجزىء عن شىء وقال بعضهم تجزىء عن تسليمة واحدة وعلى هذا الخلاف إذا تنفل بثلاث ركعات ولم يقعد فى الثانية على قول الفريق الأول لا يجزيه.

وجه قول الفريق الثانى إن التطوع معتبر بالمكتوبة ولو صلى المغرب ثلاث ركعات ولم يقعد فى الثانية يجوز فكذا التطوع يجوز عن تسليمة لأنه لم يضم الرابعة إلى الثالثة وجه من قال أنه لا يجوز عن شىء وهو الصحيح أنه ترك القعدة المشروعة وهى القعدة المشروعة وهى على رأس الثانية والقعدة على رأس الثالثة غير مشروعة فى التطوع فصار كأنه لم يقعد أصلاً فلا يجوز (قاضى خان، ج ۱، ص ۱۷۱، فصل فى السهو)

ولو صلى ثلاث ركعات بتسليمة واحدة ولم يقعد فى الثانية قال بعضهم :لا يجزئه أصلا بناء على أن من تنفل بثلاث ركعات، ولم يقعد إلا فى آخرها جاز عند بعضهم؛ لأنه لو كان فرضا وهو المغرب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸...... تراویح میں امام سے کسی رکعت وغیرہ میں بھول ہو جائے تو مقتدیوں کو "سُبْحَانَ اللہِ" وغیرہ الفاظ کے ساتھ امام کو آگاہ کرنا سنت ہے۔ ۱؎

اور اگر کوئی مقتدی الحمدللہ یا اللہ اکبر کے الفاظ کہہ کر امام کو آگاہ کرے، تب بھی نماز میں خرابی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جاز، فكذا النفل، ولا يجوز عند بعضهم؛ لأن القعدة على رأس الثالثة فى النوافل غير مشروعة بخلاف المغرب فصار كأنه لم يقعد فيها، ولو لم يقعد فيها لم تجز النافلة فكذا فى التراويح، ثم إن كان ساهيا فى الثالثة لا يلزمه قضاء شىء ؛ لأنه شرع فى صلاة مظنونة؛ ولأنه لا يوجب القضاء عند أصحابنا الثلاثة، وإن كان عمدا فعلى قول من قال بالجواز يلزمه ركعتان؛ لأن الركعة الثانية قد صحت لبقاء التحريمة، وإن لم يكملها يضم ركعة أخرى إليها فيلزمه القضاء ، وعلى قول من قال بعدم الجواز يلزمه ركعتان عند أبى يوسف، وعند أبى حنيفة لا يلزمه شىء ؛ لأن التحريمة قد فسدت بترك القعدة فى الركعة الثانية فشرع فى الثالثة بلا تحريمة، وأنه لا يوجب القضاء عند أبى حنيفة، وعلى هذا لو صلى عشر تسليمات كل تسليمة بثلاث ركعات بقعدة واحدة.

ولو صلى التراويح كلها بتسليمة واحدة ولم يقعد إلا فى آخرها قال بعضهم :يجزئه عن التراويح كلها، وقال بعضهم :لا يجزئه إلا عن تسليمة واحدة، وهو الصحيح؛ لأنه أخل بكل شفع بترك القعدة (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۸۹، كتاب الصلاة، فصل فى سنن صلاة التراويح)

وأما إذا صلى ثلاثاً بتسليمة واحدة، إن قعد على رأس الثانية يجزئه عن تسليمة واحدة، وعليه قضاء ركعتين؛ لأنه شرع فى الشفع الثانى وصح الشروع فيه، وقد أفسده فيجب عليه قضاء الشفع الثانى. وإن لم يقعد على رأس الثانية، ساهياً أو عامداً لا شك أن صلاته باطلة قياساً، وهو قول محمد وزفر وهو إحدى الروايتين عن أبى حنيفة رحمهم الله فى المشهور، وهو قول أبى يوسف رحمهما الله اختلف المشايخ، قال بعضهم :يجزيه عن تسليمة، وقال بعضهم :لا يجزيه أصلاً، وكذلك الاختلاف فى غير التراويح فى قول أبى حنيفة وأبى يوسف؛ لأن الثالثة قد صحت حيث حكم بصحة التحريمة إن قعد فى آخر الصلاة، ولم يكملها بضم أخرى إليها فيلزمه القضاء ، وعلى قول من يقول :لا يجزئه الثلاثة أصلاً لزمه قضاء الأوليين، وهل يلزمه؛ لأجل الثالثة شىء ؟ إن كان ساهياً لا شىء عليه، لأنه شرع فى مظنون .وإن كان عامداً لزمه ركعتان فى قول أبى يوسف لبقاء التحريمة، وفى قول أبى حنيفة رحمه الله :لا يلزمه شىء ؛ لأن التحريمة قد فسدت حين لم يقعد على رأس الثالثة، ولم يأتِ بالرابعة، فإذا قام إلى الثالثة، فقد قام إليها بتحريمة فاسدة، وذلك موجب القضاء عند أبى يوسف رحمه الله، وعند أبى حنيفة لا فى الصحيح من مذهبه (المحيط البرهانى، ج ۱، ص ۴۶۴، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر فى التراويح والوتر)

۱؎ عن أبى هريرة رضى الله عنه، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :التسبيح للرجال، والتصفيق للنساء (بخارى، رقم الحديث ۱۲۰۳، باب التصفيق للنساء)

ولو عرض للإمام شىء فسبح المأموم لا بأس به؛ لأن القصد به إصلاح الصلاة (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱، ص ۹۹، كتاب الصلاة، الباب السابع، الفصل الاول)

لازم نہیں آتی۔ [1]

مسئلہ نمبر۹...... اگر کوئی شخص تنہا یا دوسروں کی امامت کے طور پر تراویح میں قرآن مجید تلاوت کرے، اور اُس کا مقصد پورے قرآن مجید کو تراویح میں مکمل کرنا ہو تو ایسی حالت میں جن صورتوں میں جونسی رکعت تراویح کے حق میں معتبر نہیں ہوتی، اُن صورتوں میں اُس رکعت میں پڑھے ہوئے قرآن مجید کا تکمیلِ قرآن کی سنت کو حاصل کرنے کی غرض سے اعادہ کرنا چاہئے ”وعند البعض لا اعادة عليه“ [2]

مسئلہ نمبر۱۰...... اگر باجماعت پڑھی جانے والی تراویح کی رکعت کی تعداد میں لوگوں کو شبہ واختلاف ہو، مثلاً بعض کہیں کہ تین ہوئیں اور بعض کہیں کہ دو ہوئیں، تو امام کی رائے جس طرف ہوگی، اس کو ترجیح حاصل ہوگی، اور اگر خود امام کو شک ہو، اور مقتدی آپس میں اختلاف کریں، تو اس صورت میں امام کے نزدیک جن لوگوں کی رائے زیادہ قابلِ اعتبار واطمینان ہو، اس کو ترجیح حاصل ہوگی۔ [3]

مسئلہ نمبر۱۱...... اگر وتر پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ تراویح کی کچھ رکعتیں رہ گئی ہیں، یادرست

---

[1] عن سهل بن سعد رضى الله عنه، قال :خرج النبى صلى الله عليه وسلم يصلح بين بنى عمرو بن عوف بن الحارث، وحانت الصلاة، فجاء بلال أبا بكر رضى الله عنهما، فقال :حبس النبى صلى الله عليه وسلم، فتؤم الناس؟ قال :نعم، إن شئتم، فأقام بلال الصلاة، فتقدم أبو بكر رضى الله عنه، فصلى فجاء النبى صلى الله عليه وسلم يمشى فى الصفوف يشقها شقا، حتى قام فى الصف الأول، فأخذ الناس بالتصفيح -قال سهل :هل تدرون ما التصفيح؟ هو التصفيق -وكان أبو بكر رضى الله عنه، لا يلتفت فى صلاته، فلما أكثروا التفت، فإذا النبى صلى الله عليه وسلم فى الصف، فأشار إليه مكانک، فرفع أبو بكر يديه فحمد الله (بخارى، رقم الحديث ١٢٠١، باب ما يجوز من التسبيح والحمد فى الصلاة للرجال)

[2] وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لا يعتد بما قرأه فيه ويعيد القراء ة ليحصل الختم فى الصلاة الجائزة، وقال بعضهم يعتد بها؛ لأن المقصود هو القراء ة ولا فساد فيها(الجوهرة النيرة، ج ا ص٩٨، باب قيام شهر رمضان،كذا فى الفتاوىٰ الهندية، ج ١، ص١١٨، كتاب الصلاة، الباب التاسع)

[3] إذا سلم الإمام فى ترويحة فقال بعض القوم صلى ثلاث ركعات يأخذ الإمام بما كان عنده فى قول أبى يوسف رحمه الله تعالى ولا يدع علمه بقول الغير وإن لم يكن الإمام على يقين يأخذ بقول من كان صادقاً عنده وكذا لو وقع الاختلاف بين الإمام وبين جميع القوم إن كان الإمام على يقين يعمل بما كان عنده (فتاوىٰ قاضى خان، ج ١، ص١٧٠، فصل فى الشك فى التراويح)

نہیں ہوئیں، تو ان کو وتروں کے بعد پڑھنا چاہئے اور اس صورت میں وتروں کو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۲...... اگر باجماعت تراویح اور وتر کی نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ تراویح کی کچھ رکعتیں رہ گئیں یا درست نہیں ہوئیں، تو اُن کو وتروں کے بعد بعض حضرات کے نزدیک باجماعت پڑھ لینا جائز ہے، جبکہ بعض کے نزدیک بغیر جماعت کے تنہا پڑھنا چاہئے۔

اور اگر باجماعت پڑھی گئی تراویح کی دو یا زیادہ رکعتوں کے بارے میں اگلی رات میں معلوم ہوا کہ وہ درست نہیں ہوئی تھیں، تو اگلے دن جماعت کے ساتھ ان کی قضاء نہیں کی جائے گی۔ [2]

نمازِ تراویح کے وقت اور اداء وقضاء سے متعلق احکام

مسئلہ نمبر۱...... تراویح کی نماز کیونکہ رمضانُ المبارک کی راتوں کی سنت ہے، اس لئے تراویح کی نماز رمضان کی پہلی رات سے شروع ہوجاتی ہے اور رمضان کی آخری رات تک جاری رہتی ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

---

[1] وإذا فاتته ترويحة أو ترويحتان فلو اشتغل بها يفوته الوتر بالجماعة يشتغل بالوتر ثم يصلي ما فات من التراويح وبه كان يفتي الشيخ الإمام الأستاذ ظهير الدين (الفتاویٰ الهندية، ج ا ، ص۱۱۷، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فی التراويح)

يصح تقديم الوتر على التراويح وتأخيره عنها "وهو أفضل (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ج ا ، ص ۴۱۳، كتاب الصلاة، فصل فی صلاة التراويح)

[2] وإذا تذكروا أنه فسد عليهم شفع من الليلة الماضية فأرادوا القضاء بنية التراويح يكره ولو تذكروا تسليمة بعد أن صلوا الوتر قال محمد بن الفضل :لا يصلونها بجماعة وقال الصدر الشهيد يجوز أن يصلوها بجماعة، كذا فی السراج الوهاج (الفتاویٰ الهندية ج ا ، ص۱۱۷، كتاب الصلاة، الباب التاسع)

بندہ کو راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وتر پڑھنے کے بعد تراویح کی بعض رکعتوں کے درست نہ ہونے یا رہ جانے کا پتہ چلا، تو اگر بآسانی باجماعت ممکن ہو، مثلاً ابھی مقتدی موجود ہوں، تو باجماعت افضل ہے، کیونکہ رمضان کی رات میں تراویح باجماعت افضل ہے، اور وتروں کو تراویح سے مؤخر کرنا مسنون یا مستحب ہے، اور یہاں کچھ رکعتوں پر تقدیم عذر کی وجہ سے لازم آرہی ہے، جیسا کہ کسی شخص کی تراویح کی کچھ رکعتیں رہ جائیں، تو ان کو وتر پڑھ کر بعد میں پڑھ لینا درست ہے، اسی طرح یہاں بھی حکم ہونا چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان

مسئلہ نمبر۲...... تراویح کی نماز کا وقت عشاء کی نماز کے فرض پڑھ لینے کے بعد شروع ہوتا ہے، اور طلوعِ فجر تک باقی وجاری رہتا ہے۔

اسی لئے عشاء کا وقت داخل ہونے سے پہلے تراویح کی نماز پڑھنا جائز نہیں، اور اگر عشاء کا وقت داخل ہوگیا لیکن عشاء کی فرض نماز نہیں پڑھی تو بھی تراویح کی نماز پڑھنا درست نہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر۳...... تراویح کی نماز کا عشاء کی نماز کے فوراً بعد پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ کچھ وقفہ کے بعد بلکہ رات کے کسی بھی حصہ میں پڑھ لینا جائز ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر۴...... جس مَرد یا عورت پر عشاء کے بعد نیند یا تھکن کا غلبہ ہو، تو اس کو چاہئے کہ کچھ دیر سو لے یا آرام کر لے اور پھر تراویح پڑھ لے، کیونکہ تراویح کی نماز کا وقت طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے۔ [۳]

---

[۱] ووقتها ما بين العشاء إلى طلوع الفجر هو الصحيح حتى لو صلاها قبل العشاء لا يجوز، وبعد الوتر يجوز لأنها تبع للعشاء دون الوتر (الاختيار لتعليل المختار، ج ا، ص ۶۹، ۷۰، كتاب الصلاة، باب صلاة التراويح)

وأكثر العلماء على أنه بعد العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده وهو الأصح (الفتاویٰ البزازية، ج ا، ص ۱۴)

وأما وقتها فقد اختلف مشايخنا فيه قال بعضهم :وقتها ما بين العشاء والوتر، فلا تجوز قبل العشاء ولا بعد الوتر، وقال عامتهم :وقتها ما بعد العشاء إلى طلوع الفجر فلا تجوز قبل العشاء ؛ لأنها تبع للعشاء فلا تجوز قبلها كسنة العشاء ، وذكر الناطفي في إمام صلى بقوم صلاة العشاء على غير وضوء ناسيا، ثم صلى بهم إمام آخر التراويح متوضئا، ثم علم أن الأول كان على غير وضوء ؟ أن عليهم أن يعيدوا العشاء والتراويح جميعا :أما العشاء فلا شك فيها.وأما التراويح؛ فلأنها تصلى إلى طلوع الفجر؛ لأن ذلك وقتها .وهل يكره تأخيرها إلى نصف الليل؟ قال بعضهم :يكره؛ لأنها تبع للعشاء ، ويكره تأخير العشاء إلى نصف الليل فكذا تأخيرها، والصحيح أنه لا يكره؛ لأنها قيام الليل، وقيام الليل في آخر الليل أفضل (بدائع الصنائع، ج ا، ص ۲۸۸، فصل في قدر صلاة التراويح)

[۲] والمستحب تأخيرها إلى ثلث الليل أو نصفه . واختلف في أدائها بعد النصف، فقيل يكره لأنها تبع للعشاء كسنتها والصحيح لا يكره لأنها صلاة الليل والأفضل فيها آخره (فتح القدير للكمال ابن الهمام، ج ا، ص ۴۶۸، و ۴۶۹، فصل في قيام شهر رمضان)

[۳] حدثنا عبد الله بن يوسف، قال :أخبرنا مالك، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :إذا نعس أحدكم وهو يصلي فليرقد، حتى يذهب عنه النوم، فإن أحدكم إذا صلى وهو ناعس، لا يدري لعله يستغفر فيسب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... اگر کوئی مَرد یا عورت عشاء کے بعد کسی مصروفیت کی وجہ سے تراویح یا اس کی کچھ رکعتیں نہ پڑھ سکے تو اُسے چاہیے کہ فراغت کے بعد رات کے کسی حصہ میں طلوعِ فجر سے پہلے پہلے پڑھ لے۔ [1]

مسئلہ نمبر۶...... اگر کوئی رات کے وقت تراویح کی نماز نہ پڑھ سکے، اور پوری رات ختم ہوجائے، یہاں تک کہ طلوعِ فجر ہوجائے، تو اب تراویح کا وقت ختم ہوچکا، اور اب اس کی قضاء بھی ضروری نہیں ہے، پھر جس نے بلاعذر ایسا کیا، تو اُسے استغفار کرنا چاہئے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نفسه (بخاری، رقم الحديث ۲۱۲، باب الوضوء من النوم، ومن لم ير من النعسة والنعستين، أو الخفقة وضوءا)

وكذا إذا غلبه النوم يكره له أن يصلي مع النوم بل ينصرف حتى يستيقظ لأن في الصلاة من النوم تهاوناً وغفلة وترك التدبر (فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص۱۷۳، باب التراويح)

[1] والمستحب تأخيرها إلى ثلث الليل أو نصفه. واختلف في أدائها بعد النصف، فقيل يكره لأنها تبع للعشاء كسنتها والصحيح لا يكره لأنها صلاة الليل والأفضل فيها آخره (فتح القدير للكمال ابن الهمام، ج ۱، ص۴۶۸، و۴۶۹، فصل في قيام شهر رمضان)

[2] إذا فاتت التراويح لا تقضى بجماعة ولا بغيرها وهو الصحيح، هكذا في فتاوى قاضي خان (الفتاویٰ الهندية، ج ۱، ص۱۱۷، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل في التراويح)

وأما بيان أدائها إذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا؟ فقد قيل :إنها تقضى والصحيح أنها لا تقضى؛ لأنها ليست بآكد من سنة المغرب والعشاء ، وتلك لا تقضى فكذلك هذه (بدائع الصنائع، ج ۱، ۲۹۰، فصل صلاة التراويح إذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا)

فقہاء نے صحیح اس کو قرار دیا ہے کہ طلوعِ فجر کے بعد اس دن کی تراویح کا وقت ختم ہوجاتا ہے، اور بعد میں اس کی قضاء نہیں ہے، البتہ ایک قول کے مطابق اگلے دن عشاء کی نماز سے پہلے اور ایک اور قول کے مطابق جب تک رمضان کا مہینہ باقی ہو، چھوٹی ہوئی تراویح کی قضاء کا وقت باقی ہوتا ہے، جس کو بغیر جماعت کے قضاء کرنا چاہئے۔

اگر کوئی بخوشی ورغبت دوسرے یا تیسرے قول پر عمل کرے، اور چھوٹی ہوئی تراویح کو اگلے دن عشاء کی نماز سے پہلے پہلے یا رمضان میں کسی بھی دن یا رات میں بغیر جماعت کے پڑھ لے، تو اس میں کوئی گناہ نہیں، بلکہ اصلاحِ نفس وتنبیہِ نفس کے لئے مفید ہے۔

إذا فاتت التراويح لا تقضى بجماعة وهل تقضى بغير جماعة قال بعضهم تقضى في الغد ما لم يدخل وقت تراويح أخرى وقال بعضهم تقضى ما لم يمض شهر رمضان وقال بعضهم لا تقضى وهو الصحيح وذلك لأنها دون سنة المغرب والعشاء وتلك لا تقضى إذا فاتت بغير فريضة فكذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر رات کے وقت میں تراویح نیند وغیرہ کی وجہ سے فوت ہوجائے اور صبح ہوجائے، پھر وہ اس کے ثواب کو حاصل کرنا چاہے تو بعض احادیث کی رُو سے اگلے دن ظہر سے پہلے پڑھ لینے کی صورت میں اُمید ہے کہ اس کو تراویح کا ثواب حاصل ہوجائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التراويح ولهذا لا تقضى بجماعة ولو جاز قضاؤها بعد الوقت لتقضى كما فاتت فإن قضاها وحده كان نفلاً مستحباً ولا يكون تراويح كسنة المغرب والعشاء وإن تذكر فى الليل أنه فسد عليهم شفع من الليلة الماضية فأراد القضاء بنية التراويح يكره لأنه زيادة على التراويح بنية التراويح بخلاف التطوع بين التراويح فإنه لا يكره لأنه لا يصلى بنية التراويح وأما سائر السنن إذا تركها بعذر فهو معذور إن تركها بغير عذر استخفافاً وتهاوناً يكون مسيئاً (فتاوىٰ قاضى خان، ج ا، ص ۱۶۹، فصل فى وقت التراويح)

[1] کیونکہ بعض احادیث میں ہے کہ جس کی رات کا کوئی وظیفہ (ذکر، تلاوت یا نماز) نیند وغیرہ کی وجہ سے فوت ہوگیا، تو وہ اگر اگلے دن ظہر سے پہلے اُس کو کرلے، تو ایسا ثواب حاصل ہوتا ہے جیسا کہ رات کے وقت میں ہی اُس نے وہ عمل کیا ہو۔

عن عبد الرحمن بن عبد القارى، قال :سمعت عمر بن الخطاب، يقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من نام عن حزبه، أو عن شىء منه، فقرأه فيما بين صلاة الفجر، وصلاة الظهر، كتب له كأنما قرأه من الليل (صحيح مسلم، رقم الحديث ۱۷۷۹، باب جامع صلاة الليل، ومن نام عنه أو مرض؛ ترمذى، رقم الحديث ۵۸۱، باب ما ذكر فيمن فاته حزبه من الليل فقضاه بالنهار)

عن عبد الرحمن الأعرج أن عمر بن الخطاب قال :من فاته من حزبه شىء من الليل فقرأه من حين تزول الشمس إلى صلاة الظهر فكأنه لم يفته شىء (موطا محمد، رقم الحديث ۱۶۹)

(وعن عمر رضى الله عنه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من نام عن حزبه ") ، أى: عن ورده يعنى عن تمامه ("أو عن شىء منه ") ، أى :من حزبه يعنى عن بعض ورده من القرآن، أو الأدعية والأذكار، وفى معناه الصلاة("فقرأ فيما بين صلاة الفجر وصلاة الظهر، كتب له ") : جواب الشرط، وقوله("كأنما قرأه ") : صفة مصدر محذوف، أى :أثبت أجره فى صحيفة عمله إثباتا مثل إثباته حين قرأه ("من الليل ") : قال بعض علمائنا ;لأن ما قبل الظهر كأنه من جملة الليل، ولذا يجوز الصوم بنية قبل الزوال .اهـ .وفيه أن تقييد نية الصوم بما قبل الزوال ليس لكونه من جملة الليل، بل لتقع النية فى أكثر أجزاء النهار، والمراد بما قبل الزوال هو الضحوة الكبرى، فالوجه أن يقال فى الحديث إشارة إلى قوله تعالى :(وهو الذى جعل الليل والنهار خلفة لمن أراد أن يذكر أو أراد شكورا)قال القاضى، أى ذوى خلفة يخلف كل منهما الآخر يقوم مقامه فيما ينبغى أن يعمل فيه من فاته ورده فى أحدهما تداركه فى الآخر .اهـ .وهو منقول عن كثير من السلف، كابن عباس، وقتادة، والحسن، وسلمان، كما ذكره السيوطى فى الدر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... تراویح، عشاء کی نماز اور سنتیں پڑھ لینے کے بعد وتروں سے پہلے پڑھنا افضل ہے، اور وتروں کے بعد پڑھنا بھی جائز ہے۔ [۱]

اور اگر تراویح کی کچھ رکعتیں وتروں سے پہلے اور کچھ رکعتیں وتروں کے بعد پڑھی جائیں تب بھی تراویح اور وتر کی نماز درست ہو جاتی ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۸...... اگر عشاء کے فرض، تراویح اور وتر وغیرہ سب پڑھ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ عشاء کے فرض ادا نہیں ہوئے تھے (مثلاً معلوم ہوا کہ عشاء کے فرض میں وضو نہیں تھا، یا اور کوئی ایسی غلطی ہوگئی تھی جس کی وجہ سے عشاء کی نماز درست نہیں ہوئی) تو عشاء کے فرض لوٹانے کے ساتھ تراویح بھی لوٹائی جائیں گی (خواہ تراویح کی کچھ رکعتیں پڑھی گئی تھیں یا پوری پڑھ لی گئی تھیں)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأخرج عن الحسن أنه قال :من عجز بالليل كان له فى أول النهار مستعتب، ومن عجز بالنهار كان له فى أول الليل مستعتب .اهـ .فتخصيصه بما قبل الزوال مع شمول الآية النهار بالكمال إشارة إلى المبادرة بقضاء الفوت قبل إتيان الموت، فإن فى التأخير آفات خصوصا فى حق الطاعات والعبادات، أو لأن وقت القضاء أولى أن يصرف إلى القضاء ، أو لأن ما قارب الشىء يعطى حكمه، ولا منع من الجمع لاجتماع الحكم، فإن قائله أعطى جوامع الكلم (مرقاة، كتاب الصلاة، باب القصد فى العمل)

اور تراویح رات کا وظیفہ ہے، لہٰذا مذکورہ حدیث کے پیشِ نظر اگر کسی کی رات میں تراویح کی نماز نیند وغیرہ کی وجہ سے رہ گئی، تو اُس کو اگلے دن میں ظہر سے پہلے پڑھ لینے سے اُمید ہے کہ اُس کو رات کی تراویح کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

[۱] اسی وجہ سے اگر مثلاً انتیس شعبان کے دن کا سورج غروب ہونے کے بعد اُس کو تیسویں شعبان کی رات سمجھ کر وتر پڑھ لیے اور بعد میں رمضان کے چاند کا اعلان ہوا، جس سے ظاہر ہوا کہ یہ رات یکم رمضان کی ہے نہ کہ تیس شعبان کی، تو طلوعِ فجر سے پہلے پہلے تراویح پڑھنا ممکن ہو تو تراویح پڑھنی چاہئے۔

[۲] (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعا (ووقتها بعد صلاة العشاء) إلى الفجر (قبل الوتر وبعده) فى الأصح، فلو فاته بعضها وقام الإمام إلى الوتر أوتر معه ثم صلى ما فاته (الدرالمختار مع ردالمحتار)

(قوله بعد صلاة العشاء) قدر لفظ صلاة إشارة إلى أن المراد بالعشاء الصلاة لا وقتها وإلى ما فى النهر من أن المراد ما بعد الخروج منها حتى لو بنى التراويح عليها لا يصح، وهو الأصح؛ وكذا بناؤها على سنتها كما فى الخلاصة .قال :فكلهم ألحقوا السنة بالفرض (ردالمحتار، ج۲، ص۴۴، باب الوتر والنوافل)

البتہ اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر لوٹانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ [1]

نمازِ تراویح کی نیت سے متعلق احکام

مسئلہ نمبر۱...... تراویح کی نماز کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے، اور جس طرح تراویح کی نیت سے تراویح کی نماز درست ہوجاتی ہے، اسی طرح قیامِ رمضان یا رات کی سنت یا وقت کی سنت کی نیت کر لینے سے بھی تراویح کی نماز درست ہوجاتی ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۲...... تراویح بلکہ ہر نماز کی نیت دل میں کر لینا کافی ہے، اور نیت دراصل دل ہی کے عزم وقصد کا نام ہے۔ [3]

---

[1] والصحيح أن وقتها ما بعد العشاء إلى طلوع الفجر قبل الوتر وبعده حتى لو تبين أن العشاء صلاها بلا طهارة دون التراويح والوتر أعاد التراويح مع العشاء دون الوتر؛ لأنها تبع للعشاء هذا عند أبى حنيفة -رحمه الله تعالى -فإن الوتر غير تابع للعشاء فى الوقت عنده، والتقديم إنما وجب لأجل الترتيب وذلك يسقط بعذر النسيان فيصح إذا أدى قبل العشاء بالنسيان بخلاف التراويح فإن وقتها بعد أداء العشاء فلا يعتد بما أدى قبل العشاء وعندهما الوتر سنة العشاء كالتراويح فابتداء وقته بعد أداء العشاء فتجب الإعادة إذا أدى قبل العشاء وإن كان بالنسيان عندهما كالتراويح وبالجملة إعادة الوتر مختلف فيها، وأما إعادة التراويح وسائر سنن العشاء فمتفق عليها إذا كان الوقت باقيا هكذا فى التبيين (الفتاویٰ الهندية، ج ١، ص ١١٥، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فى التراويح)

[2] ومنها نية التراويح أو نية قيام رمضان، أو نية سنة الوقت. ولو نوى الصلاة مطلقا، أو نوى التطوع، قال بعض المشايخ :لا يجوز؛ لأنها سنة والسنة لا تتأدى بنية مطلق الصلاة، أو نية التطوع واستدلوا بما روى الحسن عن أبى حنيفة أن ركعتى الفجر لا تتأدى إلا بنية السنة، وقال عامة مشايخنا :إن التراويح وسائر السنن تتأدى بمطلق النية؛ ولأنها وإن كانت سنة لا تخرج عن كونها نافلة، والنوافل تتأدى بمطلق النية إلا أن الاحتياط أن ينوى التراويح، أو سنة الوقت، أو قيام رمضان احترازا عن موضع الخلاف (بدائع الصنائع، ج ١، ص ٢٨٨، فصل فى سنن صلاة التراويح)

وينوى التراويح أو سنة الليل أو قيام رمضان (الاختيار لتعليل المختار، ج ١، ص ٦٩، ٧٠، كتاب الصلاة، باب صلاة التراويح)

[3] (قوله :بالنية) بالتشديد وقد تخفف قهستانى .وهى لغة عزم القلب على الشىء .واصطلاحا كما فى التلويح قصد الطاعة والتقرب إلى الله تعالى فى إيجاد الفعل، ودخل فيه المنهيات، فإن المكلف به الفعل الذى هو كف النفس، العزم والقصد والنية اسم للإرادة الحادثة، لكن العزم المتقدم على الفعل والقصد المقترن به والنية المقترن به مع دخوله تحت العلم بالمنوى، وتمامه فى البحر (ردالمحتار، ج ١، ص ١٠٥، كتاب الطهارة، سنن الوضوء)

اوردل میں نیت اس طرح کی جائے کہ مثلاً یااللہ آپ کی رضاء کے لئے تراویح پڑھتا ہوں یا اس وقت کی سنت ادا کرتا ہوں، یا رمضان کی رات کے قیام کی نماز ادا کرتا ہوں۔

اور اگر کسی امام کی اقتداء میں تراویح پڑھ رہا ہو، تو یہ نیت کر لینا بھی کافی ہے کہ میں امام کی اقتداء میں نماز پڑھتا ہوں، یا امام جو نماز پڑھ رہا ہے میں بھی وہی نماز ادا کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ، تراویح کی نماز کے لئے اس طرح کی جو بھی نیت دل میں کی جائے، صحیح ہے۔ [1]

---

[1] بعض حضرات کے نزدیک تراویح بغیر کسی تعیین کے عام نماز کی نیت کے ساتھ اور بنیتِ تطوع بھی جائز ہے، کیونکہ فرض سے نیچے ہونے کی وجہ سے تراویح تطوع میں داخل ہے، جس کا بعض احادیث میں اطلاق بھی کیا گیا ہے، اور سنت کے معنیٰ ایسے نفل وتطوع کا ہونا ہے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض کے بعد (حقیقی یا حکمی) مواظبت فرمائی ہو، لہٰذا تطوع کی نیت کرنے سے اس کی یہ نیت فوت نہیں ہوتی، مگر احتیاط اسی طرح نیت کرنے میں ہے، جو اوپر ذکر کی گئی، احترازاً عن موضع الخلاف۔

ومنها نية التراويح أو نية قيام رمضان، أو نية سنة الوقت .ولو نوى الصلاة مطلقا، أو نوى التطوع، قال بعض المشايخ :لا يجوز؛ لأنها سنة والسنة لا تتأدى بنية مطلق الصلاة، أو نية التطوع واستدلوا بما روى الحسن عن أبي حنيفة أن ركعتي الفجر لا تتأدى إلا بنية السنة، وقال عامة مشايخنا :إن التراويح وسائر السنن تتأدى بمطلق النية؛ ولأنها وإن كانت سنة لا تخرج عن كونها نافلة، والنوافل تتأدى بمطلق النية إلا أن الاحتياط أن ينوي التراويح، أو سنة الوقت، أو قيام رمضان احترازا عن موضع الخلاف (بدائع الصنائع، ج ا ، ص۲۸۸، كتاب الصلاة، فصل فى سنن صلاة التراويح)

إن نوى التراويح أو سنة الوقت أو قيام الليل فى رمضان جاز (فتاوىٰ قاضى خان، ج ا، ص ۱۶۹، كتاب الصوم، فصل فى نية التراويح)

وإذا أراد المقتدي تيسير الأمر على نفسه ينبغي أن ينوي صلاة الإمام والاقتداء به أو ينوي أن يصلي مع الإمام ما يصلي الإمام .كذا فى المحيط (الفتاوىٰ الهندية، ج ا، ص۶۷، كتاب الصلاة، الباب الثالث، الفصل الرابع)

إذا نوى التراويح أو سنة الليل (أو) الوقت، أو قيام الليل فى النيتين يجوز وصار كما إذا نوى الظهر أو فرض الوقت، فإنه يجوز وإن نوى صلاة مطلقة، أو نوى تطوعاً فحسب، اختلف المشايخ فيه، ذكر بعض المتقدمين أنه لا يجوز؛ لأنها سنّة والسنّة لا تتأدى بنية التطوع أو بنية الصلاة المطلقة روى الحسن عن أبي حنيفة رحمة الله عليهما ذلک فى ركعتي الفجر، أو يقول :هذه الصلاة مخصوصة كالمكتوبات، فلا تتأدى بمطلق النية ولا بنية التطوع كالمكتوبات، وأكثر المتأخرين على أن التراويح وسائر السنن تتأدى بمطلق النية، لأنها نافلة لكن واظب عليها رسول الله صلى الله عليه وسلّم والنوافل تتأدى بمطلق النية، والاحتياط فى التراويح أن ينوي التراويح، أو بنية الوقت أو قيام الليل، وفى سائر السنن الاحتياط أن ينوي الصلاة متابعاً لرسول الله عليه السلام (المحيط البرهاني، ج ا ، ص ۴۵۹، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر، نوع آخر فى نية التراويح)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... اگر دل میں نیت کے ساتھ کوئی شخص زبان سے بھی دل میں موجود نیت کو الفاظ میں ادا کرے، تاکہ دل کی نیت میں پختگی اور تازگی پیدا ہوجائے، اوردل وزبان میں یکسانیت پیدا ہوجائے تو بھی جائز بلکہ بعض حضرات کے نزدیک بہتر ہے، بشرطیکہ نیت دل کے عزم وقصد ہی کو سمجھے اور زبان سے الفاظ ادا کرنے کو ضروری اور مقصود نہ سمجھے۔

اور جولوگ ہر حال میں زبان سے الفاظ ادا کرنے کو غلط یا بدعت کہتے ہیں، یا زبان کے الفاظ کو اصل نیت یا مقصود سمجھتے ہیں، یہ غلط فہمی یا کم علمی پر مبنی ہے۔ ؎[1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله :ويكفيه مطلق النية للنفل والسنة والتراويح) ، أما في النفل فمتفق عليه؛ لأن مطلق اسم الصلاة ينصرف إلى النفل؛ لأنه الأدنى فهو متيقن والزيادة مشكوك فيها ولا فرق بين أن ينوى الصلاة أو الصلاة لله؛ لأن المصلى لا يصلى لغير الله، وأما فى السنة والتراويح فظاهر الرواية ما فى الكتاب كما فى الذخيرة والتجنيس وجعله فى الهداية هو الصحيح وفى المحيط أنه قول عامة المشايخ وفى منية المفتى وخزانة الفتاوى أنه المختار ورجحه فى فتح القدير ونسبه إلى المحققين بأن معنى السنة كون النافلة مواظبا عليها من النبى -صلى الله عليه وسلم -بعد الفريضة المعينة أو قبلها فإذا أوقع المصلى النافلة فى ذلك المحل صدق عليه أنه فعل الفعل المسمى سنة فالحاصل أن وصف السنة يحصل بنفس الفعل الذى فعله -صلى الله عليه وسلم -وهو إنما كان يفعل على ما سمعت فإنه لم يكن ينوى السنة بل الصلاة لله تعالى فعلم أن وصف السنة ثبت بعد فعله على ذلك الوجه تسمية منا بفعله المخصوص لا أنه وصف يتوقف حصوله على نيته وذكر قاضى خان فى فتاويه فى فصل التراويح اختلاف المشايخ فى السنن والتراويح والصحيح أنها لا تتأدى بنية الصلاة وبنية التطوع؛ لأنها صلاة مخصوصة فتجب مراعاة الصفة للخروج عن العهدة وذلك بأن ينوى السنة أو متابعة النبى -صلى الله عليه وسلم -وهل يحتاج لكل شفع من التراويح أن ينوى ويعين قال بعضهم يحتاج؛ لأن كل شفع صلاة والأصح أنه لا يحتاج؛ لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة .اهـ. فقد اختلف التصحيح فلذا قال فى منية المصلى والاحتياط فى التراويح أن ينوى التراويح أو سنة الوقت أو قيام الليل وفى السنة ينوى السنة .اهـ. (البحر الرائق، ج ا ، ص۲۹۳، ۲۹۴، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة)

؎[1] (قوله :تكفيه النية بلسانه) إطلاق النية على اللفظ مجاز .اهـ .ح :أى لأن النية عمل القلب لا اللسان، وإنما الذكر باللسان كلام، ومن ثم حكى الإجماع على كونها بالقلب (ردالمحتار، ج ا ، ص ۸۰، كتاب الطهارة)

قال :(وينوى الصلاة التى يدخل فيها نية متصلة بالتحريمة، وهى أن يعلم بقلبه أى صلاة هى، ولا معتبر باللسان) لأن النية عمل القلب .قال محمد بن الحسن :النية بالقلب فرض، وذكرها باللسان سنة، والجمع بينهما أفضل ;والأحوط أن ينوى مقارنا للشروع :أى مخالطا للتكبير كما قاله الطحاوى (الاختيار لتعليل المختار، ج ا ، ص۴۷، و۴۸)

مسئلہ نمبر۴...... اگر دو دو رکعت کر کے مسلسل تراویح کی نماز پڑھی جائے تو ابتداء میں ایک ہی مرتبہ بیس تراویح کی نیت کرنا بھی کافی اور معتبر ہو جاتا ہے۔ [۱]

تراویح میں قرائت واذکار اور تکمیلِ قرآن سے متعلق احکام

مسئلہ نمبر۱...... حنفیہ کے نزدیک تراویح کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورت ملانا (یا چند آیات پڑھنا) واجب ہے۔

لہٰذا اگر تراویح کی کسی رکعت میں بھولے سے سورہ فاتحہ پڑھنا یا سورہ فاتحہ کے ساتھ سورت یا آیات ملانا رہ جائے، تو سجدہ سہو واجب ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر۲...... جو کوئی بغیر جماعت کے تنہا تراویح کی نماز پڑھ رہا ہو، اُس کو تراویح کی نماز میں آہستہ یا بلند آواز سے جس طرح چاہے قرائت کرنا جائز ہے، البتہ بُلند آواز سے قرائت کرنا افضل ہے، بشرطیکہ آواز میں اعتدال رکھے، بے جا غلو نہ کرے، اور اس کی آواز سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور کسی کی نماز و عبادت میں خلل واقع نہ ہو۔ [۳]

---

[۱] وهل يحتاج لكل شفع من التراويح أن ينوى التراويح الأصح أنه لا يحتاج؛ لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة، هكذا فى فتاوى قاضى خان فإذا صلى التراويح مع الإمام ولم يجدد لكل شفع نية جاز، كذا فى السراجية (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱، ص۱۱۷، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فى التروايح)

[۲] (والقراء ة واجبة فى جميع ركعات النفل) لأن كل شفع صلاة، فإنه لا يجب بالتحريمة سوى شفع واحد (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱، ص۶۸، كتاب الصلاة)

وتجب قراء ة الفاتحة وضم السورة أو ما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة فى الأوليين بعد الفاتحة كذا فى النهر الفائق وفى جميع ركعات النفل والوتر .هكذا فى البحر الرائق (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱، ص ۱۷، كتاب الصلاة، الباب الرابع، الفصل الثانى)

[۳] وأما فى التطوعات فإن كان فى النهار يخافت، وإن كان فى الليل فهو بالخيار إن شاء خافت وإن شاء جهر، والجهر أفضل؛ لأن النوافل أتباع الفرائض، والحكم فى الفرائض كذلك، حتى لو كان بجماعة كما فى التراويح يجب الجهر ولا يتخير فى الفرائض، وقد روى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه كان إذا صلى بالليل سمعت قراء ته من وراء الحجاب (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ۱، ص ۱۶۱، كتاب الصلاة، فصل الواجبات الأصلية فى الصلاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳...... حنفیہ کے نزدیک امام کو تراویح کی نماز میں بلند آواز سے قرائت کرنا واجب ہے۔ ل

اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک تراویح میں جہری قرائت مسنون، جبکہ مالکیہ کے نزدیک مندوب ومستحب ہے۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكذا يجهر في التراويح والوتر إن كان إماما وإن كان منفردا إن كانت صلاة يخافت فيها يخافت حتما هو الصحيح وإن كانت صلاة يجهر فيها فهو بالخيار والجهر أفضل ولكن لا يبالغ مثل الإمام؛ لأنه لا يسمع غيره .كذا في التبيين ولا يجهد الإمام نفسه بالجهر .كذا في البحر الرائق (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة)

ل قال -رحمه الله -(وجهر بقراءة الفجر) أي الإمام (وأولى العشاء ين ولو قضاء والجمعة والعيدين ويسر في غيرها كمتنفل بالنهار) ؛ لأنه المأثور المتوارث من لدن النبي -صلى الله عليه وسلم -إلى يومنا هذا ولا يجهد نفسه في الجهر ، وكذا يجهر في التراويح والوتر إذا كان إماما للتوارث(تبيين الحقائق، ج ا ص ۱۲۶ ، ص۱۲۷ ، كتاب الصلاة)

وقال صاحب المنح :ويجهر في تراويح ووتر بعدها وقيدنا الوتر بكونه بعد التراويح (مجمع الانهر ج ا ص ۱۰۳ ، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

وكذا يجهر في التراويح والوتر إن كان إماما وإن كان منفردا إن كانت صلاة يخافت فيها يخافت حتما هو الصحيح وإن كانت صلاة يجهر فيها فهو بالخيار والجهر أفضل ولكن لا يبالغ مثل الإمام؛ لأنه لا يسمع غيره .كذا في التبيين ولا يجهد الإمام نفسه بالجهر .كذا في البحر الرائق (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة)

۲ مواطن الجهر والإسرار في القراءة :اتفق الفقهاء على أنه يسن الجهر في الصبح والمغرب والعشاء والجمعة والعيدين والتراويح ووتر رمضان، ويسر في الظهر والعصر .وللفقهاء في النوافل كالوتر وغيره تفصيل:

فقال الحنفية : يجب الجهر على الإمام في كل ركعات الوتر في رمضان، وصلاة العيدين، والتراويح .ويجب الإسرار على الإمام والمنفرد في صلاة الكسوف والاستسقاء والنوافل النهارية . وأما النوافل الليلية فهو مخير فيها.

ويخير المنفرد بين الجهر والإسرار في الصلاة الجهرية أداء ، أو قضاء في وقتها أو غيروقتها، إلا أن الجهر أفضل في الجهرية ليلاً .أما الصلاة السرية فيجب عليه أن يسر بها على الصحيح.

ويجب على المأموم الإنصات في كل حال.

وقال المالكية :يندب الجهر في جميع النوافل الليلية، والسر في جميع النوافل النهارية إلا النافلة التي لها خطبة كالعيد والاستسقاء ، فيندب الجهر فيها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... تراویح کی نماز میں امام کو معتدل آواز میں قرائت کرنی چاہئے، تاکہ مقتدیوں کو آواز پہنچ جائے، ضرورت کی وجہ سے بقدرِ ضرورت سپیکر چلانا بھی جائز ہے، جبکہ دور دراز اور غیر متعلقہ لوگوں تک آواز پہنچانے سے پرہیز کیا جائے، اس مسئلہ کی مزید تفصیل آگے تحقیقی مسائل میں آتی ہے۔

مسئلہ نمبر۵...... تراویح کی نماز میں قرائت کرنے کے لئے قرآن مجید کی مخصوص سورتیں متعین نہیں، بلکہ قرآن مجید کی جن سورتوں کی بھی قرائت کر لی جائے، اُس سے تراویح ادا ہوجاتی ہے، بلکہ اگر دو سورتوں کی ہی بار بار اس طرح قرائت کی جائے کہ ہر دو رکعت میں وہ دو سورتیں پڑھی جائیں، اور پھر اس کے بعد دوسری دو رکعتوں میں بھی وہی دو سورتیں پڑھی جائیں، تب بھی تراویح کی نماز درست ہوجاتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويندب للمأموم الإسرار.

وقال الشافعية :يسن الجهر فى العيدين وخسوف القمر والاستسقاء والتراويح ووتر رمضان وركعتى الطواف ليلاً أو وقت الصبح، والإسرار فى غير ذلك إلا نوافل الليل المطلقة فيتوسط فيها بين الجهر والإسرار، والتوسط :أن يجهر تارة، ويسر أخرى، اتباعاً للسنة، إن لم يشوش على نائم أو مصل أو نحوه .والعبرة فى قضاء الفريضة بوقته أى وقت القضاء على المعتمد .وجهر المرأة دون جهر الرجل .ومحل جهرها إن لم تكن بحضرة أجانب.

وقال الحنابلة :يسن الجهر فى صلاة العيد والاستسقاء والكسوف والتواويح والوتر إذا وقع بعد التراويح، ويسر فيما عدا ذلك.

ويخير المنفرد بين الجهر والإسرار فى الصلاة الجهرية، كما قال الحنفية(الفقه الاسلامى وادلته، ج۲ ص ۸۸۳،۸۸۴، القسم الاول، الباب الثانى، الفصل الاول، المبحث الاول)

[1] وفى المجتبى والمتأخرون كانوا يفتون فى زماننا بثلاث آيات قصار أو آية طويلة حتى لا يمل القوم ولا يلزم تعطيلها وهذا حسن فإن الحسن روى عن أبى حنيفة أنه إن قرأ فى المكتوبة بعد الفاتحة ثلاث آيات فقد أحسن ولم يسء هذا فى المكتوبة فما ظنك فى غيرها اهـ.

وفى التجنيس ثم بعضهم اعتادوا قراء ة (قل هو الله أحد) (الإخلاص) فى كل ركعة وبعضهم اختاروا قراء ة سورة الفيل إلى آخر القرآن وهذا حسن لأنه لا يشتبه عليه عدد الركعات ولا يشتغل قلبه بحفظها فيتفرغ للتدبر والتفكر اهـ . (البحر الرائق، ج۲، ص ۷۴، باب الوتر والنوافل، صلاة التراويح)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن نمازِ تراویح کو احادیث میں قیام والی عبادت قرار دیا گیا ہے، اس لئے اگر لمبی قرائت کی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ [1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے نمازِ تراویح کے ساتھ ساتھ اُس میں قرآن مجید کی لمبی قرائت بھی ثابت ہے، جیسا کہ بیس تراویح کے دلائل میں گزرا۔

مسئلہ نمبر۶ ...... اگر مختصر تراویح اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت تلاوت کرلی جائے، تب بھی جائز ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفی التجنيس :واختار بعضهم سورة الإخلاص فی كل ركعة، وبعضهم سورة الفيل :أی البداء ة منها ثم يعيدها، وهذا أحسن لئلا يشتغل قلبه بعدد الركعات .قال فی الحلية :وعلى هذا استقر عمل أئمة أكثر المساجد فی ديارنا إلا أنهم يبدء ون بقراء ة سورة التكاثر فی الأولى والإخلاص فی الثانية، وهكذا إلى أن تكون قراء تهم فی التاسعة عشر بسورة تبت وفی العشرين بالإخلاص اهـ زاد فی البحر :وليس فيه كراهة فی الشفع الأول من الترويحة الأخيرة بسبب الفصل بسورة واحدة لأنه خاص بالفرائض كما هو ظاهر الخلاصة وغيرها .اهـ.قلت :لكن الأحوط قراء ة النصر وتبت فی الشفع الأول من الترويحة الأخيرة، والمعوذتين فی الشفع الثانی منها، وبعض أئمة زماننا يقرأ بالعصر والإخلاص فی الشفع الأول من كل ترويحة، وبالكوثر والإخلاص فی الشفع الثانی (ردالمحتار، ج۲، ص۴۷، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

[1] حدثنا النضر بن شيبان، قال - :قلت لأبی سلمة بن عبد الرحمن، حدثنی بشیء سمعته من أبيك، سمعه أبوك من رسول الله صلى الله عليه وسلم، ليس بين أبيك وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد فی شهر رمضان قال :نعم -حدثنی أبی، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن الله تبارك وتعالى فرض صيام رمضان عليكم وسننت لكم قيامه، فمن صامه وقامه إيمانا واحتسابا خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه (سنن نسائی ،رقم الحديث ۲۲۱۰، كتاب الصيام، ثواب من قام رمضان وصامه إيمانا واحتسابا والاختلاف على الزهری فی الخبر فی ذلك، واللفظ له، ابنِ ماجة، رقم الحديث ۱۳۲۸، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فی قيام شهر رمضان)

[2] وفی فضائل رمضان للزاهدی :أفتى أبو الفضل الكرمانی والوبری أنه إذا قرأ فی التراويح الفاتحة وآية أو آيتين لا يكره، ومن لم يكن عالما بأهل زمانه فهو جاهل(الدر المختار)

(قوله وفی المجتبى إلخ) عبارته على ما فی البحر :والمتأخرون كانوا يفتون فی زماننا بثلاث آيات قصار أو آية طويلة حتى لا يمل القوم ولا يلزم تعطيلها، فإن الحسن روى عن الإمام أنه إن قرأ فی المكتوبة بعد الفاتحة ثلاث آيات فقد أحسن ولم يسیء، هذا فی المكتوبة فما ظنك فی غيرها؟ اهـ. (قوله وآية أو آيتين) أی بقدر ثلاث آيات قصار بدليل عبارة المجتبى، وإلا فلو دون ذلك

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... تراویح میں مختلف سورتیں پڑھنے والے کو یہ بھی جائز ہے کہ ایک سورت کو کئی حصے کر کے دو یا زیادہ رکعتوں میں پڑھے، اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک رکعت میں ایک سے زیادہ سورتیں پڑھے، اور یہ بھی جائز ہے کہ ہر رکعت میں مختلف جگہ سے آیات پڑھے، اور یہ بھی جائز ہے کہ دو رکعتوں میں کسی سورت کے آخر سے آیات پڑھے۔

اگر چہ افضل یہ ہے کہ کوئی عذر نہ ہو تو ایک رکعت میں مکمل سورت پڑھے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۸...... اگر کوئی مصروفیت یا تھکن وغیرہ کی وجہ سے تراویح کی نماز اس طرح پڑھے کہ آخری قعدہ میں تشہد اور مختصر درود (مثلاً اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ) پر اکتفاء کر کے سلام پھیر تا رہے، تو بھی کوئی حرج نہیں۔ ۲

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

كره تحريما لما فى المنية وشرحها فى بحث صفة الصلاة :لو قرأ مع الفاتحة آية قصيرة أو آيتين قصيرتين لم يخرج عن حد كراهة التحريم، وإن قرأ ثلاثا قصارا أو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاث آيات قصارا خرج عن حد الكراهة المذكورة ولكن لم يدخل فى حد الاستحباب .وينبغى أن يكون فيه كراهة تنزيه إلخ أى لأن السنة قراء ة المفصل، فقوله هنا لا يكره أى لا تحريما ولا تنزيها، وإن كره فى الفرائض تنزيها فافهم(رد المحتار، ج۲، ص۴۷، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

۱ يقرأ فى كل ركعة بفاتحة الكتاب وسورة تامة كذا ورد فى الحديث.

ولو قرأ سورة واحدة فى الركعتين قال بعض المشايخ :يكره؛ لأنه خلاف ما جاء به الأثر وقال عامتهم :لا يكره وكذا روى عيسى بن أبان عن أصحابنا أنه لا يكره، وروى فى ذلك حديثا بإسناده عن ابن مسعود أنه قرأ فى الفجر سورة بنى إسرائيل إلى قوله (قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمن)فى الركعة الأولى ثم قام إلى الثانية وختم السورة ولو جمع بين السورتين فى ركعة لا يكره؛ لما روى أن النبى -صلى الله عليه وسلم -أوتر بسبع سور من المفصل والأفضل أن لا يجمع ولو قرأ من وسط السورة أو آخرها لا بأس به كذا روى الفقيه أبو جعفر الهندوانى -رحمه الله تعالى -لكن المستحب ما ذكرنا (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۰۶، وص۲۰۷، فصل فى سنن حكم التكبير ايام التشريق)

۲ قوله" :ولا بترك الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم "ويكتفى باللهم صل على محمد لأنه الفرض عند الشافعى در قوله " :وفرض على قول بعض المجتهدين "منهم مولانا الإمام الشافعى رضى الله عنه. قوله " :ويحذر من الهدرمة "الموجود فى النسخ التى بأيدينا بالدال المهملة والذى فى الدر بالذال المعجمة وفسرها فى القاموس بسرعة الكلام والقراء ة قوله: "وترك الترتيل "فى القاموس رتل الكلام ترتيلا أحسن تأليفه اهـ والمراد أن لا يعطى التلاوة حقها قوله" :وغيرها "كترك التعوذ والتسمية وترك الإستراحة فيما بين كل ترويحتين والكراهة فى

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

مسئلہ نمبر۹...... فقہائے کرام نے رمضان میں تراویح کی نماز کے اندر کم از کم ایک مرتبہ قرآن مجید (پڑھ کر یا سن کر) مکمل کرنے کو سنت اور اگر بآسانی ہو سکے تو ایک سے زیادہ مرتبہ قرآن مجید مکمل کرنے کو زیادہ فضیلت کا باعث قرار دیا ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الثلاثة المذكورة فى كلامه تحريمية وفى غيرها تنزيهية لأنها فى مقابلة ترك السنن قوله" :وكذا لا يترك الثناء "سواء كان إماما أو مقتديا أو منفردا وعلله فى الفتح بأن السنن لا تترك للجماعات قوله" :لافتراضه عند البعض "هو أبو مطيع البلخى تلميذ الإمام الأعظم رضى الله عنه وقيل بوجوبه قوله" :ولا يأتى الإمام بالدعاء "أى الدعاء الطويل لقوله فيدعو بما قصر (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ج ١، ص ٤١٥، ٤١٦، فصل فى صلاة التراويح)

۱؎ بعض حضرات نے تراویح کی طرح کم از کم ایک مرتبہ ختمِ قرآن کو بھی سنتِ مؤکدہ قرار دیا ہے، یہ اس قول پر مبنی معلوم ہوتا ہے، جس کی رو سے تراویح ختمِ قرآن ہی کے لئے مشروع ہے، اور اسی وجہ سے اس قول کے مطابق ختمِ قرآن کے بعد تراویح کے ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مگر یہ قول راجح معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ اولاً تو بعض صحابۂ کرام کا رمضان میں تخلف عن الجماعۃ ثابت ہے، اور جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ:

لو لم يكن معى إلا سورة واحدة لكنت أرددها أحب إلى من أن أقوم خلف الإمام فى رمضان.

اس کے علاوہ فقہائے کرام نے تراویح کو سنتِ مؤکدہ علی العین قرار دیا ہے، جبکہ ختمِ قرآن کے مسنون ومستحب ہونے میں اختلاف ہے، اور تراویح باجماعت پڑھنے کو فقہائے کرام نے نمازِ تراویح کی طرح کی سنتِ مؤکدہ علی العین قرار نہیں دیا، اور نہ ہی خواتین کو تراویح کی جماعت میں شرکت یا خود اُن کے تراویح کی جماعت کے انعقاد کو مؤکد قرار دیا ہے۔

پس اگر تراویح کو ختمِ قرآن کے لئے مشروع مانا جائے تو ہر حافظِ قرآن کو خود یا مقتدی بن کر اور غیر حافظِ قرآن کو خواہ مرد ہو یا عورت، جماعت میں شرکت بھی مؤکد ہونی چاہئے۔ **واذ لا فلا.**

اور اگر ختمِ قرآن کے مؤکدہ سنت ہونے کی اس سے دلیل پکڑی جائے کہ فقہائے کرام نے قوم کی سستی کی وجہ سے ایک مرتبہ تکمیلِ قرآن کے ترک نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ اولاً تو اس پر اتفاق نہیں، اس کے خلاف بھی قول ہے، دوسرے یہ تاکید کو مستلزم نہیں، جیسا کہ قوم کی سستی کی وجہ سے ثناء وغیرہ جیسی سنن کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

لہٰذا راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی نماز بذاتِ خود مشروع ہے، اور اُس میں قرآن مجید کی تکمیل ایک اضافی سنت ہے، مگر یہ سنت تراویح کی طرح مؤکد نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وسن ختم القرآن فيها "أى التراويح "مرة فى الشهر على الصحيح (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى)

قوله" :مرة فى الشهر "ومرتين فضيلة وثلاثا فى كل عشر مرة أفضل (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ج ١، ص ٤١٤، فصل فى صلاة التراويح)

(والسنة ختم القرآن فى التراويح مرة واحدة) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۰...... اگر تراویح کی نماز میں قرآن مجید مکمل ہوجائے اور رمضان کی کچھ راتیں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وعن أبی حنيفة يقرأ فی كل ركعة عشر آيات ليقع له الختم، والأفضل فی زماننا مقدار ما لا يؤدی إلى تنفير القوم عن الجماعة (الاختيار لتعليل المختار، ج ا، ص ۶۹، ۷۰، كتاب الصلاة، باب صلاة التراويح)

(والختم) مرة سنة ومرتين فضيلة وثلاثا أفضل .(ولا يترك) الختم (لكسل القوم)لكن فی الاختيار :الأفضل فی زماننا قدر ما لا يثقل عليهم، وأقره المصنف وغيره .وفی المجتبى عن الإمام: لو قرأ ثلاثا قصارا أو آية طويلة فی الفرض فقد أحسن ولم يسء، فما ظنك بالتراويح؟وفی فضائل رمضان للزاهدی :أفتى أبو الفضل الكرمانی والوبری أنه إذا قرأ فی التراويح الفاتحة وآية أو آيتين لا يكره، ومن لم يكن عالما بأهل زمانه فهو جاهل(الدر المختار)

(قوله والختم مرة سنة) أی قراء ة الختم فی صلاة التراويح سنة وصححه فی الخانية وغيرها، وعزاه فی الهداية إلى أكثر المشايخ .وفی الكافی إلى الجمهور، وفی البرهان :وهو المروی عن أبی حنيفة والمنقول فی الآثار .قال الزيلعی :ومنهم من استحب الختم فی ليلة السابع والعشرين رجاء أن ينالوا ليلة القدر، لأن الأخبار تظاهرت عليها .وقال الحسن عن أبی حنيفة :يقرأ فی كل ركعة عشر آيات ونحوها، وهو الصحيح لأن السنة الختم فيها مرة وهو يحصل بذلك مع التخفيف لأن عدد ركعات التراويح فی الشهر ستمائة ركعة وعدد آی القرآن ستة آلاف آية وشیء .اهـ .وما فی الخلاصة من أنه يقرأ فی كل ركعة عشر آيات حتى يحصل الختم فی ليلة السابع والعشرين ونحوه فی الفيض فيه نظر لأن توزيعة عشرا فعشرا يقتضی الختم فی الثلاثين إلا أن يكون مع ضم الوتر، لكن فی الخانية وغيرها ما يفيد تخصيص التراويح، وتمامه فی شرح الشيخ إسماعيل.

وفی شرح المنية :ثم إذا ختم قبل آخر الشهر قيل لا يكره له ترك التراويح فيما بقی لأنها شرعت لأجل ختم القرآن مرة قال أبو علی النسفی، وقيل يصليها ويقرأ فيها ما شاء ذكره فی الذخيرة اهـ.

(قوله الأفضل فی زماننا إلخ) لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراء ة حلية عن المحيط .وفيه إشعار بأن هذا مبنی على اختلاف الزمان، فقد تتغير الأحكام لاختلاف الزمان فی كثير من المسائل على حسب المصالح، ولهذا قال فی البحر :فالحاصل أن المصحح فی المذهب أن الختم سنة لكن لا يلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد خصوصا فی زماننا فالظاهر اختيار الأخف على القوم.

(قوله وفی المجتبى إلخ) عبارته على ما فی البحر :والمتأخرون كانوا يفتون فی زماننا بثلاث آيات قصار أو آية طويلة حتى لا يمل القوم ولا يلزم تعطيلها، فإن الحسن روى عن الإمام أنه إن قرأ فی المكتوبة بعد الفاتحة ثلاث آيات فقد أحسن ولم يسء، هذا فی المكتوبة فما ظنك فی غيرها؟ اهـ.(قوله وآية أو آيتين) أی بقدر ثلاث آيات قصار بدليل عبارة المجتبى، وإلا فلو دون ذلك كره تحريما لما فی المنية وشرحها فی بحث صفة الصلاة :لو قرأ مع الفاتحة آية قصيرة أو آيتين قصيرتين لم يخرج عن حد كراهة التحريم، وإن قرأ ثلاثا قصارا أو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاث آيات قصارا خرج عن حد الكراهة المذكورة ولكن لم يدخل فی حد الاستحباب .وينبغی أن يكون فيه كراهة تنزيه إلخ أی لأن السنة قراء ة المفصل، ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

باقی ہوں، تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ باقی ماندہ راتوں میں بھی تراویح پڑھنا سنت ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر ۱۱...... بہتر یہ ہے کہ تراویح کی دونوں رکعتوں میں برابر مقدار کی قرائت کی جائے یعنی دونوں رکعتیں قرائت وتلاوت کی مقدار کے اعتبار سے برابر ہوں، اور اگر دوسری رکعت کی قرائت پہلی رکعت کی قرائت سے کم ہو، تو بھی گناہ نہیں۔ ۲؎

مسئلہ نمبر ۱۲...... جان بوجھ کر بلا عذر دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے غیر معمولی لمبا کرنا بہتر نہیں ہے، لیکن اس کی خلاف ورزی پر سجدۂ سہو وغیرہ واجب نہیں۔ ۳؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فقوله هنا لا يكره أى لا تحريما ولا تنزيها، وإن كره فى الفرائض تنزيها فافهم (رد المحتار، ج۲، ص۴۶، ۴۷، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

وقال الصدر الشهيد الجماعة سنة كفاية فيها حتى لو أقامها البعض فى المسجد بجماعة وباقى أهل المحلة منفردا فى بيته لا يكون تاركا للسنة لأنه يروى عن أفراد الصحابة التخلف .وقال فى المبسوط لو صلى إنسان فى بيته لا يأثم فقد فعله ابن عمر وعروة وسالم والقاسم وإبراهيم ونافع فدل فعل هؤلاء أن الجماعة فى المسجد سنة على سبيل الكفاية إذ لا يظن بابن عمر ومن تبعه ترك السنة اه .وإن صلاها بجماعة فى بيته فالصحيح أنه نال إحدى الفضيلتين فإن الأداء فى المسجد له فضيلة ليس للأداء فى البيت ذلك وكذا الحكم فى الفرائض (مراقى الفلاح شرح نور الايضاح، ج۱، ص۱۵۷، كتاب الصلاة، باب فى النوافل، فصل فى التراويح)

وروى الطحاوى عن الأشعث بن سليم قال :أتيت مكة وذاك فى رمضان فى زمان ابن الزبير - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -فكان الإمام يصلى بالناس فى المسجد وقوم يصلون على حدة المسجد .وروى أيضا عن إبراهيم قال :لو لم يكن معى إلا سورة واحدة لكنت أرددها أحب إلى من أن أقوم خلف الإمام فى رمضان، وروى أيضا عن عروة وسعيد بن جبير ونافع أنهم كانوا ينصرفون من العشاء فى رمضان ولا يقومون مع الناس (البناية شرح الهداية، ج۲، ص۵۵۴، حكم صلاة التراويح وكيفيته)

۱؎ لو حصل الختم ليلة التاسع عشر أو الحادى والعشرين لا تترك التراويح فى بقية الشهر؛ لأنها سنة، كذا فى الجوهرة النيرة الأصح أنه يكره له الترك، كذا فى السراج الوهاج (الفتاوىٰ الهندية، ج۱، ص۱۱۸، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فى التراويح)

۲؎ وتستحب التسوية بين الركعتين عندهما وعند محمد -رحمه الله تعالى -يطول القراءة فى الأولى على الثانية، هكذا فى محيط السرخسى (الفتاوىٰ الهندية، ج۱، ص۱۱۷، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فى التراويح)

والأفضل تعديل القراءة بين التسليمات، وكذا بين الركعتين فى التسليمة (الاختيار لتعليل المختار، ج۱، ص۶۹، ۷۰، كتاب الصلاة، باب صلاة التراويح)

۳؎ وفى نظم الزندوستى تستوى الركعتان فى القراءة فى الجمعة والعيدين بالاتفاق وقيد بالأولى؛ لأن إطالة الثانية على الأولى تكره إجماعا، وإنما يكره التفاوت بثلاث آيات، فإن كان آية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۳۳......نماز کی ہر رکعت کے شروع میں اور بطورِ خاص پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے قرائت کرنے والے کو (خواہ منفرد ہو یا امام) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ آواز میں پڑھنی چاہئے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أو آيتين لا يكره؛ لأنه -صلى الله عليه وسلم -قرأ في المغرب بالمعوذتين وإحداهما أطول من الأخرى بآية كذا في الكافي ويشكل على هذا الحكم ما ثبت في الصحيحين من قراء ته -صلى الله عليه وسلم -في الجمعة والعيدين في الأولى بسبح اسم ربك الأعلى، وفي الثانية بهل أتاك حديث الغاشية مع أن الثانية أطول من الأولى بأكثر من ثلاث آيات فإن الأولى تسع عشرة آية والثانية ست وعشرون آية، وقد يجاب :بأن هذه الكراهة في غير ما وردت به السنة

وأما ما ورد عنه -عليه الصلاة والسلام -في شيء من الصلوات فلا أو الكراهة تنزيهية وفعله -عليه الصلاة والسلام -تعليما للجواز لا يوصف بها والأول أولى؛ لأنهم صرحوا باستنان قراء ة هاتين السورتين في الجمعة والعيدين وقيد بالفرض؛ لأنه يسوى في السنن والنوافل بين ركعاتها في القراء ة إلا فيما وردت به السنة أو الأثر كذا في منية المصلي وصرح في المحيط بكراهة تطويل ركعة من التطوع ونقص أخرى وأطلق في جامع المحبوبي عدم كراهة إطالة الأولى على الثانية في السنن والنوافل؛ لأن أمرها سهل اختاره أبو اليسر ومشى عليه في خزانة الفتاوى كما ذكره في شرح منية المصلي فكان الظاهر عدم الكراهة(البحر الرائق، ج ١، ص ٣٦٢، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة)

۱؎ ثم عن أبي حنيفة -رحمه الله -أنه لا يأتي بها في أول كل ركعة كالتعوذ، وعنه أنه يأتي بها احتياطا، وهو قولهما، ولا يأتي بها بين السورة والفاتحة إلا عند محمد -رحمه الله تعالى -فإنه يأتي بها في صلاة المخافتة(الهداية مع شرحه البناية)

م :(ثم عند أبي حنيفة أنه) ش :أي أن المصلي م :(لا يأتي بها) ش :أي بالتسمية م :(في أول كل ركعة) ش :وهذه رواية الحسن عن أبي حنيفة، وروى عن أبي حنيفة أن المصلي إذا سمى أول صلاته فإنه لا يعيدها لأنها شرعت لافتتاح الصلاة م :(كالتعوذ) ش :أي كقراء ة أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، فإنه يقرأها مرة في أول السورة اتفاقا.م :(وعنه) ش :أي وعن أبي حنيفة (أنه يأتي بها) ش :أي أن المصلي يأتي بالتسمية في أول كل ركعة، وهذه الرواية رواها أبو يوسف عن أبي حنيفة .وفي "قنية الفتاوى :"والأحسن أن يأتي بها في أول كل ركعة عند أصحابنا جميعا لا اختلاف فيه، ولا تختلف الرواية عنهم، ومن قال، مرة، فقد غلط على أصحابنا غلطا فاحشا عرفه من تأمل كتب أصحابنا، لكن الخلاف في الوجوب، فعندهما في رواية المعلى عن أبي حنيفة أنها تجب في الثانية كوجوبها في الأولى .ورواية الحسن عنه أنها لا تجب إلا عند افتتاح الصلاة وإن قرأها في غيره فحسن، والصحيح أنها تجب في كل ركعة حتى لو سها عنها قبل الفاتحة سجد للسهو.وفي "المجتبى :"وأما وجوبها خارج الصلاة، فالصحيح أنها تجب، وأجمع القراء أن يقرأها أول الفاتحة وكذا في سائر السور إلا عند غيره وأبي عمرو.م :(احتياطا) ش :أي على سبيل الاحتياط، لأنها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور تکمیلِ قرآن کی سنت کے لئے کسی ایک سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بطورِ خاص سنت ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أقرب إلى متابعة المصحف لأن عليه إعادة الفاتحة، فكذا إعادتها .وروى الحسن عن أبى حنيفة: إن قرأها عند السورة فحسن.م :(وهو قولهما) ش :أى قول أبى يوسف ومحمد م :(ولا يأتى بها) ش :أى بالتسمية م :(بين السورة والفاتحة) ش :لأن محلها أول الصلاة م :(إلا عند محمد فإنه يأتى بها فى صلاة المخافتة) ش :أى فإن المصلى يأتى بالتسمية بين الفاتحة والسورة فى الصلاة التى يخافت فيها القراء ة اتباعا للمصحف، وأما إذا جهر فلا، وعند الشافعى :لا تجوز الصلاة بدون التسمية، فلذلك قالوا :الأجود أن يأتى بها فى كل ركعة، وهو المنقول عن ابن عباس -رضى الله عنه -ومجاهد، وذلك للاحتياط.وقال حميد الدين :لا احتياط فيه، لأن عند سعد بن أبى وقاص تسمية المقتدى مفسدة لصلاته، لكن لم يفند هذا الخلاف إذ فساد الصلاة لها بعيد، حتى إنه استحسن قراء ة البعيد خلف الإمام فيما يخافت .واعتبر خلاف الشافعى لأن معه غيره ولم يعتد بخلافه فى الجهر لانفراده، ومخالفة النصوص على ما ذكرنا(البناية شرح الهداية، ج۲ص۲۰۸،۲۰۹، كتاب الصلاة، باب فى صفة الصلاة، سنن الصلاة، البسملة فى الصلاة)

وذكر فى المصفى أن الفتوى على قول أبى يوسف أنه يسمى فى أول كل ركعة ويخفيها .وذكر فى المحيط :المختار قول محمد، وهو أن يسمى قبل الفاتحة وقبل كل سورة فى كل ركعة .مطلب: لفظة الفتوى آكد وأبلغ من لفظة المختار :وفى رواية الحسن بن زياد أنه يسمى فى الركعة الأولى لا غير، وإنما اختير قول أبى يوسف لأن لفظة الفتوى آكد وأبلغ من لفظة المختار ولأن قول أبى يوسف وسط وخير الأمور أوسطها كذا فى شرح عمدة المصلى .اهـ .ما فى شرح الغزنوية .ووقع فى النهر هنا خطأ وخلل فى النقل أيضا عن شرح الغزنوية فاجتنبه فافهم .مطلب قراء ة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن (ردالمحتار، ج ا، ص ۴۹۰، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة)

روى الحسن عن أبى حنيفة أنه قال :المصلى يسمى فى أول صلاته ثم لا يعيد، وإليه مال الفقيه أبو جعفر رحمه الله، وروى المعلى عن أبى يوسف عن أبى حنيفة رحمهم الله :أنه يأتى بها فى أول كل ركعة، وهو قول أبى يوسف وذكر الفقيه أبو جعفر عن أبى حنيفة :أنه إذا قرأها مع كل سورة فحسن.وروى ابن أبى رملة عن محمد أنه يأتى بالتسمية عند افتتاح كل ركعة، وعند افتتاح السورة أيضا، إلا أنه إذا كان صلاة يجهر فيها بالسورة .لا يأتى بالتسمية بين الفاتحة والسورة، وعند الشافعى يأتى بالتسمية فى كل ركعة، ويأتى بها أيضا فى رأس السورة، سواء كان صلاة يجهر فيها بالقراء ة أو يخافت، وذكر أبو على الدقاق أنه يقرأ قبل فاتحة الكتاب فى كل ركعة، قال :وهو قول أصحابنا ورواية أبى يوسف عن أبى حنيفة، وهو قول أبى يوسف أحوط؛ لأن العلماء اختلفوا فى التسمية أنها هل هى من الفاتحة أم لا؟ وعليه إعادة الفاتحة فى كل ركعة، فكان عليه إعادة التسمية فى كل ركعة لتكون أبعد عن الاختلاف.قال صدر الإسلام فى شرحه :لم يذكر محمد رحمه الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور تراویح میں پورے قرآن مجید کی قرائت کرنے والے امام کے لئے پورے قرآن مجید میں کسی ایک جگہ بلند آواز سے ''بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' پڑھنا بھی سنت ہے تاکہ سامعین کے مکمل قرآن مجید سننے کی سنت بھی پوری ہوجائے۔ [1]

پھر امام کے لئے بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا کسی خاص سورت کے شروع میں ضروری نہیں، بلکہ جس سورت کے شروع میں بھی پڑھ لے، اختیار ہے۔

یہاں تک کہ اگر پہلی رات کی تراویح کے شروع میں قرآن مجید کی ابتداء کرتے وقت (سورہ فاتحہ شروع کرنے سے پہلے) ہی یہ عمل کرلیا جائے تو بھی درست بلکہ بعض حضرات کے نزدیک افضل ہے، تاکہ بسم اللہ سے امام ومقتدی سب کے حق میں قرآن مجید کی حقیقی ابتداء

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی التسمية خلافا بين أبي يوسف وبين ...أنها للصلاة، أو للقراء ة كما ذكر في التعوذ، وما روى الحسن عن أبي حنيفة أنه يسمى في الركعة الأولى فحسب، تدل على أنها للصلاة(المحيط البرهاني، ج ا ص ۱۵۹، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في التغني والألحان)

ثم عندنا إن لم يجهر بالتسمية لكن يأتي بها الإمام لافتتاح القراء ة بها تبركا كما يأتي بالتعوذ في الركعة الأولى باتفاق الروايات، وهل يأتي بها في أول الفاتحة في الركعات الأخر؟ عن أبي حنيفة روايتان، روى الحسن عنه أنه لا يأتي بها إلا في الركعة الأولى؛ لأنها ليست من الفاتحة عندنا وإنما يفتتح القراء ة بها تبركا وذلك مختص بالركعة الأولى كالتعوذ، وروى المعلى عن أبي يوسف عن أبي حنيفة أنه يأتي بها في كل ركعة وهو قول أبي يوسف ومحمد؛ لأن التسمية إن لم تجعل من الفاتحة قطعا بخبر الواحد لكن خبر الواحد يوجب العمل فصارت من الفاتحة عملا فمتى لزمه قراء ة الفاتحة يلزمه قراءة التسمية احتياطا(بدائع الصنائع، ج ا ص ۲۰۴، كتاب الصلاة، فصل في سنن حكم التكبير أيام التشريق)

[1] لو ترك آية منه لم يخرج عن العهدة، وقد ثبت أن البسملة أيضا آية منه على الأصح، فيستخرج منه أنه لو قرأ تمام القرآن في التراويح، ولم يقرأ البسملة في ابتداء سورة من السور سوى ما في سورة النمل لم يخرج عن عهدة السنية، ولو قرأها الإمام سرا خرج عن العهدة، لكن لم يخرج المقتدون عن العهدة، وبه أفتيت حين سئلت(إحكام القنطرة في أحكام البسملة، للكنوي، ج ا، ص ۱۶۴، الناشر :مؤسسة الرسالة، بيروت، دار البشير، عمان، الأردن)

ہوجائے، اور بسم اللہ سے قرآن مجید شروع کرنے کی برکت سب کے حق میں متحقق ہوجائے۔ [۱]

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ تراویح پڑھانے والے امام کے لئے بِسْمِ اللہ کا آخری دن یا سورۂ اخلاص کے ساتھ بآوازِ بلند پڑھنا ضروری نہیں۔

لہٰذا تراویح کی نماز میں آخری دن یا سورۂ اخلاص کے ساتھ بسم اللہ کو بآوازِ بلند مخصوص سمجھنے کا عقیدہ غلط ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۱۴۱...... سورۂ فاتحہ ختم کرنے کے بعد کسی سورت کے شروع کرنے پر اور ایک سورت ختم کرنے کے بعد دوسری سورت شروع کرنے پر بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ آواز میں پڑھ لینا بہتر ہے۔ [۳]

---

[۱] اوراس اعتبار سے بھی افضل ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک بسم اللہ سورۂ فاتحہ کا حصہ ہے۔

البسملة جزء من القرآن الكريم: اتفق الفقهاء على أن البسملة جزء من آية فى قوله تعالى :(إنه من سليمان وإنه بسم الله الرحمن الرحيم) واختلفوا فى أنها أية من الفاتحة، ومن كل سورة . والمشهور عند الحنفية، والأصح عند الحنابلة، وما قال به أكثر الفقهاء هو :إن البسملة ليست آية من الفاتحة ومن كل سورة، وإنها آية واحدة من القرآن كله، أنزلت للفصل بين السور، وذكرت فى أول الفاتحة......والمشهور عند المالكية :أن البسملة ليست آية من القرآن إلا فى سورة النمل، فإنها جزء من آية، ويكره قراء تها بصلاة فرض -للإمام وغيره -قبل فاتحة أو سورة بعدها، وقيل عند المالكية بإباحتها، وندبها، ووجوبها فى الفاتحة،وروى عن الإمام أحمد أن البسملة من الفاتحة......وروى عن الإمام أحمد :أن البسملة آية مفردة، كانت تنزل بين كل سورتين فصلا بين السور .وعنه أيضا :أنها بعض آية من سورة النمل، وما أنزلت إلا فيها، وعنه أيضا :البسملة ليست بآية إلا من الفاتحة وحدها.ومذهب الشافعية :أن البسملة آية كاملة من الفاتحة ومن كل سورة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸، ص ۸۲ تا۸۵ ملخصاً،مادة "بسملة")

[۲] قلت :قد جرت عادة حفاظ زماننا أنهم يقرء ون البسملة على رأس سورة الإخلاص يوم الختم فى التراويح، فيظن منه العوام ـ كالأنعام ـ أنه لو قرأها على رأس سورة أخريلم يجزه، وليس كذلك ولذلك تركت هذا الالتزام، فتارة أقرأ على رأس (إنا أعطيناک الكوثر)وتارة على رأس سورة الفيل، وتارة على رأس سورة البقرة، وتارة على رأس غيرها، فإن التزام أمر لم يعهد فى الشرع لزومه يجر إلى مفاسد(إحكام القنطرة فى أحكام البسملة، لعبد الحى اللكنوى،ص ۱۶۵، ۱۶۶)

[۳] لیکن اگرسورہ فاتحہ کے بعد درمیان سورت سے قرائت کرے، تو پھر بسم اللہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ نہ تو یہ موقع، قرائت ورکعت کے آغاز کا ہے، اور نہ ہی سورت کے آغاز کا ہے، لہٰذا تسمیہ کا کوئی سبب نہیں پایا جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۵...... تراویح میں قرآن مجید درمیانی رفتار کے ساتھ پڑھنا افضل ہے، اور کچھ تیز پڑھنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ اتنا تیز نہ ہو کہ حروف سمجھ نہ آئیں، یا حروف وحرکات کٹ جائیں۔ ۱؎

مسئلہ نمبر ۱۶...... تراویح کی نماز میں اگر کوئی سورت یا آیت رہ جائے اور اُس کو چھوڑ کر آگے کی قرائت کرلی جائے تو افضل یہ ہے کہ چھوٹی ہوئی سورت یا آیت اور اس کے بعد کے پڑھے ہوئے قرآن مجید کی دوبارہ قرائت کی جائے، تاکہ قرآن مجید کی تکمیل ترتیب کے ساتھ ہو۔ لیکن اگر اُس کو دوبارہ پڑھنے میں بوجھ ہوتا ہو (مثلاً بعد کا قرائت کیا ہوا حصہ زیادہ ہو) تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾(قوله ولا تكره اتفاقا) ولهذا صرح فى الذخيرة والمجتبى بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة المقروء ة سرا أو جهرا كان حسنا عند أبى حنيفة ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبى لشبهة الاختلاف فى كونها آية من كل سورة بحر (ردالمحتار، ج ا، ص ۴۹۰، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

وصرح فى(المضمرات)، و(النهر)أن الفتوى على أن التسمية واجبة فى كل ركعة عند ابتداء الفاتحة حتى لو تركها يجب سجود السهو، وعند ابتداء السورة حسن جهرية كانت الصلاة أو سرية، وهكذا فى(العتابية)، و(المحيط)(احكام القنطرة فى احكام البسملة، ص ۱۶۳، لعبد الحيئ اللكنوى)

۱؎ وفى الحجة :يقرأ فى الفرض بالترسل حرفا حرفا، وفى التراويح بين بين، وفى النفل ليلا له أن يسرع بعد أن يقرأ كما يفهم، ويجوز بالروايات السبع، لكن الأولى أن لا يقرأ بالغريبة عند العوام صيانة لدينهم(الدر المختار)

(قوله بين بين) أى بأن تكون بين الترسل والإسراع (قوله ليلا) لعل وجه التقيد به أن عادة المتهجدين كثرة القراء ة فى تهجدهم فلهم الإسراع ليحصلوا وردهم من القراء ة تأمل (قوله كما يفهم) أى بعد أن يمد أقل مد قال به القراء وإلا حرم لترك الترتيل المأمور به شرعا ط (قوله ويجوز بالروايات السبع) بل يجوز بالعشر أيضا كما نص عليه أهل الأصول ط (قوله بالغريبة) أى بالروايات الغريبة والإمالات لأن بعض السفهاء يقولون ما لا يعلمون فيقعون فى الإثم والشقاء، ولا ينبغى للأئمة أن يحملوا العوام على ما فيه نقصان دينهم، ولا يقرأ عنده قراء ة أبى جعفر وابن عامر وعلى بن حمزة والكسائى صيانة لدينهم فلعلهم يستخفون أو يضحكون وإن كان كل القراء ات والروايات صحيحة فصيحة، ومشايخنا اختاروا قراء ة أبى عمرو وحفص عن عاصم اهـ من التتارخانية عن فتاوى الحجة(رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل فى القراء ة)

قوله وما يكره أن يهذ كهذ الشعر كأنه يشير إلى أن استحباب الترتيل لا يستلزم كراهة الإسراع وإنما الذى يكره الهذ وهو الإسراع المفرط بحيث يخفى كثير من الحروف أو لا تخرج من مخارجها (فتح البارى لابن حجر، ج۹، ص ۸۹، قوله باب الترتيل فى القراء ة)

صرف چھوٹی ہوئی سورت یا آیت کی تلاوت کرنے میں بھی حرج نہیں۔ ؎۱

مسئلہ نمبر ۱۷...... اگر ایک شخص نے تراویح میں قرآن مجید کا کچھ حصہ ایک جگہ اور اس کے بعد کا کچھ حصہ دوسری جگہ مقتدی بن کر سنا، تو تب بھی اس کے قرآن مجید تراویح میں سننے کی سنت ادا ہو جائے گی، بشرطیکہ قرآن مجید کا کچھ حصہ چھوٹا نہ ہو، اور اگر کچھ حصہ چھوٹ گیا، مگر وہ بعد میں کسی حافظ کی اقتداء میں سن لیا، تو تب بھی سنت ادا ہو جائے گی۔

مسئلہ نمبر ۱۸...... اگر کوئی شخص کسی عذر یا مصروفیت کے باعث پورے مہینے یا ختمِ قرآن تک ایک جگہ جم کر تراویح نہ پڑھ سکتا ہو، جس کی وجہ سے اُس کو تراویح کی نماز میں مکمل ختمِ قرآن کی سنت پر عمل کرنا مشکل ہو، تو اسے چاہیئے کہ چند دنوں میں کسی جگہ قرآن مجید مکمل طور پر تراویح میں سن لے اور اس کے بعد حسبِ موقع مختلف مقامات پر تراویح پڑھ لیا کرے۔

بعض لوگ بلاعذر مختلف جگہ گھوم پھر کر تراویح پڑھتے ہیں (کسی دن کسی جگہ اور کسی دن کسی جگہ) اور اس طرح ترتیب سے کسی ایک جگہ بھی قرآن مجید کی سماعت مکمل طور پر ادا نہیں ہوتی۔

بلاعذر ایسا نہیں کرنا چاہیئے اور پورا قرآن مجید ترتیب کے ساتھ کسی ایک جگہ مستقل طور پر سننا چاہیئے۔ ؎۲

مسئلہ نمبر ۱۹...... تراویح کی ایک رکعت میں ایک سورت یا آیت کو ایک سے زیادہ مرتبہ پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ ؎۳

؎۱ واذا غلط فترک سورة أو آية وقرأ مابعدها فالمستحب لهٗ ان يقرء المتروكة ثم المقروءة ليكون على الترتيب (حلبى كبير، صفحه ۴۰۷؛ مطبوعة: سهيل اكيڈمى، لاهور)

؎۲ والجمهور على أن السنة الختم مرة فلا يترك لكسل القوم ويختم فى الليلة السابع والعشرين لكثرة الإخبار أنها ليلة القدر ومرتين فضيلة وثلاث مرات فى كل عشر مرة أفضل كذا فى الكافى (البحر الرائق، ج۲، ص ۷۴، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، صلاة التراويح)

؎۳ ويكره تكرار السورة فى ركعة واحدة فى الفرائض ولا بأس بذلك فى التطوع كذا فى فتاوى قاضى خان وإذا كرر آية واحدة مرارا فإن كان فى التطوع الذى يصلى وحده فذلك غير مكروه وإن كان فى الصلاة المفروضة فهو مكروه فى حالة الاختيار وأما فى حالة العذر والنسيان فلا بأس .هكذا فى المحيط(الفتاوى الهندية، ج۱، ص۱۰۷، كتاب الصلاة، الباب السابع، الفصل الثانى)

بعض جگہ آخری دن ایک رکعت میں سورۂ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھنے کو افضل سمجھا جاتا ہے، مگر اس کا تراویح کی نماز میں افضل ہونا صحابۂ کرام وغیرہ سے منقول اور ثابت نہیں، اس لئے مذکورہ عقیدہ کے ساتھ یہ عمل کرنا درست نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۰...... اگر تراویح کی نماز میں کسی سورت یا آیت کو پڑھنا چاہا، مگر غلطی سے دوسری سورت یا آیت پڑھ لی، تو اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ [2]

مسئلہ نمبر۲۱...... تراویح کی نماز میں اگر سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد کوئی آیت یا سورت پڑھی، اور پھر دوبارہ غلطی سے سورۂ فاتحہ پڑھ لی، یا سجدہ تلاوت کرنے کے بعد بھولے سے اُسی رکعت میں کھڑے ہو کر دوبارہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کر لی، تو اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ [3]

---

[1] إنى تركت تكرير سورة الإخلاص فى التروايح؛ لعدم كونه منقولا من الصحابة ومن بعدهم فى ما وقفنا عليه. والفقهاء وإن صرحوا بأنه يستحب عند ختم القرآن، أن يقرأ الإخلاص ثلاث مرات جبرا للنقصان، لكنهم نصوا على أن هذا فيما إذا كان الختم خارج الصلاة. وأما إذا كان فى الصلاة فيكره التكرير، وحفاظ زماننا مصرون على هذا التكرير ظانين أن التراويح تطوع، والتطوع يجوز فيه تكرير سورة واحدة، ولا يعلمون أن التروايح وإن كان من التطوعات لكنه منقول بهيئة معهودة من السلف، ولم ينقل عنهم التكرير. وقد صرح بعض الفقهاء أن للتراويح حكم الفرض لهذا. والله أعلم(احكام القنطرة فى أحكام البسملة، لعبد الحى اللكنوى،ص ۱۲۶)

[2] ولو أراد أن يقرأ سورة فأخطأ وقرأ غيرها لا سهو عليه لانعدام سبب الوجوب، وهو تغيير فرض أو واجب أو تركه إذ لا توقيت فى القراء ة(بدائع الصنائع، ج ۱، ص۱۶۷، فصل بيان سبب وجوب سجود السهو)

[3] ولو قرأ الحمد ثم السورة ثم الحمد -لا سهو عليه، وصار كأنه قرأ سورة طويلة (بدائع الصنائع، ج ۱، ص۱۶۷، فصل بيان سبب وجوب سجود السهو)

أما لو قرأها قبل السورة مرة وبعدها مرة فلا يجب كما فى الخانية واختاره فى المحيط والظهيرية والخلاصة وصححه الزاهدى لعدم لزوم التأخير لأن الركوع ليس واجبا بإثر السورة، فإنه لو جمع بين سور بعد الفاتحة لا يجب عليه شىء ، كذا فى البحر(رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۴۶۰، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)

ولو قرأ الفاتحة مرتين يجب عليه السجود لتأخير السورة كذا فى الذخيرة وغيرها وذكر قاضى خان وجماعة أنها إن قرأها مرتين على الولاء وجب السجود وإن فصل بينهما بالسورة لا يجب وصححه الزاهدى للزوم تأخير السورة فى الأول لا فى الثانى إذ ليس الركوع واجبا بأثر السورة فإنه لو جمع بين سورتين بعد الفاتحة لم يمتنع ولا يجب عليه شىء بفعل مثل ذلك فى الآخرين لأنهما محل القراء ة وهى ليست بواجبة فيهما (البحر الرائق، ج۲، ص ۱۰۱، و۱۰۲، باب سجود السهو)

مسئلہ نمبر۲۲...... اگر تراویح کی نماز میں سورۂ فاتحہ مکمل نہیں پڑھی، بلکہ اس کا کچھ حصہ پڑھا، اور کچھ حصہ باقی تھا، پھر اس کے بعد متصل بھولے سے دوبارہ سورۂ فاتحہ مکمل پڑھ لی، تو سجدۂ سہو واجب نہیں۔

اور اگر کوئی غلطی سے دومرتبہ مسلسل، مکمل سورۂ فاتحہ یا اس کا اکثر حصہ پڑھ لے، تو اکثر مشائخِ حنفیہ کے نزدیک سجدۂ سہو واجب ہے۔

اور بعض حضرات کے نزدیک تراویح کی نماز میں سورۂ فاتحہ یا اس کے اکثر حصہ کو بھولے سے دومرتبہ مسلسل پڑھ لینے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ [1]

---

[1] چنانچہ صاحبِ حلبی نے فرمایا کہ اگر سورہ فاتحہ کا ایک حرف بھی کم پڑھا اور پھر بھولے سے دوبارہ سورہ فاتحہ کو پڑھ لیا، تو بھی سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔

اور صاحبِ بزازیہ نے اور صاحبِ مجمع الانہر نے قہستانی کے حوالہ سے اور صاحبِ تبیین نے درایہ کے حوالہ سے نوافل میں تکرارِ فاتحہ کو غیر مکروہ قرار دیا ہے۔

جب انفرادی نماز میں سورہ فاتحہ کے اکثر حصے کا بھولے سے تکرار ہوجائے، تو سجدہ سہو کے وجوب کا حکم لگانے میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب امام سے نماز پڑھانے کی صورت میں اس طرح کی غلطی واقع ہوجائے، تو سجدہ سہو کے وجوب کا حکم لگانے میں ایک گونہ حرج پایا جاتا ہے، بالخصوص جبکہ مجمع زیادہ ہو، اور بالاخص جبکہ تراویح کی نماز ہو، جس کو بعض جہات سے تطوع کا حکم حاصل ہے، اس لئے اگر بطورِ خاص تراویح کی امامت میں کسی سے بھولے سے سورہ فاتحہ کے اکثر یا کُل حصہ کا مسلسل تکرار ہوجائے تو بندہ کو سجدہ سہو نہ کرنے کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

اور جب مجمع زیادہ ہو جس میں انتشار وخلفشار پیدا ہوتا ہو، تو خود فقہائے کرام نے سجدہ سہو معاف ہونے کی گنجائش دی ہے۔

وقـراءـة أكثـر الـفاتحة ثم إعادتها كقراء تها مرتين كما فى الظهيرية(البحرالرائق، ج۲، ص ۱۰۱، و۱۰۲، باب سجود السهو)

(قوله وكذا ترك تكريرها إلخ) فـلو قرأها فى ركعة من الأوليين مرتين وجب سجود السهو لتأخير الـواجـب وهو السورة كما فى الذخيرة وغيرها، وكذا لو قرأ أكثرها ثم أعادها كما فى الظهيرية(رد المحتار على الدر المختار، ج۱، ص ۴۶۱ كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)

وكذا لو قرأ الفاتحة إلا حرفا ثم أعادها لا سهو عليه كذا فى الخلاصة (حلبى كبير، ص ۴۶۰، فصل فى سجود السهو)

(أو كرره) أى الركن وفيه إشعار بأنه لو كرر واجبا لم يجب السهو لكن فى الخزانة وغيره أن تكرار الـفـاتحة فى الأوليين يوجب السهو ويمكن أن يقال :إن التكـرار لم يوجب بل ترك السورة فإنها تجب أن تلى الفاتحة وينبغى أن يقيد ذلك بالفرائض لأن تكرار الفاتحة فى النوافل لم يكره كما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۳...... تراویح کی نماز میں امام کو کیونکہ بلند آواز سے قرائت کرنا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک سنت اور مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے، اس لئے اگر تراویح کی نماز میں امام بلند آواز سے قرائت کرنا بھول جائے، اور آہستہ آواز میں قرائت شروع کردے، تو حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، خواہ کتنی بھی زیادہ قرائت کیوں نہ کرلے۔ [1]

اور حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ جب تک اس نے بقدرِ فرض (یعنی ایک بڑی آیت یا تین

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی القهستانی (مجمع الأنهر، ج ا ص ۱۴۸، کتاب الصلاة، باب سجود السهو)

قوله :ولو كررها خالف المشروع) أی ؛ لأن تكرار الفاتحة فی قيام واحد غير مشروع قال فی الدراية لكن ذكر فی فتاوى العتابی أن تكرار الفاتحة فی التطوع لا يكره لورود الخبر فی مثله .اهـ .قال ابن أمير حاج -رحمه الله -والله أعلم بثبوت ذلك .اهـ (تبيين الحقائق، ج ا ،ص ۱۲۸)

تكرار الفاتحة فی النفل لا يكره للأثر (الفتاوى البزازية، ج ا ،ص ۲۰)

[1] يرى جمهور الفقهاء أن الجهر فيما يجهر به والإخفات فيما يخافت فيه سنة من سنن الصلاة، وذهب الحنفية إلى أنه يجب الجهر فيما يجهر به والمخافتة فيما يخافت فيه. ثم اختلفوا فيما يوجبه الجهر فی موضع الإسرار أو العكس :فذهب الشافعية والأوزاعی إلى أن من جهر فی موضع الإسرار أو أسر فی موضع الجهر لم تبطل صلاته ولا سجود سهو عليه، ولكنه ارتكب مكروها .وبهذا يقول الحنابلة إن ترك الجهر والإخفات فی موضعهما عمدا .وإن ترك سهوا ففی مشروعية السجود من أجله روايتان عن أحمد:إحداهما :لا يشرع كما هو مذهب الشافعی والأوزاعی .والثانية: يشرع.ويرى الحنفية أنه لو جهر الإمام فيما يخافت فيه أو خافت فيما يجهر به تلزمه سجدة السهو؛ لأن الجهر فی موضعه والمخافتة فی موضعها من الواجبات، لمواظبة النبی صلى الله عليه وسلم عليهما، فبتركهما يلزم سجود السهو،هذا فی حق الإمام، أما المنفرد فلا سهو عليه؛ لأن الجهر والمخافتة من خصائص الجماعة ،وعد المالكية الجهر فيما يجهر فيه والسر فيما يسر فيه من السنن المؤكدة التی تنجبر بالسجود ،وقالوا :لا سجود فی يسير جهر فی سرية بأن أسمع نفسه ومن يليه فقط، أو يسير سر فی جهرية، ولا فی إعلان أو إسرار فی مثل آية فی محل سر أو جهر ، وعبر الدردير عن حاصل المذهب المالكی فی المسألة بقوله :إن من ترك الجهر فيما يجهر فيه وأتى بدله بالسر فقد حصل منه نقص، لكن لا سجود عليه إلا إذا اقتصر على حركة اللسان .وإن من ترك السر فيما يسر فيه وأتى بدله بالجهر فقد حصل منه زيادة، لكن لا سجود عليه بعد السلام، إلا إذا رفع صوته فوق سماع نفسه ومن يلاصقه، بأن كان يسمعه من بعد عنه بنحو صف فأكثر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۶ ،ص ۱۸۹، الجهر فی موضع الإسرار والعكس)

چھوٹی آیات کے برابر) قرائت نہ کی ہو، اُس وقت تک آہستہ آواز میں قرائت کرنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، اوراس سے زیادہ مقدار میں آہستہ آواز میں قرائت کرلی ہو، تو سجدۂ واجب ہوجاتا ہے۔ [۱]

البتہ حنفیہ کی ایک روایت کے مطابق جب تک اکثر سورۂ فاتحہ کی آہستہ آواز میں قرائت نہ

[۱] بقدرِ فرض قرائت صاحبین کے نزدیک تین آیات ہیں، اور امام صاحب کے نزدیک ایک آیت ہے؛ اس مسئلہ کے متعلق صاحبین کا قول وسعت پر اور امام صاحب کا قول احتیاط پر مبنی ہے۔

عندهما لا يتأدى فرض القراء ة إلا بثلاث آيات فما لم يتمكن التغير فى هذا المقدار لا يجب سجود السهو، وعند أبى حنيفة -رحمه الله تعالى -يتأدى الفرض بآية واحدة، فإذا تمكن التغير فى هذا القدر وجب السهو (المبسوط للسرخسى، ج ا، ص ۲۲۲، باب سجود السهو)

(والجهر فيما يخافت فيه) للإمام (وعكسه) لكل مصل فى الأصح والأصح تقديره (بقدر ما تجوز به الصلاة فى الفصلين .وقيل) قائله قاضى خان يجب السهو (بهما) أى بالجهر والمخافتة (مطلقا) أى قل أو كثر (وهو ظاهر الرواية) واعتمده الحلوانى (الدر المختار)

(قوله والأصح إلخ) وصححه فى الهداية والفتح والتبيين والمنية لأن اليسير من الجهر والإخفاء لا يمكن الاحتراز عنه، وعن الكثير يمكن، وما تصح به الصلاة كثير، غير أن ذلك عنده آية واحدة، وعندهما ثلاث آيات هداية .(قوله فى الفصلين) أى فى المسألتين مسألة الجهر والإخفاء .(قوله قل أو كثر) أى ولو كلمة .قال القهستانى :والمتبادر أن يكون هذا فى صورة،أن ينسى أن عليه المخافتة فيجهر قصدا، وأما إذا علم أن عليه المخافتة فيجهر لتبيين الكلمة فليس عليه شىء .اهـ.

(قوله وهو ظاهر الرواية) قال فى البحر :وينبغى عدم العدول عن ظاهر الرواية الذى نقله الثقات من أصحاب الفتاوى .اهـ .زاد المصنف فى منحه :وإنما عولنا على الأول تبعا للهداية، وأنا أعجب من كثير من كمل الرجال كيف يعدل عن ظاهر الرواية الذى هو بمنزلة نص صاحب المذهب إلى ما هو كالرواية الشاذة .اهـ.

أقول :لا عجب من كمل الرجال كصاحب الهداية والزيلعى وابن الهمام حيث عدلوا عن ظاهر الرواية لما فيه من الحرج، وصححوا الرواية الأخرى للتسهيل على الأمة، وكم له من نظير ولذا قال القهستانى :ويجب السهو بمخافتة كلمة لكن فيه شدة .وقال فى شرح المنية :والصحيح ظاهر الرواية، وهو التقدير بما تجوز به الصلاة من غير تفرقة لأن القليل من الجهر فى موضع المخافتة عفو أيضا؛ ففى حديث أبى قتادة فى الصحيحين أنه -عليه الصلاة والسلام -كان يقرأ فى الظهر فى الأوليين بأم القرآن وسورتين، وفى الأخريين بأم الكتاب ويسمعنا الآية أحيانا .اهـ .ففيه التصريح بأن ما صححه فى الهداية ظاهر الرواية أيضا، فإن ثبت ذلك فلا كلام، وإلا فوجه تصحيحه ما قلنا وتأيده بحديث الصحيحين وقد قدمنا فى واجبات الصلاة عن شرح المنية أنه لا ينبغى أن يعدل عن الدراية أى الدليل إذا وافقتها رواية(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ۸۲،باب سجود السهو)

کرے، اس وقت تک سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ [1]

[1] چنانچہ نوادر کی ایک روایت کے مطابق اگر جہری نماز میں (جس میں باجماعت تراویح بھی داخل ہے) امام اگر بھولے سے اکثر سورۂ فاتحہ کی سرّی قرائت کرے، تو سجدۂ سہو واجب ہے، اور اس سے کم کرنے کی صورت میں واجب نہیں۔
اور سورۂ فاتحہ کے علاوہ کسی سورت کی اگر تین چھوٹی یا ایک بڑی آیت کی سری قرائت کرے، تو سجدۂ واجب ہے، ورنہ نہیں۔
ہمارے نزدیک باجماعت تراویح کی نماز میں امام کو بوقتِ ضرورت (مثلاً جبکہ مجمع زیادہ ہو) نوادر کی اس روایت پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے، مجتہد فیہ مسئلے میں ظاہر ہے کہ کچھ نہ کچھ تخفیف ہوا کرتی ہے۔

فی ظاهر رواية الأصل سوى بين الجهر والمخافتة، فقال :إذا جهر فيما يخافت أو خافت فيما يجهر فعليه سجود السهو من غير تفصيل، وذكر فی النوادر :أنه إن جهر فيما يخافت فلعليه السهو قل ذلک أو كثر.وإن خافت فيما يجهر إن كان ذلک فی فاتحة الكتاب أو فی أكثرها فعليه السهو وإلا فلا.وإن وقع هذا فی سورة أخرى إن خافت ثلاث آيات أو آية طويلة عند الكل أو آية قصيرة عند أبی حنيفة رحمه الله فعليه السهو، وإلا فلا، وهذا لأن حكم الجهر فيما يخافت غلط من حكم المخافتة فيما يجهر؛ لأن حكم الشرع فی ابتداء الإسلام الجهر فی الصلاة كلها الصلاة ثم انتسخ الجهر فی البعض دون البعض، فإذا جهر فيما يخافت فقد عمل بالمنسوخ خف حكمه، ولأن للصلاة بالجهر حظاً من المخافتة حتى يخافت بالفاتحة فی الآخرين(المحيط البرهانی، ج ١ ص ٥٠٣، كتاب الصلاة،الفصل السابع عشر فی سجود السهو)

ولو غير صفة القراء ة سهوا بأن جهر فيما يخافت أو خافت فيما يجهر -فهذا على وجهين :أما إن كان إماما أو منفردا فإن كان إماما سجد للسهو عندنا، وعند الشافعی لا سهو عليه، وجه قوله أن الجهر والمخافتة من هيئة الركن، وهو القراء ة فيكون سنة كهيئة كل ركن، نحو الأخذ بالركب وهيئة القعدة،ولناأن الجهر فيما يجهر والمخافتة فيما يخافت واجبة على الإمام لما بينا فيما تقدم، ثم اختلفت الروايات عن أصحابنا فی مقدار ما يتعلق به سجود السهو من الجهر والمخافتة، ذكر فی نوادر أبی سليمان وفصل بين الجهر والمخافتة فی المقدار فقال :إن جهر فيما يخافت فعليه السهو قل ذلک أو كثر، وإن خافت فيما يجهر فإن كان فی أكثر الفاتحة، أو فی ثلاث آيات من غير الفاتحةفعليه السهو، وإلا فلا، وروى ابن سماعة عن محمد التسوية بين الفصلين أنه إن تمكن التغيير فی ثلاث آيات أو أكثر فعليه سجود السهو، وإلا فلا وروى الحسن عن أبی حنيفة إن تمكن التغيير فی آية واحدة فعليه السجود، وروى عن أبی يوسف أنه إذا جهر بحرف يسجد،وجه رواية أبی سليمان أن المخافتة فيما يخافت ألزم من الجهر فيما يجهر، ألا ترى أن المنفرد يتخير بين الجهر والمخافتة؟ ولا خيار له فيما يخافت فإذا جهر فيما يخافت فقد تمكن النقصان فی الصلاة بنفس الجهر فيجب جبره بالسجود فأما بنفس المخافتة فيما يجهر فلا يتمكن النقصان ما لم يكن مقدار ثلاث آيات أو أكثر،وجه رواية ابن سماعة ما روى عن أبی قتادة أن النبی ﷺ كان يسمعنا الآية والآيتين أحيانا فی الظهر والعصر، وهذا جهر فيما يخافت، فإذا ثبت فيه ثبت فی المخافتة فيما يجهر؛ لأنهما يستويان، ثم لما ورد الحديث مقدرا بآية أو آيتين ولم يرد بأزيد من ذلک كانت الزيادة تركا للواجب فيوجب السهو،وجه رواية الحسن بناء على أن فرض القراء ة عند أبی حنيفة يتأدى بآية واحدة وإن كانت قصيرة، فإذا غير صفة القراء ة فی هذا القدر تعلق به السهو، وعندهما لا يتأدى فرض القراء ة إلا بآية طويلة أو ثلاث آيات قصار، فما لم يتمكن التغيير فی هذا المقدار لا يجب السهو، هذا إذا كان إماما فأما إذا كان منفردا فلا سهو عليه(بدائع الصنائع، ج ١ ص ١٦٦)

مسئلہ نمبر۲۴...... اگر تراویح میں سورہ فاتحہ کے بجائے بھولے سے دوسری سورت کی تلاوت شروع کردے، تو اگر ایک رکن کی مسنون مقدار سے کم قرائت کی ہو، تو حنفیہ کے نزدیک دلیل کے لحاظ سے راجح یہ ہے کہ سجدہ سہو کی ضرورت نہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک کتنی بھی قرائت کرلی ہو، سجدہ سہو نہیں ہے، کیونکہ قیام کی حالت فی الجملہ قرائت کا محل ہے۔ ل

مسئلہ نمبر۲۵...... احادیث میں رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن مجید کی قرائت وتلاوت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ۲

ل اور حنفیہ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر سورہ فاتحہ سے پہلے ایک حرف کی بھی قرائت کرلی ہو، تو سجدہ سہو واجب ہے۔

(وإن بدأ المصلي بالسورة) قبل الفاتحة (ساهيا في الركعة الأولى) أو الثانية (فعليه السهو وإن قرأ حرفا) واحدا (كذا في الخاقانية) لأنه أخر واجبا ولم يعف القليل لأن السهو فيه غير غالب بخلاف الجهر (منية المصلي، ص ۲۶۲)

ولو بدأ بحرف من السورة قبل الفاتحة فذكر فقرأ الفاتحة يسجد للسهو للتأخير، وفي هذا إذا وزنته بما ذكرناه في التفكر نظر، بل ينبغي أن يقرأ من السورة مقدار ما يتأدى فيه ركن ليجب السهو (فتح القدير، ج ۱ ص ۵۰۳، كتاب الصلاة، باب سجود السهو)

لو بدأ بالسورة ثم تذكر يبدأ بالفاتحة ثم يقرأ السورة ويسجد للسهو وإن قرأ من السورة حرفا كذا في المجتبى وقيده في فتح القدير بأن يكون مقدار ما يتأدى به ركن عن قراء ة الفاتحة (البحر الرائق، ج ۲ ص ۱۰۱، كتاب الصلاة، باب سجود السهو)

(قوله وقيده في فتح القدير إلخ) أيده العلامة ابن أمير حاج في واجبات الصلاة بما ذكره غير واحد من المشايخ من أن الزيادة على التشهد في القعدة الأولى الموجبة لسجود السهو بسبب تأخير القيام عن محله مقدرة بمقدار أداء ركن وهذه المسألة نظيرتها (منحة الخالق على البحر، حواله بالا)

ثم رأيت في سهو البحر قال بعد ما مر :وقيده في فتح القدير بأن يكون مقدار ما يتأدى به ركن .اهـ. أي لأن الظاهر أن العلة هي تأخير الابتداء بالفاتحة والتأخير اليسير، وهو ما دون ركن معفو عنه تأمل .ثم رأيت صاحب الحلية أيد ما بحثه شيخه في الفتح من القيد المذكور بما ذكروه من الزيادة على التشهد في القعدة الأولى الموجبة للسهو بسبب تأخير القيام عن محله، وأن غير واحد من المشايخ قدرها بمقدار أداء ركن (ردالمحتار، ج ۱ ص ۴۶۰، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

لو قرأ السورة قبل الفاتحة لم يسجد قاله ابن الصباغ؛ لأن القيام محلها في الجملة (أسنى المطالب في شرح روض الطالب، ج ۱، ص ۱۸۸، كتاب الصلاة، فصل ترتيب الاركان في الصلاة)

۲ عن ابن عباس، قال :كشف رسول الله صلى الله عليه وسلم الستارة والناس صفوف خلف أبي بكر، فقال :أيها الناس، إنه لم يبق من مبشرات النبوة إلا الرؤيا الصالحة، يراها المسلم، أو ترى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اگر کوئی شخص رکوع یا سجدہ کی حالت میں بھولے سے قرآن مجید کی قرائت کرلے، تو کیا اس پر سجدۂ سہو ہوگا یا نہیں؟

اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ ۱

بعض حضرات اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہونے کے قائل نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک قرآن مجید ثناء پر مشتمل ہے، اور رکوع وسجدہ محلِ ثناء ہے۔

اور اکثر مشائخِ حنفیہ اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہونے کے قائل ہیں۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

له، ألا وإني نهيت أن أقرأ القرآن راكعا أو ساجدا، فأما الركوع فعظموا فيه الرب عز وجل، وأما السجود فاجتهدوا في الدعاء، فقمن أن يستجاب لكم(مسلم، رقم الحديث ۴۷۹"۲۰۷")

علی بن أبی طالب، يقول :نهاني رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قراءة القرآن وأنا راكع أو ساجد(مسلم، رقم الحديث ۴۸۰"۲۱۰")

۱ قال القاضي :نهى الله تعالى رسوله يدل على عدم جواز القراءة في الركوع والسجود، لكن لو قرأ لم تبطل صلاته، إلا إذا كان المقروء الفاتحة، فإن فيها خلافا يعني :عند الشافعية؛ لأنه زاد ركنا، لكن لم يتغير به نظم صلاته، (فأما الركوع فعظموا فيه الرب) ، أي :فقولوا سبحان ربي العظيم (وأما السجود فاجتهدوا) ، أي :بالغوا (في الدعاء) ، أي :حقيقة وهو ظاهر أو حكما كما في " :سبحان ربي الأعلى "وقال بعضهم :ادعوا بعد قول سبحان ربي الأعلى، وقال الطيبي: وأمره إياه بالتعظيم للرب في الركوع وبالدعاء في السجود يدل على أن النهي عن القراءة ليس مخصوصا به عليه السلام، بل الأمة داخلون معه فيه، وقال ابن الملك :الأمر فيه للندب لا للوجوب؛ لأنه عليه السلام حين علم الأعرابي لم يأمره به(مرقاة المفاتيح، ج۲ص ۷۱۱، کتاب الصلاة،باب الركوع)

۲ فيه النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود وإنما وظيفة الركوع التسبيح ووظيفة السجود التسبيح والدعاء فلو قرأ في ركوع أو سجود غير الفاتحة كره ولم تبطل صلاته وإن قرأ الفاتحة ففيه وجهان لأصحابنا أصحهما أنه كغير الفاتحة فيكره ولا تبطل صلاته والثاني يحرم وتبطل صلاته هذا إذا كان عمدا فإن قرأ سهوا لم يكره وسواء قرأ عمدا أو سهوا يسجد للسهو عند الشافعي رحمه الله تعالى وقوله صلى الله عليه وسلم(شرح صحيح مسلم للنووي، ج۴ص۱۹۷،باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود)

ولو تشهد مرتين لا سهو عليه، ولو قرأ القرآن في ركوعه أو في سجوده أو في قيامه لا سهو عليه؛ لأنه ثناء وهذه الأركان مواضع الثناء (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع،ج ۱،ص۱۶۷، کتاب الصلاة،فصل بيان سبب وجوب سجود السهو)

(إن قرأ) آية (في ركوع أو قعود) أو سجود أو قومة لأن كلا منها ليس بمحل القراءة فيكون فعل من أفعال الصلاة غير واقع في محله فيجب(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر،ج ۱،ص ۱۴۸، كتاب الصلاة، باب سجود السهو) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴۶...... اگر تراویح کی نماز کے قعدہ میں تشہُّد سے فارغ ہوکر کوئی بھولے سے قرآن مجید کی قرائت کرے، تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، اور اگر تشہد سے پہلے کرے، تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكذا لو قرأ آية فى الركوع أو السجود أو القومة فعليه السهو كما فى الظهيرية وغيرها وعلله فى المحيط بتأخير ركن أو واجب عليه وكذا لو قرأها فى القعود إن بدأ بالقراء ة وإن بدأ بالتشهد ثم قرأها فلا سهو عليه كما فى المحيط وفى البدائع لو قرأ القرآن فى ركوعه أو فى سجوده لا سهو عليه لأنه ثناء وهذه الأركان مواضع الثناء اهـ .ولا يخفى ما فيه فالظاهر الأول(البحر الرائق، ج۲،ص۱۰۵ ،كتاب الصلاة، باب سجود السهو)

ولو تشهد فى قيامه أو ركوعه أو سجوده فلا سهو عليه ؛ لأنه ثناء وهذه المواضع محل الثناء (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ا ،ص ۱۹۳ ،كتاب الصلاة،باب سجود السهو)

(قوله ولو قرأ آية فى الركوع إلى آخره) قال فى البدائع :ولو قرأ القرآن فى ركوعه أو فى سجوده أو فى قيامه لا سهو عليه ؛ لأنه ثناء وهذه الأركان مواضع الثناء ا هـ ، وهو يخالف ما ذكره الشارح ا هـ .ولو قرأ القرآن فى القعدة إنما يجب السهو إذا لم يفرغ من التشهد أما إذا فرغ فلا يجب .ا هـ فتح قوله وهذه المواضع محل الثناء أى بخلاف قراء ة القرآن فيهما فإن فيه السهو .ا هـ .فتح (قوله وقبلها محل الثناء إلى آخره) ، وهذا يقتضى تخصيصه بالركعة الأولى .ا هـ .فتح (حاشية الشلبى،على تبيين الحقائق ج ا ،ص ۱۹۳ ،كتاب الصلاة،باب سجود السهو)

صاحبِ بدائع نے رکوع وسجدہ میں قرائت کرنے سے عدمِ وجوبِ سجدۂ سہو کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ قرآن ثناء ہے، اور رکوع وسجدہ کی حالت محلِ ثناء ہے۔

جس کے پیشِ نظر کہا جاسکتا ہے کہ اگر رکوع وسجدہ کی حالت میں کوئی بنیتِ ثناء ودعاء کسی آیت کا وِرد کرے، تو بالاتفاق سجدۂ سہو واجب نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ ثنا کی نیت سے قرآن مجید یا اس کی مخصوص آیات وسورتوں کا حکم قرائتِ قرآن سے نکل جاتا ہے، بالخصوص جبکہ غیرمحل میں ہو۔

(قوله :وقراء ة القرآن) أى يمنع الحيض قراء ة القرآن وكذا الجنابة......وهذا كله إذا قرأ على قصد أنه قرآن، أما إذا قرأه على قصد الثناء أو افتتاح أمر لا يمنع فى أصح الروايات وفى التسمية اتفاق أنه لا يمنع إذا كان على قصد الثناء أو افتتاح أمر كذا فى الخلاصة وفى العيون لأبى الليث ولو أنه قرأ الفاتحة على سبيل الدعاء أو شيئا من الآيات التى فيها معنى الدعاء ولم يرد به القراء ة فلا بأس به اهـ.واختاره الحلوانى وذكر فى غاية البيان أنه المختار لكن قال الهندوانى لا أفتى بهذا، وإن روى عن أبى حنيفة اهـ.(البحرالرائق، ج ا ، ص ۲۰۹ ، باب الحيض ، كيفية الحيض)

وفى القنية لم يقرأ فى الأوليين وقرأ فى الأخريين الفاتحة فى الصلاة على قصد الثناء والدعاء لا يجزئه انتهى مع أن المنقول فى التجنيس أنه إذا قرأ الفاتحة فى الصلاة على قصد الثناء جازت صلاته لأنه وجدت القراء ة فى محلها فلا يتغير حكمها بقصده وهكذا فى الظهيرية ،ثم ذكر بعده ما فى القنية عن شمس الأئمة الحلوانى ووجهه أن القراء ة ليست فى محلها فتغيرت بقصده كما يشير إليه تعليله فى التجنيس(البحر الرائق، ج۲،ص ۶۰ ،باب الوتر والنوافل)

حنفیہ کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۲۷...... اگر رکوع یا سجدہ میں کوئی بھولے سے تشہد پڑھ لے، تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۲۸...... اگر تراویح کی نماز کے قعدہ میں کوئی بھولے سے دو مرتبہ تشہُّد پڑھ لے، تو سجدۂ سہو واجب نہیں۔ [۳]

مسئلہ نمبر ۲۹...... اگر تراویح کی نماز میں غلطی سے کوئی ثنا، تعوذ، دعا یا تشہُّد وغیرہ بلند آواز سے پڑھ لے، تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، خواہ وہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو، یا امامت کرا رہا ہو۔ [۴]

مسئلہ نمبر ۳۰...... اگر تراویح کی نماز میں ایک رُکن کی مسنون مقدار (یعنی تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ یا سبحان ربی العظیم) کہنے کے برابر یا اس سے زیادہ دیر تک کوئی خاموش رہ کر سوچتا رہے، تو حنفیہ کے نزدیک اُس پر سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے، جس کی تفصیل پہلے گزری۔
لیکن اگر کوئی نماز میں شک کی حالت میں سوچتا رہا، مگر وہ خاموش نہیں رہا، بلکہ قرائت یا تسبیح وغیرہ میں مشغول رہا (جیسا کہ قراء حضرات قرائت میں شک ہونے کی صورت میں مختلف

---

[۱] ولو قرأ القرآن فی القعدة إنما یجب السهو إذا لم یفرغ من التشهد، أما إذا فرغ فلا یجب . وتکرار التشهد فی القعدة الأولی یوجب السجود دون الأخیرة.وفی شرح الطحاوی أطلق عدم الوجوب(فتح القدیر، ج ۱،ص ۵۰۴ کتاب الصلاة،باب سجود السهو)

[۲] ولو قرأ التشهد فی الرکوع أو السجود لا سهو علیه لأنه ثناء وهما محله (فتح القدیر، ج ۱،ص ۵۰۴ کتاب الصلاة،باب سجود السهو)

[۳] (أو قرأ التشهد مرتین فی) القعدة (الأخیرة أو تشهد قائما أو راکعا أو ساجدا لا سهو علیه) کذا فی المختار لعدم ترک واجب فی ذلک کله لأن الفاتحة لم یتعین وحدها فی الأخریین علی سبیل الوجوب القیام والرکوع والسجود محل الثناء والتشهد شاء وقیل إن تشهد فی القیام بعد قراءة الفاتحة فعلیه السهو وصححه السروجی وقیل لو تشهد فی رکوعه أو سجوده یلزمه السهو(منیة المصلی،ص ۲۵۴)

[۴] (تتمة) قد صرحوا بأنه إذا جهر سهوا بشیء من الأدعیة والأثنیة ولو تشهدا فإنه لا یجب علیه السجود .قال فی الحلیة :ولا یعری القول بذلک فی التشهد عن تأمل اهـ وأقره فی البحر .هذا وقد قدمنا فی فصل القراءة الکلام علی حد الجهر فراجعه(رد المحتار علی الدر المختار، ج ۲،ص ۸۲،باب سجود السهو)

آیتوں کو پڑھتے رہتے ہیں) تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

اور اگر تراویح میں امام مذکورہ مقدار کے برابر سامع کے لقمہ دینے کو سُننے کی غرض سے خاموش رہا، تو کیونکہ تراویح میں قرآن مجید کی قرائت اور اُس کی درست قرائت کرنا تراویح کا حصہ اور وظیفہ ہے، اس لئے مذکورہ صورت میں امام کا خاموش رہنا مشغولی کے قائم مقام سمجھا جائے گا، اور سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔ [1]

اور یہ تفصیل امام کے لئے ہے، مقتدی اگر اتنی یا اس سے زیادہ دیر تک سوچتا رہے، تو اس پر بہر حال سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۳...... تراویح میں پڑھے جانے والے قرآن مجید کی تکمیل حسبِ سہولت وحسبِ موقع جس تاریخ میں اور جس رکعت میں کرلی جائے، جائز ہے؛ نہ تو کوئی مخصوص دن وتاریخ مقرر ہے، اور نہ ہی کوئی خاص رکعت۔

چنانچہ دس بیس دن میں یا اس سے کم وبیش دن میں تکمیلِ قرآن جائز ہے، بشرطیکہ جماعت سے پڑھے جانے کی صورت میں مقتدیوں کو بار اور گرانی نہ ہو۔ [3]

---

[1] ولم يبينوا قدر الركن وعلى قياس ما تقدم أن يعتبر الركن مع سنته وهو مقدر بثلاث تسبيحات ثم أن محل وجوب سجود السهو إذا لم يشتغل حالة الشک بقراء ة ولا تسبيح أما إذا اشتغل بهما فلا سهو عليه وظاهر إطلاقهم عدم الوجوب عند الإشتغال بما ذكر ولو كان غير محل لهما ويحرر قوله " :لتأخيره واجب القيام "الأولى زيادة أو لتأخير واجب السلام قوله" :لكونه عفوا "لأن التحرز عن مثله فيه حرج والله سبحانه وتعالى أعلم وأستغفر الله العظيم (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص ۴۷۴، كتاب الصلاة، باب سجود السهو)

[2] أما المقتدى إذا سها فى صلاته فلا سجدة عليه لأنه لا يمكنه أداء السجود قبل السلام لما فيه من مخالفة الإمام ولا بعد سلام الإمام لأنه سلام عمد فيخرج به عن الصلاة فيسقط السهو أصلا (تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۲۱۵، باب السهو)

قال -رحمه الله -(لا بسهوه) أى لا يجب بسهو نفسه يعنى المقتدى ؛ لأنه لو سجد وحده كان مخالفا لإمامه ، ولو تابعه الإمام ينقلب التبع أصلا (تبيين الحقائق، ج ۱ ص ۱۹۵، باب سجود السهو)

[3] عن أبى مسعود، قال أتى النبى صلى الله عليه وسلم رجل، فقال :يا رسول الله، إنى لأتأخر فى صلاة الغداة من أجل فلان لما يطيل بنا فيها، قال :فما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم قط فى موعظة أشد غضبا منه يومئذ، فقال :يا أيها الناس إن منكم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جس دن قرآن مجید مکمل کیا جائے، اس دن تراویح کی بیسویں وآخری رکعت میں تکمیل ضروری نہیں ہے، بلکہ درمیان کی کسی رکعت میں بھی تکمیل جائز ہے۔ ۱

مسئلہ نمبر ۳۲...... ایک مرتبہ قرآن مجید مکمل ہونے کے بعد اگر اخلاص اور شوق وذوق سے کوئی باقی ماندہ دِنوں کی تراویح میں دوسری مرتبہ قرآن مجید کا کچھ حصہ یا مکمل قرآن مجید پڑھنا چاہے، تو جائز ہے۔

بس اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اگر امام ہو تو مقتدیوں پر گرانی نہ ہونے کا لحاظ کرے۔ ۲

مسئلہ نمبر ۳۳...... بعض حضرات نے تراویح میں پڑھے جانے والے قرآن مجید کے رمضانُ المبارک کی ستائیسویں رات میں مکمل کرنے کو بہتر قرار دیا ہے۔ ۳

لیکن جیسا کہ پہلے گزرا کہ شرعی اعتبار سے ہر ایک کے لئے ستائیسویں یا کسی مخصوص رات میں مکمل کرنے کی پابندی نہیں، بلکہ اپنی اپنی سہولت کے مطابق ہر ایک کو اختیار ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منفرين، فأيكم ما صلى بالناس، فليجوز؛ فإن فيهم الضعيف، والكبير، وذا الحاجة(ابنِ ماجه، رقم الحديث ۹۸۴، باب من أم قوما فليخفف)

عثمان بن أبي العاص، حدثه أن النبي صلى الله عليه وسلم، أمره أن يؤم قومه، قال :ثم قال " :من أم قوما فليخفف، فإن فيهم الضعيف، والكبير، والمريض، وذا الحاجة، فإذا صلى وحده فليصل كيف شاء (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۸۹۹)

في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

۱ (والسنة ختم القرآن في التراويح مرة واحدة) وعن أبي حنيفة يقرأ في كل ركعة عشر آيات ليقع له الختم، والأفضل في زماننا مقدار ما لا يؤدي إلى تنفير القوم عن الجماعة (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱، ص ۶۹، ۷۰، كتاب الصلاة، باب صلاة التراويح)

۲ والجمهور على أن السنة الختم مرة فلا يترك لكسل القوم ويختم في الليلة السابع والعشرين لكثرة الإخبار أنها ليلة القدر ومرتين فضيلة وثلاث مرات في كل عشر مرة أفضل كذا في الكافي (البحر الرائق، ج ۲، ص ۷۴، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، صلاة التراويح)

والأفضل في زماننا مقدار ما لا يؤدي إلى تنفير القوم عن الجماعة (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱، ص ۶۹، ۷۰، كتاب الصلاة، باب صلاة التراويح)

۳ قال الصدر الشهيد الختم في التراويح سنة والختمان فضيلة فيقرأ في كل ركعة عشر آيات حتى يحصل الختم في الليلة السابعة والعشرين (خلاصة الفتاوىٰ، ج ۱، ص ۶۴)

مسئلہ نمبر۴۳...... آج کل اکثر جگہ تراویح میں ختمِ قرآن کے موقعہ پر پہلی رکعت میں معوَّذتین اور دوسری رکعت میں سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات مفلحون تک پڑھنے کا اہتمام کیاجاتاہے،اوراس کوضروری یاکم ازکم مسنون عمل سمجھاجاتاہے،اوراگرکوئی اس کے مطابق عمل نہ کرے تواُسے معیوب یاخلافِ سنت عمل کامُرتکب خیال کیاجاتاہے۔

حالانکہ یہ عمل نہ تو ضروری ہے،اورنہ ہی سنت ہے۔

البتہ بعض اہلِ علم حضرات نے ختمِ قرآن کے بعدسورہ بقرہ کی کچھ آیات پڑھنے کے عمل کوبہتر قراردیاہے۔ [1]

اورجوبعض روایات سےاس طرح کےعمل کےسنت ہونےپراستدلال کیاجاتاہے۔ [2]

---

[1] وفی الولوالجیة من یختم القرآن فی الصلاۃ إذا فرغ من المعوذتین فی الرکعة الأولی یرکع ثم یقوم ویقرأ فی الرکعة الثانیة بفاتحة الکتاب وشیء من سورة البقرة (حلبی الصغیر، ج ۱، ص ۲۷۸)

ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وأن یقرأ منکوسا إلا إذا ختم فیقرأ من البقرۃ(الدرالمختار)

(قوله إلا إذا ختم إلخ) قال فی شرح المنیة :وفی الولوالجیة :من یختم القرآن فی الصلاۃ إذا فرغ من المعوذتین فی الرکعة الأولی یرکع ثم یقرأ فی الثانیة بالفاتحة وشیء من سورة البقرة، لأن النبی -صلی الله علیه وسلم -قال خیر الناس الحال المرتحل أی الخاتم المفتتح اهـ(ردالمحتار، ج ۱، ص ۵۴۷، کتاب الصلاۃ، فصل فی القراء ۃ)

[2] وہ روایات یہ ہیں:

عن ابن عباس، قال :قال رجل :یا رسول الله أی العمل أحب إلی الله؟ قال :الحال المرتحل .قال :وما الحال المرتحل؟ قال :الذی یضرب من أول القرآن إلی آخرہ کلما حل ارتحل :هذا حدیث غریب لا نعرفه من حدیث ابن عباس إلا من هذا الوجه وإسنادہ لیس بالقوی حدثنا محمد بن بشار قال :حدثنا مسلم بن إبراهیم قال :حدثنا صالح المری، عن قتادۃ، عن زرارۃ بن أوفی، عن النبی صلی الله علیه وسلم نحوہ بمعناہ، ولم یذکر فیه عن ابن عباس :وهذا عندی أصح من حدیث نصر بن علی عن الهیثم بن الربیع(سنن الترمذی،رقم الحدیث ۲۹۴۸)

عن أبی هریرۃ رضی الله عنه، قال :قام رجل إلی النبی صلی الله علیه وسلم، فقال :یا رسول الله أی العمل أفضل؟ أو أی العمل أحب إلی الله؟ قال :الحال، المرتحل الذی یفتح القرآن ویختمه، صاحب القرآن یضرب من أوله إلی آخرہ، ومن آخرہ إلی أوله، کلما حل ارتحل(مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۲۰۹۰)

وہ روایات اولاً تو سند کے اعتبار سے محلِ کلام ہیں، بعض ضعیف اور بعض شدید ضعیف ہیں۔ ۱
اور ضعیف حدیث سے بعض شرائط کے ساتھ کسی عمل کی فضیلت تو ثابت ہوجاتی ہے، لیکن کسی عمل کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

دوسرے اُن روایات سے خاص اس طرح کے عمل کے مسنون ہونے پر استدلال بھی مشکل ہے۔ ۲

---

۱ هـذا حـديث غريب أخرجه الترمذى عن نصر بن على، عن الهيثم بن الربيع، عن صالح .وقال: غـريـب لا نـعرفه من حديث ابن عباس إلا من هذا الوجه .ثـم أخـرجه من رواية مسلم بن إبراهيم عن صالح، ولم يذكر فيه ابن عباس .ورجح هذه الرواية المرسلة، وتعقبه المزى فى الأطراف بأن الهيثم لـم يـنفرد بوصله، بل تابعه إبراهيم بن أبى سويد .قلت :قـد ذكرته من روايته ومن رواية اثنين غيره، وتابعهم عمرو بن مرزوق.وأخرجه البزار عن الحسن بن يحيى عن عمرو بن عاصم، وأشار إلى تفرد صـالـح به عن قتادة .وأخـرج الـحـاكـم من رواية زيد بن الحباب، ومن رواية عمرو بن عاصم، ومن رواية عمرو بن مرزوق، وقال :تـفرد به صالح، وكان من زهاد أهل البصرة انتهى .وهو مما يتعجب منه لإخراجه له فى المستدرك، وصالح عندهم ضعيف لسبب سوء حفظه، وكأنه تساهل فيه لكونه مـن فـضـائل الأعمال(نتائج الأفكارفى تخريج أحاديث الأذكار،لابن حجر العسقلانى،فصل :فيمن نام عن حزبه ووظيفته المعتادة)

وقال الترمذى " :وهـذا عـندى أصح من حديث الهيثم بن الربيع ."قلت :قـد تـابعه جماعة على وصـلـه كـمـا أشرت إليه آنفا، فالموصول أصح ، وقد أخرجه الدارمى أيضا (۲/۴۶۹)مرسلا .وهو ضعيف على كل حال، لأن صالحا المرى ضعيف كما فى "التقريب ."وفى "الضعفاء "للذهبى: "قال النسائى وغيره :متروك ."وقـال الحاكم عقب الحديث " :هو من زهاد أهل البصرة ، إلا أن الشيخين لم يخرجاه ."وتعقبه الذهبى بقوله " :قلت :صالح متروك وذكر له الحاكم شاهدا من طريق مقدام بن داود بن تليد الرعينى :حدثنا خالد بن نزار حدثنى الليث بن سعد حدثنى مالك بـن أنـس عـن ابـن شهاب عن الأعرج عن أبى هريرة قال :فذكره .قـال الذهبى " :لـم يتكلم عليه الـحـاكـم، وهـو مـوضـوع عـلـى سـنـد الشيخين، ومقدام متكلم فيه، والآفة منه (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة للالبانى، تحت رقم الحديث ۱۸۳۴)

۲ چنانچہ حال اور مرتحل کا مفہوم عام ہے، خاص قرآن مجید اور وہ بھی نماز میں پڑھنے اور بالاخص تنکیس کے ساتھ پڑھنے کا مراد ہونا متعین نہیں۔

قـولـه (الحال المرتحل) قـال الـجزرى فى النهاية هو الذى يختم القرآن بتلاوته ثم يفتتح التلاوة من أولـه شبهـه بـالـمسافر يبلغ المنزل فيحل فيه ثم يفتتح سيره أى يبتدئه وكذلك قراء مكة إذا ختموا الـقـرآن ابتـدأوا وقـرأوا الـفـاتـحة وخـمـس آيات من أول البقرة إلى (وأولئك هم المفلحون) ثم يقطعون القراء ة ويسمون فاعل ذلك الحال المرتحل أى ختم القرآن وابتدأ بأوله ولم يفصل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تیسرے قرآن مجید کو باختیارِ خود خلافِ ترتیب پڑھنا بہت سے اہلِ علم کے نزدیک مکروہ عمل ہے۔ ۱؎

لہٰذا ختمِ قرآن کے موقع پر ضعیف حدیث سے الٹا پڑھنے کے سنت ہونے پر استدلال کرنا اور مزید براں اس کا التزام کرنا درست نہیں ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بينهما بزمان وقيل أراد بالحال المرتحل الغازى الذى لا يقفل من غزو إلا عقبه بآخر انتهى وقال بن القيم فى الإعلام ج ٢ ص ٩٨٢ بعد ذكر هذا الحديث ما لفظه فهم من هذا بعضهم أنه إذا فرغ من ختم القرآن قرأ فاتحة الكتاب وثلاث آيات من سورة البقرة لأنه حل بالفراغ وارتحل بالشروع وهذا لم يفعله أحد من الصحابة ولا التابعين ولا استحبه أحد من الأئمة والمراد بالحديث الذى كلما حل من غزاة ارتحل فى أخرى أو كلما حل من عمل ارتحل إلى غيره تكملا له كما كمل الأول وأما هذا الذى يفعله بعض القراء فليس مراد الحديث قطعا وبالله التوفيق وقد جاء تفسير الحديث متصلا به أن يضرب من أول القرآن إلى آخره كلما حل ارتحل وهذا له معنيان أحدهما أنه كلما حل من سورة أو جزء ارتحل فى غيره والثانى أنه كلما حل من ختمة ارتحل فى أخرى انتهى.

قلت قد وقع فى بعض نسخ الترمذى التفسير الذى أشار إليه بن القيم متصلا بهذا الحديث بلفظ قال وما الحال المرتحل قال الذى يضرب من أول القرآن إلى آخره كلما حل ارتحل وحديث بن عباس هذا رواه محمد بن نصر فى قيام الليل بلفظ قام رجل إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله أى العمل أفضل أو قال أى العمل أحب إلى الله قال الحال المرتحل قال يا رسول الله وما الحال المرتحل قال فتح القرآن وختمه من أوله إلى آخره ومن آخره إلى أوله كلما حل ارتحل قال بعض العلماء المقصود من الحديث السير دائما لا يفتر كما يشعر به كلمة من أوله إلى آخره ومن آخره إلى أوله فقارىء خمس آيات ونحوها عند الختم لم يحصل تلك الفضيلة وليس المراد الارتحال لفور الحلول فالمسافر السائر لا بد أن ينزل فيقيم ليلة أو بعض ليلة أو بعض يوم أو يعرس انتهى قلت الأمر عندى كما قال والله تعالى أعلم (تحفة الاحوذى، ج٨، ص ٢٢٠، ٢٢١، كتاب فضائل القرآن، باب ما جاء أن القرآن أنزل القرآن على سبعة أحرف)

۱؎ قَالُوا يَجِبُ التَّرْتِيبُ فِي سُوَرِ الْقُرْآنِ، فَلَوْ قَرَأَ مَنْكُوسًا أَثِمَ لَكِنْ لَا يَلْزَمُهُ سُجُودُ السَّهْوِ لِأَنَّ ذَلِكَ مِنْ وَاجِبَاتِ الْقِرَاءَةِ لَا مِنْ وَاجِبَاتِ الصَّلَاةِ كَمَا ذَكَرَهُ فِي الْبَحْرِ فِي بَابِ السَّهْوِ (رد المحتار على الدر المختار ج ١ ص ٤٥٧، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)

ويكره أن يقرأ سورة أو آية فى ركعة، ثم يقرأ فى الثانية ما فوقها وعليه جمهور الفقهاء وعن عبد الله أنه سئل عمن يقرأ القرآن منكوسا فقال ذلك منكوس القلب وهو بأن يقرأ سورة، ثم يقرأ بعدها سورة قبلها فى النظم وبه قال أحمد ولم يكرهه مالك اهـ (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ١، ص ١٣١، كتاب الصلاة، فصل الشروع فى الصلاة وبيان إحرامها وأحوالها)

اور اگر کوئی فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے عمل کرنا چاہے تو قرآن مجید کی ترتیب کی خلاف ورزی سے بچنے کے لئے زیادہ مناسب طریقہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مثلاً اٹھارہویں رکعت میں سورہ ناس پڑھ کر اور تکمیلِ قرآن کر کے آخری دو رکعتوں میں سورہ بقرہ کی ترتیب سے آیات کی تلاوت کر لی جائے۔

لیکن اس کو بھی ضروری نہ سمجھا جائے، اور کبھی اس کو ترک بھی کر دیا جائے، اور جو اس طرح عمل نہ کرے، اسے معیوب یا خلافِ سنت طریقہ پر تکمیلِ قرآن کرنے والا بھی نہ قرار دیا جائے۔

مسئلہ نمبر ۳۵...... تراویح میں قرآن مجید مکمل کرنے کے بعد پانی پر برکت کے لئے دَم کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اسے لازم وضروری اور تکمیلِ قرآن کی سنت نہ سمجھا جائے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۳۶...... ختمِ قرآن کے موقعہ پر بعض روایات میں دعا اور اس کی قبولیت کا ذکر پایا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] (قوله التميمة المكروهة) أقول :الذى رأيته فى المجتبى التميمة المكروهة ما كان بغير القرآن، وقيل :هى الخرزة التى تعلقها الجاهلية اهـ فلتراجع نسخة أخرى .وفى المغرب وبعضهم يتوهم أن المعاذات هى التمائم وليس كذلك إنما التميمة الخرزة، ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن، أو أسماء الله تعالى، ويقال رقاه الراقى رقيا ورقية إذا عوذه ونفث فى عوذته قالوا :إنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدرى ما هو ولعله يدخله سحر أو كفر أو غير ذلك، وأما ما كان من القرآن أو شىء من الدعوات فلا بأس به (ردالمحتار، ج٦، ص٣٦٣، كتاب الحظر والاباحة، فصل فى اللبس)

[2] عن العرباض بن سارية قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة، ومن ختم القرآن فله دعوة مستجابة(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٦٤٧)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى، وفيه عبد الحميد بن سليمان وهو ضعيف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١١٧١٢، بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ خَتْمِ الْقُرْآنِ)

عن ثابت، أن أنس بن مالك، كان إذا ختم القرآن جمع أهله وولده، فدعا لهم (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٦٧٤؛ مسند الدارمى، رقم الحديث ٣٥١٧)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١١٧١٣، بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ خَتْمِ الْقُرْآنِ)

وفى حاشية مسند الدارمى: إسناده صحيح وهو موقوف على أنس.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جن کے پیشِ نظر بعض اہلِ علم حضرات نے رسم ورواج اور منکرات سے بچ کر ختمِ قرآن کے موقعہ پر اخلاص کے ساتھ دُعا کرنے کو باعثِ فضیلت وقبولیت قرار دیا ہے۔ لے

لیکن اس کو ضروری سمجھنا اور اس میں غلو کرنا اور منکرات پیدا کرنا درست نہیں ہے، اور غالبًا منکرات کی وجہ سے ہی بعض فقہاء نے اس موقع پر دعا کو ناپسندیدہ اور مکروہ قرار دیا ہے۔ ۲ے

نمازِ تراویح میں سجدۂ تلاوت سے متعلق احکام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عن الحكم، قال " :بعث إلى مجاهد قال :إنما دعوناك أنا أردنا أن نختم القرآن وإنه بلغنا أن الدعاء يستجاب عند ختم القرآن "، قال :فدعوا بدعوات (مسند الدارمی، رقم الديث ۳۵۲۵)

فی حاشية مسند الدارمی: إسناده صحيح.

عن عبدة، قال :إذا ختم الرجل القرآن بنهار، صلت عليه الملائكة حتى يمسى، وإن فرغ منه ليلا، صلت عليه الملائكة حتى يصبح (مسند الدارمی، رقم الحديث ۳۵۱۸)

فی حاشية مسند الدارمی: إسناده صحيح إلى عبدة بن أبى لبابة.

لے (من صلى صلاة فريضة فله) أى عقبها (دعوة مستجابة ومن ختم القرآن) أى قراء ة (فله دعوة مستجابة) فإما أن تعجل فى الدنيا وإما أن تدخر له فى الآخرة أو يعوض بما هو أصلح (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۸۸۱۸)

دل على استجابة الدعاء بعد قراء ة القرآن وبعد ختمه ما روى من حديث عمران بن حصين رضى الله عنه أنه قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :من قرأ القرآن فليسأل الله به فإنه سيجىء أقوام يقرء ون القرآن يسألون به الناس ، وحديث العرباض بن سارية :من ختم القرآن فله دعوة مستجابة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۹، ص۲۲۸،الدعاء بعد قراء ة القرآن وبعد ختمه)

۲ے ويكره الدعاء عند ختم القرآن فى شهر رمضان، وعند ختم القرآن بجماعة؛ لأن هذا لم ينقل عن النبى عليه السلام وأصحابه؛ قال الفقيه أبو القاسم الصفار :لولا أن أهل هذه البلدة قالوا :إنه يمنعنا من الدعاء ، وإلا لمنعتهم عنه(المحيط البرهانى،ج۵ص۳۱۳،كتاب الاستحسان والكراهية،الفصل الرابع فى الصلاة)

الدعاء عند ختم القرآن فى شهر رمضان مكروه لكن هذا شىء لا يفتى به، كذا فى خزانة الفتاوى. يكره الدعاء عند ختم القرآن بجماعة لأن هذا لم ينقل عن النبى -صلى الله عليه وآله وسلم -. المصلى لا يدعو بما يحضره من الدعاء وينبغى أن يدعو فى صلاته بدعاء محفوظ، وأما فى غير حالة الصلاة ينبغى أن يدعو بما يحضره، ولا يستظهر الدعاء ؛ لأن حفظ الدعاء يذهب برقة القلب، كذا فى المحيط (الفتاوىٰ الهندية، ج۵، ص۳۱۸، كتاب الكراهية، الباب الرابع)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ، اِعْتَزَلَ الشَّیْطَانُ یَبْکِیْ وَیَقُوْلُ: یَا وَیْلَہٗ أُمِرَ ابْنُ آدَمَ السُّجُوْدَ فَسَجَدَ فَلَہُ الْجَنَّةُ، وَأُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَأَبَیْتُ فَلِیَ النَّارُ

(صحیح ابن حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ابنِ آدم سجدہ (کی آیت) قرائت کرتا ہے، پھر سجدہ کرتا ہے، تو شیطان روتا ہوا الگ ہوجاتا ہے، اور کہتا ہے کہ ابنِ آدم کے سجدہ کرنے کے معاملہ پر ہلاکت ہو، اُس نے سجدہ کیا تو اس کے لئے جنت ہے، اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا، پھر میں نے انکار کیا، تو میرے لئے جہنّم ہے (ابنِ حبان)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ عَلَیْنَا السُّوْرَةَ، فِیْھَا السَّجْدَةُ فَیَسْجُدُ وَنَسْجُدُ (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے سجدہ والی سورت کی قرائت کرتے تھے، تو خود بھی سجدہ کرتے تھے، اور ہم بھی سجدہ کرتے تھے (بخاری)

مسئلہ نمبر۱...... قرآن مجید میں مذکور آیاتِ سجدہ کے تلاوت کرنے پر سجدۂ تلاوت کا حکم ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحدیث ۲۷۵۹، ج۶ص ۴۶۵، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، ذکر رجاء دخول الجنان لمن سجد للہ فی تلاوتہ.

فی حاشیة ابنِ حبان: إسنادہ صحیح

[2] رقم الحدیث ۱۰۷۵، ابواب سجود القرآن، باب من سجد لسجود القارئ.

[3] سجدۂ تلاوت کی مشروعیت پر تو فقہائے کرام کا اتفاق ہے، لیکن اس کے سنت یا واجب ہونے میں اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، اور دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک واجب نہیں ہے، بلکہ بعض کے نزدیک سنتِ مؤکدہ یا غیر مؤکدہ ہے۔

اتفق الفقھاء علی مشروعیة سجود التلاوۃ، للآیات والأحادیث الواردۃ فیہ، لکنھم اختلفوا فی صفة مشروعیتہ أواجب ھو أو مندوب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲......قرآن مجید میں کتنے سجدۂ تلاوت ہیں؟

اس بارے میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فذهب الشافعية والحنابلة إلى أن سجود التلاوة سنة مؤكدة عقب تلاوة آية السجدة لقول الله تعالى :(إن الذين أوتوا العلم من قبله إذا يتلى عليهم يخرون للأذقان سجدا ويقولون سبحان ربنا إن كان وعد ربنا لمفعولا ويخرون للأذقان يبكون ويزيدهم خشوعا) ولما ورد عن أبى هريرة رضى الله تعالى عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إذا قرأ ابن آدم السجدة فسجد، اعتزل الشيطان يبكى، يقول :يا ويلى، وفى رواية يا ويله -أمر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة، وأمرت بالسجود فأبيت فلى النار .ولما روى عبد الله بن عمر رضى الله تعالى عنهما قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ علينا السورة فيها السجدة فيسجد ونسجد .وليس سجود التلاوة بواجب -عندهم -لأن النبى صلى الله عليه وسلم تركه، وقد قرئت عليه سورة والنجم. . .) وفيها سجدة، روى زيد بن ثابت رضى الله تعالى عنه قال :قرأت على النبى صلى الله عليه وسلم والنجم فلم يسجد فيها، وفى رواية :فلم يسجد منا أحد وروى البخارى أن عمر رضى الله تعالى عنه قرأ يوم الجمعة على المنبر سورة النحل حتى إذا جاء السجدة نزل فسجد، فسجد الناس، حتى إذا كانت الجمعة القابلة قرأ بها حتى إذا جاء السجدة قال " :يا أيها الناس، إنا نمر بالسجود، فمن سجد فقد أصاب، ومن لم يسجد فلا إثم عليه، ولم يسجد عمر رضى الله تعالى عنه ورواه مالك فى الموطأ وقال فيه :على رسلكم، إن الله لم يكتبها علينا إلا أن نشاء ، فلم يسجد، ومنعهم أن يسجدوا، وكان بمحضر من الصحابة، ولم ينكروا عليه فكان إجماعا .واستدلوا أيضا بما جاء فى حديث الأعرابى من قوله صلى الله عليه وسلم :خمس صلوات فى اليوم والليلة قال :هل على غيرها؟ قال :لا، إلا أن تتطوع .وبأن الأصل عدم الوجوب حتى يثبت صحيح صريح فى الأمر به ولا معارض له ولم يثبت، وبأنه يجوز سجود التلاوة على الراحلة بالاتفاق فى السفر ولو كان واجبا لم يجز كسجود صلاة الفرض .واختلف فقهاء المالكية فى حكم سجود التلاوة، هل هو سنة غير مؤكدة أو فضيلة، والقول بالسنية شهره ابن عطاء الله وابن الفاكهانى وعليه الأكثر، والقول بأنه فضيلة هو قول الباجى وابن الكاتب وصدر به ابن الحاجب ومن قاعدته تشهير ما صدر به، وهذا الخلاف فى حق المكلف .أما الصبى فيندب له فقط، وفائدة الخلاف كثرة الثواب وقلته، وأما السجود فى الصلاة ولو فرضا فمطلوب على القولين، وقال ابن العربى :وسجود التلاوة واجب وجوب سنة لا يأثم من تركه عامدا .وذهب الحنفية إلى أن سجود التلاوة أو بدله كالإيماء واجب لحديث :السجدة على من سمعها . . .وعلى للوجوب، ولحديث أبى هريرة رضى الله تعالى عنه :إذا قرأ ابن آدم السجدة فسجد اعتزل الشيطان يبكى، يقول :يا ويله أمر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة، وأمرت بالسجود فأبيت فلى النار(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص ۲۱۲تا۲۱۴،مادة"سجود التلاوة")

أن سجدة التلاوة أسنة أم واجبة؟ فذهب أبو حنيفة إلى وجوبها على التالى والسامع، سواء قصد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دس مقامات پر تو سجدۂ تلاوت پر اکثر فقہائے کرام کا اتفاق ہے۔

جو کہ یہ ہیں ایک سورۂ اعراف میں، دوسرے سورۂ رعد میں، تیسرے سورۂ نحل میں، چوتھے سورۂ اسراء میں، پانچویں سورۂ مریم میں، چھٹے سورۂ حج میں ''ان اللہ یفعل مایشاء ''پر، ساتویں سورۂ نمل میں، آٹھویں سورۂ الٓم سجدہ میں، نویں سورۂ فرقان میں، دسویں سورۂ حٰم سجدہ میں۔ [1]

اور سورۂ حج کے دوسرے سجدہ میں اختلاف ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ سجدۂ تلاوت

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

سماع القرآن، أو لم يقصد، واستدل صاحب (الهداية) على الوجوب بقوله صلى الله عليه وسلم : (السجدة على من سمعها، السجدة على من تلاها) . ثم قال كلمة :على، للإيجاب، والحديث غير مقيد بالقصد .قلت :هذا غريب لم يثبت، وإنما روى ابن أبى شيبة فى (مصنفه) (عن ابن عمر، رضى الله تعالى عنهما، أنه قال :السجدة على من سمعها) . وفى البخارى (قال عثمان :إنما السجود على من استمع) . واستدل أيضا بالآيات :(فما لهم لا يؤمنون وإذا قرىء عليهم القرآن لا يسجدون)(فاسجدوا لله واعبدوا)(واسجد واقترب)وقالوا :الذم لا يتعلق إلا بترك واجب، والأمر فى الآيتين للوجوب(عمدة القارى للعينى، ج۷ص۹۵، ابواب السجود القرآن)

[1] اتفق الفقهاء على سجود التلاوة فى عشرة مواضع من القرآن الكريم.

(۱)......سورة الأعراف :وهى آخر آية فيها......(ويسبحونه وله يسجدون)

(۲)......سورة الرعد :عند قول الله تعالى......(وظلالهم بالغدو والآصال) من الآية الخامسة عشر.

(۳)......سورة النحل عند قول الله تعالى......(ويفعلون ما يؤمرون) من الآية الخمسين.

(۴)......سورة الإسراء :عند قول الله تعالى......(ويزيدهم خشوعا) من الآية التاسعة بعد المائة.

(۵)......سورة مريم :عند قول الله تعالى......(خروا سجدا وبكيا) من الآية الثامنة والخمسين.

(۶)......سورة الحج :عند قول الله تعالى......(إن الله يفعل ما يشاء) من الآية الثامنة عشر.

(۷)......سورة النمل :عند قول الله تعالى......(رب العرش العظيم) من الآية السابعة والعشرين.

(۸)......سورة السجدة (الم تنزيل)......عند قول الله تعالى(وهم لا يستكبرون)من الآية الخامسة عشر.

(۹)......سورة الفرقان :عند قول الله تعالى......(وزادهم نفورا) من الآية الستين.

(۱۰)......سورة حم السجدة ،فصلت،عند قول الله تعالى......(وهم لا يسأمون)من الآية الثامنة والثلاثين.

هذا على ما ذهب إليه الجمهور لفعل ابن عباس رضى الله عنهما، وقيل :إن السجود يكون عند قوله تعالى(إن كنتم إياه تعبدون) عند تمام الآية السابعة والثلاثين، وهو المشهور عند المالكية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص ۲۱۵، وص۲۱۶)

میں داخل نہیں، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ سجدۂ تلاوت میں داخل ہے۔ [1]

اور سورۂ صٓ میں حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت ہے، اور دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس مقام پر سجدۂ تلاوت نہیں، بلکہ سجدۂ شکر ہے۔ [2]

---

[1] اگر کوئی اختلاف سے بچنے کے لئے اس مقام پر بھی سجدہ کرلے، تو بہتر ہے، البتہ نماز میں اس آیت کی تلاوت کرنے کے بعد مستقل سجدہ کرنے کے بجائے اس آیت کی تلات کے بعد رکعت مکمل کرلی جائے، تا کہ رکوع میں نیت کرنے سے یا اس کے بعد سجدہ سے اس مقام پر بھی سب کے نزدیک برائت ہوجائے۔

مواضع السجود المختلف فيها :اختلف الفقهاء فى سجود التلاوة عند خمسة مواضع من القرآن الكريم هى: السجدة الثانية فى سورة الحج:اختلف الفقهاء فى السجود عند قوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا اركعوا واسجدوا) . . . إلخ.

فذهب الشافعية والحنابلة إلى أن فى سورة الحج سجدتين، إحداهما التى تقدمت فى المتفق عليه، والأخرى عند :(يا أيها الذين آمنوا اركعوا واسجدوا) وهى الآية السابعة والسبعون.

لما روى عن عقبة بن عامر رضى الله تعالى عنه قال :قلت يا رسول الله :فضلت سورة الحج بأن فيها سجدتين؟ قال :نعم، من لم يسجدهما فلا يقرأهما ولأنه قول عمر وعلى وعبد الله بن عمر وأبى الدرداء وأبى موسى رضى الله عنهم، وأبى عبد الرحمن السلمى، وأبى العالية وزر بن حبيش، قال ابن قدامة :لم نعرف لهم مخالفا فى عصرهم، وقد قال أبو إسحاق السبيعى التابعى الكبير : أدركت الناس منذ سبعين سنة يسجدون فى الحج سجدتين، وقال ابن عمر رضى الله تعالى عنهما: لو كنت تاركا إحداهما لتركت الأولى، وذلك لأنها إخبار، والثانية أمر.

وذهب الحنفية والمالكية إلى أنه لا سجود فى هذا الموطن، واستدلوا بما روى عن أبى بن كعب رضى الله تعالى عنه أنه عد السجدات التى سمعها من رسول الله صلى الله عليه وسلم وعد فى الحج سجدة واحدة .وعن عبد الله بن عباس وعبد الله بن عمر رضى الله تعالى عنهم قالا :سجدة التلاوة فى الحج هى الأولى، والثانية سجدة الصلاة؛ ولأن السجدة متى قرنت بالركوع كانت عبارة عن سجدة الصلاة كما فى قول الله تعالى :(يا مريم اقنتى لربك واسجدى واركعى مع الراكعين)ولعلم سجود فقهاء المدينة وقرائهم فيها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص ۲۱۶ تا۲۱۷)

[2] سجدة سورة (ص)ذهب الحنفية والمالكية إلى مشروعية السجود للتلاوة فى سورة (ص) ، لكن الحنفية قالوا فى الصحيح عندهم :إن السجود عند قول الله تعالى :(فغفرنا له ذلك وإن له عندنا لزلفى وحسن مآب)وقال المالكية :السجود عند قول الله عز وجل . . .:(وظن داود أنما فتناه فاستغفر ربه وخر راكعا وأناب)وهو المعتمد فى المذهب خلافا لمن قال السجود عند قول الله تعالى :(وحسن مآب) ، ومن المالكية من اختار السجود فى الأخير فى كل موضع مختلف فيه ليخرج من الخلاف.واستدل الحنفية لمذهبهم، بما روى ابن عباس رضى الله تعالى عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم سجد فى ص . وبما أخرجه أحمد عن أبى سعيد رضى الله عنه قال :رأيت رؤيا وأنا أكتب سورة ص فلما بلغت السجدة رأيت الدواة والقلم وكل شىء بحضرتى انقلب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورسورۂ نجم اورسورۂ انشقاق اورسورۂ علق میں جمہور فقہائے کرام کے نزدیک سجدۂ تلاوت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ساجدا، فقصصتها على رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يزل يسجد بها،قال الكمال بن الهمام فى الاستدلال بالحديث :فأفاد أن الأمر صار إلى المواظبة عليها كغيرها من غير ترك .واستدلوا كذلك بما روى عن عثمان رضى الله تعالى عنه أنه قرأ فى الصلاة سورة (ص) وسجد وسجد الناس معه، وكان ذلك بمحضر من الصحابة رضى الله تعالى عنهم، ولم ينكر عليه أحد، ولو لم تكن السجدة واجبة لما جاز إدخالها فى الصلاة .وقالوا :كون سبب السجود فى حقنا الشكر لا ينافى الوجوب، فكل الفرائض والواجبات إنما وجبت شكرا لتوالى النعم، ونحن نسجد شكرا.
وذهب الشافعية فى المنصوص الذى قطع به جمهورهم -والحنابلة -فى المشهور فى المذهب - إلى أن سجدة (ص) ليست من عزائم السجود، أى ليست من متأكداته -فليست سجدة تلاوة ولكنها سجدة شكر، لما روى أبو داود عن أبى سعيد رضى الله تعالى عنه قال :قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على المنبر (ص) ، فلما بلغ السجدة نزل فسجد، وسجد الناس معه، فلما كان يوم آخر قرأها فلما بلغ السجدة تشزن الناس للسجود -أى تأهبوا له -فقال النبى صلى الله عليه وسلم :إنما هى توبة نبى، ولكنى رأيتكم تشزنتم للسجود فنزل فسجد وسجدوا،وروى النسائى عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم سجد فى (ص) وقال :سجدها داود توبة، ونسجدها شكرا.وروى البخارى عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال :(ص) ليست من عزائم السجود .وقالوا :إذا قرأ (ص) من غير الصلاة استحب أن يسجد لحديث أبى سعيد وابن عباس رضى الله تعالى عنهم، وإن قرأها فى الصلاة ينبغى ألا يسجد، فإن خالف وسجد ناسيا أو جاهلا لم تبطل صلاته وسجد للسهو، وإن سجدها عامدا عالما بتحريمها فى الصلاة بطلت صلاته على الأصح من الوجهين، لأنها سجدة شكر، فبطلت بها الصلاة كالسجود فى الصلاة عند تجدد نعمة، ومقابل الأصح :لا تبطل لأنها تتعلق بالتلاوة فهى كسائر سجدات التلاوة، ولو سجد إمامه فى (ص) لكونه يعتقدها فثلاثة أوجه أصحها :لا يتابعه بل إن شاء نوى مفارقته لأنه معذور، وإن شاء ينتظره قائما كما لو قام إلى خامسة، فإن انتظره لم يسجد للسهو لأن المأموم لا سهو عليه، والثانى :لا يتابعه أيضا، وهو مخير فى المفارقة والانتظار، فإن انتظره سجد للسهو بعد سلام الإمام؛ لأنه يعتقد أن إمامه زاد فى صلاته جاهلا، وإن لسجود السهو توجها عليهما فإذا أخل به الإمام سجد المأموم، والثالث :يتابعه فى سجوده فى (ص) لتأكد متابعة الإمام.ومقابل المنصوص الذى قطع به جمهور الشافعية ومقابل المشهور فى المذهب عند الحنابلة أن سجدة (ص) سجدة تلاوة من عزائم السجود، وهو قول أبى العباس بن سريج وأبى إسحاق المروزى من الشافعية، والرواية الثانية عن أحمد، يسجد من تلاها أو سمعهاوذلك لما رواه أبو موسى وأبو سعيد وعبد الله بن عباس رضى الله تعالى عنهم :أن النبى صلى الله عليه وسلم سجد فيها.وينظر حكم السجود فى الصلاة من آية السجدة فى سورة (ص) فى بحث :(سجود الشكر). (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص ۲۱۷تا ۲۱۹)

ہے، البتہ بعض فقہاء کے نزدیک نہیں ہے۔ ۱؎

اس طرح حنفیہ کے نزدیک قرآن مجید میں مجموعی طور پر چودہ سجدۂ تلاوت ہیں۔

دس تو وہی ہیں، جو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ہیں، اور پہلے ذکر کیے گئے، اور چار یہ ہیں، ایک سورۂ صٓ میں، دوسرے سورۂ نجم میں، تیسرے سورۂ انشقاق میں، اور چوتھے

۱؎ سجدات المفصل: ذهب جمهور الفقهاء إلى أن فى المفصل ثلاث سجدات -المفصل من أول سورة (ق) إلى آخر المصحف -أحدها فى آخر النجم، والثانية فى الآية الحادية والعشرين من سورة الانشقاق، والثالثة فى آخر سورة العلق، لما روى عن عمرو بن العاص رضى الله تعالى عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقرأه خمس عشرة سجدة منها ثلاث فى المفصل ،ولما روى أبو رافع قال :صليت خلف أبى هريرة العتمة فقرأ (إذا السماء انشقت) فسجد، فقلت :ما هذه السجدة؟ فقال :سجدت بها خلف أبى القاسم صلى الله عليه وسلم فلا أزال أسجد فيها حتى ألقاه،وروى مسلم عن أبى هريرة رضى الله تعالى عنه قال :سجدنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى (إذا السماء انشقت) و (اقرأ باسم ربک)وعن عبد الله بن مسعود رضى الله تعالى عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قرأ سورة النجم فسجد بها، وما بقى أحد من القوم إلا سجد،ولأن آية سورة النجم :(فاسجدوا لله واعبدوا) وآية آخر سورة العلق :(كلا لا تطعه واسجد واقترب) وكلتا الآيتين أمر بالسجود.

ومشهور مذهب مالک أنه لا سجود فى شىء من المفصل، واستدلوا بما روى زيد بن ثابت رضى الله تعالى عنه قال :قرأت على النبى صلى الله عليه وسلم النجم فلم يسجد،وبما روى عن ابن عباس وابن عمر رضى الله تعالى عنهم قالا :ليس فى المفصل سجدة، وبما أخرج ابن ماجه عن أبى الدرداء رضى الله تعالى عنه قال :سجدت مع النبى صلى الله عليه وسلم إحدى عشرة سجدة ليس فيها من المفصل شىء :الأعراف، والرعد، والنحل، وبنى إسرائيل، ومريم، والحج، وسجدة الفرقان، وسورة النمل، والسجدة، وفى ص وسجدة الحواميم،ولعمل أهل المدينة لعدم سجود فقهائها وقرائها فى النجم والانشقاق.

والمعتمد عند المالكية أن المصلى إذا سجد للتلاوة فى ثانية الحج أو فى سجدات المفصل لم تبطل صلاته للخلاف فيها، وقيل :تبطل صلاته إلا أن يكون مقتديا بمن يسجدها فيسجد معه، فإن ترک اتباعه أساء وصحت صلاته، ولو سجد دون إمامه بطلت صلاته .ونقل الزرقانى اتجاهات المالكية فى اعتبار الخلاف فى مشروعية السجود فى ثانية الحج وسجدات المفصل الثلاث حقيقيا أو غير حقيقى، فقال :جمهور المتأخرين على أن هذا الخلاف حقيقى وهو ظاهر المصنف خليل - وعليه فيمنع أن يسجدها فى الصلاة، قال سند :لأنه يزيد فيها فعلا تبطل بمثله، وسميت الإحدى عشرة عزائم مبالغة فى فعل السجود مخافة أن تترک .وقيل :إن الخلاف غير حقيقى والسجود فى جميعها، إلا أنه فى الإحدى عشرة آكد، ويشهد له قول الموطأ :عزائم السجود إحدى عشرة أى المتأكد منها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص ۲۱۹، تا ۲۲۱)

سورۂ علق میں۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... حنفیہ کے نزدیک نماز میں امام کے آیتِ سجدہ تلاوت کرنے کے نتیجے میں امام کواور اُس کی اتباع میں اُس کے مقتدی کوسجدۂ تلاوت کا حکم ہے، خواہ وہ مقتدی اس امام کی اقتداء میں اس وقت سے شریک ہو، جب امام نے آیتِ سجدہ تلاوت کی، یا امام کے آیتِ سجدہ تلاوت کرنے کے بعد اور سجدۂ تلاوت ادا کرنے سے پہلے شریک ہوا ہو۔

اور جو شخص امام کے سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد نماز میں شریک ہوا، اس کو سجدۂ تلاوت کا حکم نہیں۔

البتہ اگر امام نے آیتِ سجدہ تلاوت کی، اور کسی ایسے شخص نے اس کو سنا، جو اس امام کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھ رہا تھا، تو اس کو الگ سے سجدۂ تلاوت کا حکم ہے۔ [2]

---

[1] بـاب سجود التلاوة وهو واجب (ف) علـى التالي والسامع، وهي في آخر الأعراف، والرعد، والنـحـل، وبني إسرائيل، ومريم، والأولى (ف) في الـحـج، والـفرقان، والنمل، والم تنزيل، وص (ف)، وحم السجدة، والنجم، والانشقاق، والعلق(المختار، كتاب الصلاة،باب سجود التلاوة)

[2] وشـرائـطهـا كشرائط الصلاة وتقضى (ف) ، فإن تـلاهـا الإمام سجدها والمأموم. (م) ، وإن سـمـعهـا مـن لـيـس فـي الصلاة سجدها، وإن سمعها المصلي ممن ليس معه في الصلاة سجدها بعد الصلاة(المختار، كتاب الصلاة،باب سجود التلاوة)

(قوله :وإذا تلا الإمام آية سجدة سجدها وسجد المأموم معه) سواء سمعها منه أم لا وسواء كان في صـلاة الـجهـر أو الـمـخافتة إلا أنه يستحب أن لا يقرأها في صلاة المخافتة فإن سمعها رجل خارج الـصـلاة ثـم دخل مع الإمام في تلك الركعة بعد سجود الإمام لها لم يجب عليه سجود وإن أدركه فـي الـركـعة الثـانية أو الثـالثة لـم يجب عليه أيضا عند أبي يوسف خلافا لمحمد، ونظيره لو أدرك الإمـام فـي الـركـعة الثـالثة من الوتر في الركوع في رمضان يصير مدركا للقنوت حتى لا يأتي به في الـركعة الأخيرة، ولو سمعها من الإمام أجنبي ليس معهم في الصلاة ولم يدخل معهم في الصلاة لزمه السجود؛ لأنه قد صح له السماع وهو ممن يصح منه السجود كذا في شرحه(الجوهرة النيرة، ج ا ، ص ۸۲، كتاب الصلاة،باب سجود التلاوة)

(قوله :ولـو سـمع من إمام فائتم به قبل أن يسجد سجد معه وبعده لا) أي لـو ائتم به بعد أن سجدها الإمـام لا يـسـجـدهـا؛ لأنـه فـي الأول تابع له فيسجد معه، وإن لم يسمع، وفي الثاني صار مدركا لها بـإدراك تـلـك الركعة كمن أدرك الإمام في ركوع ثالثة الوتر فإنه لا يقنت فيما يأتي به بعد فراغ الإمـام قيـد بـقوله سجد معه؛ لأن الإمام لو لم يسجد لا يسجد المأموم، وإن سمعها؛ لأنه إن سجدها في الصلاة وحده صار مخالف إمامه(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲،ص۱۳۲)

مسئلہ نمبر۴...... اگر نماز میں مقتدی آیتِ سجدہ تلاوت کرے، تو اس سے امام کو اور اس نماز میں شریک دوسرے مقتدیوں کو سجدۂ تلاوت کا حکم نہیں ہوتا۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر تراویح کی نماز میں سامع آیتِ سجدہ پڑھ کر امام کو لقمہ دے، لیکن امام اس کو نہ پڑھے، تو اس سے امام اور مقتدیوں کو سجدۂ تلاوت کا حکم نہیں ہوتا، نہ تو نماز میں، اور نہ ہی نماز کے بعد۔ [1]

مسئلہ نمبر۵...... حنفیہ کے نزدیک نماز میں پڑھی گئی آیتِ سجدہ کا اسی نماز میں سجدہ کرنے کا حکم ہے، اگر اسی نماز میں سجدہ ادا نہ کیا، تو نماز کے بعد اس سجدہ کی ادائیگی کا وقت باقی نہیں رہتا، اگر کسی نے جان بوجھ کر اس سجدہ کو ترک کیا، تو اس کو توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔ [2]

مسئلہ نمبر۶...... نماز میں سجدہ کی آیت تلاوت کرنے کے بعد اس کے لئے مستقل سجدہ کرنا افضل ہے، اگر سجدہ کی آیت کسی سورت کے ختم پر ہے تو افضل یہ ہے کہ سورت ختم ہونے پر سجدۂ تلاوت کرے اور پھر سجدۂ تلاوت سے اٹھ کر دوسری سورت کے شروع سے کچھ آیات تلاوت کر کے رکوع کرے، اور حسبِ قاعدہ رکعت مکمل کرے۔

اور اگر کسی نے سجدہ کی آیت تلاوت کرنے کے بعد سجدۂ تلاوت کیا، پھر سجدۂ تلاوت سے اٹھ کر قیام کیا، اور پھر کچھ پڑھے بغیر رکوع کر لیا، تو بھی گناہ نہیں۔ [3]

---

[1] وإن تلاها المأموم لم يسجداها (المختار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة)
(قوله :وإن تـلا المأموم لم يلزم الإمام ولا المؤتم السجود) يعنى لا فى الصلاة ولا بعد الفراغ منها عندهما (الجوهرة النيرة، ج ١، ص ٨٢، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة)

[2] (ولـو تـلاهـا فـى الصلاة سجدها فيها لا خارجها) لـما مر .وفى البدائع :وإذا لـم يسجد أثم فتلزمه التوبة (الدر المختار مع ردالمحتار، ج٢، ص ١١٠، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة)

[3] ولـو كـانـت بختم السورة فالأفضل أن يركع بها ولو سجد ولم يركع فلا بد من أن يقرأ شيئا من السورة الأخرى بعدما رفع رأسه من السجود ولو رفع ولم يقرأ شيئا وركع جاز وإن لم يركع ولم يسـجـد وتـجاوز إلى موضع آخر فليس له أن يركع بها وعليه أن يسجد ما دام فى الصلاة ولو كانت السجدة فى آخر السورة وبعدها آيتان أو ثلاث فهو بالخيار إن شاء ركع بها وإن شاء سجد فإذا أراد أن يركع بها جاز له أن يختم السورة ويركع ولو سجد بها ثم قام يختم السورة ويركع فإن وصل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... اگر نماز میں سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدۂ تلاوت نہیں کیا، بلکہ سجدہ کی آیت تلاوت کرنے کے بعد فوراً یا دو تین آیات تلاوت کر کے رکوع کر لیا اور اس میں اس سجدۂ تلاوت کی نیت کر لی، تب بھی سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے، اور اگر رکوع میں نیت نہیں کی تو اس کے بعد نماز کا سجدہ کرنے سے بغیر نیت کے ہی سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۸...... نماز میں سجدہ کی آیت تلاوت کرنے کے بعد جلدی سجدہ کر لینا چاہئے، اور لمبا فاصلہ نہیں کرنا چاہئے، اگر کسی نے سجدہ کی آیت تلاوت کرنے کے بعد سجدہ نہیں کیا، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إليها شيئا آخر من سورة أخرى فهو أفضل، هكذا في المضمرات.وإذا سجد وركع لها على حدة على الفور يعود إلى القيام ويستحب أن لا يعقبه بالركوع بل يقرأ آيتين أو ثلاث آيات ثم يركع، كذا في شرح منية المصلي لابن أمير الحاج (الفتاوىٰ الهندية، ج ١، ص ١٣٣، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر)

[۱] عن أبي إسحاق ؛ أن علقمة ، والأسود ، ومسروقا ، وعمرو بن شرحبيل ؛ كانوا يقولون :إذا كانت السجدة آخر السورة ، أجزأك أن تركع بها (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ٤٣٩٨، في السجدة تكون آخر السورة)

عن إبراهيم ، قال :إذا كان في آخر السورة سجدة ، أجزأك أن تركع بها(ايضاً رقم الحديث ٤٣٩٩)

عن ابن طاووس ، عن أبيه ؛ أنه كان يقرأ في العشاء الآخرة :(تنزيل) السجدة فيركع بالسجدة (ايضاً رقم الحديث ٤٤٠٠)

عن عبد الملك بن أبي سليمان ، قال :سمعت الشعبي ، وسئل عن الرجل يقرأ بالسجدة فتكون في آخر السورة ؟ فقال :إن هو سجد بها قام فقرأ بعدها ، وإن شاء أن يركع بها ركع بها(ايضاً رقم الحديث ٤٤٠١)

عن مجاهد ؛ أنه كان يقرأ السجدة في بني إسرائيل ، وما بعدها ، ثم يركع (ايضاً رقم الحديث ٤٤٠٢)

عن الربيع بن خثيم ، قال :إذا كانت السجدة آخر السورة ، فإن شئت فاركع ، وإن شئت فاسجد ، فإن الركعة مع السجدة(ايضاً رقم الحديث ٤٤٠٣)

عن عبد الرحمن بن يزيد ، قال :سألنا عبد الله عن السورة تكون في آخرها سجدة ، أيركع ، أو يسجد ؟ قال :إذا لم يكن بينك وبين السجدة إلا الركوع فهو قريب(ايضاً رقم الحديث ٤٤٠٤)

وإن قرأ آية السجدة في الصلاة فإن كانت في وسط السورة فالأفضل أن يسجد ثم يقوم ويختم السورة ويركع ولو لم يسجد وركع ونوى السجدة يجزيه قياسا وبه نأخذ(الفتاوىٰ الهندية، ج ١ ص ١٣٣، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر)

لمبا فاصلہ ہوگیا (جس کی مقدار بعض حضرات نے تین آیات سے زائد بیان فرمائی ہے) تو بھی سجدۂ تلاوت کرنے کا حکم برقرار رہتا ہے، لیکن بلا عذر اور جان بوجھ کر اتنی تاخیر کرنا منع ہے۔

اور لمبا فاصلہ دینے کے بعد پھر سجدۂ تلاوت، رکوع یا نماز والے سجدہ سے ادا نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لئے مستقل سجدہ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۹ ...... اگر کسی نے نماز میں سجدہ کی آیت تلاوت کی، اور اس کو فوری طور پر سجدۂ تلاوت کرنا یاد نہیں رہا، تو اس کو اس نماز کے اندر جب بھی یاد آئے، سجدۂ تلاوت کر لینا چاہئے، خواہ اگلی رکعت میں یاد آئے، یا سلام پھیرنے سے پہلے پہلے یاد آئے، اُسی وقت سجدۂ تلاوت کر لینا چاہئے۔ [2]

---

[1] ولو لم يركع ولم يسجد وأتم السورة ثم ركع ونوى السجدة لا يجزيه ولا يسقط عنه بالركوع وعليه قضاؤها بالسجود ما دام في الصلاة وذكر الشيخ الإمام المعروف بخواهر زاده أنه إذا قرأ بعد آية السجدة ثلاث آيات ينقطع الفور ولا ينوب الركوع عن السجدة وقال شمس الأئمة الحلواني لا ينقطع ما لم يقرأ أكثر من ثلاث آيات، كذا في فتاوى قاضي خان(الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۳۳، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر)

[2] وأما بيان وقت أدائها فما وجب أداؤها خارج الصلاة فوقتها جميع العمر؛ لأن وجوبها على التراخي على ما مر.وأما ما وجب أداؤها في الصلاة فوقتها فور الصلاة؛ لما مر أن وجوبها في الصلاة على الفور وهو أن لا تطول المدة بين التلاوة وبين السجدة، فأما إذا طالت فقد دخلت في حيز القضاء وصار آثما بالتفويت عن الوقت، ثم الأمر في مقدار الطول على ما ذكرنا من اختلاف المشايخ(بدائع الصنائع ، ج ۱، ص ۱۹۱، و۱۹۲، فصل في بيان وقت أداء سجدة التلاوة)

ولو لم يركع حتى طالت القراءة لم يجز، وإن نواه عن السجدة، وكذا السجدة الصلبية لا تنوب عنها إذا طالت القراءة؛ لأنها صارت دينا لوجوبها مضيقا والدين يقضى بما له لا بما عليه والركوع والسجود عليه فلا يتأدى به الدين(البحر الرائق، ج۲، ص۱۳۳، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة)

وقد صرحوا بأنه إذا لم يسجد ولم يركع حتى طالت القراءة ثم ركع ونوى السجدة لم يجز، وكذا إذا نواها في السجدة الصلبية؛ لأنها صارت دينا عليه، والدين يقضى بما له لا بما عليه، والركوع والسجود عليه كذا في البدائع في فصل كيفية وجوبها، وسيظهر أن قول الحلواني هو الرواية إن شاء الله تعالى .هذا وما ذكر من الإجماع على عدم الاحتياج إلى النية في سجدة الصلاة حالة الفور في البدائع ما يفيد خلافه من ثبوت الخلاف .قال :ثم إذا ركع قبل أن تطول القراءة هل تشترط النية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر آیتِ سجدہ کے بعد سجدۂ تلاوت کرنا یاد نہیں رہا، اور نماز کا سلام پھیر دیا، تو جب تک نماز کے خلاف کوئی عمل (مثلاً چلنا پھرنا، قبلہ سے سینہ پھرنا، وضوتوڑنا، بات چیت کرنا) نہیں پایا گیا، اُس وقت تک بھی اس سجدۂ تلاوت کوادا کرنا درست ہوجاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لقيام الركوع مقام سجدة التلاوة؟(فتح القدير لابن الهمام، ج٢، ص١٨، و١٩ باب سجود التلاوة)

(على الفور من قراء ة آية) أو آيتين وكذا الثلاث على الظاهر كما فى البحر(الدرالمختار)

(قوله على الظاهر كما فى البحر) أى عن البدائع والمتبادر من عبارته أنه استظهار من صاحب البدائع، لا أنه ظاهر الرواية وفى الإمداد الاحتياط قول شيخ الإسلام خواهر زاده بانقطاع الفور بالثلاث .وقال شمس الأئمة الحلوانى :لا ينقطع ما لم يقرأ أكثر من ثلاث وقال الكمال بن الهمام: قول الحلوانى هو الرواية .اهـ.قلت :وصرح فى شرح المنية بأنه الأصح رواية، فإن محمدا نص على أنه إذا بقى بعد السجدة آيات من آخر السورة أى كسورة الانشقاق وسورة بنى إسرائيل إن شاء ختم السورة وركع لها وإن شاء سجد لها ثم قام فأكمل السورة ثم ركع اهـ ومثله فى الفتح. لكن فى البحر عن المجتبى أن الركوع ينوب عنها بشرط النية وأن لا يفصل بثلاث إلا إذا كانت الثلاث من آخر السورة .اهـ.ومقتضاه :أن الخلاف فيما فى وسط السورة وأن هذه وفاقية وبه صرح فى الحلية عن الأصل وغيره؛ نعم قال بعده إن الفرق ظاهر الوجه .قلت :قد يوجه بأن قراء ة الثلاث من آخر السورة لا تفصل لأنها إتمام للسورة وعدم رفض باقيها فكان فى قراء تها زيادة طلب فلم تفصل بخلاف الثلاث من وسط السورة فإنه ليس فيها زيادة طلب لعدم ما ذكرنا فعدت فاصلة تأمل(ردالمحتار، ج٢ص ١١١، ١١٢، باب سجود التلاوة)

وأما المتلوة فى الصلاة فإنها تجب على سبيل التضييق لقيام دليل التضييق، وهو أنها وجبت بما هو من أفعال الصلاة وهو القراء ة فالتحقت بأقوالها وصارت جزءا من أجزائها؛ ولهذا قلنا إذا تلا آية السجدة، ولم يسجد، ولم يركع حتى طالت القراء ة ثم ركع ونوى السجدة لم تجز، وكذا إذا نواها فى السجدة الصلبية؛ لأنها صارت دينا، والدين يقضى بما له لا بما عليه (البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج٢،ص١٢٩،كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة)

(قوله وأما المتلوة فى الصلاة إلخ) قال فى الشرنبلالية يجوز أن يقال تجب الصلاتية موسعا بالنسبة لمحلها كما لو تلا فى أول صلاته وسجدها فى آخرها اهـ.ولا يخفى ما فيه؛ لأنه يلزم عليه أنه لا يأثم فى هذه الصورة، وهو خلاف المنصوص عليه بل تصير قضاء ويأثم بتأخيرها كما يفيده كلام المؤلف هنا وسيصرح به عن البدائع فى شرح قوله، ولم تقض الصلاتية خارجها (منحة الخالق على البحر الرائق، ج٢، ص١٢٩،كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة)

[1] اورعلامہ شامی رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق اصح یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت بھول جانے کی صورت میں تین آیات سے زائد پڑھنے کے بعد سجدۂ تلاوت کرنے کی صورت میں سجدۂ سہو بھی واجب ہوتا ہے۔

(وهى على التراخى) على المختار ويكره تأخيرها تنزيها، ويكفيه أن يسجد عدد ما عليه بلا تعيين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کسی نے اس وقت تک بھی سجدہ نہیں کیا، تو اب اس سجدہ کی قضا کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويكون مؤديا وتسقط بالحيض والردة (إن لم تكن صلوية) فعلى الفور لصيرورتها جزء ا منهاويأثم بتأخيرها ويقضيها ما دام فى حرمة الصلاة ولو بعد السلام فتح ثم هذه النسبة هى الصواب، وقولهم صلاتية خطأ قاله المصنف لكن فى الغاية أنه خطأ مستعمل وهو عند الفقهاء خير من صواب نادر (الدرالمختار)

(قوله فعلى الفور) جواب شرط مقدر تقديره فإن كانت صلوية فعلى الفور ح ثم تفسير الفور عدم طول المدة بين التلاوة والسجدة بقراء ة أكثر من آيتين أو ثلاث على ما سيأتى حلية.

(قوله ويأثم بتأخيرها إلخ) لأنها وجبت بما هو من أفعال الصلاة .وهو القراء ة وصارت من أجزائها فوجب أداؤها مضيقا كما فى البدائع ولذا كان المختار وجوب سجود للسهو لو تذكرها بعد محلها كما قدمناه فى بابه عند قوله بترك واجب فصارت كما لو أخر السجدة الصلبية عن محلها فإنها تكون قضاء ، ومثله :ما لو أخر القراء ة إلى الأخريين على القول بوجوبها فى الأوليين وهو المعتمد. أما على القول بعدمه فيهما فهى أداء فى الأخريين كما حققناه فى واجبات الصلاة فافهم.

(قوله ولو بعد السلام) أى ناسيا ما دام فى المسجد وروى أنه لا يسجد بعد السلام ناسيا تتارخانية.

(قوله ثم هذه النسبة هى الصواب) أى قول المصنف صلوية برد ألفه واوا وحذف التاء ، وإذا كانوا قد حذفوها فى نسبة المذكر إلى المؤنث كنسبة الرجل إلى بصرة فقالوا بصرى لا بصرتى كى لا تجتمع تاء ان فى نسبة المؤنث فيقولون بصرتية فكيف بنسبة المؤقت إلى المؤنث فتح(ردالمحتار، ج۲، ص ۱۰۹، و ۱۱۰، باب سجود التلاوة)

ويجب عليه سجود السهو لو تذكرها فى آخر صلاته فى الأصح كما قدمناه فى باب السهو، وهذا عين التضييق فكيف يكون موسعا بالنسبة للصلاة وكأنه أراد أن يفرق بين التضييق فى الصلاتية والتضييق فى غيرها عند آخر العمر بأنه فى الأولى يمكن التدارك بالقضاء ما دام فى حرمة الصلاة فكان فيه نوع توسعة بخلاف الثانى ولكن هذا القدر لا يسوغ إطلاق أن الوجوب فيها موسع فتدبر (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲، ص ۱۲۹)

قال محمد رحمه الله فى الأصل :إذا سلم ساهياً وعليه سجدة، فهذه المسألة لا تخلو إما أن يكون عليه سجدة تلاوة أو سجدة صلبية أو سجدة سهو، وأياً ما كان، فإنه يأتى بها؛ لأنه فى حرمة الصلاة بعد؛ لأن سلام الساهى لا يخرجه عن حرمة الصلاة، وإذا لم يخرجه عن حرمة الصلاة صار وجود هذا السلام والعدم بمنزلة، ولو لم يوجد السلام أليس إنه يأتى بها، كذا ها هنا (المحيط البرهانى، ج۲ ص ۵۱۵، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر فى سجود السهو)

تنبيه إنما قال المصنف خارجها لأنها تقضى داخلها بأن أخرها حتى طالت القراء ة فإنها تصير قضاء ولكنه يسجدها فيها أما إذا لم تطل القراء ة فينوب عنها سجود الصلاة ولو من غير نية وقدمنا عن الدراية أنه يقضيها ما دام فى حرمة الصلاة ولو بعد السلام ما لم يأت بمناف اهـ(حاشية الطحطاوى على المراقى، ص ۴۹۳، باب سجود التلاوة)

مسئلہ نمبر۱۰...... اگرایک ہی وقت میں نماز کے اندر سجدہ کی آیت کو بار بار تلاوت کیا، تو ایک ہی سجدہ کافی ہوتا ہے۔

اگر سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد وہی آیتِ سجدہ نماز کی اسی رکعت میں دوبارہ پڑھ دی تو بھی پہلا سجدہ کافی ہوتا ہے، دوبارہ سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ [۱]

اور اگر کسی نے نماز میں سجدہ کی آیت تلاوت کی، اور سجدۂ تلاوت کرلیا، اور پھر اسی نماز کی اگلی رکعت میں اُسی آیتِ سجدہ کو دوبارہ پڑھا، تو اس صورت میں بعض حضرات کے نزدیک پہلی رکعت میں کیا ہوا سجدہ کافی ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک دوبارہ سجدہ کرنا چاہئے۔

اگر باجماعت تراویح کی نماز میں امام سے غلطی سے ایسا ہو جائے، یا دوبارہ اصلاح کرنے کی غرض سے امام اس آیت کی تلاوت کرے، تو دوبارہ سجدۂ تلاوت نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ [۲]

---

[۱] إن كررها في ركعة واحدة تكفي سجدة واحدة، سواء سجد ثم أعاد، أو أعاد ثم سجد، وإن كرر في ركعة أخرى يكفيه سجدة واحدة، هذا عند أبي يوسف رضي الله عنه- خلافا لمحمد-رضي الله عنه (شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

ولو تلاها في ركعة فسجدها ثم أعادها في تلك الركعة لا تجب ثانيا، كذا في محيط السرخسي. المصلي إذا قرأ آية السجدة في الأولى ثم أعادها في الركعة الثانية والثالثة وسجد للأولى ليس عليه أن يسجدها وهو الأصح، كذا في الخلاصة(الفتاویٰ الهندية، ج ا ، ص۱۳۵ ، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر)

[۲] مذکورہ صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک پہلا سجدہ کافی ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک دوسرا سجدہ کرنے کا حکم ہے، باجماعت تراویح کی صورت میں تخفیف کی غرض سے بندہ کے نزدیک امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کر لینے میں حرج نہیں، کیونکہ بہت سی مرتبہ حافظ امام کو اصلاح ودرستگی کے لئے اگلی رکعت میں دوبارہ آیت کو پڑھنے کی ضرورت پیش آتی یا غلطی سے تکرار ہو جاتا ہے، اور دوبارہ سجدہ کرنے سے مقتدیوں میں تشویش پیدا ہوتی ہے۔

ولو قرأ آية سجدة في الركعة الأولى فسجد ثم قام فأعادها في تلك الركعة ثانيا لم يلزمه أخرى بالإجماع وإن أعادها في الركعة الثانية يلزمه أخرى عند محمد وهو استحسان وعند أبي يوسف تكفيه الأولى وهو القياس؛ لأن التحريمة تجمع أفعال الصلاة فيصير كلها كالمحل الواحد ولمحمد أن السجود من موجب التلاوة وكل ركعة تتعلق بها تلاوة ولا تنوب عنها تلاوة في غيرها فكذا يتعلق بها سجود ولا ينوب عنه سجود في غيرها قال في الفتاوى هذا الاختلاف إذا كانت الصلاة بركوع وسجود أما إذا صلى بالإيماء لا يجب أخرى وكذا لو أعادها في الثالثة والرابعة (الجوهرة النيرة، ج ا ص ٨٣، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة)

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر تراویح کی نماز میں آیتِ سجدہ تلاوت کی، اور اس کا سجدہ بھی کرلیا، اور سلام پھیر کر دو رکعت نماز مکمل کرلی، پھر اگلی دو رکعت تراویح کی نیت باندھ کر کسی وجہ سے وہی آیتِ سجدہ دوبارہ تلاوت کی، تو اس کے لئے دوبارہ سجدۂ تلاوت کرنا چاہئے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۲...... تراویح کی نماز میں امام نے سجدہ کی آیت تلاوت کی، اور پھر سجدۂ تلاوت کیا، لیکن مقتدی کو غلط فہمی ہوئی، اس نے امام کو رکوع میں سمجھ کر رکوع کیا، پھر کچھ دیر بعد یا امام کے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد مقتدی کو معلوم ہوا، تو اسے چاہئے کہ امام کے ساتھ سجدہ میں شریک ہو، اور اگر امام سجدہ سے سر اٹھا چکا ہے، تو بھی جلدی سے سجدہ کرکے امام کے ساتھ قیام میں شریک ہوجائے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۳...... اگر امام نے آیتِ سجدہ پڑھنے کے بعد رکوع کیا، اور کوئی مقتدی غلط فہمی سے سجدہ میں چلا گیا، تو اسے واپس لوٹ آنا چاہئے، اور امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہوجانا چاہئے، اور اگر امام رکوع سے فارغ ہوکر سجدہ میں جا چکا ہے، تو مقتدی کو جلدی سے رکوع کرکے امام کے ساتھ سجدہ میں شریک ہوجانا چاہئے۔ [3]

تراویح کی جماعت اور اقتداء سے متعلق احکام

مسئلہ نمبر ۱...... رمضانُ المبارک میں تراویح کی نماز میں کم از کم ایک مرتبہ قرآن مجید پڑھ یا

---

[1] ولو قرأها فسجد ثم افتتح الصلاة مكانه ثم قرأها ثانيا فعليه سجدة أخرى وإن كان لم يسجد للأولى عليه سجدة واحدة حتى لو لم يؤدها تسقط ولو تلاها فى ركعة فسجدها ثم أعادها فى تلك الركعة لا تجب ثانيا، كذا فى محيط السرخسى(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۳۵ ، كتاب الصلاة الباب الثالث عشر)

[2] (قوله ومتابعته لإمامه فى الفروض) أى بأن يأتى بها معه أو بعده، حتى لو ركع إمامه ورفع فركع هو بعده صح(ردالمحتار، ج ۱، ص ۴۵۰، كتاب الصلاة، فرائض الصلاة)

[3] وفى الخلاصة المقتدى إذا أتى بالركوع والسجود قبل الإمام هذه على خمسة أوجه :إما إذا أتى بهما قبله أو بعده أو بالركوع معه وسجد قبله أو بالركوع قبله وسجد معه أو أتى بهما قبله ويدركه الإمام فى آخر ركعاته فإن أتى بالركوع والسجود قبل الإمام فى كلها يجب عليه قضاء ركعتين وإذا ركع قبله وسجد معه يقضى أربعا بلا قراءة وإن ركع بعد الإمام وسجد بعده جازت صلاته .اهـ (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۱۱۹، كتاب الصلاة، فصل الشروع فى الصلاة وبيان إحرامها وأحوالها)

سُن کر مکمل کرنا سنت ہے۔ [1]

اسی طرح باجماعت تراویح پڑھنا بھی سنت ومستحب ہے۔

اگر کوئی شخص بلاعذر تراویح کی نماز باجماعت نہ پڑھے تو وہ سنت کے ثواب سے محروم ہوگا، لیکن تنہا پڑھنے کی صورت میں اس کی تراویح ادا ہوجائے گی، اور اگر وہ خود حافظِ قرآن ہو، اور تراویح میں خود قرآن مجید مکمل کرلے تو اُس کو قرآن مجید مکمل کرنے کی سنت بھی حاصل ہوجائے گی۔ [2]

---

[1] (وسن الختم) أى ختم القرآن على الأصح وهو قول الأكثر (مرة) فى صلاة التراويح .لأن شهر رمضان أنزل فيه القرآن .وكان النبى صلى الله عليه وسلم يعرضه فيه على جبرائيل كل سنة مرة، وفى السنة الأخيرة عرضه مرتين (شرح النقاية، ج ا، ص۴۰۷، فصل فى صلاة التراويح)

(قوله والختم مرة سنة) أى قراءة الختم فى صلاة التراويح سنة وصححه فى الخانية وغيرها، وعزاه فى الهداية إلى أكثر المشايخ .وفى الكافى إلى الجمهور، وفى البرهان :وهو المروى عن أبى حنيفة والمنقول فى الآثار(ردالمحتار، ج۲، ص۴۶، باب الوتروالنوافل)

[2] وأما سننها فمنها الجماعة والمسجد؛ لأن النبى -صلى الله عليه وسلم -قدر ما صلى من التراويح صلى بجماعة فى المسجد، فكذا الصحابة -رضى الله عنهم -صلوها بجماعة فى المسجد فكان أداؤها بالجماعة فى المسجد سنة......ومن صلاها فى بيته وحده، أو بجماعة لا يكون له ثواب سنة التراويح لتركه ثواب سنة الجماعة والمسجد .(بدائع الصنائع، ج ا، ص۲۸۸ ،فصل فى سنن صلاة التراويح)

وإن تخلف واحد من الناس وصلاها فى بيته فقد ترك الفضيلة ولا يكون مسيئا ولا تاركا للسنة(الفتاوىٰ الهندية، ج ا، ص۱۱۶، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فى التراويح)

وقال الصدر الشهيد الجماعة سنة كفاية فيها حتى لو أقامها البعض فى المسجد بجماعة وباقى أهل المحلة منفردا فى بيته لا يكون تاركا للسنة لأنه يروى عن أفراد الصحابة للتخلف .وقال فى المبسوط لو صلى إنسان فى بيته لا يأثم فقد فعله ابن عمر وعروة وسالم والقاسم وإبراهيم ونافع فدل فعل هؤلاء أن الجماعة فى المسجد سنة على سبيل الكفاية إذ لا يظن بابن عمر ومن تبعه ترك السنة اه .وإن صلاها بجماعة فى بيته فالصحيح أنه نال إحدى الفضيلتين فإن الأداء فى المسجد له فضيلة ليس للأداء فى البيت ذلك وكذا الحكم فى الفرائض (مراقى الفلاح شرح نور الايضاح، ص۱۵۷، كتاب الصلاة، باب فى النوافل، فصل فى التراويح)

(لكن على وجه الكفاية) ش :يعنى إذا قام بها البعض بالجماعة سقطت عن الباقين حضور الجماعة، لأن الجماعة فيها سنة على الكفاية م :(حتى لو امتنع أهل المسجد عن إقامتها كانوا مسيئين) ش: هذه نتيجة كون الجماعة فى التراويح سنة، على الكفاية م :(ولو أقامها البعض فالمتخلف عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲......مرد حضرات کے لئے افضل یہ ہے کہ مسجد میں باجماعت تراویح پڑھیں۔ اگرکسی مکان یا دوکان یادفتر میں جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھی جائے تو جماعت کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے،لیکن مسجد کی اضافی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الجماعة تارک للفضيلة) ش :يعنى لو أقام بعض أهل المسجد التراويح فالذى يتخلف عنهم لا يكون مسيئا بل يكون تاركا للفضيلة، لأن سنتها بالجماعة على الكفاية والفرض على الكفاية إذا قام به بعض سقط عن الباقى، ففى السنة على الكفاية بالطريق الأولى .وعلل المصنف ذلک بقوله م: (لأن أفراد الصحابة -رَضِيَ اللَّهُ عَنهُمْ -يروى عنهم التخلف) ش :أى عن الجماعة فى صلاة التراويح، منهم عبد الله بن عمر -رَضِيَ اللَّهُ عَنهُمَا -رواه الطحاوى عن نافع عن ابن عمر أنه كان لا يصلى خلف الإمام فى شهر رمضان، وروى أيضا عن مجاهد قال :قال رجل لابن عمر -رَضِيَ اللَّهُ عَنهُمَا :-أصلى خلف الإمام فى رمضان؟ قال أتقرأ القرآن؟قال :نعم قال :صل فى بيتک.وأخرج ابن أبى شيبة أيضا فى "مصنفه "عن ابن عمر أنه كان لا يقوم مع الناس فى شهر رمضان قال وكان القاسم وسالم لا يقومان مع الناس .وروى البيهقى فى "سننه "عن ابن عمر أنه قال له رجل أصلى خلف الإمام فى رمضان؟ قال ابن عمر أليس تقرأ القرآن؟ قال :نعم، قال انتصب كأنک حمار، صل فى بيتک .وروى الطحاوى عن الأشعث بن سليم قال :أتيت مكة وذاک فى رمضان فى زمان ابن الزبير -رَضِيَ اللَّهُ عَنهُ -فكان الإمام يصلى بالناس فى المسجد وقوم يصلون على حدة المسجد . وروى أيضا عن إبراهيم قال :لو لم يكن معى إلا سورة واحدة لكنت أرددها أحب إلى من أن أقوم خلف الإمام فى رمضان، وروى أيضا عن عروة وسعيد بن جبير ونافع أنهم كانوا ينصرفون من العشاء فى رمضان ولا يقومون مع الناس (البناية شرح الهداية، ج۲، ص۵۵۴، حكم صلاة التراويح وكيفيته)

؎ (وإن صلى احد فى بيته بالجماعة) حصل لهم ثوابها وادركوا فضلها ولكن (لم ينالوا فضل الجماعة) التى تكون (فى المسجد) لزيادة فضيلة المسجد وتكثير جماعته وإظهار شعائر الإسلام (وهكذا فى المكتوبات) أى الفرائض لو صلى جماعة فى البيت على هيئة الجماعة فى المسجد نالوا فضيلة الجماعة وهى المضاعفة بسبع وعشرين درجة لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة فى المسجد (حلبى كبير، ص۴۰۲، ومن السنن المؤكدة التراويح)

(بجماعة) أى إقامتها بالجماعة سنة فمن ترک التراويح بالجماعة وصلاها فى البيت فقد أساء عند بعضهم فالصحيح أن إقامتها بالجماعة سنة على وجه الكفاية حتى لو ترک أهل المسجد كلهم الجماعة أساء وا وأثموا ولو أقامها البعض فالمتخلف عنها تارک الفضيلة، وإن صلاها بالجماعة فى البيت فقد حاز إحدى الفضيلتين وهى فضيلة الجماعة دون فضيلة الجماعة فى المسجد(مجمع الانهر، ج۱، ص۱۳۶، فصل التراويح)

وإن صلى بجماعة فى البيت اختلف فيه المشايخ والصحيح أن للجماعة فى البيت فضيلة وللجماعة فى المسجد فضيلة أخرى فإذا صلى فى البيت بجماعة فقد حاز فضيلة أدائها بالجماعة وترک الفضيلة الأخرى، هكذا قاله القاضى الإمام أبو على النسفى، والصحيح أن أداء ها بالجماعة فى المسجد أفضل وكذلک فى المكتوبات(الفتاوىٰ الهندية، ج۱، ص۱۱۶، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فى التراويح)

مسئلہ نمبر ۳...... مسجد میں تراویح کی نماز باجماعت پڑھنا سنتِ کفایہ ہے یعنی مسجد میں اگر کچھ لوگ باجماعت تراویح پڑھ لیں، تو اس سے مسجد میں تراویح کا حق ادا ہوجاتا ہے، اور دوسرے لوگوں کو مسجد میں آ کر پڑھنا ضروری نہیں رہتا، اور اگر مسجد میں تراویح کی جماعت بالکل نہ ہو اور اہلِ علاقہ مسجد میں تراویح کی جماعت کو چھوڑ دیں تو مسجد کے سب اہلِ علاقہ سنت کو چھوڑنے کی وجہ سے قابلِ ملامت شمار ہوتے ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴...... نمازِ تراویح جماعت سے پڑھنے کی صورت میں اس کے لئے نہ تو اذان سنت ہے، اور نہ اقامت۔ [2]

مسئلہ نمبر ۵...... تراویح کی نماز سنتِ مؤکدہ ہے، جس کا درجہ عام نفلوں اور سنتوں سے زیادہ ہے، جس کے پیشِ نظر مشائخِ حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ تراویح کی نماز پڑھنے والے کو تراویح کے علاوہ کوئی دوسری فرض نماز یا دوسری نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے تراویح کی نماز ادا نہیں ہوگی۔ [3]

---

[1] ثم اختلف المشايخ فى كيفية سنة الجماعة، والمسجد، أنها سنة عين أم سنة كفاية؟ قال بعضهم :إنها سنة على سبيل الكفاية إذا قام بها بعض أهل المسجد فى المسجد بجماعة سقط عن الباقين .ولو ترك أهل المسجد كلهم إقامتها فى المسجد بجماعة فقد أساءوا وأثموا(بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۸۸، فصل فى سنن صلاة التراويح)

(والجماعة فيها سنة على الكفاية) فى الأصح، فلو تركها أهل مسجد أثموا إلا لو ترك بعضهم، وكل ما شرع بجماعة فالمسجد فيه أفضل قاله الحلبى (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۵، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

والجماعة فيها سنة على الكفاية، كذا فى التبيين وهو الصحيح، كذا فى محيط السرخسى .لو أدى التراويح بغير جماعة أو النساء وحدهن فى بيوتهن يكون تراويح، كذا فى معراج الدراية .ولو ترك أهل المسجد كلهم الجماعة فقد أساءوا وأثموا، كذا فى محيط السرخسى(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱، ص ۱۱۶، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فى التراويح)

[2] وليس لغير الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات والتراويح والعيدين أذان ولا إقامة كذا فى المحيط (الفتاوى الهندية، ج ۱ ص ۵۳، كتاب الصلاة، الباب الثانى، الفصل الأول)

[3] ولو اقتدى من يصلى التراويح بمن يصلى المكتوبة، أو النافلة قيل :يصح اقتداؤه ويكون مؤديا التراويح، وقيل :لا يصح اقتداؤه به وهو الصحيح؛ لأنه مكروه لكونه مخالفا لعمل السلف(بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۸۸، فصل فى سنن صلاة التراويح)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۶ ...... اگر کسی شخص نے امام کے ساتھ نماز میں تراویح کی نیت سے یہ سمجھتے ہوئے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نوع آخر إذا صلى التراويح مقتدياً بمن صلى مكتوبة أو نافلة غير التراويح. اختلف المشايخ فيه، منهم من بنى هذا الاختلاف في النية، حتى قال .....المشايخ :إن التراويح لا تتأدى إلا بنيتها نقول ها هنا لا يصح؛ لأنها لو كانت لا تتأدى إلا بنيتها منه لا تتأدى بنية إمامه، وهي تخالف نيته، ومن قال بأنها تتأدى من غير نيتها بل بنية مطلقة يجب أن يقول بصحة الاقتداء هاهنا، ومنهم من قال :لا يصح، قال القاضي الإمام أبو علي النسفي رحمه الله، وهو الأظهر والأصح، وعلى هذا الخلاف إذا لم يسلم من العشاء حتى بنى عليه التراويح الصحيح :إنه لا يصح، وهذا أظهر؛ لأنه مكروه وعلى هذا الخلاف إذا بناها على السنة بعد العشاء الصحيح أنه لا يصح (المحيط البرهاني، ج ١، ص ۴٦٥، كتاب الصلاة، نوع آخر في الشك في التراويح)

وقال في البحر أطلقه أي اقتداء المتنفل بالمفترض فشمل من يصلي التراويح بالمكتوبة، وذكر في فتاوى قاضي خان اختلافا وأن الصحيح عدم الجواز وهو مشكل فإنه بناء الضعيف على القوى اهـ قلت ليس في عبارة قاضي خان نفي صحة اقتداء من يصلي التراويح بالمكتوبة فإنه قال فعلى هذا أي على رواية أن السنة لا تتأدى بنية التطوع إذا صلى التراويح مقتديا بمن يصلي نافلة غير التراويح اختلفوا فيه والصحيح أنه لا يجوز، وكذا لو كان الإمام يصلي التراويح فاقتدى به رجل ولم ينو التراويح ولا صلاة الإمام لا يجوز كما لو اقتدى برجل يصلي المكتوبة فنوى الاقتداء به ولم ينو المكتوبة ولا صلاة الإمام فإنه لا يجوز .اهـ .وقال قاضي خان في فصل من يصح الاقتداء به ولا يصح اقتداء المفترض بالمتنفل وعلى القلب يجوز اهـ نعم ما نسبه صاحب البحر لقاضي خان صرح به في مختصر الظهيرية فقال لو صلى التراويح مقتديا بمن يصلي المكتوبة أو بمن يصلي نافلة غير التراويح اختلف المشايخ فيه والصحيح أنه لا يجوز اهـ قلت يمكن أن يكون المراد بنفي الجواز عدم الاعتداد بها عن التراويح على وجه الكمال لما سنذكر أنه إذا تعمد فلم يسلم على كل شفع يكره فتأمل(حاشية الشرنبلالي على درر الحكام ، ج ١، ص٨٧، و٨٨، كتاب الصلاة، فصل في الامامة)

وَلَوْ صَلَّى التَّرَاوِيحَ مُقْتَدِيًا بِمَنْ يُصَلِّي مَكْتُوبَةً أَوْ وِتْرًا أَوْ نَافِلَةً الْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ الِاقْتِدَاءُ بِهِ؛ لِأَنَّهُ مَكْرُوهٌ مُخَالِفٌ لِعَمَلِ السَّلَفِ (الفتاوىٰ الهندية، ج ١، ص١١٧، كتاب الصلاة، الباب التاسع)

إذا صلى التراويح مقتدياً بمن يصلي المكتوبة أو بمن يصلي نافلة أخرى غير التراويح اختلفوا فيه والصحيح أنه لا يجوز وكذا لو كان الإمام يصلي التراويح فاقتدى به رجل ولم ينو التراويح ولا صلاة الإمام لا يجوز كما لو اقتدى برجل يصلي المكتوبة فنوى الاقتداء به ولم ينو المكتوبة ولا صلاة الإمام فإنه لا يجوز (فتاوىٰ قاضي خان، ج ١، ص ١٢٩، فصل في نية التراويح)

قوله" :ومتنقل بمفترض "إلا في التراويح فإن الأرجح عدم جواز الاقتداء كما في الخانية وصححه في غاية البيان لأنها شرعت على هيئة مخصوصة فيراعي وصفها الخاص للخروج عن العهدة كما في الدر والمراد أنه لا يحسب من التراويح لا أن الاقتداء يقع باطلا كما لا يخفى(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،ص ٢٩٦،كتاب الصلاة،باب الإمامة)

شرکت کی کہ امام تراویح پڑھ رہا ہے، لیکن امام درحقیقت وتر پڑھ رہا تھا، تو حنفیہ کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس سے مقتدی کی تراویح ادا نہیں ہوگی، اور مقتدی کو ایسی صورت میں ایک رکعت مزید ملا کر چار رکعتیں پڑھ لینی چاہئیں، اور اس کی یہ تمام رکعتیں نوافل میں شمار کی جائیں گی۔[1]

مسئلہ نمبر ۷...... اگر سب حاضرین نے عشاء کی نماز بغیر جماعت کے تنہا پڑھی، تو ان لوگوں کو حنفیہ کے نزدیک تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ تراویح کی جماعت عشاء کی جماعت کے تابع ہے۔[2]

مسئلہ نمبر ۸...... اگر کسی شخص کی عشاء کی جماعت نکل گئی اور تراویح شروع ہو چکی ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس شخص کو چاہئے کہ پہلے عشاء کے صرف فرض پڑھے اور پھر تراویح میں شریک ہو اور اس دوران جو تراویح کی رکعتیں رہ جائیں انہیں بعد میں ادا کرے، یہ باقی ماندہ رکعتیں وتروں کے بعد بھی ادا کی جاسکتی ہیں۔[3]

---

[1] وَلَوْ صَلَّى التَّرَاوِيحَ مُقْتَدِيًا بِمَنْ يُصَلِّي مَكْتُوبَةً أَوْ وِتْرًا أَوْ نَافِلَةً الْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ الِاقْتِدَاءُ بِهِ؛ لِأَنَّهُ مَكْرُوهٌ مُخَالِفٌ لِعَمَلِ السَّلَفِ (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱، ص ۱۱۷، كتاب الصلاة، الباب التاسع)

ولو اقتدى بمن يصلى مكتوبة أو وترا أو نافلة غير التراويح قال فى "المحيط "قيل يجوز والأصح أنه لا يجوز، كذا فى "الذخيرة" (البناية شرح الهداية، ج ۲، ص ۵۶۰، فصل فقيام شهر رمضان)

ولو اقتدى بنيته بمن يصلى المكتوبة أو الوتر أو التطوع الآخر لا فى المختار (الفتاوىٰ البزازية، ج ۱، ص ۱۴، الثالث التراويح)

ولو اقتدى على ظن الإمام يصلى فى التراويح فإذا هو فى الوتر يتمه معه ويضم رابعة ولو أفسدها لا شىء عليه (منية المصلي وغنية المبتدى، ج ۱، ص ۲۲۹)

[2] وَفِي الْقُنْيَةِ صَلَّى الْعِشَاءَ وَحْدَهُ فَلَهُ أَنْ يُصَلِّيَ التَّرَاوِيحَ مَعَ الْإِمَامِ وَلَوْ تَرَكُوا الْجَمَاعَةَ فِي الْفَرْضِ لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يُصَلُّوا التَّرَاوِيحَ جَمَاعَةً لِأَنَّهَا تَبَعٌ لِلْجَمَاعَةِ وَلَوْ لَمْ يُصَلِّ التَّرَاوِيحَ جَمَاعَةً مَعَ الْإِمَامِ فَلَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْوِتْرَ مَعَهُ ثُمَّ ذَكَرَ بَعْدَهُ أَنَّهُ لَوْ صَلَّى التَّرَاوِيحَ مَعَ غَيْرِهِ لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْوِتْرَ مَعَهُ هُوَ الصَّحِيحُ اهـ. (البحر الرائق، ج ۲، ص ۷۵، كتاب الصلاة)

(وَلَوْ صَلَّى الْعِشَاءَ وَحْدَهُ فَلَهُ أَنْ يُصَلِّيَ التَّرَاوِيحَ بِالْإِمَامِ، وَلَوْ تَرَكُوا الْجَمَاعَةَ فِي الْفَرْضِ لَمْ يُصَلُّوا التَّرَاوِيحَ بِجَمَاعَةٍ، وَلَوْ لَمْ يُصَلِّهَا) أَيْ التَّرَاوِيحَ (بِالْإِمَامِ صَلَّى الْوِتْرَ بِهِ) (درر الحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱، ص ۱۲۰، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

[3] علامہ شلبی نے کاکی سے نقل کیا ہے کہ تراویح کھڑی ہو جانے کی صورت میں اصح یہ ہے کہ فرض پر اکتفاء کر کے تراویح کی جماعت میں شامل ہو، اور عشاء کے بعد کی دو سنتیں ترک کر دے۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۹......جس شخص کی عشاء کی نماز جماعت سے رہ گئی ہو اور اس نے عشاء کی نماز بغیر جماعت کے تنہاء پڑھی ہو تو حنفیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اُسے تراویح اور وتر کی جماعت میں شریک ہونا جائز ہے، اور اگر اُس شخص نے تراویح کی کوئی رکعت بھی نہ پڑھی ہو، تب بھی وتر کی جماعت میں شریک ہونا جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اس کی بظاہر وجہ یہ ہے کہ جماعت کھڑی ہونے کی صورت میں سنتوں میں مشغول ہونا درست نہیں، اِلَّاسُنَّةَ الفجر.

جہاں تک عشاء کے فرض کا معاملہ ہے، تو اس کی تراویح سے پہلے ادائیگی ضروری ہے، نیز فرض کا درجہ سنت سے زیادہ ہے۔

لیکن جب عشاء کے صرف فرض پڑھ کر تراویح میں داخل ہوجائے، اور سنتیں ترک کردے، تو سنتیں بعد میں ادا کرے یا نہیں؟ اس کی تصریح نہیں ملی؛ احتمال دونوں ہیں، یہ بھی کہ تراویح کے بعد میں ادا کرے، اور یہ بھی کہ بعد میں ادا نہ کرے، اور تراویح میں تداخُل وادغام قرار دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ (مسلم،رقم الحديث ۱۷۱۰"۶۳"، بَابُ كَرَاهَةِ الشُّرُوعِ فِی نَافِلَةٍ بَعْدَ شُرُوعِ الْمُؤَذِّنِ)

إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة وخصت سنة الفجر بقوله -عَلَيْهِ السَّلَامُ -لا تدعوهما وإن طردتكم الخيل (البناية شرح الهداية، ج۲، ص ۵۶۹، حكم من انتهى إلى الإمام فی صلاة الفجر وهو لم يصل ركعتی الفجر)

وَقَالَ عَامَّةُ مَشَايِخِنَا :إنَّ التَّرَاوِيحَ وَسَائِرَ السُّنَنِ تَتَأَدَّى بِمُطْلَقِ النِّيَّةِ (بدائع الصنائع، ج ۱، ص۲۸۸)

(قَوْلُهُ :لِأَنَّهَا تَبَعٌ لِلْعِشَاءِ إلَى آخِرِهِ) أَیْ حَتَّى أَنَّ مَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ يُصَلِّی التَّرَاوِيحَ يُصَلِّی الْعِشَاءَ أَوَّلًا ، ثُمَّ يَتْبَعُ إمَامَهُ وَالْأَصَحُّ أَنْ يَتْرُكَ السُّنَّةَ .اهـ .كَاكِیٌّ (حاشية الشلبی على تبيين الحقائق، ج ۱، ص۱۷۸، بَابُ الْوِتْرِ وَالنَّوَافِلِ)

(ووقته) أی وقت التراويح ذكره باعتبار الفعل او النقل المذكور (بعد العشاء لا يجوز قبلها) سواء كانت بعد الوتر أو قبله (وهو المختار) لأنها نافلة شرعت بعد العشاء فكانت تبعا لها كسنتها (منية المصلی وغنية المبتدی، ج ۱، ص ۲۲۵، ومن السنن المؤكدة التراويح)

لَوْ اقْتَدَى مَنْ لَمْ يُصَلِّ السُّنَّةَ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِمَنْ يُصَلِّی التَّرَاوِيحَ وَنَوَى سُنَّةَ الْعِشَاءِ جَازَ (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱، ص۱۱۷، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فی التراويح)

وَلَوْ اقْتَدَى مَنْ يُصَلِّی التَّسْلِيمَةَ الْأُولَى بِمَنْ يُصَلِّی التَّسْلِيمَةَ الثَّانِيَةَ قِيلَ :لَا يَجُوزُ اقْتِدَاؤُهُ، وَقِيلَ: يَجُوزُ وَهُوَ الصَّحِيحُ؛ لِأَنَّ الصَّلَاةَ مُتَّحِدَةٌ فَكَانَ نِيَّةُ الْأُولَى وَالثَّانِيَةِ لَغْوًا، وَلِهَذَا صَحَّ اقْتِدَاءُ مُصَلِّی الرَّكْعَتَيْنِ بِمُصَلِّی الْأَرْبَعِ قَبْلَهُ فَكَذَا هَذَا (بدائع الصنائع، ج ۱، ص۲۸۸، فَصْلٌ فِی سُنَنِ صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ)

[1] عندالاحناف تراویح علی الاتفاق اور وتر کی جماعت علی الاختلاف عشاء کی جماعت کے تابع ہے، لیکن تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عشاء کی نماز مطلقاً با جماعت نہ پڑھی گئی ہو، اور اگر عشاء کی نماز با جماعت پڑھی گئی، لیکن ایک یا زیادہ لوگ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۰......تراویح کی نماز میں حنفیہ کے نزدیک امام کو جہراً قرائت کرنا واجب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عشاء کی جماعت میں شریک نہ ہو سکے، اور انہوں نے عشاء کی نماز بغیر جماعت کے یا کسی اور جگہ جماعت کے ساتھ پڑھی، تو اُن کو یہاں تراویح اور وتروں کی یا ان میں سے کسی ایک کی جماعت میں شریک ہونا جائز ہے۔لِأَنَّ جَمَاعَتَهُمُ مَشْرُوعَة فَلَهُ الدُّخُولُ فِيهَا مَعَهُمُ لِعَدَمِ الْمَحْذُورِ.

اب اس تفصیل کی روشنی میں چند صورتیں مع حکم کے ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱)...... جو شخص عشاء کی نماز باجماعت میں شریک ہوا، لیکن تراویح کی جماعت میں سِرے سے شریک نہ ہوا، یا کچھ رکعتوں میں شریک ہوا اور کچھ میں شریک نہ ہوا، یا اُس نے تراویح کی تمام یا بعض رکعتیں تنہاء ادا کیں، یا سِرے سے ابھی تک ایک رکعت بھی ادا نہیں کی، تو اُسے وتروں کی جماعت میں شریک ہونا جائز ہے۔

(۲)...... جو شخص عشاء کی نماز باجماعت میں شریک نہ ہوا، تو صحیح یہ ہے کہ اُسے تراویح اور وتروں کی نماز باجماعت پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ اُس نے تراویح سے پہلے عشاء کی نماز پڑھ لی ہو۔

(۳)...... جو شخص عشاء اور تراویح کی نماز باجماعت میں شریک نہ ہوا، تو صحیح یہ ہے کہ اُسے وتروں کی نماز باجماعت پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ اُس نے وتروں سے پہلے عشاء کی نماز پڑھ لی ہو۔

مذکورہ صورتوں میں شخصِ مذکور کو تراویح کی امامت کرانا بھی درست ہے۔

وَفِي الْقُنْيَةِ صَلَّى الْعِشَاء وَحْدَهُ فَلَهُ أَنْ يُصَلِّيَ التَّرَاوِيحَ مَعَ الْإِمَامِ وَلَوْ تَرَكُوا الْجَمَاعَةَ فِي الْفَرْضِ لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يُصَلُّوا التَّرَاوِيحَ جَمَاعَةً لِأَنَّهَا تَبَعٌ لِلْجَمَاعَةِ وَلَوْ لَمْ يُصَلِّ التَّرَاوِيحَ جَمَاعَةً مَعَ الْإِمَامِ فَلَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْوِتْرَ مَعَهُ ثُمَّ ذَكَرَ بَعْدَهُ أَنَّهُ لَوْ صَلَّى التَّرَاوِيحَ مَعَ غَيْرِهِ لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْوِتْرَ مَعَهُ هُوَ الصَّحِيحُ اهـ. (البحر الرائق، ج۲، ص۷۵، کتاب الصلاۃ)

وفی القنیة لو ترکوا الجماعة فی الفرض لیس لهم أن یصلوا التراویح جماعة لأنها تبع له ولو لم یصلها بإمام له أن یصلی الوتر به کما أن له أن یصلی التراویح بإمام والوتر بآخر علی الصحیح (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ج ۱، ص ۴۱۶، فصل فی صلاة التراویح)

وقال ابویوسف البانی اذا صلی مع الامام شیئا من التروایح یصلی معه الوتر وکذا اذا لم یدرک معه شیئا منها وکذا اذا صلی التراویح مع غیره له ان یصلی الوتر معه وهو الصحیح ذکره ابواللیث وکذا قال ظهیر الدین المرغینانی. لو صلی العشاء وحده فله ان یصلی التراویح مع الامام وهو الصحیح حتی لودخل بعد ماصلی الامام الفرض وشرع فی التراویح فانه یصلی الفرض اولا وحده ثم یتابعه فی التراویح وفی القنیة لوترکوا الجماعة فی الفرض لیس له ان یصلوا التراویح جماعة لانها تبع للجماعة (حلبی کبیر، صفحه ۴۱۰، سهیل اکیڈمی، لاهور)

وَإِذَا فَاتَتْهُ تَرْوِيحَةٌ أَوْ تَرْوِيحَتَانِ فَلَوْ اشْتَغَلَ بِهَا يَفُوتُهُ الْوِتْرُ بِالْجَمَاعَةِ يَشْتَغِلُ بِالْوِتْرِ ثُمَّ يُصَلِّي مَا فَاتَ مِنْ التَّرَاوِيحِ وَبِهِ كَانَ يُفْتِي الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْأُسْتَاذُ ظَهِيرُ الدِّينِ (الفتاویٰ الهندیة، ج ۱، ص۱۱۷، کتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فی التراویح)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہے، جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک سنت ہے، جیسا کہ پہلے قرائت وتلاوت کے بیان میں تفصیلاً گزرا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(وَلَوْ تَرَكُوا الْجَمَاعَةَ فِي الْفَرْضِ لَمْ يُصَلُّوا التَّرَاوِيحَ جَمَاعَةً) لِأَنَّهَا تَبَعٌ فَمُصَلِّيهِ وَحْدَهُ يُصَلِّيهَا مَعَهُ.
(وَلَوْ لَمْ يُصَلِّهَا) أَيْ التَّرَاوِيحَ (بِالْإِمَامِ) أَوْ صَلَّاهَا مَعَ غَيْرِهِ (لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ الْوِتْرَ مَعَهُ) بَقِيَ لَوْ تَرَكَهَا الْكُلُّ هَلْ يُصَلُّونَ الْوِتْرَ بِجَمَاعَةٍ؟ فَلْيُرَاجَعْ (الدرالمختار مع ردالمحتار)

(قوله وَلَوْ تَرَكُوا الْجَمَاعَةَ فِي الْفَرْضِ) عبربالجمع لان المنفرد لوصلى العشاء وحده فله ان يصلى التراويح مع الامام منح، لكن تعليل الشرح يعم المنفرد.

(قوله فَلْيُرَاجَع) قضية التعليل فى المسئلة السابقة بقولهم لانها تبع ان يصلى الوتر بجماعة فى هذه الصورة لانه ليس بتبع للتراويح ولا للعشاء عند الامام رحمه الله تعالىٰ، انتهىٰ حلبى (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، ج ۱، صفحه ۲۹۷، باب الوتر والنوافل)

(قَوْلُهُ لِأَنَّهَا تَبَعٌ) أَيْ لِأَنَّ جَمَاعَتَهَا تَبَعٌ لِجَمَاعَةِ الْفَرْضِ فَإِنَّهَا لَمْ تَقُمْ إلَّا بِجَمَاعَةِ الْفَرْضِ، فَلَوْ أُقِيمَتْ بِجَمَاعَةٍ وَحْدَهَا كَانَتْ مُخَالِفَةً لِلْوَارِدِ فِيهَا فَلَمْ تَكُنْ مَشْرُوعَةً؛ أَمَّا لَوْ صُلِّيَتْ بِجَمَاعَةِ الْفَرْضِ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ صَلَّى الْفَرْضَ وَحْدَهُ فَلَهُ أَنْ يُصَلِّيَهَا مَعَ ذَلِكَ الْإِمَامِ لِأَنَّ جَمَاعَتَهُمْ مَشْرُوعَةٌ فَلَهُ الدُّخُولُ فِيهَا مَعَهُمْ لِعَدَمِ الْمَحْذُورِ، هَذَا مَا ظَهَرَ لِي فِي وَجْهِهِ، وَبِهِ ظَهَرَ أَنَّ التَّعْلِيلَ الْمَذْكُورَ لَا يَشْمَلُ الْمُصَلِّيَ وَحْدَهُ، فَظَهَرَ صِحَّةُ التَّفْرِيعِ بِقَوْلِهِ فَمُصَلِّيهِ وَحْدَهُ إلَخْ فَافْهَمْ.

(قَوْلُهُ وَلَوْ لَمْ يُصَلِّهَا إلَخْ) ذَكَرَ هَذَا الْفَرْعَ وَالَّذِي قَبْلَهُ فِي الْبَحْرِ عَنْ الْقُنْيَةِ، وَكَذَا فِي مَتْنِ الدُّرَرِ، لَكِنْ فِي التَّتَارْخَانِيَّة عَنْ التَّتِمَّةِ أَنَّهُ سَأَلَ عَلِيَّ بْنَ أَحْمَدَ عَمَّنْ صَلَّى الْفَرْضَ وَالتَّرَاوِيحَ وَحْدَهُ أَوْ التَّرَاوِيحَ فَقَطْ هَلْ يُصَلِّي الْوِتْرَ مَعَ الْإِمَامِ؟ فَقَالَ لَا اهـ. ثُمَّ رَأَيْت الْقُهُسْتَانِيَّ ذَكَرَ تَصْحِيحَ مَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ، ثُمَّ قَالَ: لَكِنَّهُ إذَا لَمْ يُصَلِّ الْفَرْضَ مَعَهُ لَا يَتْبَعُهُ فِي الْوِتْرِ اهـ فَقَوْلُهُ وَلَوْ لَمْ يُصَلِّهَا أَيْ وَقَدْ صَلَّى الْفَرْضَ مَعَهُ، لَكِنْ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ قَوْلُ الْقُهُسْتَانِيِّ مَعَهُ احْتِرَازًا عَنْ صَلَاتِهَا مُنْفَرِدًا؛ أَمَّا لَوْ صَلَّاهَا جَمَاعَةً مَعَ غَيْرِهِ ثُمَّ صَلَّى الْوِتْرَ مَعَهُ لَا كَرَاهَةَ تَأَمَّلْ.

(قَوْلُهُ بَقِيَ إلَخْ) الَّذِي يَظْهَرُ أَنَّ جَمَاعَةَ الْوِتْرِ تَبَعٌ لِجَمَاعَةِ التَّرَاوِيحِ وَإِنْ كَانَ الْوِتْرُ نَفْسُهُ أَصْلًا فِي ذَاتِهِ لِأَنَّ سُنَّةَ الْجَمَاعَةِ فِي الْوِتْرِ إنَّمَا عُرِفَتْ بِالْأَثَرِ تَابِعَةً لِلتَّرَاوِيحِ، عَلَى أَنَّهُمْ اخْتَلَفُوا فِي أَفْضَلِيَّةِ صَلَاتِهَا بِالْجَمَاعَةِ بَعْدَ التَّرَاوِيحِ كَمَا يَأْتِي (ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۸، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

[1] لَوْ كَانَ بِجَمَاعَةٍ كَمَا فِي التَّرَاوِيحِ يَجِبُ الْجَهْرُ (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ۱، ص ۱۶۱، كِتَابُ الصَّلَاةِ، فَصْلٌ الْوَاجِبَاتُ الْأَصْلِيَّةُ فِي الصَّلَاةِ)

الجهر يجب على الإمام فيما يجهر فيه وهو صلاة الصبح والأوليان من المغرب والعشاء وصلاة العيدين والجمعة والتراويح والوتر فى رمضان(رد المحتار، ج ۱، ص ۴۷۹، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)

مواطن الجهر والإسرار فى القراءة :اتفق الفقهاء على أنه يسن الجهر فى الصبح والمغرب والعشاء والجمعة والعيدين والتراويح ووتر رمضان، ويسر فى الظهر والعصر .وللفقهاء فى النوافل كالوتر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۱ ...... ہر چار رکعات کے بعد امام اور مقتدیوں کو کچھ دیر وقفہ کرنا مستحب ہے۔
مگر ملحوظ رہے کہ ہر چار رکعات کے بعد یہ وقفہ مستحب ہے، لہٰذا اگر کسی عذر یا اتفاق سے یہ وقفہ نہ کیا جائے تو بھی حرج نہیں۔ [1]

اور ہر چار رکعت کے بعد وقفہ کی طرح بیسویں رکعت کے بعد بھی وقفہ مستحب ہے، اور بعض

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وغيره تفصيل :فقال الحنفية :يجب الجهر على الإمام فى كل ركعات الوتر فى رمضان، وصلاة العيدين، والتراويح .ويجب الإسرار على الإمام والمنفرد فى صلاة الكسوف والاستسقاء والنوافل النهارية .وأما النوافل الليلية فهو مخير فيها.ويخير المنفرد بين الجهر والإسرار فى الصلاة الجهرية أداء ، أو قضاء فى وقتها أو غيروقتها، إلا أن الجهر أفضل فى الجهرية ليلاً .أما الصلاة السرية فيجب عليه أن يسر بها على الصحيح.ويجب على المأموم الإنصات فى كل حال.وقال المالكية : يندب الجهر فى جميع النوافل الليلية، والسر فى جميع النوافل النهارية إلا النافلة التى لها خطبة كالعيد والاستسقاء ، فيندب الجهر فيها .ويندب للمأموم الإسرار.وقال الشافعية :يسن الجهر فى العيدين وخسوف القمر والاستسقاء والتراويح ووتر رمضان وركعتى الطواف ليلاً أو وقت الصبح، والإسرار فى غير ذلك إلا نوافل الليل المطلقة فيتوسط فيها بين الجهر والإسرار، والتوسط :أن يجهر تارة، ويسر أخرى، اتباعاً للسنة، إن لم يشوش على نائم أو مصل أو نحوه .والعبرة فى قضاء الفريضة بوقته أى وقت القضاء على المعتمد .وجهر المرأة دون جهر الرجل .ومحل جهرها إن لم تكن بحضرة أجانب.وقال الحنابلة :يسن الجهر فى صلاة العيد والاستسقاء والكسوف والتواويح والوتر إذا وقع بعد التراويح، ويسر فيما عدا ذلك .ويخير المنفرد بين الجهر والإسرار فى الصلاة الجهرية، كما قال الحنفية(الفقه الاسلامى وادلته، ج۲ص ۸۸۳،۸۸۴، القسم الاول، الباب الثانى، الفصل الاول، المبحث الاول)

[1] والمستحب فى الجلوس بين الترويحتين مقدار الترويحة وكذا بين الخامسة والوتر لعادة أهل الحرمين، واستحب البعض الاستراحة على خمس تسليمات وليس بصحيح .وقوله :ثم يوتر بهم يشير إلى أن وقتها بعد العشاء قبل الوتر، وبه قال عامة المشايخ -رَحِمَهُمُ اللَّهُ (الهداية، كتاب الصلاة، فصل فى قيام شهر رمضان)

(قوله والمستحب الجلوس) قيل ينبغى أن يقول : والمستحب الانتظار بين الترويحتين لأنه استدل بعادة أهل الحرمين، وأهل المدينة كانوا يصلون بدل ذلك أربع ركعات فرادى، وأهل مكة يطوفون بينهما أسبوعا ويصلون ركعتى الطواف، إلا أنه روى البيهقى بإسناد صحيح أنهم كانوا يقومون على عهد عمر، ونحن لا نمنع أحدا من التنفل ما شاء ، وإنما الكلام فى القدر المستحب بجماعة وأهل كل بلدة بالخيار يسبحون أو يهللون أو ينتظرون سكوتا أو يصلون أربعا فرادى، وإنما استحب الانتظار لأن التراويح مأخوذ من الراحة فيفعل ذلك تحقيقا لمعنى الاسم وكذا هو متوارث (فتح القدير للكمال ابن الهمام، ج ۱، ص۴۶۸، و ۴۶۹، فصل فى قيام شهر رمضان)

حضرات بیسویں رکعت کے بعد وقفہ کے مستحب ہونے کے قائل نہیں۔ [1]

بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر باجماعت تراویح پڑھنے کی صورت میں بیسویں رکعت کے بعد وقفہ لوگوں پر بارگزرتا ہو، تو اس کو نہیں کرنا چاہئے، ورنہ وقفہ کرنا بہتر ہے۔

بہرحال ہر چار رکعات کے بعد وقفہ کرنا اور بعض کے نزدیک بیسویں رکعت کے بعد وقفہ کرنا مستحب درجے کا عمل ہے، اگر کوئی اس کو نہ کرے یا کبھی ترک کردے، تو گناہ نہیں۔ [2]

---

[1] وَهَلْ يَجْلِسُ بَيْنَ التَّرْوِيحَة الْخَامِسَةِ وَالْوِتْرِ رَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَجْلِسُ، وَكَذَا فِي الْهِدَايَةِ.وَفِي الْيَنَابِيعِ الصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ ذٰلِكَ عِنْدَ عَامَّةِ الْمَشَايِخِ (الجوهرة النيرة، ج ۱، ص ۹۷، و ۹۸، کتاب الصلاة، بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ)

وكلما صلى الإمام ترويحة ينتظر قاعداً بين الترويحتين مقدار ترويحة وينتظر بين الترويحة الخامسة والوتر مقدار ترويحة ثم يوتر هكذا روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وإنما يستحب الانتظار كل ترويحتين لأن التراويح مأخوذ من الراحة فيفعل ما قلنا تحقيقة للاسم (فتاویٰ قاضي خان، ج ۱، ص ۱۶۸، فصل فی مقدار التراويح)

(قَوْلُهُ وَتَعَقَّبَهُ الشَّارِحُ بِأَنَّهُ مُسْتَحَبٌّ لَا سُنَّةٌ) قَالَ فِي النَّهْرِ وَهُوَ ظَاهِرٌ فِي نَدْبِهَا عَلَى رَأْسِ الْخَامِسَةِ لَكِنْ فِي الْخُلَاصَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَى عَدَمِ الِاسْتِحْبَابِ وَهُوَ الصَّحِيحُ اهـ .قُلْت إنْ أَرَادَ مِنْ الْخَامِسَةِ التَّسْلِيمَةَ الْخَامِسَةَ وَهِيَ الْمَسْأَلَةُ الْآتِيَةُ عَنْ الْكَافِي فَمَا ادَّعَاهُ مِنْ الظُّهُورِ مَمْنُوعٌ إذْ لَا تَعَرُّضَ لَهُ فِي كَلَامِ الشَّارِحِ أَصْلًا وَإِنْ أَرَادَ مِنْهَا التَّرْوِيحَةَ الْخَامِسَةَ فَكَلَامُ الْخُلَاصَةِ لَيْسَ فِيهَا لِأَنَّ نَصَّ عِبَارَةِ الْخُلَاصَةِ هَكَذَا وَالِاسْتِرَاحَةُ عَلَى خَمْسِ تَسْلِيمَاتٍ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ وَأَكْثَرُهُمْ عَلَى أَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ وَهُوَ الصَّحِيحُ. (قَوْلُهُ وَلَا يَخْفَى مَا فِيهِ إلَخْ) أَقُولُ :أَظُنُّ أَنَّ لَفْظَةَ تَرْكَ فِي عِبَارَةِ الْحَلَبِيِّ زَائِدَةٌ مِنْ بَعْضِ النُّسَّاخِ أَلْحَقَهَا اسْتِبْعَادًا لِأَنْ يَكُونَ شَأْنُ الْأَئِمَّةِ ذٰلِكَ إذْ شَأْنُهُمْ الْمُسَاهَلَةُ وَلَعَلَّ ذٰلِكَ كَانَ فِي زَمَانِهِ وَإِنْ ثَبَتَ مَا قُلْنَا يَنْدَفِعُ الْإِيرَادُ عَنْ كَلَامِ هَذَا الْعَلَّامَةِ وَإِلَّا فَهُوَ كَلَامٌ مُتَهَافِتٌ يَبْعُدُ صُدُورُهُ مِنْ أَمْثَالِهِ (قَوْلُهُ وَقَدْ قَالُوا إلَخْ) قَالَ الرَّمْلِيُّ قَالَ الْحَلَبِيُّ وَمِنْ الْمَكْرُوهِ مَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْجُهَّالِ مِنْ صَلَاةِ رَكْعَتَيْنِ مُنْفَرِدًا بَعْدَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ لِأَنَّهَا بِدْعَةٌ مَعَ مُخَالَفَةِ الْإِمَامِ وَالصَّفِّ اهـ.قُلْت :لَكِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ غَيْرُ الْمَذْكُورَةِ هُنَا لِأَنَّ هَذِهِ بَعْدَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَالْمَذْكُورَةُ هُنَا بَعْدَ كُلِّ أَرْبَعٍ (منحة الخالق على البحر الرائق، ج ۲، ص ۷۴، و ۷۵، بَابُ الْوِتْرِ وَالنَّوَافِلِ)

(وَيَجْلِسُ بَيْنَ التَّرْوِيحَتَيْنِ قَدْرَ تَرْوِيحَةٍ، وَ) ، كَذَا بَيْنَ (الْخَامِسَةِ وَالْوِتْرِ) ؛لِأَنَّهُ الْمُتَوَارَثُ مِنْ زَمَنِ الْأَصْحَابِ -رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ- إلَى يَوْمِنَا هَذَا (درر الحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱، ص ۱۲۰، بَابُ الْوِتْرِ وَالنَّوَافِلِ)

[2] وَيُسْتَحَبُّ الْجُلُوسُ بَيْنَ التَّرْوِيحَتَيْنِ قَدْرَ تَرْوِيحَةٍ وَكَذَا بَيْنَ الْخَامِسَةِ وَالْوِتْرِ .كَذَا فِي الْكَافِي وَهَكَذَا فِي الْهِدَايَةِ، وَلَوْ عَلِمَ أَنَّ الْجُلُوسَ بَيْنَ الْخَامِسَةِ وَالْوِتْرِ يَثْقُلُ عَلَى الْقَوْمِ لَا يَجْلِسُ .هَكَذَا فِي السِّرَاجِيَّةِ ثُمَّ هُمْ مُخَيَّرُونَ فِي حَالَةِ الْجُلُوسِ إنْ شَاءُوا سَبَّحُوا وَإِنْ شَاءُوا قَعَدُوا سَاكِتِينَ، وَأَهْلُ مَكَّةَ يَطُوفُونَ أُسْبُوعًا وَيُصَلُّونَ رَكْعَتَيْنِ وَأَهْلُ الْمَدِينَةِ يُصَلُّونَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فُرَادَى .كَذَا فِي التَّبْيِينِ.
وَالِاسْتِرَاحَةُ عَلَى خَمْسِ تَسْلِيمَاتٍ تُكْرَهُ عِنْدَ الْجُمْهُورِ .كَذَا فِي الْكَافِي وَهُوَ الصَّحِيحُ كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ (الفتاویٰ الهندية، ج ۱، ص ۱۱۵، کتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فی التراويح)

پھر ہر چار رکعات کے بعد اس وقفہ کے دوران کوئی اجتماعی عمل نہیں، اور نہ ہی کسی خاص عمل کی پابندی ہر ایک کے لئے یکساں طور پر ضروری ہے، بلکہ اختیار ہے کہ خاموش رہے یا کوئی ذکر کرے یا دُعا کرے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۱۲...... بعض جگہ تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد یا بیسویں رکعت کے بعد وعظ یا قرآن مجید کی تفسیر بیان کی جاتی ہے، اگر مقتدیوں اور لوگوں پر یہ بار گزرتا ہو، تو ایسا کرنا منع ہے، اس کے بجائے وتروں سے فارغ ہوکر یہ عمل کرنا چاہئے، پھر جو چاہیں شرکت کریں، اور جو چاہیں اپنی ضروریات کی وجہ سے چلے جائیں۔ ۲؎

مسئلہ نمبر۱۳...... بعض حضرات نے فرمایا کہ قرآن مجید کی قرائت کے بعد دُعا قبول ہوتی ہے، اس لئے ہر روز بیس تراویح کے اختتام پر دُعا کرنا افضل ہے۔ ۳؎

۱؎ وَقَوْلُهُ :(وَالْـمُسْتَـحَـبُّ فِي الْجُلُوسِ بَيْنَ التَّرْوِيحَتَيْنِ مِقْدَارُ التَّرْوِيحَةِ) كَانَ مِنْ حَقِّهِ أَنْ يَقُولَ : وَالْـمُسْتَـحَـبُّ فِي الِانْتِظَارِ بَيْـنَ التَّـرْوِيـحَتَيْـنِ؛ لِأَنَّهُ اسْتَدَلَّ بِعَادَةِ أَهْلِ الْحَرَمَيْنِ عَلَى ذَلِكَ، وَأَهْلُ الْـحَـرَمَيْنِ لَا يَجْلِسُونَ، فَإِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ يَطُوفُونَ بَيْنَ كُلِّ تَرْوِيحَتَيْنِ أُسْبُوعًا، وَأَهْلُ الْمَدِينَةِ يُصَلُّونَ بَدَلَ ذَلِكَ أَرْبَـعَ رَكَعَاتٍ، وَأَهْلُ كُلِّ بَلْدَةٍ بِالْخِيَارِ يُسَبِّحُونَ أَوْ يُهَلِّلُونَ أَوْ يَنْتَظِرُونَ سُكُوتًا، وَإِنَّمَا يُسْتَحَبُّ الِانْتِـظَـارُ بَيْـنَ كُلِّ تَرْوِيحَتَيْنِ؛ لِأَنَّ التَّرَاوِيحَ مَأْخُوذٌ مِنْ الرَّاحَةِ فَيُفْعَلُ مَا قُلْنَا تَحْقِيقًا لِلْمُسَمَّى (العناية شرح الهداية، ج ١، ص٤٦٨، ٤٦٩، فصل فى قيام شهر رمضان)

ويستحب الجلوس بعد "صلاة "كل أربع "ركعات "بقدرها وكذا "يستحب الجلوس يقدرها "بين الترويحة الخامسة والوتر "لأن المتوارث عن السلف وهذا روى عن أبى حنيفة رحمه الله ولأن اسم التراويح ينبء عن ذلك وهم مخيرون فى الجلوس بين التسبيح والقراء ة والصلاة فرادى والسكوت (مراقى الفلاح شرح نور الايضاح،ص١٥٨، فصل :فى صلاة التراويح)

۲؎ (قَوْلُهُ :وَيَجْلِسُ بَيْنَ كُلِّ تَرْوِيحَتَيْنِ مِقْدَارَ تَرْوِيحَةٍ) وَذَلِكَ مُسْتَحَبٌّ وَهُمْ بِالْخِيَارِ فِي ذَلِكَ الْـجُلُوسِ إنْ شَاءُوا يُسَبِّحُونَ أَوْ يُهَلِّلُونَ أَوْ يَنْتَظِرُونَ سُكُوتًا وَهَلْ يُصَلُّونَ اخْتَلَفَ فِيهِ الْمَشَايِخُ مِنْهُمْ مَنْ كَرِهَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ اسْتَحْسَنَهُ (الجوهرة النيرة، ج ١، ص٩٧، و٩٨، كتاب الصلاة، بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ)

۳؎ دَل عَلَـى اسْتِـجَـابَةِ الـدُّعَـاءِ بَعْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَبَعْدَ خَتْمِهِ مَـا رُوِيَ مِـنْ حَدِيثِ عِمْرَانَ بْنِ حُـصَيْـنٍ رَضِـيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَال :سَـمِـعْـتُ رَسُـول الـلَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُول :مَـنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَـلْيَسْـأَلِ الـلَّهَ بِهِ فَإِنَّهُ سَيَجِيءُ أَقْوَامٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُونَ بِهِ النَّاسَ ، وَحَدِيثِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ : مَنْ خَتَمَ الْقُرْآنَ فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٩، ص٢٢٨، الدُّعَاءُ بَعْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَبَعْدَ خَتْمِهِ)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اس کو ضروری اور لازم نہیں سمجھنا چاہئے، اور نہ بآوازِ بلند دعا کا التزام کرنا چاہئے، اور نہ ہی اس دعا کو لمبا کر کے دوسرے لوگوں کو پابند کرنا چاہئے۔

اور اگر کوئی یہ دعا نہ کرے، بلکہ تراویح کی بیسویں رکعت کے بعد سرے سے وقفہ نہ کرے، اور اس کے متصل بعد وتر کی نماز شروع کردے، تو اس میں بھی کوئی عیب کی بات نہیں، کیونکہ بعض فقہائے کرام نے بیسویں رکعت کے بعد وقفہ کو مستحب بھی قرار نہیں دیا، جیسا کہ پہلے گزرا، لہٰذا اس بات پر باہم تنازعات کھڑے کرنا اور ایک دوسرے پر فتویٰ زنی کرنا درست نہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۴...... تراویح میں سامع کو مقرر کرنے کا مقصود قرآن مجید کی صحیح اور مکمل قرائت کر کے سنت کا ثواب حاصل کرنا ہے، لہٰذا اگر کسی حافظ کا قرآن پختہ ہو یا کسی کو سامع میسر نہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

امداد الاحکام میں ہے کہ:

ہر چند کہ اصل حکم تخییر پر نظر کرتے ہوئے ترویحۂ خامسہ میں بھی دعا بطریقِ متعارف کو کچھ ترجیح معلوم نہیں ہوتی، مگر ایک علت پر نظر کر کے ترویحۂ خامسہ میں دعا کرنا مستحب واولیٰ ہوجاتا ہے، وہ یہ کہ ترویحۂ خامسہ میں حزبِ قرآن پورا ہوجاتا ہے، اور بعد تلاوت حزبِ قرآن کے دعا کرنا مستحب ہے، اور وہ وقت اجابتِ دعا کا ہے............ تلاوتِ قرآن سے فارغ ہو کر دعا کرنا مستحب ہے، اور یہ وقت قبولِ دعا کا ہے، اس لیے ترویحۂ خامسہ میں دعا کرنا مستحب وافضل واولیٰ ہوگا اور ہر ترویحہ میں دعا کرنا ایسا ہوگا جیسے کوئی شخص تلاوتِ قرآن کے وقت ہر رکوع یا ہر رُبع پر ہاتھ اُٹھا کر دعا کیا کرے، اور یقیناً یہ صورت مستحدَث ہے، سلفِ صالحین صرف فراغت عن الحزب کے وقت دعا کیا کرتے تھے اور یہی منصوص بھی ہے (امداد الاحکام جلد ا صفحہ ۶۲۵)

فتاویٰ دار العلوم میں ہے کہ:

بعد ختم تراویح دعا مانگنا درست ہے، اور مستحب ہے، اور معمول سلف وخلف ہے، پھر وتر کے بعد دُعا ضروری نہیں ہے، ایک بار کافی ہے، یعنی ختم تراویح کے بعد کافی ہے (فتاوٰی دار العلوم مدلل ومکمل جلد ۴ صفحہ ۲۵۳)

صحیح یہ ہے کہ ختمِ قرآن کے بعد اور ہمیشہ نمازِ تراویح کے بعد دُعا مسنون ومستحب ہے، اور حدیث میں ہے کہ یہ وقت اجابتِ دعا کا ہے، اس لیے معمول ہمارے اکابر کا اور مشائخ کا دعا بعد التراویح وبعد الختم ہے (فتاوٰی دار العلوم مدلل ومکمل جلد ۴ صفحہ ۲۷۱)

ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا صرف بعد ختمِ جملہ تراویح یعنی بست رکعت معمول ہے، پس ایسا ہی کرنا چاہیے (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ج ۴ ص ۲۷۹)

آئے، یا کسی دن سامع موجود نہ ہو، تو سامع کے بغیر بھی قرآن مجید تراویح میں پڑھنا جائز ہے، ایسی صورت میں اگر کسی جگہ شبہ ہو تو سلام پھیرنے کے بعد قرآن مجید دیکھ کر اُس کی اصلاح کرنا درست ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۵...... تراویح میں اگر باقاعدہ سامع مقرر ہو تو امام کو قرآن مجید کی تلاوت میں پیش آنے والے متشابہ یا غلطی پر لقمہ اسی سامع کو دینا چاہئے، اوراس کے بجائے کسی دوسرے کو لقمہ دینے میں پیش قدمی نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ اس سے بدنظمی پیدا ہوتی ہے۔

البتہ اگر سامع نہ بتا سکے یا اچھی طرح نہ بتا پائے تو دوسرے کو بھی لقمہ دینا جائز ہے خواہ وہ دوسرا کسی بھی صف میں ہو قریب ہو یا دور ہو، البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ نماز میں اسی امام کے ساتھ شریک ہو، بعض حفاظ غیر سامع کے غلطی بتانے والے مقتدی پر برہمی کا اظہار کرتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے یہ ناواقفیت پر مبنی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۶...... تراویح کی نماز میں اگر امام سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد تین چھوٹی آیتوں یا ان کے برابر ایک بڑی آیت کے بقدر قرائت کر چکا ہے، اور پھر اُس کو قرآن مجید میں متشابہ لگ جائے یا قرائت میں غلطی واقع ہو جائے، اور وہ رکوع میں چلا جائے، تب بھی نماز

---

[1] عَنِ الْمُسَوَّرِ بْنِ يَزِيدَ الْأَسَدِيِّ الْمَالِكِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -قَالَ يَحْيَى وَرُبَّمَا قَالَ :شَهِدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ فَتَرَكَ شَيْئًا لَمْ يَقْرَأْهُ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، تَرَكْتَ آيَةَ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :هَلَّا أَذْكَرْتَنِيهَا (ابوداوٗد، رقم الحديث ۹۰۷، بَابُ الْفَتْحِ عَلَى الْإِمَامِ فِي الصَّلَاةِ)

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةً فَالْتُبِسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لِأَبِي " :أَشَهِدْتَ مَعَنَا؟ "قَالَ :نَعَمْ قال: "فما منعک أن تفتحها علی (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۲۲۴۲)

فی حاشية ابنِ حبان: رجاله ثقات.

(بِخِلَافِ فَتْحِهِ عَلَى إمَامِهِ) فَإِنَّهُ لَا يُفْسِدُ (مُطْلَقًا) لِفَاتِحٍ وَآخِذٍ بِكُلِّ حَالٍ (الدرالمختار مع ردالمحتار)

(قَوْلُهُ بِكُلِّ حَالٍ) أَيْ سَوَاءٌ قَرَأَ الْإِمَامُ قَدْرَ مَا تَجُوزُ بِهِ الصَّلَاةُ أَمْ لَا، انْتَقَلَ إلَى آيَةٍ أُخْرَى أَمْ لَا تَكَرَّرَ الْفَتْحُ أَمْ لَا، هُوَ الْأَصَحُّ نَهْرٌ (ردالمحتار، ج ۱، ص ۶۲۲، کتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها)

درست ہو جاتی ہے، اور سجدۂ سہو وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی، اگرچہ پہلے اس کا ارادہ اس رکعت میں لمبی قرائت کرنے کا ہو۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۷...... جس طرح تراویح کی نماز میں قرآن سنانا ثواب ہے اسی طرح سامع (یعنی امام کو غلطی پر لقمہ دینے والا) بن کر سننا اور غلطی کی اصلاح کرنا بھی ثواب ہے، بلکہ ایک اعتبار سے زیادہ ثواب کا باعث ہے، کیونکہ یہ تمام حاضرینِ جماعت کی قرآن مجید کی سنت کو صحیح ادا کرانے کا ذریعہ ہے۔

آج کل بہت سے حفاظ تراویح کی نماز میں قرآن سنانے کو تو ثواب سمجھتے ہیں، لیکن سامع بن کر سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے اور اگر انہیں کہیں تراویح میں قرآن مجید سنانے کی جگہ دستیاب نہ ہو تو ویسے ہی وقت گزار دیتے ہیں، یہ قابلِ اصلاح سوچ ہے۔ [2]

---

[1] قال :(ويجوز أن يفتح على إمامه) لقوله -عليه الصلاة والسلام :-إذا استطعمك الإمام فأطعمه ، ولا ينبغي أن يفتح من ساعته لعل الإمام يتذكر، وينبغي للإمام أن لا يلجئه إلى الفتح، فإن كان قرأ مقدار ما تجوز به الصلاة يركع (الاختيار لتعليل المختار، ج ١، ص٦٠، ص ٦١، باب صلاة الجماعة)

(والختم) مرة سنة ومرتين فضيلة وثلاثا أفضل .(ولا يترك) الختم (لكسل القوم)لكن في الاختيار :الأفضل في زماننا قدر ما لا يثقل عليهم، وأقره المصنف وغيره .وفي المجتبى عن الإمام: لو قرأ ثلاثا قصارا أو آية طويلة في الفرض فقد أحسن ولم يسء، فما ظنك بالتراويح؟ وفي فضائل رمضان للزاهدي :أفتى أبو الفضل الكرماني والوبري أنه إذا قرأ في التراويح الفاتحة وآية أو آيتين لا يكره، ومن لم يكن عالما بأهل زمانه فهو جاهل(الدرالمختار)

(قوله وآية أو آيتين) أي بقدر ثلاث آيات قصار بدليل عبارة المجتبى، وإلا فلو دون ذلك كره تحريما لما في المنية وشرحها في بحث صفة الصلاة :لو قرأ مع الفاتحة آية قصيرة أو آيتين قصيرتين لم يخرج عن حد كراهة التحريم(ردالمحتار، ج٢ ص٤٧، باب الوتر والنوافل)

ولو قرأ مع فاتحة الكتاب آية قصيرة وركع ساهيا، فعليه السهو؛ لأن قراءة ثلاث آيات فصاعدا مع الفاتحة أو آية طويلة مع الفاتحة من واجب الصلاة بالإجماع(المحيط البرهاني، ج ١ ص ٥٠٢، الفصل السابع عشر في سجود السهو)

[2] عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَالِمًا أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَخْبَرَهُ :أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :الـمُسْلِمُ أَخُو المُسْلِمِ لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً، فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ القِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ القِيَامَةِ(بخاري، رقم الحديث

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸...... تراویح میں سامع (یعنی امام کو لقمہ دینے والا) سمجھدار نابالغ حافظ مقرر کرنا جائز ہے اور اس کے لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ سمجھدار نابالغ بچہ کا مقتدی بن کر نماز ادا کرنا درست ہے، بلکہ حدیث کی رو سے سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کا حکم ہے۔[1]

مسئلہ نمبر ۱۹...... نابالغ سامع لڑکے کو مقتدی بنا کر امام کے پیچھے پہلی صف میں کھڑا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔[2]

مسئلہ نمبر ۲۰...... سامع یا مقتدی کا قرآن مجید کو دیکھ کر لقمہ دینا درست نہیں، کیونکہ اس میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

۲۴۴۲، بَابٌ: لاَ يَظْلِمُ المُسْلِمُ المُسْلِمَ وَلاَ يُسْلِمُهُ)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا، نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ، سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَاللَّهُ فِي عَوْنِ العَبْدِ، مَا كَانَ العَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ (ترمذی، رقم الحديث ۱۴۲۵، بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّتْرِ عَلَى المُسْلِمِ)

وَتَعاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ اى على امتثال امر الله تعالى وَالتَّقْوى اى الانتهاء عما نهى عنه كى يتقى نفسه عن عذاب الله (التفسير المظهرى، سورة المائدة، تحت آية۳)

[1] عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ الرَّبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِينَ، وَإِذَا بَلَغَ عَشْرَ سِنِينَ فَاضْرِبُوهُ عَلَيْهَا (ابوداؤد، رقم الحديث ۴۹۴، بَابُ مَتَى يُؤْمَرُ الْغُلَامُ بِالصَّلَاةِ)

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ": مُرُوا أَبْنَاءَكُمْ بِالصَّلَاةِ لِسَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا لِعَشْرِ سِنِينَ، وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ، وَإِذَا أَنْكَحَ أَحَدُكُمْ عَبْدَهُ أَوْ أَجِيرَهُ ، فَلَا يَنْظُرَنَّ إِلَى شَيْءٍ مِنْ عَوْرَتِهِ، فَإِنَّ مَا أَسْفَلَ مِنْ سُرَّتِهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ مِنْ عَوْرَتِهِ (مسند احمد، رقم الحديث ٦٧٥٦)

إسناده حسن (حاشية مسند احمد)

وفتح المراهق كالبالغ (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ج ۱، ص ۳۳۴، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة)

[2] وَيَقْتَضِي أَيْضًا أَنَّ الصَّبِيَّ الْوَاحِدَ لَا يَكُونُ مُنْفَرِدًا عَنْ صَفِّ الرِّجَالِ بَلْ يَدْخُلُ فِي صَفِّهِمْ وَأَنَّ مَحَلَّ هَذَا التَّرْتِيبِ إنَّمَا هُوَ عِنْدَ حُضُورِ جَمْعٍ مِنْ الرِّجَالِ وَجَمْعٍ مِنْ الصِّبْيَانِ فَحِينَئِذٍ تُؤَخَّرُ الصِّبْيَانُ(البحر الرائق، ج ۱، ص ۳۷۴، ۳۷۵، كتاب الصلاة، باب الامامة)

وَلَوْ كَانَ مَعَهُ صَبِيٌّ يَعْقِلُ وَامْرَأَةٌ يَقُومُ الصَّبِيُّ عَنْ يَمِينِهِ وَالْمَرْأَةُ خَلْفَهُمَا (تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۱۳٦، بَابُ الْإِمَامَةِ وَالْحَدَثِ فِي الصَّلَاةِ)

(قرآن مجید کو ہاتھ میں لینے اور اس کو دیکھنے اور ورق گردانی کرنے سے) ایک تو عملِ کثیر پائے جانے کی وجہ سے نماز فاسد ہوجانے کا خدشہ ہے، دوسرے نماز کے باہر سے تلقُّن کرنا پایا جاتا ہے۔

اسی وجہ سے یہ طریقہ قرآن وسنت اور صحابۂ کرام سے ثابت نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۱...... اگر مقتدی نے آخری قعدہ میں تمام دعائیں پوری نہیں پڑھیں لیکن تشہد پڑھ چکا ہے اور امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی کو بھی سلام پھیر دینا چاہئے۔ [2]

مسئلہ نمبر۲۲...... بعض لوگ امام کے رکوع میں جانے سے پہلے ویسے ہی بیٹھے یا لیٹے رہتے ہیں یا آپس میں باتیں کرتے رہتے ہیں اور جب امام رکوع میں جاتا ہے تو پھر نماز میں شریک ہوتے ہیں۔

بلاعذر ایسا کرنا قرآن مجید اور نماز کی طرف سے سستی کا اظہار ہے، لہٰذا جب کوئی عذر نہ ہو تو امام کے ساتھ شروع سے ہی نماز میں شریک ہونا چاہئے۔

اگر امام کے لمبے قیام اور طویل قرائت میں کھڑا ہونا مشکل ہو، تو بیٹھ کر شرکت کرلی جائے، اور جب رکوع کا وقت ہو، تو کھڑے ہوکر رکوع میں شرکت کرلی جائے۔ [3]

---

[1] (وَقِرَاءَ تُهُ مِنْ مُصْحَفٍ) أَیْ مَا فِیهِ قُرْآنٌ (مُطْلَقًا) لِأَنَّهُ تَعَلُّمٌ إِلَّا إِذَا كَانَ حَافِظًا لِمَا قَرَأَهُ وَقَرَأَ بِلَا حَمْلٍ (الدرالمختار)

(قَوْلُهُ لِأَنَّهُ تَعَلُّمٌ) ذَكَرُوا لِأَبِی حَنِیفَةَ فِی عِلَّةِ الْفَسَادِ وَجْهَیْنِ .أَحَدُهُمَا :أَنَّ حَمْلَ الْمُصْحَفِ وَالنَّظَرَ فِیهِ وَتَقْلِیبَ الْأَوْرَاقِ عَمَلٌ كَثِیرٌ .وَالثَّانِی أَنَّهُ تَلَقُّنٌ مِنْ الْمُصْحَفِ فَصَارَ كَمَا إِذَا تَلَقَّنَ مِنْ غَیْرِهِ (ردالمحتار، ج ۱، ص ۶۲۴، کتاب الصلاۃ، بَابُ مَا یُفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا یُكْرَهُ فِیهَا)

[2] وَلَوْ سَلَّمَ الْإِمَامُ قَبْلَ أَنْ یَفْرُغَ الْمُقْتَدِی مِنْ الدُّعَاءِ الَّذِی یَكُونُ بَعْدَ التَّشَهُّدِ أَوْ قَبْلَ أَنْ یُصَلِّیَ عَلَى النَّبِیِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ- فَإِنَّهُ یُسَلِّمُ مَعَ الْإِمَامِ (الفتاویٰ الهندیة، ج ۱، ص ۹۰، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس، الفصل السابع)

[3] (وَتُكْرَهُ قَاعِدًا) لِزِیَادَةِ تَأَكُّدِهَا، حَتَّى قِیلَ لَا تَصِحُّ (مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْقِیَامِ) كَمَا یُكْرَهُ تَأْخِیرُ الْقِیَامِ إِلَى رُكُوعِ الْإِمَامِ لِلتَّشَبُّهِ بِالْمُنَافِقِینَ (الدرالمختار مع رد المحتار، ج ۲، ص ۴۷، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل)

وَیُكْرَهُ لِلْمُقْتَدِی أَنْ یَقْعُدَ فِی التَّرَاوِیحِ فَإِذَا أَرَادَ الْإِمَامُ أَنْ یَرْكَعَ یَقُومُ (الفتاویٰ الهندیة، ج ۱، ص ۱۱۹، کتاب الصلاۃ، الباب العاشر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۳...... اگر کچھ لوگ اس طرح تراویح کی نماز پڑھیں کہ کچھ رکعتیں عشاء کے بعد باجماعت ادا کرلیں، اور کچھ رکعتیں رات کے آخری حصہ میں باجماعت پڑھیں، تو بھی گناہ نہیں، کیونکہ تراویح کا اداوقت طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۴...... اگر کوئی شخص بیس تراویح پڑھ چکا ہے، اور پھر وہ کسی تراویح پڑھنے والے امام کی اقتداء میں نفلی درجے میں شرکت کرے، تو اس میں گناہ نہیں ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۲۵...... بیس تراویح پڑھنے کے بعد کوئی مزید نوافل ادا کرنا چاہے تو اُس کو بغیر جماعت کے تنہا پڑھنی چاہئے۔ [3]

مسئلہ نمبر ۲۶...... جماعت کے ساتھ بیس تراویح پڑھنے کے بعد دوبارہ جماعت کے ساتھ مزید رکعتیں پڑھنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، اس لئے کہ پہلے بیس تراویح پڑھنے سے سنت ادا ہو چکی ہے، اور اب مزید رکعتیں نفل ہیں۔ [4]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا لَمْ تَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلاةَ اللَّيْلِ قَاعِدًا قَطُّ حَتَّى أَسَنَّ، فَكَانَ يَقْرَأُ قَاعِدًا، حَتَّى إِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ، فَقَرَأَ نَحْوًا مِنْ ثَلاثِينَ آيَةً -أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً- ثُمَّ رَكَعَ (بخاری، رقم الحديث ۱۱۱۸، بَابُ إِذَا صَلَّى قَاعِدًا، ثُمَّ صَحَّ، أَوْ وَجَدَ خِفَّةً، تَمَّمَ مَا بَقِيَ)

[1] ووقتها ما بين العشاء إلى طلوع الفجر هو الصحيح حتى لو صلاها قبل العشاء لا يجوز، وبعد الوتر يجوز لأنها تبع للعشاء دون الوتر (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱، ص ۶۹، ۷۰، كتاب الصلاة، باب صلاة التراويح)

وأكثر العلماء على أنه بعد العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده وهو الأصح (الفتاویٰ البزازية، ج ۱، ص ۱۴)

[2] وَلَا بَأْسَ لِغَيْرِ الْإِمَامِ أَنْ يُصَلِّيَ التَّرَاوِيحَ فِي مَسْجِدَيْنِ؛ لِأَنَّهُ اقْتِدَاءُ الْمُتَطَوِّعِ بِمَنْ يُصَلِّي السُّنَّةَ، وَأَنَّهُ جَائِزٌ كَمَا لَوْ صَلَّى الْمَكْتُوبَةَ ثُمَّ أَدْرَكَ الْجَمَاعَةَ وَدَخَلَ فِيهَا وَاَللَّهُ أَعْلَمُ (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۹۰، كتاب الصلاة، فَصْلٌ فِي سُنَنِ صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ)

ولو أم فی الأول ثم صلی فی الثانی مقتدیاً أو اقتدی مرتین لا یکره وهو اقتداء المتطوع فی السنن (الفتاوی البزازية، ج ۱، ص ۱۴)

[3] وَلَوْ صَلَّى التَّرَاوِيحَ ثُمَّ أَرَادُوا أَنْ يُصَلُّوا ثَانِيًا فُرَادَى، كَذَا فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۱۶، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فی التراويح)

[4] اسی سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ آج کل حرم شریف میں بیس تراویح کے بعد رات کے آخری حصہ میں رمضان کی بعض راتوں میں قیام اللیل کے نام سے باجماعت نماز ادا کی جاتی ہے۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۷...... اگر کوئی حافظِ قرآن تراویح میں قرآن سنانے کی غرض سے پختہ کرنے کے لئے مغرب کے بعد نوافل میں قرآن مجید بآوازِ بلند پڑھے، اوراس کا سامع مقتدی بن کر سنے، اورمزید کچھ لوگ ان کے ساتھ نوافل میں شریک نہ ہوں، اوراگر ہوں تو تین سے زیادہ نہ ہوں، تو جائز ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حنفیہ کے قواعد کے مطابق اس میں شرکت مکروہ ہے۔

صلوها بجماعة ثم أرادوا إعادتها بالجماعة يكره بل يصلون فرادى لأن النفل بجماعة على التداعي يكره إلا بالنص (الفتاوى البزازية، ج ۱، ص ۱۴)

وكره أن يؤم في التراويح مرتين في ليلة واحدة وعليه الفتوى لأن السنة لا تتكرر في الوقت الواحد فتقع الثانية نفلا مضمرات بخلاف ما لو صلاها مأموما مرتين حيث لا يكره كما لو أم فيها ثم اقتدى بآخر في تلك الصلاة وكما لو صلى العشاء إماما أو مقتديا ثم أقيمت ثانيا فإنه لا يكره له أن يدخل فيها ثانيا بل يستحل له ذلك كما حققه العمدة ابن أمير حاج (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ج ۱، ص ۴۱۲، فصل في صلاة التراويح)

إِذَا صَلَّوُا التَّرَاوِيحَ ثُمَّ أَرَادُوا أَنْ يُصَلُّوهَا ثَانِيًا يُصَلُّونَ فُرَادَى لَا بِجَمَاعَةٍ؛ لِأَنَّ الثَّانِيَةَ تَطَوُّعٌ مُطْلَقٌ، وَالتَّطَوُّعُ الْمُطْلَقُ بِجَمَاعَةٍ مَكْرُوهٌ (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۹۰، كتاب الصلاة، فَصْلٌ فِي سُنَنِ صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ)

[۱] عن انس أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ، فَأَكَلَ مِنْهُ فَقَالَ: قُومُوا فَلِأُصَلِّيَ بِكُمْ، فَقُمْتُ إِلٰى حَصِيرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لَبِثَ، فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْيَتِيمُ مَعِيْ وَالْعَجُوزُ مِنْ وَّرَائِنَا، فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ (بخاری، رقم الحديث ۸۶۰)

عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ السُّيُولَ لَتَحُولُ بَيْنِي وَبَيْنَ مَسْجِدِ قَوْمِي فَأُحِبُّ أَنْ تَأْتِيَنِي فَتُصَلِّيَ فِي مَكَانٍ مِنْ بَيْتِي أَتَّخِذُهُ مَسْجِدًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَنَفْعَلُ. فَلَمَّا دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ؟، فَأَشَرْتُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ (سنن النسائی، رقم الحديث ۸۴۴)

قوله "فصففنا" ويروى "وصففنا" بالواو ويروى "فصفنا" بالتشديد أي صفنا رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أي جعلنا صفا خلفه. ومما يستنبط منه استحباب تعيين مصلى في البيت إذا عجز عن حضور المساجد. وفيه جواز الجماعة في البيوت. وفيه جواز النوافل بالجماعة (عمدة القاری، للعينی، ج۴ ص ۱۶۶، كتاب الصلاة، باب إذا دخل بيتا يصلی حيث شاء أو حيث أمر ولا يتجسس)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۸...... ایک مسجد میں تراویح کی ایک سے زیادہ جماعتیں کرنا فتنے کا باعث ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، خواہ ایک ہی وقت میں ہوں یا مختلف اوقات میں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَالتَّطَوُّعُ الْمُطْلَقُ بِجَمَاعَةٍ مَكْرُوهٌ (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، ج ١، ص ١٧٩، باب الوتر والنوافل)

(قوله على سبيل التداعى) بأن يقتدى أربعة فأكثر بواحد (قوله وسنحققه) أى قبيل إدراك الفريضة (ردالمحتار، ج ١، ص ٥٥٢، كتاب الصلاة، باب الامامة)

وأما النوافل لا تخلو إما أن تكون نوافل النهار أو نوافل الليل، فإن كانت نوافل النهار يكره الجهر فيها؛ لأنها تابعة للفرائض، والأصل فيه ما روى ابن عباس رضى الله عنهما أن النبى عليه السلام قال :صلاة النهار عجماء .

وأما نوافل الليل لا بأس بالجهر فيها؛ لأنه مشروع فى فرائض الليلة لكن الأفضل أن يكون بين الجهر والإخفاء (المحيط البرهانى، ج ١ ص ٣٠٠، كتاب الصلاة، الفصل الرابع)

وتطوعه فمكروهة فيهما على سبيل التداعى قال شمس الأئمة الحلوانى إن اقتدى به ثلاثة لا يكون تداعيا فلا يكره إتفاقا وإن اقتدى به أربعة فالأصح الكراهة(حاشية الطحطاوى على المراقى، ص ٢٨٦، باب الامامة)

۱؎ امداد الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر ہے کہ:

ایک مسجد میں دوجگہ تراویح پڑھنا بشرطیکہ از راہِ نفسانیت نہ ہو، اور ایک کا دوسرے سے حرج نہ ہو، جائز ہے، مگر افضل یہی ہے کہ ایک ہی امام کے ساتھ سب پڑھیں۔

فى البخارى عن عبدالرحمن ابن عبد القارى انه قال خرجت مع عمر بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً فِىْ رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّى الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّى الرَّجُلُ فَيُصَلِّىْ بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ إِنِّىْ أَرَى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِءٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ.

اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح متفرق پڑھنے والوں پر تشنیع نہیں فرمائی۔

پس معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے، اور ایک امام کے ساتھ پڑھنے کو افضل فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ افضل یہی ہے (امداد الفتاویٰ، ج ۱، ص ۳۱۱، فصل فی التراویح)

پھر اس کے بعد حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ:

اس استنباط میں تأمل ہے، کیونکہ یہ حالت اس وقت کی تھی جبکہ جماعت کا اہتمام نہ تھا، اور وجہ عدمِ تشنیع کی بھی یہی عدمِ اہتمام تھا، اس سے حکم مذکور کا استنباط مشکل ہے، بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ اس سے وہ مقصود فوت ہوتا، جس کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اہتمام فرمایا ہو (حاشیہ امداد الفتاویٰ، ایضاً)

اور امداد الاحکام میں ہے کہ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۹...... جس مقتدی کی ایک یا دو رکعت چھوٹ گئی تھیں اور اس نے امام کے سلام پھیرنے سے پہلے ہی بھول کر سلام پھیر دیا تو اس پر سجدہ سہو لازم نہیں، اور اگر امام کے سلام

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

تراویح کے تکرار فی المسجد کے متعلق کوئی جزئیہ نہیں ملا، دوسری جگہ تحقیق کرلیا جاوے، محض رکن الدین پر اعتماد نہ کیا جاوے، البتہ مزید احتیاط کی بناء پر جگہ بدل لیا کریں، تاکہ تکرار مکروہ ہونے کی صورت میں بھی کراہت مرتفع ہوجاوے، اور باوجود تبدیلِ ہیئت تکرار جماعت فرض تو مکروہ ہے، لیکن تراویح میں بناء بر قول ابو یوسف تبدلِ ہیئت سے تکرار مکروہ نہ رہے گا۔

عَنُ أَبِی یُوسُفَ أَنَّہُ إِذَا لَمْ تَکُنْ الْجَمَاعَةُ عَلَی الْھَیْئَةِ الْأُولَی لَا تُکْرَہُ وَإِلَّا تُکْرَہُ، وَھُوَ الصَّحِیحُ، وَبِالْعُدُولِ عَنُ الْمِحْرَابِ تَخْتَلِفُ الْھَیْئَةُ کَذَا فِی الْبَزَّازِیَّةِ (شامی، ج ۱، ص ۵۵۳)

اور امام ابو یوسف کا قول مذکور گو عام ہے، لیکن فرائض میں اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا، اور تراویح میں فرائض سے توسع ہے، اس لئے تراویح میں اس پر عمل کی گنجائش ہے، اور یہ کلام اس تکرار میں ہے، جو امام آخر اور مقتدین آخرین کے ساتھ ہو، اور اگر پہلا امام اور پہلے مقتدی ہی تکرار کریں تو وہ مطلقاً مکروہ ہے، خواہ مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں ہو، صرح بہ فی البدائع، ج۱، ص۲۰۹۔ عبدالکریم عفی عنہ۔ ۸/ رمضان ۴۴ھ

الجواب صحیح ظفر احمد۔

(امداد الاحکام، ج۱، ص۶۳۴، فصل فی التراویح)

حضرت عمر وحضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بعض روایات میں مرد اور عورت کے لئے الگ الگ اماموں کے تقرر اور تعددِ جماعت کا ذکر ملتا ہے۔

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، أَمَرَ سُلَیْمَانَ بْنَ أَبِیُ حَثْمَةَ أَنْ یَّؤُمَّ النِّسَاءَ فِیُ مُؤَخَّرِ الْمَسْجِدِ فِیُ شَھُرِ رَمَضَانَ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحدیث ۵۱۲۴، عن ھشام)

جَعَلَ عُمَرُ بُنُ الْخَطَّابَ لِلنَّاسِ قَارِئَیْن فِیُ رَمَضَانَ ، فَکَانَ أُبَیٌّ یُصَلِّیُ بِالنَّاسِ ، وَابْنُ أَبِیُ حَثْمَةَ یُصَلِّیُ بِالنِّسَاءِ (مُصنف ابن أبی شیبة، رقم الحدیث ۷۷۲۰۵، عن عروة)

أَنَّ عَلِیًّا کَانَ یَأْمُرُ النَّاسَ بِالْقِیَامِ فِیُ شَھُرِ رَمَضَانَ، وَیَجْعَلُ لِلرِّجَالِ إِمَامًا وَلِلنِّسَاءِ إِمَامًا " قَالَ: فَأَمَرَنِیُ فَأَمَمْتُ النِّسَاءَ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحدیث ۵۱۲۵، ؛ ورقم الحدیث ۷۷۲۲، ؛ مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۷۷۲۰۸ ؛ شعب الایمان للبیھقی، رقم الحدیث ۳۰۰۳؛ السنن الکبری، للبیھقی، رقم الحدیث ۴۲۷۷، عن عرفجة)

البتہ محدثین نے ایک قاری پر اجتماع کی حکمت اجتماعِ قلوب، اتفاقِ کلمہ وغیرہ بیان فرمائی ہے، اور ظاہر ہے کہ تعددِ جماعت کی صورت میں یہ حکمت فوت ہوجاتی ہے، اور انتشار واختلاف کی نوبت آتی ہے، اس لئے انتظامی طور پر تعددِ جماعت فتنہ وفساد کا باعث ہے، بالخصوص آج کے دور میں جبکہ نفسانیت کا غلبہ ہے، اگر اس کی اجازت دی جائے، تو ایک مسجد میں کئی کئی جماعتوں کی کوشش کی جائے گی، اور اس کے نتیجے میں جو مفاسد لازم آئیں گے، وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں ہیں۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے بعد بھولے سے سلام پھیر دیا تو اس پر حنفیہ کے نزدیک سجدہ سہو لازم ہے، جس کو وہ قعدہ اخیرہ میں کرے گا۔ [۱]

مسئلہ نمبر۳۰...... اگر کسی امام نے رکوع یا سجدہ کیا، اور مقتدی غفلت یا غلط فہمی یا غنودگی وغیرہ کی وجہ سے اس کے ساتھ شریک نہ ہوسکا، تو مقتدی کو چاہئے کہ جلدی سے وہ رکن ادا کر کے امام کے ساتھ اگلے رکن میں شامل ہو جائے۔ [۲]

مسئلہ نمبر۳۱...... اگر کوئی شخص گھر میں تراویح کی نماز پڑھے، اور اُس کی اقتداء میں ایک یا چند خواتین بھی تراویح پڑھیں، تو جائز ہے، بشرطیکہ عورت مَردوں کی صف سے بالکل الگ کھڑی ہو، اور کسی نامحرم عورت کے ساتھ خَلوت لازم نہ آئے۔ [۳]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ البتہ اگر اتفاق وضرورت سے کوئی خفیہ طریقہ پر ایک طرف دوسری جماعت تراویح کی کرے، اور کوئی فتنہ لازم نہ آئے، تو اس کی گنجائش ہوگی، جیسا کہ امداد الاحکام کے درج بالا فتوے سے معلوم ہوا۔

(جمعت هؤلاء على قارء واحد) : يأتمون كلهم به، ويسمعون قراء ته (لكان أمثل) ، أى :أفضل والثواب أكمل ;لأن فيه اجتماع القلوب واتفاق الكلمة وإغاظة الشيطان ونمو الأعمال، وغير ذلک من فوائد الجماعة التى تنيف على السبعة والعشرين (مرقاة المفاتيح، ج۳ص ۹۷۰، باب قيام شهر رمضان، الفصل الثالث)

[۱] وَلَا سُجُودَ عَلَيْهِ إنْ سَلَّمَ سَهْوًا قَبْلَ الْإِمَامِ أَوْ مَعَهُ؛ وَإِنْ سَلَّمَ بَعْدَهُ لَزِمَهُ لِكَوْنِهِ منفردا حينئذ بحر (ردالمحتار، ج۲، ص ۸۲، وص ۸۳، كتاب الصلاة، باب سجود السهو)

[۲] (قَوْلُهُ وَمُتَابَعَتُهُ لِإِمَامِهِ فِي الْفُرُوضِ) أَيْ بِأَنْ يَأْتِيَ بِهَا مَعَهُ أَوْ بَعْدَهُ، حَتَّى لَوْ رَكَعَ إمَامُهُ وَرَفَعَ فَرَكَعَ هُوَ بَعْدَهُ صَحَّ (ردالمحتار، ج۱، ص ۴۵۰، كتاب الصلاة، فرائض الصلاة)

وَفِي الْخُلَاصَةِ الْمُقْتَدِي إذَا أَتَى بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ قَبْلَ الْإِمَامِ هَذِهِ عَلَى خَمْسَةِ أَوْجُهٍ :إمَّا إذَا أَتَى بِهِمَا قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ أَوْ بِالرُّكُوعِ مَعَهُ وَسَجَدَ قَبْلَهُ أَوْ بِالرُّكُوعِ قَبْلَهُ وَسَجَدَ مَعَهُ أَوْ أَتَى بِهِمَا قَبْلَهُ وَيُدْرِكُهُ الْإِمَامُ فِي آخِرِ رَكَعَاتِهِ فَإِنْ أَتَى بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ قَبْلَ الْإِمَامِ فِي كُلِّهَا يَجِبُ عَلَيْهِ قَضَاءُ رَكْعَتَيْنِ وَإِذَا رَكَعَ قَبْلَهُ وَسَجَدَ مَعَهُ يَقْضِي أَرْبَعًا بِلَا قِرَاءَةٍ وَإِنْ رَكَعَ بَعْدَ الْإِمَامِ وَسَجَدَ بَعْدَهُ جَازَتْ صَلَاتُهُ .اهـ . (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۱۱۹، كتاب الصلاة، فَصْلٌ الشروع فِي الصَّلَاة وَبَيَان إحرامها وأحوالها)

[۳] اور حنفیہ کے مشہور قول کے مطابق عورت کی اُس نماز کے درست ہونے کے لئے، جو وہ مرد کی اقتدا میں پڑھے، یہ بھی ضروری ہے کہ مرد امام عورت یا عورتوں کے امام ہونے کی نیت کرے، جبکہ امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک اور حضرت حسن کی امام ابوحنیفہ سے ایک روایت کے مطابق جب عورت مرد کے برابر میں نہ کھڑی ہو، بلکہ پیچھے کھڑی ہو، تو اس کی نماز

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳۲...... خواتین کو تراویح کی نماز اپنے گھروں میں علیٰحدہ علیٰحدہ پڑھنا افضل ومستحب ہے، ان کو مسجد میں یا کسی دوسری جگہ باجماعت تراویح پڑھنے کے لئے آنے کی ضرورت نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل آگے مستقل عنوان کے تحت آتی ہے۔

مسئلہ نمبر۳۳...... تراویح کی نماز میں جن غلطیوں کی صورت میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، اگر کسی امام سے اُن میں سے کوئی غلطی واقع ہوجائے، اور مجمع زیادہ ہو اور سجدہ سہو کرنے کی وجہ سے انتشار وخلفشار پیدا ہوتا ہو، اور لوگوں کی نماز میں گڑبڑ پیدا ہونے کا ڈر ہو تو ایسی صورت میں سجدہ سہو معاف ہوجاتا ہے، جیسا کہ جمعہ اور عیدین کے بڑے مجمعوں میں معاف ہوجاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ درست ہونے کے لئے امام کا اس کے مقتدی ہونے کی نیت کرنا ضروری نہیں، اور بوقتِ ضرورت (مثلاً عورت کی نماز کو اضاعت سے بچانے کے لئے) اس قول کو لے لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، بالخصوص جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک یہ شرط بھی نہیں ہے۔

عن انس أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ، فَأَكَلَ مِنْهُ فَقَالَ : قُوْمُوْا فَلِأُصَلِّيَ بِكُمْ، فَقُمْتُ إِلٰى حَصِيْرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَا لَبِثَ، فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْيَتِيْمُ مَعِيْ وَالْعَجُوْزُ مِنْ وَّرَائِنَا، فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ (بخارى، رقم الحديث ۸۶۰)

إِمَامَةُ الرَّجُلِ لِلْمَرْأَةِ جَائِزَةٌ إِذَا نَوَى الْإِمَامُ إِمَامَتَهَا وَلَمْ يَكُنْ فِي الْخَلْوَةِ أَمَّا إِذَا كَانَ الْإِمَامُ فِي الْخَلْوَةِ فَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ لَهُنَّ أَوْ لِبَعْضِهِنَّ مُحْرِمًا فَإِنَّهُ يَجُوزُ وَيُكْرَهُ . كَذَا فِي النِّهَايَةِ نَاقِلًا عَنْ شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۸۵، كتاب الصلاة، الباب الخامس، الفصل الثالث)

ويجوز اقتداء المرأة بالرجل إذا نوى الرجل إمامتها، وعند زفر نية الإمامة ليست بشرط على ما مر، وروى الحسن عن أبى حنيفة أنها إذا وقفت خلف الإمام جاز اقتداؤها به وإن لم ينو إمامتها، ثم إذا وقفت إلى جنبه فسدت صلاتها خاصة لا صلاة الرجل، وإن كان نوى إمامتها فسدت صلاة الرجل وهذا قول أبى حنيفة الأول، ووجهه أنها إذا وقفت خلفه كان قصدها أداء الصلاة لا إفساد صلاة الرجل، فلا تشترط نية الإمامة، وإذا قامت إلى جنبه فقد قصدت إفساد صلاته فيرد قصدها بإفساد صلاتها، إلا أن يكون الرجل قد نوى إمامتها فحينئذ تفسد صلاته؛ لأنه ملتزم لهذا الضرر(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۱۴۰، فصل شرائط اركان الصلاة)

[1] (والسهو فى صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء) والمختار عند المتأخرين عدمه فى الأوليين لدفع الفتنة كما فى جمعة البحر، وأقره المصنف، وبه جزم فى الدرر(الدر المختار) (قوله عدمه فى الأوليين) الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذلك كما بحثه بعضهم ط وكذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تراویح کی امامت سے متعلق احکام

مسئلہ نمبر۱...... مَرد حضرات کو عورت کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۲...... تنہاء عورتوں کی تراویح کی جماعت جس میں امام بھی عورت ہو، اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک عام حالات میں خلافِ اولیٰ یا مکروہ ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل آگے مستقل عنوان کے تحت آتی ہے۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بحثه الرحمتي، وقال خصوصا في زماننا .وفي جمعة حاشية أبي السعود عن العزمية أنه ليس المراد عدم جوازه، بل الأولى تركه لئلا يقع الناس في فتنة .اهـ.

(قوله وبه جزم في الدرر) لكنه قيده محشيها الواني بما إذا حضر جمع كثير، وإلا فلا داعي إلى الترك ط(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص ۹۲، كتاب الصلاة،باب سجود السهو)

(قوله لا يسجد للسهو في الجمعة والعيدين)أي لدفع الفتنة بعدم علم الجميع به وفساد صلاة من لم يتابع الإمام عند من يراه(حاشية الشرنبلالي،على درر الحكام،ج ۱،ص ۱۵۴،باب سجود السهو)

۱؎ ولا يجوز للرجال أن يقتدوا بامرأة أو صبي (الهداية، باب في الامامة)

يشترط لإمامة الرجال أن يكون الإمام ذكرا، فلا تصح إمامة المرأة للرجال، وهذا متفق عليه بين الفقهاء ، لما ورد في الحديث أن النبي صلى الله عليه وسلم قال :أخروهن من حيث أخرهن الله والأمر بتأخيرهن نهي عن الصلاة خلفهن .ولما روى جابر مرفوعا :لا تؤمن امرأة رجلا ولأن في إمامتها للرجال افتتانا بها .أما إمامة المرأة للنساء فجائزة عند جمهور الفقهاء (وهم الحنفية والشافعية والحنابلة) واستدل الجمهور لجواز إمامة المرأة للنساء بحديث أم ورقة أن النبي صلى الله عليه وسلم أذن لها أن تؤم نساء أهل دارها.لكن كره الحنفية إمامتها لهن، لأنها لا تخلو عن نقص واجب أو مندوب، فإنه يكره لهن الأذان والإقامة، ويكره تقدم المرأة الإمام عليهن .فإذا صلت النساء صلاة الجماعة بإمامة امرأة وقفت المرأة الإمام وسطهن.أما المالكية فلا تجوز إمامة المرأة عندهم مطلقا ولو لمثلها في فرض أو نفل .ولا تصح إمامة الخنثى للرجال ولا لمثلها بلا خلاف، لاحتمال أن تكون امرأة والمقتدي رجلا، وتصح إمامتها للنساء مع الكراهة أو بدونها عند جمهور الفقهاء ، خلافا للمالكية حيث صرحوا بعدم جوازها مطلقا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶، ص۲۰۳، وص ۲۰۴، تحت المادة: الذكورة)

۲؎ اعلم أنه وقع الاختلاف في أنه هل جماعة النساء وحدهن مشروعة أم غير مشروعة:فذهب الشافعي إلى استحبابها، وهو قول الأوزاعي والثوري وأحمد، وحكاه ابن المنذر عن عائشة وأم سلمة.وقال النخعي والشعبي: تؤمهن في النفل دون الفرض وشذ أبو ثوروالمزني ومحمد بن جرير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳...... نابینا شخص کی اقتداء میں نمازِ تراویح پڑھنا جائز ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض نابینا صحابۂ کرام کو مختلف موقعوں پر امامت کا حکم فرمانا ثابت ہے؛ تاہم اگر نابینا شخص کے مقابلہ میں دوسرا کوئی بہتر امام میسر ہو، تو اُس کو امام مقرر کرنا بہتر ہے، مگر ضروری پھر بھی نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الطبری فأجازوا إمامة النساء على الإطلاق للرجال وللنساء .وعند الحسن البصرى ومالك :لا تؤم المرأة أحدا لا فى فرض ولا فى نفل، كذا ذكره العينى فى (البناية)
والمشهور من مذاهب أصحابنا :أن جماعة النساء وحدهن مكروهة، وهو المذكور فى كثير من الكتب الفقهية لأصحابنا الحنفية، وعللوا الكراهة بتعليلات متفرقة، وأجابوا عن الأخبار المذكورة بجوابات غير شافية (تحفة النبلاء فى جماعة النساء للإمام اللكنوى، ج۵، ص۸، المرصد الثانى، مشمولة مجموعة رسائل اللكنوى، مطبوعة ادارة القرآن، كراتشى)
وخلاصة الكلام فى هذا المقام أن ما عللوا به كراهة جماعة النّساء وحدهنّ من استلزامها أحد المحظورين :التقدم، والتوسط، مخدوشٌ بعدم تسليم محظورى التّقدم، وعدم تسليم استلزام للكشف المحظور، وعدم تسليم كراهة التَّوسط مطلقاً، لا سيما فى حقِّ النِّساء ، وبالنقض بجماعتهنَّ فى صلاةِ الجنازةِ (تحفة النبلاء فى جماعة النساء للإمام اللكنوى، ج۵، ص۱۵، مشمولة مجموعة رسائل اللكنوى، مطبوعة ادارة القرآن، كراتشى)
أن الجمعة فى حقِّ الرجال سنة مؤكدة بل واجبة على ما هو مختار محقِّقى علماء الملة ودلَّت عليه الأخبار النبوية، وهى فى حقِّهم من شعائر الملة، فلذلك شاعتُ شيوعاً تاماً ولا كذلك جماعة النساء ، فإنها ليست بسنة مؤكدة ولا واجبة فإن دلّ عدم شيوعها دل على عدم استنانها، بعدم وجوبها لا على عدم استحبابها وعدم مشروعها (تحفة النبلاء فى جماعة النساء للإمام اللكنوى، ج۵، ص۱۷، مشمولة مجموعة رسائل اللكنوى، مطبوعة ادارة القرآن، كراتشى)
والذى يظهر أن الحكم بالكراهة، لا سيما بالتَّحريمية من تخريجات المشايخ على حسب أفهامهم ومزعوماتهم، لا من كلام أئمتهم، ولعل لكلامهم وجهاً لم نطَّلع عليه، وما اطَّلعنا عليه قد بينا حاله، وفوق كُلّ ذى علم عليم، وهو ذو الفضل، وذلك فضل الله يؤتيه مَن يشاء (تحفة النبلاء فى جماعة النساء للإمام اللكنوى، ج۵، ص۲۳، مشمولة مجموعة رسائل اللكنوى، مطبوعة ادارة القرآن، كراتشى)
فلعلها أمت النساء أحياناً لبيان الجواز، أو لتعليم النساء صفة الصلاة، ونحن لاننفى الجواز فى المسئلة حتى قلنا بصحة صلا تهن لوصلين جماعة وكم من مكروه يوتىٰ به لضرورة التعليم (اعلاء السنن ج ۴ص ۲۴۲، و۲۴۳، باب كراهة جماعة النساء)

[1] عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَخْلَفَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ يَؤُمُّ النَّاسَ وَهُوَ أَعْمَى (ابوداوٗد، رقم الحديث ۵۹۵، بَابُ إِمَامَةِ الْأَعْمَى)
ولا بأس بأن يؤم الأعمى، لما روى أن النبى عليه السلام أمر ابن أم مكتوم على المدينة مرة وعتبان بن مالک وكانا أعميين والبصير أولى؛ لأن الأعمى لا يتوقى النجاسات(المحيط البرهانى، ج ۱ ص ۴۰۶، كتاب الصلاة،فصل فى بيان من هو أحق بالإمامة)

مسئلہ نمبر۴...... جو شخص کبیرہ گناہ کا مُرتکب وعادی ہونے کی وجہ سے فاسق ہو، اوراسی طرح جو شخص بدعات کا مُرتکب ہو، اُس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ ۱

خاص طور پر تراویح میں ایسے لوگوں کی امامت اوران کی اقتداء سے بچنا زیادہ ضروری ہے۔ ۲

مسئلہ نمبر۵...... شرعی دلائل کی رُو سے کم ازکم ایک مٹھی کے برابر ڈاڑھی بڑھانا واجب ہے، اور بالکل منڈادینا یا ایک مٹھی سے کم کرادینا (مثلاً خشخشی یا فرنچ کٹ ڈاڑھی رکھنا) گناہ ہے۔ ۳

اور ایسے شخص کی اقتداء میں تراویح پڑھنا بھی مکروہ ہے۔

یہی حکم ان لوگوں کا بھی ہے جو دوسرے گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے فسق کے درجہ تک

---

۱ وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن فى تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلى بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى فى شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا قال :ولذا لم تجز الصلاة خلفه أصلا عند مالك ورواية عن أحمد، فلذا حاول الشارح فى عبارة المصنف وحمل الاستثناء على غير الفاسق، والله أعلم .مطلب البدعة خمسة أقسام (قوله أى صاحب بدعة) أى محرمة، وإلا فقد تكون واجبة، كنصب الأدلة للرد على أهل الفرق الضالة، وتعلم النحو المفهم للكتاب والسنة ومندوبة كإحداث نحو رباط ومدرسة وكل إحسان لم يكن فى الصدر الأول، ومكروهة كزخرفة المساجد .ومباحة كالتوسع بلذيذ المآكل والمشارب والثياب كما فى شرح الجامع الصغير للمناوى عن تهذيب النووى، وبمثله فى الطريقة المحمدية للبركلى (قوله وهى اعتقاد إلخ) عزاه هذا التعريف فى هامش الخزائن إلى الحافظ ابن حجر فى شرح النخبة، ولا يخفى أن الاعتقاد يشمل ما كان معه عمل أو لا، فإن من تدين بعمل لا بد أن يعتقده كمسح الشيعة على الرجلين وإنكارهم المسح على الخفين وذلك، وحينئذ فيساوى تعريف الشمنى لها بأنها ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم -من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دينا قويما وصراطا مستقيما اهـ فافهم (ردالمحتار، ج ۱، ص ۵۶۰، وص ۵۶۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

۲ الفاسق إذا كان يؤم ويعجز القوم عن منعه تكلموا :قال بعضهم :فى صلاة الجمعة يقتدى به، ولا تترك الجمعة بإمامته أما فى غير الجمعة من المكتوبات لا بأس أن يتحول إلى مسجد آخر، فلا يصلى خلفه، ولا يأثم بذلك؛ لأن قصده الصلاة خلف تقى، ومن أم قوم وهم له كارهون، إن كانت الكراهة لفساد فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره له ذلك، وإن كان هو أحق بالإمامة لم يكره: لأن الفاسق والجاهل يكره العالم والصالح (المحيط البرهانى، ج ۱، ص ۴۰۷، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر فى التغنى والألحان)

۳ وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنْهَا وَهِيَ دُونَ ذَلِكَ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ، وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌ (ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۱۸، كتاب الصوم، بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّوْمَ وَمَا لَا يُفْسِدُهُ)

پہنچے ہوئے ہوں۔ ۱

مسئلہ نمبر۶ ...... ایسے حافظ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں جس کو نماز کے ضروری مسائل بھی معلوم نہ ہوں کہ کن چیزوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور کن چیزوں سے سجدۂ سہو لازم ہوجاتا ہے، تفصیل تحقیقی مسائل میں آتی ہے۔ ۲

مسئلہ نمبر۷ ...... ایسے شخص کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز نہیں جس کے قرآن مجید کا تلفظ صحیح نہ ہو اور قرآن مجید کو غلط پڑھتا ہو یا وہ قرآن مجید کو بہت تیز پڑھتا ہو کہ جس سے حروف کٹ جاتے ہوں اور سوائے "یَعْلَمُوْنَ تَعْلَمُوْنَ" کے کچھ سمجھ نہ آتا ہو یا نماز کے افعال اتنی جلدی ادا کرتا ہو کہ نماز کے فرائض یا واجبات بھی پورے نہ ہوتے ہوں۔

---

۱ (قَوْلُهُ وَفَاسِقٌ) مِنْ الْفِسْقِ :وَهُوَ الْخُرُوجُ عَنْ الِاسْتِقَامَةِ، وَلَعَلَّ الْمُرَادَ بِهِ مَنْ يَرْتَكِبُ الْكَبَائِرَ كَشَارِبِ الْخَمْرِ، وَالزَّانِي وَآكِلِ الرِّبَا وَنَحْوِ ذٰلِكَ، كَذَا فِي الْبُرْجَنْدِيِّ إسْمَاعِيلُ (ردالمحتار، ج ا، ص ۵۶۰، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ)

وَأَمَّا الْفَاسِقُ فَقَدْ عَلَّلُوا كَرَاهَةَ تَقْدِيمِهِ بِأَنَّهُ لَا يُهْتَمُّ لِأَمْرِ دِينِهِ، وَبِأَنَّ فِي تَقْدِيمِهِ لِلْإِمَامَةِ تَعْظِيمَهُ، وَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِمْ إهَانَتُهُ شَرْعًا، وَلَا يَخْفَى أَنَّهُ إذَا كَانَ أَعْلَمَ مِنْ غَيْرِهِ لَا تَزُولُ الْعِلَّةُ، فَإِنَّهُ لَا يُؤْمَنُ أَنْ يُصَلِّيَ بِهِمْ بِغَيْرِ طَهَارَةٍ فَهُوَ كَالْمُبْتَدِعِ تُكْرَهُ إمَامَتُهُ بِكُلِّ حَالٍ، بَلْ مَشَى فِي شَرْحِ الْمُنْيَةِ عَلَى أَنَّ كَرَاهَةَ تَقْدِيمِهِ كَرَاهَةُ تَحْرِيمٍ لِمَا ذَكَرْنَا قَالَ :وَلِذَا لَمْ تَجُزْ الصَّلَاةُ خَلْفَهُ أَصْلًا عِنْدَ مَالِكٍ وَرِوَايَةٌ عَنْ أَحْمَدَ (ردالمحتار، ج ا، ص ۵۶۰، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ)

۲ (وَالْأَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ) تَقْدِيمًا بَلْ نَصْبًا مَجْمَعُ الْأَنْهُرِ (الْأَعْلَمُ بِأَحْكَامِ الصَّلَاةِ) فَقَطْ صِحَّةً وَفَسَادًا بِشَرْطِ اجْتِنَابِهِ لِلْفَوَاحِشِ الظَّاهِرَةِ، وَحِفْظِهِ قَدْرَ فَرْضٍ، وَقِيلَ وَاجِبٍ، وَقِيلَ سُنَّةٍ (الدرالمختار)

(قَوْلُهُ تَقْدِيمًا) أَيْ عَلَى مَنْ حَضَرَ مَعَهُ (قَوْلُهُ بَلْ نَصْبًا) أَيْ لِلْإِمَامِ الرَّاتِبِ (قَوْلُهُ بِأَحْكَامِ الصَّلَاةِ فَقَطْ) أَيْ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ مُتَبَحِّرٍ فِي بَقِيَّةِ الْعُلُومِ، وَهُوَ أَوْلَى مِنْ الْمُتَبَحِّرِ، كَذَا فِي زَادِ الْفَقِيرِ عَنْ شَرْحِ الْإِرْشَادِ (قَوْلُهُ بِشَرْطِ اجْتِنَابِهِ إلَخْ) كَذَا فِي الدِّرَايَةِ عَنْ الْمُجْتَبَى .وَعِبَارَةُ الْكَافِي وَغَيْرِهِ :الْأَعْلَمُ بِالسُّنَّةِ أَوْلَى، إلَّا أَنْ يُطْعَنَ عَلَيْهِ فِي دِينِهِ لِأَنَّ النَّاسَ لَا يَرْغَبُونَ فِي الِاقْتِدَاءِ بِهِ (قَوْلُهُ قَدْرَ فَرْضٍ) أَخَذَهُ تَبَعًا لِلْبَحْرِ مِنْ قَوْلِ الْكَافِي قَدْرَ مَا تَجُوزُ بِهِ الصَّلَاةُ، بِنَاءً عَلَى أَنْ تَجُوزَ بِمَعْنَى تَصِحُّ لَا بِمَعْنَى تَحِلُّ.

(قَوْلُهُ وَقِيلَ وَاجِبٌ) ذَكَرَهُ فِي الْبَحْرِ بَحْثًا لَكِنْ يُمْكِنُ أَخْذُهُ مِنْ كَلَامِ الْكَافِي لِأَنَّ الْجَوَازَ يُطْلَقُ بِمَعْنَى الْحِلِّ؛ بَلْ قَالَ الشَّيْخُ إسْمَاعِيلُ :يَنْبَغِي حَمْلُ الْجَوَازِ الْمَذْكُورِ عَلَى مَا يَشْمَلُ عَدَمَ الْكَرَاهَةِ، وَحِينَئِذٍ فَيَرْجِعُ إلَى الْقَوْلِ الثَّالِثِ (قَوْلُهُ وَقِيلَ سُنَّةٌ) قَائِلُهُ الزَّيْلَعِيُّ، وَهُوَ ظَاهِرُ الْمَبْسُوطِ كَمَا فِي النَّهْرِ؛ وَمَشَى عَلَيْهِ فِي الْفَتْحِ .قَالَ :وَهُوَ الْأَظْهَرُ لِأَنَّ هٰذَا التَّقْدِيمَ عَلَى سَبِيلِ الْأَوْلَوِيَّةِ؛ فَالْأَنْسَبُ لَهُ مُرَاعَاةُ السُّنَّةِ (ردالمحتار، ج ا، ص۵۵۷، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ)

جہاں ان مذکورہ شرائط کے مطابق حافظ نہ ملے وہاں غیر حافظ کے پیچھے سورتوں کے ساتھ تراویح پڑھ لی جائیں، اس لئے تراویح شروع کرنے سے پہلے امام کے متعلق اچھی طرح غوروفکر کر لینا چاہئے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر ۸...... قرآن مجید سنانے پر کسی قسم کی اجرت یا معاوضہ لینا دینا گناہ ہے خواہ معاوضہ باقاعدہ طے کر کے لیا دیا جائے، یا رواج کے طور پر ہو کہ کچھ نہ کچھ لینا دینا لازمی سمجھا جاتا ہو اور خواہ اس کو معاوضہ کہا جائے یا تحفہ، ہدیہ، اعانت وغیرہ اور نقدی کی شکل میں دیا جائے یا

۱؎ وَإِنَّمَا الَّذِى يُكْرَهُ الْهَذُّ وَهُوَ الْإِسْرَاعُ الْمُفْرِطُ بِحَيْثُ يَخْفَى كَثِيرٌ مِنَ الْحُرُوفِ أَوْ لَا تَخْرُجُ مِنْ مخارجها (فتح البارى لابن حجر، ج۹، ص ۸۹، قَوْلُهُ بَابُ التَّرْتِيلِ فِى الْقِرَاءَةِ)

(وَمِنْهَا اللَّحْنُ فِى الْإِعْرَابِ) إذَا لَحَنَ فِى الْإِعْرَابِ لَحْنًا لَا يُغَيِّرُ الْمَعْنَى بِأَنْ قَرَأَ لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتُكُمْ بِرَفْعِ التَّاءِ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ بِالْإِجْمَاعِ وَإِنْ غَيَّرَ الْمَعْنَى تَغْيِيرًا فَاحِشًا بِأَنْ قَرَأَ وَعَصَى آدَمَ رَبُّهُ بِنَصْبِ الْمِيمِ وَرَفْعِ الرَّبِّ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِمَّا لَوْ تَعَمَّدَ بِهِ يَكْفُرُ .إذَا قَرَأَ خَطَأً فَسَدَتْ صَلَاتُهُ فِى قَوْلِ الْمُتَقَدِّمِينَ وَاخْتَلَفَ الْمُتَأَخِّرُونَ :قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ وَأَبُو نَصْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ سَعِيدٍ الْبَلْخِىّ وَالْفَقِيهُ أَبُو جَعْفَرٍ الْهِنْدُوَانِىُّ وَأَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ وَالشَّيْخُ الْإِمَامُ الزَّاهِدُ وَشَمْسُ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِىُّ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ .وَمَا قَالَهُ الْمُتَقَدِّمُونَ أَحْوَطُ؛ لِأَنَّهُ لَوْ تَعَمَّدَ يَكُونُ كُفْرًا وَمَا يَكُونُ كُفْرًا لَا يَكُونُ مِنْ الْقُرْآنِ وَمَا قَالَهُ الْمُتَأَخِّرُونَ أَوْسَعُ؛ لِأَنَّ النَّاسَ لَا يُمَيِّزُونَ بَيْنَ إعْرَابٍ وَإِعْرَابٍ .كَذَا فِى فَتَاوَى قَاضِى خَانْ وَهُوَ الْأَشْبَهُ .كَذَا فِى الْمُحِيطِ وَبِهِ يُفْتَى .كَذَا فِى الْعَتَّابِيَّةِ وَهَكَذَا فِى الظَّهِيرِيَّةِ

(وَمِنْهَا تَرْكُ التَّشْدِيدِ وَالْمَدِّ فِى مَوْضِعِهِمَا) لَوْ تَرَكَ التَّشْدِيدَ فِى قَوْلِهِ إيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ أَوْ قَرَأَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَأَسْقَطَ التَّشْدِيدَ عَلَى الْبَاءِ .الْمُخْتَارُ أَنَّهَا لَا تَفْسُدُ وَكَذَا فِى جَمِيعِ الْمَوَاضِعِ وَإِنْ كَانَ قَوْلُ عَامَّةِ الْمَشَايِخِ أَنَّهَا تَفْسُدُ وَأَمَّا تَرْكُ الْمَدِّ إنْ كَانَ لَا يُغَيِّرُ الْمَعْنَى بِأَنْ قَرَأَ أُولَئِكَ بِلَا مَدٍّ وَإِنَّا أَعْطَيْنَاكَ بِدُونِ الْمَدِّ لَا تَفْسُدُ وَإِنْ كَانَ يُغَيِّرُ بِأَنْ قَرَأَ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ بِتَرْكِ الْمَدِّ وَكَذَا فِى قَوْلِهِ دُعَاءً وَنِدَاءً الْمُخْتَارُ أَنَّهَا لَا تَفْسُدُ كَمَا فِى تَرْكِ التَّشْدِيدِ .هَكَذَا فِى الْخُلَاصَةِ وَإِنْ شَدَّدَ فِى (فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ)قَالَ بَعْضُهُمْ :لَا تَفْسُدُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى .كَذَا فِى الْعَتَّابِيَّةِ.

(وَمِنْهَا تَرْكُ الْإِدْغَامِ وَالْإِتْيَانُ بِهِ) إذَا أَتَى بِالْإِدْغَامِ فِى مَوْضِعٍ لَمْ يُدْغِمْهُ أَحَدٌ مِنْ النَّاسِ وَيُقَبِّحُ الْعِبَارَةَ وَيُخْرِجُهَا عَنْ مَعْرِفَةِ مَعْنَى الْكَلِمَةِ نَحْوُ أَنْ يَقْرَأَ (قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ)بِإِدْغَامِ الْغَيْنِ فِى اللَّامِ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ وَإِنْ أَتَى بِالْإِدْغَامِ فِى مَوْضِعٍ لَمْ يُدْغِمْهُ أَحَدٌ إلَّا أَنَّ الْمَعْنَى لَا يَتَغَيَّرُ بِهِ وَيُفْهِمُ مَا يُفْهَمُ مَعَ الْإِظْهَارِ نَحْوُ أَنْ يَقْرَأَ (قُلْ سِيرُوا)بِإِدْغَامِ اللَّامِ فِى السِّينِ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ وَإِذَا تَرَكَ الْإِدْغَامَ نَحْوُ أَنْ يَقْرَأَ (أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ)بِفَكِّ الْإِدْغَامِ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ، وَإِنْ فَحُشَ مِنْ حَيْثُ الْعِبَارَةُ . هَكَذَا فِى الْمُحِيطِ .(وَمِنْهَا الْإِمَالَةُ فِى غَيْرِ مَوْضِعِهَا) إذَا قَرَأَ (بِسْمِ اللَّهِ)بِالْإِمَالَةِ أَوْ قَرَأَ (مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ)بِالْإِمَالَةِ وَمَا شَاكَلَ ذَلِكَ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ .كَذَا فِى الْمُحِيطِ (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱، ص ۸۱، كتاب الصلاة، الباب الرابع، الفصل الخامس)

جوڑے کی صورت میں، اس لئے معاوضہ کے طور پر تراویح میں قرآن مجید سُنانے والے امام کی اقتداء میں تراویح پڑھنا ناجائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۹ ...... اگر کسی شخص نے تنہا یا جماعت کے ساتھ مقتدی یا امام بن کر بیس رکعات تراویح کی ادا کرلی ہیں، تو اُسے اسی رات میں تراویح پڑھنے والوں کی امامت کرانا درست نہیں، کیونکہ اس صورت میں امام کی نماز نفل واقع ہوگی، اور مقتدیوں کی نماز سنت ہوگی، جس کا درجہ نفل نماز سے زیادہ ہے؛ اور تراویح پڑھنے والے کو تراویح کے علاوہ دوسری نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرنا درست نہیں ہے۔ [2]

---

[1] وَيُكْرَهُ لِلرِّجَالِ أَنْ يَسْتَأْجِرُوا رَجُلًا يَؤُمُّهُمْ فِي بَيْتِهِمْ؛ لِأَنَّ اسْتِئْجَارَ الْإِمَامِ فَاسِدٌ (الفتاوی الهندية، ج ا، ص ۱۱٦، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فی التراويح)

وَيَجْعَلُ مُعْظَمَ وَصِيَّتِهِ لِقِرَاءَةِ الْخَتَمَاتِ وَالتَّهَالِيلِ الَّتِي نَصَّ عُلَمَاؤُنَا عَلَى عَدَمِ صِحَّةِ الْوَصِيَّةِ بِهَا، وَأَنَّ الْقِرَاءَةَ لِشَيْءٍ مِنْ الدُّنْيَا لَا تَجُوزُ، وَأَنَّ الْآخِذَ وَالْمُعْطِيَ آثِمَانِ لِأَنَّ ذَلِكَ يُشْبِهُ الِاسْتِئْجَارَ عَلَى الْقِرَاءَةِ، وَنَفْسُ الِاسْتِئْجَارِ عَلَيْهَا لَا يَجُوزُ، فَكَذَا مَا أَشْبَهَهُ كَمَا صَرَّحَ بِذَلِكَ فِي عِدَّةِ كُتُبٍ مِنْ مَشَاهِيرِ كُتُبِ الْمَذْهَبِ؛ وَإِنَّمَا أَفْتَى الْمُتَأَخِّرُونَ بِجَوَازِ الِاسْتِئْجَارِ عَلَى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ لَا عَلَى التِّلَاوَةِ وَعَلَّلُوهُ بِالضَّرُورَةِ وَهِيَ خَوْفُ ضَيَاعِ الْقُرْآنِ، وَلَا ضَرُورَةَ فِي جَوَازِ الِاسْتِئْجَارِ عَلَى التِّلَاوَةِ (ردالمحتار، ج۲، ص۷۳، كتاب الصلاة، بَابُ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ)

[2] اور ایک قول جواز کا بھی ہے، مگر وہ دلائل کے لحاظ سے کمزور معلوم ہوا۔

وَلَا يُصَلِّي إمَامٌ وَاحِدٌ التَّرَاوِيحَ فِي مَسْجِدَيْنِ فِي كُلِّ مَسْجِدٍ عَلَى الْكَمَالِ وَلَا لَهُ فِعْلٌ وَلَا يُحْتَسَبُ التَّالِي مِنْ التَّرَاوِيحِ، وَعَلَى الْقَوْمِ أَنْ يُعِيدُوا؛ لِأَنَّ صَلَاةَ إمَامِهِمْ نَافِلَةٌ، وَصَلَاتُهُمْ سُنَّةٌ وَالسُّنَّةُ أَقْوَى فَلَمْ يَصِحَّ الِاقْتِدَاءُ؛ لِأَنَّ السُّنَّةَ لَا تَتَكَرَّرُ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ، وَمَا صَلَّى فِي الْمَسْجِدِ الْأَوَّلِ مَحْسُوبٌ، وَلَيْسَ عَلَى الْقَوْمِ أَنْ يُعِيدُوا (بدائع الصنائع، ج ا ص ۲۸۹، كتاب الصلاة، فَصْلٌ فِي سُنَنِ صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ)

إمَامٌ يُصَلِّي التَّرَاوِيحَ فِي مَسْجِدَيْنِ كُلُّ مَسْجِدٍ عَلَى وَجْهِ الْكَمَالِ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ لَا يَتَكَرَّرُ (البحر الرائق، ج۲، ص۷۴، باب الوتر والنوافل، صلاة التراويح)

إمَامٌ يُصَلِّي التَّرَاوِيحَ فِي مَسْجِدَيْنِ فِي كُلِّ مَسْجِدٍ عَلَى الْكَمَالِ لَا يَجُوزُ، كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ وَالْفَتْوَى عَلَى ذَلِكَ، كَذَا فِي الْمُضْمَرَاتِ (الفتاوی الهندية، ج ا، ص ۱۱٦، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل فی التراويح)

الإمامة فی التراويح مرتين تكره لأنه لم يشرع مكرراً (الفتاوی البزازية، ج ا، ص ۱۴)

وكذلك فی صلاة التراويح إذا كان مقتدياً يحتاج إلى نية الاقتداء مع نية التراويح (المحيط البرهانی، ج ا، ص۲۸۷، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فی كيفيتها)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۰......تراویح کی نماز سنتِ مؤکدہ ہے، اور نابالغ کی نماز نفل واقع ہوتی ہے، اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكره أن يؤم فى التراويح مرتين فى ليلة واحدة وعليه الفتوى لأن السنة لا تتكرر فى الوقت الواحد فتقع الثانية نفلا مضمرات بخلاف ما لو صلاها مأموما مرتين حيث لا يكره كما لو أم فيها ثم اقتدى بآخر فى تلك الصلاة وكما لو صلى العشاء إماما أو مقتديا ثم أقيمت ثانيا فإنه لا يكره له أن يدخل فيها ثانيا بل يستحل له ذلك كما حققه العمدة ابن أمير حاج (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ج ا ، ص ۴۱۲، فصل فى صلاة التراويح)

ولو صلى إمام واحد التراويح فى مسجدين كل مسجد على وجه الكمال اختلف المشايخ فيه حكى عن أبى بكر الإسكاف رحمه الله تعالى أنه لا يجوز قال أبو بكر سمعت أبا نصر أنه قال لا يجوز لأهل المسجدين جميعاً كما لو أذن المؤذن وأقام وصلى ثم أتى مسجداً آخر فأذن وأقام وصلى معهم فإنه لا يكره وإنما يكره إذا أذن وأقام ولا يصلى معهم كذلك فى التراويح. ولو صلى التراويح مرتين فى مسجد واحد يكره كما لو أذن وأقام مرتين فى مسجد واحد واختار الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى قول أبى بكر رحمه الله تعالى وهذا إذا أم للناس مرتين فإن لم يكن إماماً وصلى التراويح فى مسجد بجماعة ثم أدرك جماعة فى مسجد آخر فدخل معهم وصلى لا بأس به كما لو صلى المكتوبة ثم أدرك الجماعة جاز أن يصلى معهم إلا الفجر والعصر (فتاوىٰ قاضى خان، ج ا ، ص۱۶۷ و ص۱۶۸)

علامہ شامی کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک مذکورہ صورت میں مقتدیوں کی تراویح ادا ہوجائے گی، کیونکہ تراویح بنیتِ تطوع بھی جائز ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

وَلَا يَخْفَى أَنَّ الْإِمَامَ حَيْثُ كَانَ مُفْتَرِضًا أَوْ مُتَنَفِّلًا نَفْلًا آخَرَ لَمْ تُوجَدْ مِنْهُ نِيَّةُ التَّرَاوِيحِ فَلَا تَتَأَدَّى بِنِيَّتِهِ وَإِنْ عَيَّنَهَا الْمُقْتَدِى كَمَا صَرَّحَ بِهِ الْعَلَّامَةُ قَاسِمٌ فِي فَتَاوَاهُ .وَعَلَى هَذَا بَاقِي سُنَنِ الرَّوَاتِبِ لَا يَصِحُّ الِاقْتِدَاءُ بِهَا بِمُفْتَرِضٍ أَوْ بِمُتَنَفِّلٍ نَفْلًا آخَرَ، فَالظَّاهِرُ أَنَّ تَخْصِيصَ التَّرَاوِيحِ بِالذِّكْرِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ، وَإِنَّمَا خَصَّصَهَا فِي الْخَاصِّيَّةِ لِكَوْنِ الْبَابِ مَعْقُودًا لَهَا تَأَمَّلْ .ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ مَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ هُنَا مُخَالِفٌ لِمَا قَدَّمَهُ فِي شُرُوطِ الصَّلَاةِ بِقَوْلِهِ وَكَفَى مُطْلَقُ نِيَّةِ الصَّلَاةِ لِنَفْلٍ وَسُنَّةٍ وَتَرَاوِيحَ، وَذَكَرَ الشَّارِحُ هُنَاكَ أَنَّهُ الْمُعْتَمَدُ، وَنَقَلْنَا هُنَاكَ عَنْ الْبَحْرِ أَنَّهُ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ وَقَوْلُ عَامَّةِ الْمَشَايِخِ وَصَحَّحَهُ فِي الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهَا، وَرَجَّحَهُ فِي الْفَتْحِ .وَنَسَبَهُ إلَى الْمُحَقِّقِينَ .قُلْت :فَعَلَى هَذَا يَصِحُّ الِاقْتِدَاءُ فِي التَّرَاوِيحِ وَغَيْرِهَا بِمُفْتَرِضٍ وَغَيْرِهِ، وَمِثْلُهَا سَائِرُ السُّنَنِ الرَّوَاتِبِ كَمَا تُفِيدُهُ عِبَارَةُ الْخَانِيَّةِ تَأَمَّلْ (ردالمحتار، ج ا ، ص ۵۹۰، كتاب الصلاة، باب الامامة)

مگر ہم نیت کی بحث میں پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ تراویح کے بنیتِ تطوع جائز ہونے میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک بنیتِ تطوع بھی جائز ہے، لیکن یہ خلافِ احتیاط ہے، پھر بنیتِ تطوع جواز کی اصل وجہ یہ ہے کہ تراویح فرض سے نیچے ہونے کی وجہ سے تطوع کے عام مفہوم میں داخل ہے، جس کا بعض احادیث میں اطلاق بھی کیا گیا ہے، اور سنت کے معنیٰ ایسے نفل وتطوع کا ہونا ہے، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین نے فرائض کے بعد مواظبت فرمائی ہو۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اُصول کے پیشِ نظر حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ بالغ شخص یا اشخاص کو نابالغ بچے کی اقتداء میں تراویح پڑھنا جائز نہیں۔ ۱؎

البتہ اگر نابالغ لڑکے کی اقتداء میں نابالغ بچے نماز پڑھیں تو پھر حرج نہیں۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور بیس رکعات سے زائد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی مواظبت ثابت نہیں، لہٰذا اس حیثیت سے بیس سے زائد کا عدد تطوعِ مسنون میں داخل نہیں ہے، اور اسی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک بیس تراویح کے بعد مزید تطوع کی رکعات میں جماعت مکروہ ہے، نیز صبی کی اقتداء میں تراویح کے مانعین نے بھی ایک وجہ یہی بیان کی ہے کہ صبی کی نماز تطوع ہے، اور مقتدی کی سنت ہے، جس کا درجہ تطوع سے زیادہ ہے؛ اس لئے صبی کی اقتداء میں تراویح درست نہیں، اور علامہ شامی رحمہ اللہ کے مذکورُ الصدر موقف پر مذکورہ اور ان جیسے مسائل میں اختلاف وتعارض لازم آتا ہے۔

۱؎ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ :لَا يَـؤُمُّ الْـغُلَامُ حَتَّى يَـحْتَلِمَ وَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ خِيَارُكُمْ (مصنف عبدالرزاق، رقم الرواية ۳۸۴۷)

عَنْ عَطَاء ، وَعُمَر بْنُ عَبْدِ الْعَزِيز ، قَالاَ :لاَ يَؤُمُّ الْغُلاَمُ قَبْلَ أَنْ يَحْتَلِمَ فِي الْفَرِيضَةِ وَلاَ غَيْرَهَا (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الرواية ۳۵۲۴، فی إمامة الْغُلاَمِ قَبْلَ أَنْ يَحْتَلِمَ)

عَنِ الشَّعْبِيِّ ، قَالَ :لاَ يَؤُمُّ الْغُلاَمُ حَتَّى يَحْتَلِمَ (ايضاً، رقم الرواية ۳۵۲۵)

عَنْ مُجَاهِدٍ ، قَالَ :لاَ يَؤُمُّ غُلاَمٌ حَتَّى يَحْتَلِمَ (ايضاً، رقم الرواية ۳۵۲۶)

وأما اقتداء البالغ بالصبى فى التطوع، فقد جوزه محمد بن مقاتل .....إليه خصوصا فى ليالى رمضان فى التراويح، وبه قال مشايخ بلخ والأصح عندنا أنه لا يجوز؛ لأن نفل الصبى دون نفل البالغ حتى لا يلزم الصبى القضاء بالإفساد بخلاف البالغ، وبناء القوى على الضعيف لا يجوز، كيف وقد قال النبى :عليه السلام؛ الإمام ضامن والصبى لا يصح منه ضمان فلس، فكيف يصح منه ضمان صلاة المقتدى(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج ا ص ۴۰۷،فصل فى بيان من هو أحق بالإمامة وفى بيان من يصح إماما لغيره، ومن لا يصح)

وأما الصبى فلأن صلاته تقع نفلا فلا يجوز الاقتداء به، وقيل :يجوز فى التراويح لأنها ليست بفرض، والصحيح الأول لأن نفله أضعف من نفل البالغ فلا يبتنى عليه (الاختيار لتعليل المختار، ج ا ، ص ۵۸، باب صلاة الجماعة)

وأما الصبى فلأنه متنفل فلا يجوز اقتداء المفترض به وفى التراويح والسنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ رحمهم الله ولم يجوزه مشايخنا رحمهم الله ومنهم من حقق الخلاف فى النفل المطلق بين أبى يوسف ومحمد رحمهما الله والمختار أنه لا يجوز فى الصلوات كلها لأن نفل الصبى دون نفل البالغ حيث لا يلزمه القضاء بالإفساد بالإجماع ولا يبنى القوى على الضعيف بخلاف المظنون لأنه مجتهد فيه فاعتبر العارض عدما (الهداية، ج ا ، ص ۵۷، كتاب الصلاة، باب الامامة)

۲؎ وَأَمَّا غَيْرُ الْبَالِغِ؛ فَإِنْ كَانَ ذَكَرًا تَصِحُّ إمَامَتُهُ لِمِثْلِهِ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَخُنْثَى (ردالمحتار، ج ا ، ص ۵۷۷، كتاب الصلاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بارہ سال سے پہلے لڑکا بالغ نہیں ہوتا البتہ بارہ سال ہونے کے بعد اگر بالغ ہونے کی کوئی علامت (ونشانی) ظاہر ہوجائے مثلاً احتلام یا انزال ہونے کی وجہ سے غسل کی ضرورت پیش آجائے تو بالغ شمار کیا جائے گا اور اگر بالغ ہونے کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوتو پھر پندرہ سال مکمل ہونے پر بالغ کہلائے گا۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَكَذَا اقْتِدَاءُ الصَّبِيِّ بِالصَّبِيِّ صَحِيحٌ (البحرالرائق، ج ۱، ص ۳۸۱، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ)

اگر کوئی بچہ نابالغ حافظِ قرآن ہے، اور اس کو قرآن مجید یاد رکھنے یا تجربہ کرانے کی خاطر نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کی ضرورت پیش آئے، تو اس کی اقتداء میں نابالغ بچوں کو شریک کرنا چاہیئے۔

۱؎ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: عُرِضْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَيْشٍ وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ فَلَمْ يَقْبَلْنِي، فَعُرِضْتُ عَلَيْهِ مِنْ قَابِلٍ فِي جَيْشٍ وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ فَقَبِلَنِي قَالَ نَافِعٌ: وَحَدَّثْتُ بِهَذَا الحَدِيثِ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ العَزِيزِ، فَقَالَ: هَذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الصَّغِيرِ وَالكَبِيرِ، ثُمَّ كَتَبَ أَنْ يُفْرَضَ لِمَنْ يَبْلُغُ الخَمْسَ عَشْرَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هَذَا، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ العَزِيزِ كَتَبَ أَنَّ هَذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الصَّغِيرِ وَالكَبِيرِ وَذَكَرَ ابْنُ عُيَيْنَةَ فِي حَدِيثِهِ: حَدَّثْتُ بِهِ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ العَزِيزِ، فَقَالَ: هَذَا حَدُّ مَا بَيْنَ الذُّرِّيَّةِ وَالمُقَاتِلَةِ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ العِلْمِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ المُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ يَرَوْنَ أَنَّ الغُلَامَ إِذَا اسْتَكْمَلَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً فَحُكْمُهُ حُكْمُ الرِّجَالِ، وَإِنْ احْتَلَمَ قَبْلَ خَمْسَ عَشْرَةَ فَحُكْمُهُ حُكْمُ الرِّجَالِ وقَالَ أَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ: البُلُوغُ ثَلَاثَةُ مَنَازِلَ بُلُوغُ خَمْسَ عَشْرَةَ، أَوِ الاحْتِلَامُ فَإِنْ لَمْ يُعْرَفْ سِنُّهُ وَلَا احْتِلَامُهُ فَالإِنْبَاتُ يَعْنِي العَانَةَ (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۱۳۶۱)

(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۶، ص۱۵۳، کتاب الحجر)

(بُلُوغُ الْغُلَامِ بِالِاحْتِلَامِ وَالْإِحْبَالِ وَالْإِنْزَالِ) وَالْأَصْلُ هُوَ الْإِنْزَالُ (وَالْجَارِيَةِ بِالِاحْتِلَامِ وَالْحَيْضِ وَالْحَبَلِ) وَلَمْ يَذْكُرْ الْإِنْزَالَ صَرِيحًا لِأَنَّهُ قَلَّمَا يُعْلَمُ مِنْهَا (فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ فِيهِمَا) شَيْءٌ (فَحَتَّى يَتِمَّ لِكُلٍّ مِنْهُمَا خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً بِهِ يُفْتَى) (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۶، ص۱۵۳، کتاب الحجر، فصل بُلُوغُ الْغُلَامِ بِالِاحْتِلَامِ)

(قَوْلُهُ: فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ فِيهِمَا) أَيْ فِي الْغُلَامِ وَالْجَارِيَةِ شَيْءٌ مِمَّا ذُكِرَ إلَخْ مُفَادُهُ: أَنَّهُ لَا اعْتِبَارَ لِنَبَاتِ الْعَانَةِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ، وَرِوَايَةٍ عَنْ أَبِي يُوسُفَ، وَلَا اللِّحْيَةِ، وَأَمَّا نُهُودُ الثَّدْيِ فَذَكَرَ الْحَمَوِيُّ أَنَّهُ لَا يُحْكَمُ بِهِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، وَكَذَا ثِقَلُ الصَّوْتِ كَمَا فِي شَرْحِ النَّظْمِ الْهَامِلِيِّ أَبُو السُّعُودِ وَكَذَا شَعْرُ السَّاقِ وَالْإِبْطِ وَالشَّارِبِ. (قَوْلُهُ: بِهِ يُفْتَى) هَذَا عِنْدَهُمَا وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ الْإِمَامِ وَبِهِ قَالَتْ الْأَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ، وَعِنْدَ الْإِمَامِ حَتَّى يَتِمَّ لَهُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سَنَةً وَلَهَا سَبْعَ عَشْرَةَ سَنَةً (ردالمحتار، ج۶، ص۱۵۳، کتاب الحجر، فصل بُلُوغُ الْغُلَامِ بِالِاحْتِلَامِ)

اور بالغ ہونے میں قمری یعنی چاند کی تاریخوں اور سال کا اعتبار ہوتا ہے۔ ؎۱

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر کوئی لڑکا بالغ ہوگیا، لیکن اُس کے ابھی ڈاڑھی برآمد نہیں ہوئی، تو اُس کے پیچھے تراویح کی نماز پڑھنا درست ہے، لیکن اگر وہ خوبصورت ہو تو بعض فقہائے کرام نے فتنہ کی وجہ سے اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کو بہتر قرار دیا ہے؛ تاہم اگر پھر بھی کوئی اس کی اقتداء میں نماز پڑھے، بالخصوص جبکہ اُس کے مقابلہ میں دوسرا بہتر امام میسر نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ؎۱

؎۱ وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ والضمير لكل واحد اى قدر مسير كل واحد منهما منازل -او قدر كل واحد منهما ذا منازل -او للقمر وتخصيصه بالذكر لمعائنة منازله واناطة احكام الشرع من الصوم والزكوة والحج به -ولذلك علله بقوله لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ يعدّ الأشهر المنوطة بسير القمر وَالْحِسَابَ اى حساب الأوقات من الأشهر والأيام فى معاملاتكم وتصرفاتكمَ (التفسير المظهرى، ج۵، ص۹، سورة يونس، تحت آية ۵)

لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ التى يتعلق بها غرض علمى لإقامة مصالحكم الدينية والدنيوية وَالْحِسابَ أى ولتعلموا الحساب بالأوقات من الأشهر والأيام وغير ذلك مما نيط به شيء من المصالح المذكورة (روح المعانى، ج۶، ص۶۷، سورة يونس، تحت آية ۵)

وقوله تعالى :وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْباناً الآية، وقوله فِى هَذِهِ الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ :وَقَدَّرَهُ أَىُ الْقَمَرَ مَنازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسابَ فَبِالشَّمْسِ تُعْرَفُ الْأَيَّامُ وَبِسَيْرِ الْقَمَرِ تُعْرَفُ الشُّهُورُ وَالْأَعْوَامُ (تفسير ابنِ كثير، ج۴، ص۲۱۷، سورة يونس، تحت آية ۵)

قُلْ هِىَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ مطابقا مبينا للحكمة الظاهرة اللائقة بشأن التبليغ العام المذكرة لنعمة الله تعالى ومزيد رأفته سبحانه وهى أن يكون معالم للناس يوقتون بها أمورهم الدنيوية ويعلمون أوقات زروعهم ومتاجرهم ومعالم للعبادات الموقتة يعرف بها أوقاتها كالصيام والإفطار وخصوصا الحج، فإن الوقت مراعى فيه أداء وقضاء (روح المعانى، ج۱، ص۴۶۷، سورة البقرة، تحت آية ۱۸۹)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِىَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ) ، فَأَعْلَمَنَا عزّ وجلّ أَنَّ الْأَهِلَّةَ مَوَاقِيتُ لَنَا وَلِحَجِّنَا، ولِمَا سوى ذَلِكَ مِمَّا نحتاج إِلَى الأوقات فِيه من أمور ديننا من الصيام، والعدد، والإيلاء ات، ومَا أشبه ذَلِكَ (احكام القرآن للطحاوى، ج۱، ص۴۴۱، كتاب الصيام)

؎۱ اور آج کل جو بعض لوگ بالغ بے ریش لڑکے کی اقتداء میں نماز کو بالکل ناجائز اور غلط سمجھتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔

وكذا تكره خلف أمرد وسفيه ومفلوج، وأبرص شاع برصه، وشارب الخمر وآكل الربا ونمام، ومراء ومتصنع(الدر المختار)

مطلب فى إمامة الأمرد(قوله وكذا تكره خلف أمرد) الظاهر أنها تنزيهية أيضا .والظاهر أيضا كما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۲...... اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر تراویح پڑھائے اور مقتدی اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں تو بھی جائز ہے اور اس صورت میں مقتدیوں کو کھڑے ہو کر پڑھنا بہتر ہے، اور بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے، کیونکہ تراویح کی نماز میں قیام فرض نہیں، خواہ امام ہو یا مقتدی۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الرحمتي أن المراد به الصبيح الوجه لأنه محل الفتنة، وهل يقال هنا أيضا :إذا كان أعلم القوم تنتفي الكراهة :فإن كانت علة الكراهة خشية الشهوة وهو الأظهر فلا، وإن كانت غلبة الجهل أو نفرة الناس من الصلاة خلفه فنعم فتأمل .والظاهر أن ذا العذار الصبيح المشتهى كالأمرد تأمل هذا، وفى حاشية المدني عن الفتاوى العفيفية :سئل العلامة الشيخ عبد الرحمن بن عيسى المرشدى عن شخص بلغ من السن عشرين سنة وتجاوز حد الإنبات ولم ينبت عذاره، فهل يخرج بذلك عن حد الأمردية، وخصوصا وقد نبت له شعرات فى ذقنه تؤذن بأنه ليس من مستديرى اللحى، فهل حكمه فى الإمامة كالرجال الكاملين أم لا أجاب :سئل العلامة الشيخ أحمد بن يونس المعروف بابن الشلبي من متأخرى علماء الحنفية عن هذه المسألة.فأجاب بالجواز من غير كراهة، وناهيك به قدوة، والله أعلم .وكذلك عنها المفتي محمد تاج الدين القلعي فأجاب كذلك .اهـ.(رد المحتار على الدر المختار، ج ۱ ،ص ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

۱؎ فإن صلى الإمام التراويح قاعداً بعذر أو بغير عذر واقتدى به قوم قياما اختلف المشايخ فيه قال بعضهم لا يصح اقتداء القائم بالقاعد فى التراويح فى قول محمد رحمه الله تعالى ويصح فى قول أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما الله تعالى كما فى المكتوبة وقال بعضهم يصح اقتداء القائم بالقاعد فى التراويح عند الكل وهو الصحيح لأنهم لو قعدوا صح اقتداؤهم فإذا قاموا كان أولى بالجواز وإذا صح اقتداء القائم بالقاعد اختلفوا فيما يستحب القوم قال بعضهم المستحب للقوم أن يقعدوا احترازا عن صورة المخالفة وقال القاضى الإمام أبو على النسفى رحمه الله تعالى الحاصل أن الإمام إذا كان قاعداً يستحب القيام للقوم فى قول أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما الله تعالى إلا من عذر وقال محمد رحمه الله تعالى يستحب لهم القعود (فتاویٰ قاضی خان، ج ۱ ، ص ۱۷۲ ، و۱۷۳،فصل فى السهو)

وَاخْتُلِفَ فِى اقْتِدَاءِ الْقَائِمِ بِالْقَاعِدِ فِى التَّرَاوِيحِ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ جَائِزٌ عِنْدَ الْكُلِّ كَمَا فِى فَتَاوَى قَاضِى خَانْ (البحر الرائق، ج ۱ ، ص۳۸۷، باب الامامة)

اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ أَدَاءَ التَّرَاوِيحِ قَاعِدًا لَا يُسْتَحَبُّ بِغَيْرِ عُذْرٍ وَاخْتَلَفُوا فِى الْجَوَازِ قَالَ بَعْضُهُمْ :يَجُوزُ وَهُوَ الصَّحِيحُ إلَّا أَنَّ ثَوَابَهُ يَكُونُ عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلَاةِ الْقَائِمِ فَإِنْ صَلَّى الْإِمَامُ التَّرَاوِيحَ قَاعِدًا بِعُذْرٍ أَوْ بِغَيْرِ عُذْرٍ وَاقْتَدَى بِهِ قَوْمٌ قِيَامٌ قَالَ بَعْضُهُمْ :يَصِحُّ عِنْدَ الْكُلِّ وَهُوَ الصَّحِيحُ .وَإِذَا صَحَّ اقْتِدَاءُ الْقَائِمِ بِالْقَاعِدِ اخْتَلَفُوا فِيمَا يُسْتَحَبُّ لِلْقَوْمِ قَالَ بَعْضُهُمْ :الْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَقْعُدُوا احْتِرَازًا عَنْ صُورَةِ الْمُخَالَفَةِ، كَذَا فِى فَتَاوَى قَاضِى خَانْ فِى فَصْلِ أَدَاءِ التَّرَاوِيحِ قَاعِدًا (الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ، ص ۱۱۸ ، كتاب الصلاة، الباب التاسع)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۳۱...... جو امام تراویح کی نماز پڑھائے، تو اُسے تکبیرِ تحریمہ کے بعد ثناء، اور تعوُّذ (یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) اور تسمیہ (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) بھی پڑھنی چاہئے، اور اسی طرح رکوع وسجدوں کی تسبیحات کو بھی پڑھنا چاہئے، اور نماز کے ارکان کو اطمینان کے ساتھ ادا کرنا چاہئے، اور قرآن مجید کی تلاوت وقرائت بھی درست طریقہ پر کرنی چاہئے، البتہ اگر لوگوں پر بار اور بوجھ گزرتا ہو، تو تشہُّد اور مختصر درود (مثلاً اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ) پر اکتفاء کر کے سلام پھیرنا اور درود کے بعد والی دعاؤں کو ترک کر دینا جائز ہے۔

اور امام کے ساتھ تکبیرِ تحریمہ سے شرکت کرنے والے مقتدی کو بھی پہلی رکعت میں نیت باندھنے کے بعد امام کی قرائت شروع کرنے سے پہلے ثناء پڑھنی چاہئے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وَأَمَّا أَدَاءُ التَّرَاوِيحِ قَاعِدًا مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْقِيَامِ فَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ لِغَيْرِ عُذْرٍ وَاخْتَلَفُوا فِي الْجَوَازِ قَالَ بَعْضُهُمْ لَا يَجُوزُ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ اعْتِبَارًا بِسُنَّةِ الْفَجْرِ إذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ يَجُوزُ وَهُوَ الصَّحِيحُ بِخِلَافِ سُنَّةِ الْفَجْرِ فَإِنَّهُ قَدْ قِيلَ إنَّهَا وَاجِبَةٌ، وَلَوْ صَلَّى الْإِمَامُ التَّرَاوِيحَ قَاعِدًا لِغَيْرِ عُذْرٍ فَاقْتَدَى بِهِ قَوْمٌ قِيَامًا قَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَجُوزُ عَلَى أَصْلِهِ أَنَّ اقْتِدَاءَ الْقَائِمِ بِالْقَاعِدِ لَا يَجُوزُ وَعِنْدَهُمَا يَجُوزُ وَقِيلَ يَجُوزُ عِنْدَ الْكُلِّ وَهُوَ الصَّحِيحُ كَذَا فِي الْفَتَاوَى، وَإِذَا صَحَّ اقْتِدَاءُ الْقَائِمِ بِالْقَاعِدِ فِيهَا فَمَا الْأَفْضَلُ لِلْمُقْتَدِينَ؟ قَالَ بَعْضُهُمْ الْأَفْضَلُ أَنْ يَقْعُدُوا احْتِرَازًا عَنْ صُورَةِ الْمُخَالَفَةِ. وَقَالَ أَبُو عَلِيٍّ النَّسَفِيُّ الْأَفْضَلُ الْقِيَامُ عِنْدَهُمَا. وَقَالَ مُحَمَّدٌ الْقُعُودُ لِمُوَافَقَةِ الْإِمَامِ (الجوهرة النيرة، ج ۱، ص ۹۹، بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ)

[1] وَمِنْهَا أَنَّ الْإِمَامَ بَعْدَ تَكْبِيرَةِ الِافْتِتَاحِ يَأْتِي بِالثَّنَاءِ وَالتَّعَوُّذِ وَالتَّسْمِيَةِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى، وَالْمُقْتَدِي أَيْضًا يَأْتِي بِالثَّنَاءِ، وَفِي التَّعَوُّذِ خِلَافٌ مَعْرُوفٌ بِنَاءً عَلَى أَنَّ التَّعَوُّذَ تَبَعُ الثَّنَاءِ، أَوْ تَبَعُ الْقِرَاءَةِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا فِي مَوْضِعِهِ وَلَا يَزِيدُ الْإِمَامُ عَلَى قَدْرِ التَّشَهُّدِ إنْ عَلِمَ أَنَّهُ يَثْقُلُ عَلَى الْقَوْمِ، وَإِنْ عَلِمَ أَنَّهُ لَا يَثْقُلُ عَلَى الْقَوْمِ يَزِيدُ عَلَيْهِ وَيَأْتِي بِالدَّعَوَاتِ الْمَشْهُورَةِ (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۸۸، ص ۲۸۹، فَصْلٌ فِي سُنَنِ صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ)

ولا يزيد الإمام فى التراويح على التشهد، وإن علم أنه لا يثقل على الجماعة يزيد، ويأتى بالدعاء ويأتى بالثناء عقيب تكبيرة الافتتاح (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱، ص ۶۹، كتاب الصلاة، باب صلاة التراويح)

وَيَأْتِي الْإِمَامُ وَالْقَوْمُ بِالثَّنَاءِ فِي كُلِّ شَفْعٍ (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۷، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

ولا يترك الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم فى كل تشهد منها "لأنها سنة مؤكدة عندنا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ جو مقتدی ایسے وقت جماعت میں شریک ہوا کہ امام قراءت شروع کر چکا تھا تو اب اس کو ثناء نہیں پڑھنی چاہئے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۴...... اگر کسی مسجد کا مقرر امام حافظِ قرآن ہو اور وہ قرآن مجید کو صحیح پڑھتا ہو، تو اس کو تراویح پڑھانے کا دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ حق ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۱۵...... اگر ایک امام عشاء کے فرض اور وتر یا صرف عشاء کے فرض پڑھائے، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفرض على قول بعض المجتهدين فلا تصح بدونها ويحذر من الهذرمة وترك الترتيل وترك تعديل الأركان وغيرها كما يفعله من لا خشية له "ولو مل القوم "بذلك "على المختار "لأنه عين الكسل منهم فلا يلتفت إليهم فيه و "كذا "لا يترك الثناء "فى افتتاح كل شفع "و "كذا "تسبيح الركوع والسجود "لا يترك لافتراضه عند البعض وتأكيد سنيته عندنا "ولا يأتى "الإمام "بالدعاء "عند السلام "إن مل القوم "به ولا يتركه بالمرة فيدعو بما قصر تحصيلا للسنة (مراقى الفلاح)

قوله" :ولا بترك الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم "ويكتفى باللهم صل على محمد لأنه الفرض عند الشافعي در قوله" :وفرض على قول بعض المجتهدين "منهم مولانا الإمام الشافعي رضى الله عنه. قوله" :ويحذر من الهذرمة "الموجود فى النسخ التى بأيدينا بالدال المهملة والذى فى الدر بالذال المعجمة وفسرها فى القاموس بسرعة الكلام والقراءة قوله" :وترك الترتيل "فى القاموس رتل الكلام ترتيلا أحسن تأليفه اهـ والمراد أن لا يعطى التلاوة وحقها قوله" :وغيرها" كترك التعوذ والتسمية وترك الإستراحة فيما بين كل ترويحتين والكراهة فى الثلاثة المذكورة فى كلامه تحريمية وفى غيرها تنزيهية لأنها فى مقابلة ترك السنن قوله" :وكذا لا يترك الثناء " سواء كان إماما أو مقتديا أو منفردا وعلله فى الفتح بأن السنن لا تترك للجماعات قوله: "لافتراضه عند البعض "هو أبو مطيع البلخى تلميذ الإمام الأعظم رضى الله عنه وقيل بوجوبه قوله: "ولا يأتى الإمام بالدعاء "أى الدعاء الطويل لقوله فيدعو بما قصر (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ج ا ، ص۴۱۵، ۴۱۶، فصل فى صلاة التراويح)

[۱] قَوْلُهُ وَقِيلَ إلَخْ أَفَادَ أَنَّ مَا قَالَهُ الْمُؤَلِّفُ أَنَّهُ يُمْنَعُ عَنْ الثَّنَاءِ فِي صُورَةِ الْجَهْرِ فَقَطْ ضَعِيفٌ وَأَنَّ الْمُعْتَمَدَ أَنَّهُ يُمْنَعُ عَنْ الثَّنَاءِ مَتَى شَرَعَ الْإِمَامُ فِي الْقِرَاءَةِ سِرًّا أَوْ جَهْرًا، وَحَاصِلُهُ :أَنَّ الْخِلَافَ فِيمَا إذَا شَرَعَ الْإِمَامُ فِي الْقِرَاءَةِ سِرًّا، فَالْمَفْهُومُ مِنْ الْبَحْرِ أَنَّهُ يُثْنِي وَعَبَّرَ عَنْهُ فِي الصُّغْرَى بِقِيلَ فَأَفَادَ ضَعْفَهُ، وَأَمَّا فِي قِرَاءَةِ الْجَهْرِ فَأَنَّهُ يُمْنَعُ مِنْ الثَّنَاءِ بِلَا خِلَافٍ لَكِنَّ مُقْتَضَى قَوْلِهِ وَصَحَّحَهُ فِي الذَّخِيرَةِ أَنَّ فِيهِ خِلَافًا أَيْضًا، وَكَذَا قَالَ فِي التَّتَارْخَانِيَّة عَنْ الْخُلَاصَةِ وَيَسْكُتُ الْمُؤْتَمُّ عَنْ الثَّنَاءِ إذَا جَهَرَ الْإِمَامُ هُوَ الصَّحِيحُ اهـ (منحة الخالق على البحر الرائق، ج ا ، ص۳۲۷، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة)

[۲] (و) اعلم أن (صاحب البيت) ومثله إمام المسجد الراتب (أولى بالإمامة من غيره) مطلقا (إلا أن يكون معه سلطان أو قاض فيقدم عليه) لعموم ولايتهما، وصرح الحدادى بتقديم الوالى على الراتب (الدرالمختار مع رد المحتار، ج ا ص ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الامامة)

دوسرا امام تراویح اور وتر یا صرف تراویح پڑھائے، تو اس میں حرج نہیں۔ ؎۱

مسئلہ نمبر ۱۶...... اگر دو امام اس طرح تراویح پڑھائیں کہ دو رکعت ایک امام پڑھائے، اور اگلی دو رکعتیں دوسرا امام پڑھائے، یا دس دس رکعتیں دو امام پڑھائیں، تو اس طرح بھی تراویح کی نماز درست ہے۔

کیونکہ اصل مقصود بیس تراویح کا پڑھنا ہے خواہ امام ہونے کی حیثیت سے یہ مقصود حاصل ہوجائے یا مقتدی ہونے کی حیثیت سے۔ اور یہ مقصود مذکورہ صورت میں پورا ہورہا ہے۔

لیکن پھر بھی بہتر یہ ہے کہ کم از کم چار رکعت ایک امام پڑھائے، اور پھر چار رکعتیں دوسرا امام پڑھائے، یا مثلاً آٹھ رکعت ایک امام اور بارہ رکعتیں دوسرا امام پڑھائے۔ ؎۲

مسئلہ نمبر ۱۷...... اگر ایک حافظ ایک سے زیادہ جگہ اس طرح تراویح پڑھائے کہ مثلاً ایک جگہ دس رکعت تراویح میں ایک پارہ پڑھے اور پھر دوسری جگہ دس رکعتوں میں یہی پارہ پڑھے، یا ایک روز ایک جگہ اور دوسرے روز دوسری جگہ پڑھائے، تو اس طرح تراویح پڑھانا بھی جائز ہے۔

؎۱ وَإِذَا جَازَتْ التَّرَاوِيحُ بِإِمَامَيْنِ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ جَازَ أَنْ يُصَلِّيَ الْفَرِيضَةَ أَحَدُهُمَا وَيُصَلِّيَ التَّرَاوِيحَ الْآخَرُ وَقَدْ كَانَ عُمَرُ -رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ- يَؤُمُّهُمْ فِي الْفَرِيضَةِ وَالْوِتْرِ وَكَانَ أُبَيٌّ يَؤُمُّهُمْ فِي التَّرَاوِيحِ، كَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۱۶، كِتَابُ الصَّلَاةِ، الْبَابُ التَّاسِعُ، فَصْلٌ فِي التَّرَاوِيحِ)

يجوز أن يصلي الفريضة أحدهما والآخر التراويح (فتاوىٰ قاضى خان، ج ۱، ص ۱۶۷)

؎۲ وَمِنْهَا أَنْ يُصَلِّيَ كُلَّ تَرْوِيحَةٍ إمَامٌ وَاحِدٌ، وَعَلَيْهِ عَمَلُ أَهْلِ الْحَرَمَيْنِ، وَعَمَلُ السَّلَفِ وَلَا يُصَلِّي التَّرْوِيحَةَ الْوَاحِدَةَ إمَامَانِ؛ لِأَنَّهُ خِلَافُ عَمَلِ السَّلَفِ، وَيَكُونُ تَبْدِيلُ الْإِمَامِ بِمَنْزِلَةِ الِانْتِظَارِ بَيْنَ التَّرْوِيحَتَيْنِ، وَأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَحَبٍّ (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۸۹، كتاب الصلاة، فَصْلٌ فِي سُنَنِ صَلَاةِ التَّرَاوِيحِ)

ولو أقاموا التراويح بإمامين فصلى كل إمام تسليمة بعضهم جوزوا ذلك والصحيح أنه لا يستحب وإنما يستحب أن يصلى كل إمام ترويحة ليكون موافقاً عمل أهل الحرمين فلما جاز التراويح بإمامين على هذا الوجه يجوز أن يصلى الفريضة أحدهما والآخر التراويح (فتاوىٰ قاضى خان، ج ۱، ص ۱۶۷)

وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُصَلِّيَ التَّرَاوِيحَ بِإِمَامٍ وَاحِدٍ فَإِنْ صَلَّوْهَا بِإِمَامَيْنِ فَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ يَكُونَ انْصِرَافُ كُلِّ وَاحِدٍ عَلَى كَمَالِ التَّرْوِيحَةِ فَإِنْ انْصَرَفَ عَلَى تَسْلِيمَةٍ لَا يُسْتَحَبُّ ذَلِكَ فِي الصَّحِيحِ (الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۱۱۶، كتابُ الصَّلَاةِ، الْبَابُ التَّاسِعُ، فَصْلٌ فِي التَّرَاوِيحِ)

نمازِ وتر سے متعلق احکام

وتر کی نماز کے تفصیلی فضائل واحکام ہم نے اپنی دوسری مستقل کتاب ''نمازِ وتر کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردیے ہیں، یہاں مختصراً نمازِ وتر کے احکام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱...... وتر کی نماز کا درجہ اگرچہ فرائض سے کم ہے، مگر سنت نمازوں سے زیادہ ہے۔ اور وتر کی نماز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے آخری قول کے مطابق واجب ہے، اور دوسرے فقہاء کے نزدیک سنتِ تاکیدی ہے۔ [۱]

---

[۱] صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) رحمہما اللہ کے نزدیک بھی وتر سنت ہیں، مگر ان کی تاکید دوسری سنت نمازوں سے زیادہ ہے۔

(قوله الوتر واجب) وهذا آخر أقوال أبى حنيفة وهو الصحيح كذا فى المحيط والأصح كما فى الخانية وهو الظاهر من مذهبه كذا فى المبسوط وروى عنه أنه فرض وعنه أنه سنة ووفق المشايخ بينهما بأنه فرض عملا واجب اعتقادا سنة ثبوتا ودليلا وأما عندهما فسنة عملا واعتقادا ودليلا لكن سنة مؤكدة آكد من سائر السنن المؤقتة كما فى البدائع لظهور أثر السنن فيه حيث لا يؤذن له ولم يثبت عندهما دليل الوجوب فنفياه(البحرالرائق، ج۲ص ۴۰، باب الوتر والنوافل)

(قوله بين الروايات) أى الثلاث المروية عن أبى حنيفة فإنه روى عنه أنه فرض وأنه واجب وأنه سنة، والتوفيق أولى من التفريق، فرجع الكل إلى الوجوب الذى مشى عليه فى الكنز وغيره .قال فى البحر :وهو آخر أقوال الإمام، وهو الصحيح محيط والأصح خانية، وهو الظاهر من مذهبه مبسوط. اهـ .ثم قال :وأما عندهما فسنة عملا واعتقادا ودليلا، لكنها آكد سائر السنن المؤقتة (ردالمحتار، ج۲ص ۴، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

وقال شيخنا فى تعليقاته :لم يجعله احد جائز الترك فسمه ماشئت اهـ، قال الراقم:فاتفقوا على ان تاركه آثم او على عدم جواز تركه وكذا اتفقوا على عدم تكفير منكره فاذن الخلاف قريب من الخلاف الصورى نظير خلافهم مسألة بساطة الايمان وتركيبه او زيادته ونقصه من مسائل الاصول فليس من النصفة توسيع ساحة الخلاف على ان اصطلاح ابى حنيفة فى الفرق بين الواجب والفرض مشهور متقرر فى محله (معارف السنن ج۴ص ۱۷۱، ۱۷۲،ابواب الوتر، باب ماجاء فى فضل الوتر)

اجتمعت عدة امور افادت الوجوب فى نظر فقيه الامة وفقيه الملة وهى (۱)المواظبة مع عدم الترك اصلا(۲) عدم جواز الترك والاجماع عليه (۳)تخصيصه بوقت (۴)قضاؤه اذا نسيه (۵) قول عدة من سلف الامة على الوجوب (٦) اهتمام ذكره بمثل هذه الكلمات وما الى ذلك من وجوه فى الباب (معارف السنن ج۴ص ۱۷۳،ابواب الوتر، باب ماجاء فى فضل الوتر)

مسئلہ نمبر۲...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ وتر کی نماز واجب ہے، جس کا درجہ فرض نماز کے قریب ہے، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر کی نماز بلاعذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں، البتہ اگر کوئی معذور و بیمار ہو، تو بیٹھ کر پڑھنے میں حرج نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... وتر کی نماز کا وقت وہی ہے جو عشاء کی نماز کا ہے، پس عشاء کی نماز کے ادا وقت میں طلوعِ فجر سے پہلے پہلے جب بھی وتر پڑھ لئے جائیں، تو وہ اپنے وقت میں ادا پڑھنا کہلائیں گے۔ [2]

مسئلہ نمبر۴...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلے عشاء کی نماز اور اس کے بعد وتر کی نماز میں ترتیب کا لحاظ ضروری ہے، یعنی وتر کی نماز عشاء کی نماز ادا کر لینے کے بعد ہی پڑھنی چاہئے، اور عشاء کی نماز سے پہلے نہیں پڑھنی چاہئے۔

البتہ بعض اعذار کی صورت میں یہ ترتیب معاف ہو جاتی ہے، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ [3]

---

[1] جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک وتروں کا بلاعذر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے "لان الوتر عندهم ليست بفرض عملا"

ولا يجوز أن يوتر قاعدا مع القدرة على القيام وعلى راحلته من غير عذر هكذا فى محيط السرخسى (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۱۱، كتاب الصلاة، الباب الثامن فى صلاة الوتر)

وأما صلاة الوتر على الراحلة حيث توجهت به، فإن الجمهور على جواز ذلک لثبوت ذلک من فعله عليه الصلاة والسلام أعنى أنه كان يوتر على الراحلة، وهو ما يعتمدونه فى الحجة على أنها ليست بفرض، إذ كان قد صح عنه عليه الصلاة والسلام :أنه كان يتنفل على الراحلة ولم يصح عنه أنه صلى قط مفروضة على الراحلة(بداية المجتهد، كتاب الصلاة،الباب الاول القول فى الوتر)

ولأنه يجوز فعله على الراحلة من غير ضرورة، فلم يكن واجبا، كالسنن، وقد روى ابن عمر، أن النبى -صلى الله عليه وسلم -كان يوتر على بعيره .متفق عليه، وقال : كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يسبح على الراحلة قبل أى وجه توجه، ويوتر عليها، غير أنه لا يصلى عليها المكتوبة . رواه مسلم وغيره .وأحاديثهم قد تكلم فيها(المغنى لابنِ قدامة، ج ۲ ص ۱۱۸، فصل ترک الوتر عمدا)

[2] وأما بيان أوقات الصلوات الواجبة وما هو شبيه بها فمنها وقت الوتر وهو على قول أبى حنيفة وقت صلاة العشاء(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۱۰۳، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة)

[3] إلا أنه شرع مرتبا عليها كوقت قضاء الفائتة هو وقت أداء الوقتية لكنه شرع مرتبا عليه فلا يجوز أداؤه قبل صلاة العشاء مع أنه وقته لفوت شرطه وهو الترتيب(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۱۰۳، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵...... اگر کسی نے عشاء کی نماز پڑھ لی، اور اس کے بعد مثلاً رات کے کسی حصہ میں دوبارہ وضو کر کے وتر کی نماز پڑھ لی، پھر اسے بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی عشاء کی نماز صحیح نہیں ہوئی تھی، مثلاً یہ کہ کوئی فرض رہ گیا تھا، یا اس کا وضو صحیح نہ تھا، تو اس کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عشاء کی نماز لوٹانا تو ضروری ہوگا، لیکن وتر کی نماز لوٹانا ضروری نہ ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أما أصل الوقت فوقت العشاء عند أبي حنيفة إلا أنه شرع مرتبا عليه حتى لا يجوز أداؤه قبل صلاة العشاء مع أنه وقته لعدم شرطه وهو الترتيب إلا إذا كان ناسيا كوقت أداء الوقتية وهو وقت الفائتة لكنه شرع مرتبا عليه، وعند أبي يوسف ومحمد والشافعي وقته بعد أداء صلاة العشاء وهذا بناء على ما ذكرنا أن الوتر واجب عند أبي حنيفة وعندهم، سنة (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج ١ ص ٢٧٢،فصل بيان وقت الوتر)

[1] البتہ صاحبین کے نزدیک وتر کی نماز بھی لوٹانے کا حکم ہوگا، کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی نماز سنت ہے، مستقل نماز نہیں۔ اور اسی طرح اگر کسی صاحبِ ترتیب نے وتر پڑھے بغیر فجر کی نماز پڑھ لی، اور ابھی فجر کی نماز کے ادا وقت میں گنجائش ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے وتر پڑھ کر دوبارہ فجر کی نماز پڑھنے کا حکم ہوگا۔

قلت أَرَأَيْت رجلا صلى الْعشَاء وَهُوَ على غير وضوء فَنَامَ ثمَّ اسْتَيْقَظَ سحرًا فأوتر وَهُوَ لَا يعلم أَنه حَيْثُ صلى الْعشَاء كَانَ على غير وضوء فَقَامَ وأوتر فَلَمَّا فرغ من الْوتر وَسلم ذكر أَنه كَانَ قد صلى الْعشَاء وَهُوَ على غير وضوء فَقَامَ وَصلى الْعشَاء أيجزيه وتره ذَلِك أم يُعِيد قَالَ يجْزِيه وَلَا يُعِيد فِي قَول أبي حنيفَة وَقَالَ أَبُو يُوسُف وَمُحَمّد يُعِيد الْوتر (الاصل لمحمد بن الحسن الشيباني، ج ١ ص ١٤٨، باب مواقيت الصلاة)

ويبنى على هذا الأصل من صلى العشاء على غير وضوء وهو لا يعلم ثم توضأ فأوتر ثم تذكر أعاد صلاة العشاء بالاتفاق ولا يعيد الوتر في قول أبي حنيفة، وعندهما يعيد ووجه البناء على هذا الأصل أنه لما كان واجبا عند أبي حنيفة كان أصلا بنفسه في حق الوقت لا تبعا للعشاء ......وعلى هذا الاختلاف إذا صلى الوتر على ظن أنه صلى العشاء ثم تبين أنه لم يصل العشاء يصلي العشاء بالإجماع ولا يعيد الوتر عنده، وعندهما يعيد.

والمسألة الثانية مسألة الجامع الصغير وهو أن من صلى الفجر وهو ذاكر أنه لم يوتر وفي الوقت سعة لا يجوز عنده؛ لأن الواجب ملحق بالفرض في العمل فيجب مراعاة الترتيب بينه وبين الفرض وعندهما يجوز؛ لأن مراعاة الترتيب بين السنة والمكتوبة غير واجبة(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج ١ ص ٢٧٢،فصل بيان وقت الوتر)

قال -رحمه الله -(ولا يقدم على العشاء للترتيب) أي لا يقدم الوتر على العشاء لأجل وجوب الترتيب لا لأن وقت الوتر لم يدخل حتى لو نسي العشاء وصلى الوتر جاز لسقوط الترتيب به وهذا عند أبي حنيفة ؛ لأنه فرض عنده فصارا كفرضين اجتمعا في وقت واحد كالقضاءين أو القضاء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۶ ...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کیونکہ وتر کی نماز واجب ہے، اس لئے اگر وتر کی نماز کا ادا وقت نکل جائے، تب بھی وہ ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی، خواہ کتنا ہی وقت گزر جائے، اس لئے اس کی قضا پڑھنا واجب رہتا ہے۔

اور وتروں کی قضا کو فجر کی نماز کے بعد اور سورج طلوع ہونے سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد پڑھنا بھی جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷ ...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سفر میں بھی وتر کی نماز پڑھنا ضروری ہے، اور سواری پر بلا عذر بیٹھ کر وتر کی نماز پڑھنا جائز نہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والأداء وعندهما لا يجوز ؛ لأن الوتر سنة العشاء فيكون تبعا لها فلا يدخل وقته حتى يصلى العشاء كسنة العشاء لا يعتد بها قبل أداء العشاء لعدم دخول وقتها لا للترتيب ، وثمرة الخلاف تظهر فى موضعين :أحدهما :أنه لو صلى الوتر قبل العشاء ناسيا أو صلاهما وظهر فساد العشاء دون الوتر فإنه يصح الوتر ويعيد العشاء وحدها عنده ؛ لأن الترتيب يسقط بمثل هذا العذر وعندهما يعيد الوتر أيضا ؛ لأنه تبع لها فلا يصح قبلها .والثانى :أن الترتيب واجب بينه وبين غيره من الفرائض حتى لا تجوز صلاة الفجر ما لم يصل الوتر عنده وعندهما يجوز ؛ لأنه لا ترتيب بين الفرائض والسنن(تبيين الحقائق، ج ا ص ١٨١، كتاب الصلاة، مواقيت الصلاة)

[1] الوتر يقضى إذا فات عن وقته (المحيط البرهانى، ج٣ص ٢٥٦، كتاب الطلاق، الفصل الخامس :فى الكنايات)

وإذا ترك الوتر عن وقته حتى طلع الفجر يجب عليه القضاء عند أصحابنا وعلى قول الشافعى لا يجب لأنه سنة ،وأما على قول أبى حنيفة فلا يشكل لأنه واجب وإنما المشكل على قولهما فإنه سنة عندهما فكان ينبغى أن لا يقضى ولكن هذا هو القياس عندهما وكذا روى عنهما فى غير رواية الأصول،وجواب ظاهر الرواية هو الاستحسان وتركا القياس بالأثر وهو ما روى عن النبى عليه السلام أنه قال من نام عن وتر أو نسيه فليصله إذا ذكره ولم يفصل بين ما إذا تذكر فى الوقت أو بعده(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ا ص ١٠٤، باب مواقيت الصلاة)

وفى قضائه بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس قال فى التجنيس عند أبى حنيفة يقضيه بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس وبعد صلاة العصر لأنه واجب عنده فيجوز قضاؤه فيه كقضاء سائر الفرائض(البحرالرائق، ج٢ ص ١٤١، باب الوتر والنوافل)

[2] قوله :(ويوتر على راحلته) ، وقد احتج عطاء بن أبى رباح والحسن البصرى وسالم بن عبد الله ونافع مولى ابن عمر بهذا الحديث وأمثاله على أن المسافر يجوز له أن يصلى الوتر على راحلته، وبه قال مالك والشافعى وإسحاق، ويروى ذلك عن على وابن عباس، رضى الله تعالى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸...... عام دنوں میں وتر کی نماز کو رات کی آخری نماز بنانا افضل ہے، لہٰذا جو شخص رات کے آخری حصہ میں بیدار رہ کر تہجد ادا کر کے بعد میں طلوعِ فجر سے پہلے پہلے وتر پڑھ لے، یہ زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عنهم، وكان مالك يقول :لا يصلى على الراحلة إلا فى سفر تقصر فيه الصلاة .وقال الأوزاعى والشافعى :قصير السفر وطويله سواء فى ذلك، يصلى على راحلته .وقال ابن حزم :يوتر المرء قائما وقاعدا لغير عذر إن شاء وعلى دابته، وقال أصحابنا :لا يجوز الوتر على الراحلة، ولا يجوز إلا على الأرض كما فى الفرائض، وبه قال محمد بن سيرين وعروة ابن الزبير وإبراهيم النخعى، ويروى ذلك عن عمر بن الخطاب وابنه عبد الله فى رواية، واحتجوا فى ذلك بما رواه الطحاوى :حدثنا يزيد بن سنان، قال :حدثنا أبو عاصم :قال :حدثنا حنظلة بن أبى سفيان عن نافع (عن ابن عمر :أنه كان يصلى على راحلته ويوتر بالأرض، ويزعم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كذلك كان يفعل) وإسناده صحيح، ويزيد بن سنان شيخ النسائى أيضا، وأبو عاصم النبيل شيخ البخارى، وحنظلة روى له الجماعة، فهذا يعارض حديث الباب وأمثاله، ويؤيد هذا ما روى عن ابن عمر من غير هذا الوجه من فعله، رواه الطحاوى :حدثنا أبو بكرة قال حدثنا عثمان بن عمر وبكر بن بكار، قالا :حدثنا عمر بن ذر (عن مجاهد :أن ابن عمر كان يصلى فى السفر على بعيره أينما توجه به، فإذا كان فى السحر نزل فأوتر) ، وإسناده صحيح .وأخرجه أحمد أيضا فى (مسنده) من حديث سعيد بن جبير :(ان ابن عمر كان يصلى على راحلته تطوعا، فإذا أراد أن يوتر نزل فأوتر على الأرض. .) ، فإذا كان الأمر كذلك لا يبقى لأهل المقالة الأولى حجة، ولا سيما الراوى، إذا فعل بخلاف ما روى، فإنه يدل على سقوط ما روى. فإن قلت :صلاة ابن عمر الوتر على الأرض لا تستلزم عدم جوازه عنده على الراحلة .لأنه يجوز له أن يفعل ذلك، وله أن يوتر على الراحلة. قلت :يجوز أن يكون ما رواه ابن عمر عن النبى صلى الله عليه وسلم من وتره على الراحلة قبل أن يحكم أمر الوتر ويغلظ شأنه، لأنه كان أولا كسائر التطوعات، ثم أكد بعد ذلك فنسخ .قال الطحاوى :فمن هذه الجهة ثبت نسخ الوتر على الراحلة، وكان ما فعله ابن عمر من وتره على الراحلة قبل علمه بالنسخ، ثم لما علمه رجع إليه وترك الوتر على الراحلة، ويجوز أن يكون الوتر عنده كالتطوع، فله أن يصلى على الراحلة وعلى الأرض .فإن قلت :ما وجه هذا النسخ؟ قلت : بدلالة التاريخ، وهو أن يكون أحد النصين معارضا للآخر بأن يكون أحدهما موجبا للحظر والآخر للإباحة، وينتفى هذا التعارض بالمصير إلى دلالة التاريخ، وهو أن النص الموجب للحظر يكون متأخرا عن الموجب للإباحة، فكان الأخذ به أولى وأحق .وقال الكرمانى :فإن قيل :فمذهبكم أنه واجب على النبى صلى الله عليه وسلم، يعنى :الوتر؟ قلنا :وإن كان واجبا عليه، فقد صح فعله على الراحلة، ولو كان واجبا على العموم لم يصح على الراحلة كالظهر .فإن قالوا :الظهر فرض والوتر واجب، وبينهما فرق؟ قلنا :هذا الفرق اصطلاح لكم لا يسلمه الجمهور ولا يقتضيه الشرع ولا اللغة، ولو سلم لم يحصل غرضكم ههنا .انتهى(عمدة القارى، ج۷ص ۱۳۹، ۱۴۰، كتاب الكسوف، باب صلاة التطوع على الدواب حيثما توجهت به)

لیکن اگر رات کو بیدار ہونے پر اطمینان نہ ہو، جس کی وجہ سے وتر کی نماز قضا ہوجانے کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں سونے سے پہلے ہی کچھ حسبِ توفیق نوافل کے بعد وتر پڑھ لینے میں احتیاط ہے، پھر اگر رات کے آخری حصہ میں بھی توفیق ہوجائے، تو حسبِ استطاعت نوافل پڑھ لئے جائیں۔

اور عامۃُ الناس کے لئے رمضان کے علاوہ عام دنوں میں یہی طریقہ زیادہ احتیاط کا باعث ہے، اور رمضان میں وتر پڑھنے کا حکم آگے آتا ہے۔ [1]

---

[1] (و) تأخير (الوتر إلى آخر الليل لواثق بالانتباه) وإلا فقبل النوم، فإن فاق وصلى نوافل والحال أنه صلى الوتر أول الليل فإنه الأفضل(الدرالمختار)

(قوله :وتأخير الوتر إلخ) أى يستحب تأخيره، لقوله -صلى الله عليه وسلم -من خاف أن لا يوتر من آخر الليل فليوتر أوله ومن طمع أن يقوم آخره فليوتر آخر الليل، فإن صلاة آخر الليل مشهودة وذلك أفضل) رواه مسلم والترمذى وغيرهما وتمامه فى الحلية .وفى الصحيحين اجعلوا آخر صلاتكم وترا والأمر للندب بدليل ما قبله بحر.(قوله :فإن فاق إلخ) أى إذا أوتر قبل النوم ثم استيقظ يصلى ما كتب له، ولا كراهة فيه بل هو مندوب، ولا يعيد الوتر، لكن فاته الأفضل المفاد بحديث الصحيحين إمداد.ولا يقال :إن من لا يثق بالانتباه فالتعجيل فى حقه أفضل كما فى الخانية، فإذا انتبه بعدما عجل يتنفل ولا تفوته الأفضلية؛ لأنا نقول :المراد بالأفضلية فى الحديث السابق هى المترتبة على ختم الصلاة بالوتر وقد فاتت، والتى حصلها هى أفضلية التعجيل عند خوف الفوات على التأخير فافهم وتأمل (ردالمحتار، ج ا ص ۳۶۹، كتاب الصلاة)

وأما الوقت المستحب للوتر فهو آخر الليل لما روى عن عائشة -رضى الله عنها -أنها سئلت عن وتر رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فقالت تارة كان يوتر فى أول الليل وتارة فى وسط الليل وتارة فى آخر الليل ثم صار وتره فى آخر عمره فى آخر الليل ، وقال النبى -صلى الله عليه وسلم - صلاة الليل مثنى فإذا خشيت الصبح فأوتر بركعة وهذا إذا كان لا يخاف فوته فإن كان يخاف فوته يجب أن لا ينام إلا عن وتر ، وأبو بكر -رضى الله عنه -كان يوتر فى أول الليل، وعمر كان يوتر فى آخر الليل فقال النبى -صلى الله عليه وسلم -لأبى بكر :أخذت بالثقة وقال لعمر :أخذت بفضل القوة(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ا ص ۲۷۳،فصل بيان وقت الوتر)

(ويستحب فى الوتر لمن يألف صلاة الليل) ش :أى لمن له إلفة وعادة بالصلاة فى الليل أن يؤخر الوتر إلى :م :(آخر الليل) ش :فى غالب النسخ، ويستحب فى الوتر لمن يألف الصلاة آخر الليل فعلى هذا يجوز فى لفظ آخر النصب على الظرفية، والتقدير، يوتر فى آخر الليل وهذا روى، ويجوز الرفع أيضا بأن يكون مفعولا أقيم مقام فاعل يستحب، وهذا روى أيضا .وقال الأترازى وغيره: عندى الأول هو الأولى لأن فى الثانى يحتاج إلى التأويل والأصل عدم التأويل.قلت :أراد بالأول :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۹...... رات کو سونے سے پہلے وتروں کے بعد نوافل پڑھنا بھی جائز ہے، لیکن افضل ومستحب طریقہ یہ ہے کہ عشاء کے بعد جتنے نوافل پڑھنا چاہیں، وتر سے پہلے پڑھ لیں، اور وتر آخر میں پڑھیں، اس کے بعد نوافل نہ پڑھیں، اگر پڑھ لیں، تو جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۰...... وتروں کے بعد نوافل کا بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے، لیکن اگر کھڑے ہونے میں کوئی عذر نہ ہو، تو احادیث کی رُو سے بیٹھ کر پڑھنے میں کھڑے ہوکر پڑھنے کے مقابلہ میں آدھا ثواب ہے۔

اور بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے میں زیادہ ثواب سمجھنا دلائل کے لحاظ سے راجح نہیں ہے۔

پس آج کل جو بعض لوگ بغیر کسی عذر کے وتروں کے بعد دو نفل بیٹھ کر پڑھنے کو سنت یا مستحب وافضل سمجھتے ہیں، یہ دلائل کے لحاظ سے راجح نہیں ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الرفع، وبالثاني :النصب ونحوه من كلامه بأن الإسناد في الأول على وجه المجاز، فلا يخرج عن التأويل .م :(وإن لم يثق بالانتباه أوتر قبل النوم) ش :لأن من ليس له إلفة بصلاة الليل آناء آخر الوقت لا بأس من الفوات لغلبة النوم(البناية شرح الهداية، ج۲ص ۵۱، كتاب الصلاة، باب المواقيت، وقت صلاة الوتر)

[1] وقد اختلف أهل العلم في الصلاة بعد الوتر فكان قيس بن عباد يقول : أقرأ وأنا جالس أحب إلي من أن أصلي بعدما أوتر ، وكان مالك بن أنس لا يعرف الركعتين بعد الوتر ، وقال الأوزاعي : إن شاء ركعة ، وقال أحمد بن حنبل : أرجو إن فعله إنسان لا يضيق عليه ، وقال أحمد : لا أفعله . قال أبو بكر :الصلاة في كل وقت جائزة إلا وقتا نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلاة فيه ، والأوقات التي نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلاة فيها وقت طلوع الشمس ، ووقت الزوال ، ووقت غروب الشمس ، والصلاة في سائر الأوقات طلق مباح ، ليس لأحد أن يمنع فيها إلا بحجة ، ولا حجة مع من كره الصلاة بعد الوتر ، فدل فعله هذا على أن قوله : اجعلوا آخر صلاتكم وترا على الاختيار لا على الإيجاب ، فنحن نستحب أن يجعل المرء آخر صلاته وترا ، ولا نكره الصلاة بعد الوتر ، وقائل هذا قائل بالخبرين جميعا(الاوسط لابن المنذر، تحت حديث رقم ۲۶۴۰)

[2] وَذَلِكَ عِنْدَنَا وَاللهُ أَعْلَمُ عَلَى الْمُصَلِّي تَطَوُّعًا قَاعِدًا وَهُوَ يُطِيقُ أَنْ يُصَلِّيَ قَائِمًا، فَيَكُونُ لَهُ بِذَلِكَ نِصْفُ مَا يَكُونُ لَهُ لَوْ صَلَّى قَائِمًا ,وَلَيْسَ هُوَ عَلَى صَلَاتِهِ قَاعِدًا، وَهُوَ لَا يُطِيقُ الْقِيَامَ، ذَلِكَ صَلَاتُهُ قَاعِدًا فِيمَا يُكْتَبُ لَهُ مِنَ الثَّوَابِ بِهَا كَصَلَاتِهِ إِيَّاهَا قَائِمًا ;لِأَنَّهُ هَاهُنَا قَدْ قَصَدَ إِلَى الْقِيَامِ وَقَصَّرَ بِهِ عَنْهُ فَاسْتَحَقَّ مِنَ الثَّوَابِ مَا يَسْتَحِقُّهُ لَوْ صَلَّاهَا قَائِمًا ,فَكَانَ إِذَا كَانَ يُطِيقُ الْقِيَامَ فَصَلَّى قَاعِدًا قَدْ تَرَكَ الْقِيَامَ اخْتِيَارًا فَلَمْ يُكْتَبْ لَهُ ثَوَابُهُ ,وَكُتِبَ لَهُ ثَوَابُ الْمُصَلِّي قَاعِدًا عَلَى صَلَاتِهِ كَذَلِكَ (شرح مشكل الآثار للطحاوي، تحت رقم حديث ۱۶۹۴، بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ فِي كَيْفِيَّةِ الصَّلَاةِ الخ)

مسئلہ نمبر ۱۱...... جو شخص رات کے اول حصہ میں وتر پڑھ کر سوجائے، پھر وہ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو، تو اس کو دوبارہ وتر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۲...... رمضانُ المبارک میں مَردحضرات کے لئے تراویح کی جماعت کے بعد وتر باجماعت پڑھنا افضل و مستحب ہے۔

اور رات کو آخری حصہ میں بیدار ہو کر تہجد پڑھنے والے شخص کے لئے بھی رمضان میں افضل یہی ہے کہ وتر باجماعت ادا کرے۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۱۳...... وتر کی نماز باجماعت پڑھنے کا افضل و مستحب ہونا رمضان کے ساتھ خاص ہے، اور رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں وتروں کو باجماعت پڑھنا افضل و مستحب نہیں، بلکہ عام حالات میں باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔ [۳]

---

[۱] قال ثنا یوسف بن ابی یوسف عن ابی عن ابی حنیفة عن حماد عن ابراهیم ان ابن عمر رضی الله عنهما کان یوتر من اول اللیل فإذا قام سحرا اضاف الی وتره رکعة فبلغ ذلک عائشة رضی الله عنها فقالت یرحم الله ابا عبدالرحمن انه لیلعب بوتره ما علیه لو اوتر اول اللیل فإذا قام سحرا صلی رکعتین رکعتین فإنه یصبح علی وتر(الآثارلابی یوسف، ص۶۸، رقم الحدیث ۳۳۹، باب فی الاضحی)

[۲] یستحب أن یجتمع الناس فی شهر رمضان بعد العشاء فیصلی بهم إمامهم خمس ترویحات کل ترویحه بتسلیمتین ویجلس بین کل ترویحتین مقدار ترویحة ثم یوتر بهم والسنة فیها الجماعة ولا یصلی الوتر بجماعة فی غیر رمضان(متن بدایة المبتدی، کتاب الصلاة، باب النوافل)

(ولا یصلی) أی الوتر (بجماعة إلا فی شهر رمضان) والمراد أنه یکره بالجماعة خارج رمضان لا أنه لا یجوز وفی رمضان قیل الافضل الانفراد والصحیح أن الجماعة فیه أفضل إلا أن سنیتها لیست کسنیة جماعة التروایح(منیة المصلی وغنیة المبتدی، کتاب الصلاة)

(قوله تصحیحان) رجح الکمال الجماعة بأنه -صلی الله علیه وسلم -کان أوتر بهم ثم بین العذر فی تأخره مثل ما صنع فی التراویح فالوتر کالتراویح؛ فکما أن الجماعة فیها سنة فکذلک الوتر بحر .وفی شرح المنیة :والصحیح أن الجماعة فیها أفضل إلا أن سنیتها لیست کسنیة جماعة التراویح .اهـ .قال الخیر الرملی :وهذا الذی علیه عامة الناس الیوم اهـ وقواه المحشی أیضا بأنه مقتضی ما مر من أن کل ما شرع بجماعة فالمسجد أفضل فیه(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲ص ۴۹، ۵۰، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

[۳] ولا یصلی الوتر بجماعة إلا فی شهر رمضان) وعلیه الإجماع(الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الصلاة، فصل فی التراویح)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۴۲...... اگر عشاء کی نماز تو باجماعت پڑھی گئی لیکن تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ حاضرین میں سے کسی نے بھی نہیں پڑھی تو وتر باجماعت پڑھنے کے مستحب ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، راجح یہ ہے کہ اس صورت میں وتر کی نماز باجماعت مستحب نہیں ہے، کیونکہ شرعاً وتر کی جماعت، تراویح کی جماعت کے تابع ہو کر ثابت ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(ولا يصلى الوتر و) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان) أى يكره ذلك على سبيل التداعى، بأن يقتدى أربعة بواحد كما فى الدرر، ولا خلاف فى صحة الاقتداء إذ لا مانع نهر(الدر المختار)

(قوله أى يكره ذلك) أشار إلى ما قالوا من أن المراد من قول القدورى فى مختصره لا يجوز الكراهة لا عدم أصل الجواز، لكن فى الخلاصة عن القدورى أنه لا يكره، وأيده فى الحلية بما أخرجه الطحاوى عن المسور بن مخرمة، قال :دفنا أبا بكر -رضى الله تعالى عنه -ليلا فقال عمر -رضى الله عنه :-إنى لم أوتر، فقام وصفنا وراء ه فصلى بنا ثلاث ركعات لم يسلم إلا فى آخرهن. ثم قال :ويمكن أن يقال :الظاهر أن الجماعة فيه غير مستحبة، ثم إن كان ذلك أحيانا كما فعل عمر كان مباحا غير مكروه، وإن كان على سبيل المواظبة كان بدعة مكروهة لأنه خلاف المتوارث، وعليه يحمل ما ذكره القدورى فى مختصره، وما ذكره فى غير مختصره يحمل على الأول، والله أعلم اهـ.قلت :ويؤيده أيضا ما فى البدائع من قوله :إن الجماعة فى التطوع ليست بسنة إلا فى قيام رمضان اهـ فإن نفى السنية لا يستلزم الكراهة، نعم إن كان مع المواظبة كان بدعة فيكره .وفى حاشية البحر للخير الرملى :علل الكراهة فى الضياء والنهاية بأن الوتر نفل من وجه حتى وجبت القراء ة فى جميعها، وتؤدى بغير أذان وإقامة، والنفل بالجماعة غير مستحب لأنه لم تفعله الصحابة فى غير رمضان اهـ وهو كالصريح فى أنها كراهة تنزيه تأمل .اهـ.(قوله على سبيل التداعى) هو أن يدعو بعضهم بعضا كما فى المغرب، وفسره الوانى بالكثرة وهو لازم معناه.(قوله أربعة بواحد) أما اقتداء واحد بواحد أو اثنين بواحد فلا يكره، وثلاثة بواحد فيه خلاف بحر عن الكافى وهل يحصل بهذا الاقتداء فضيلة الجماعة؟ ظاهر ما قدمناه من أن الجماعة فى التطوع ليست بسنة يفيد عدمه تأمل .بقى لو اقتدى به واحد أو اثنان ثم جاء ت جماعة اقتدوا به .قال الرحمتى :ينبغى أن تكون الكراهة على المتأخرين .اهـ.قلت :وهذا كله لو كان الكل متنفلين، أما لو اقتدى متنفلون بمفترض فلا كراهة كما نذكره فى الباب الآتى(رد المحتار على الدر المختار، ج ۲ ص ۴۸، ۴۹، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل)

ل (ولو لم يصلها) أى التراويح (بالإمام) أو صلاها مع غيره (له أن يصلى الوتر معه) بقى لو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة؟ فليراجع(الدرالمختار)

(قوله بقى إلخ) الذى يظهر أن جماعة الوتر تبع لجماعة التراويح وإن كان الوتر نفسه أصلا فى ذاته لأن سنة الجماعة فى الوتر إنما عرفت بالأثر تابعة للتراويح، على أنهم اختلفوا فى أفضلية صلاتها بالجماعة بعد التراويح كما يأتى(ردالمحتار، ج ۲ ص ۴۸، باب الوتر والنوافل)

مسئلہ نمبر ۱۵...... اگر کوئی عشاء کے فرض پڑھ چکا ہے، مگر اس نے تراویح کی نماز امام کے ساتھ باجماعت نہیں پڑھی، یا اس کی کچھ یا سب تراویح کی رکعتیں رہ گئی ہیں، تو اس کو امام کے ساتھ وتروں کی جماعت میں شامل ہونا جائز ہے، ایسی صورت میں چھوٹی ہوئی تمام تراویح یا چھوٹی ہوئی تراویح کی کچھ رکعات بعد میں پڑھ لے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۶...... وتر کی نماز مغرب کی طرح تین رکعات ہیں، یعنی وتر کی دوسری اور تیسری رکعت میں قعدہ اور تشہد اور تیسری رکعت کے آخر میں ہی سلام ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کئی صحابۂ کرام سے اس طرح وتر کی تین رکعتیں پڑھنا صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔ [۲]

---

[۱] ولو لم يصل التراويح جماعة مع الإمام فله أن يصلي الوتر معه ثم ذكر بعده أنه لو صلى التراويح مع غيره له أن يصلي الوتر معه هو الصحيح اهـ(البحر الرائق ،ج۲ص۷۵،کتاب الصلاة،صلاة التراويح)

ولو لم يصل التراويح مع الجماعة فله أن يصلي الوتر معه(البناية ،ج۲ص۵۶۰،فصل فی قيام شهر رمضان)

[۲] قال ابو حنيفة رحمه الله فی الوتر ثلاث ركعات كثلاث المغرب لا تفصيل بينهن بسلام ولا غيره يقرا فی كل ركعة بفاتحة الكتاب وسورة وقال بعض اهل المدينة لا باس بان يوتر بركعة وذكروا ذلك عن عثمان بن عفان رضی الله عنه انه صلی العشاء ثم قام خلف المقام فصلی ركعة واحدة قرا فيها القران وذكروا ايضا عن سعد بن ابی وقاص انه كان يوتر بركعة وقال بعضهم وممن قال ذلك مالك بن انس ومن قال بقوله ليس ينبغی ان يوتر بركعة ليس معها غيرها ولكنه يوتر بثلاث الا انه يفصل بين الركعتين بين الشفع وبين الركعة بسلام واحب الينا ان لا يزاد فی الفصل من الوتر والشفع قبله علی السلام (الحجة،ج۱ص۱۹۰،باب عددالوتر)

اما من جهة الرواية فظاهر، لان العدد الكثير اولی من الواحد، ولان عائشة رضی الله عنها كانت تری وتره صلی الله عليه وسلم اكثر مما يراه ابن عمر، لانه صلی الله عليه وسلم كان يوتر فی بيته دائما وفی آخر الليل غالبا، ولايحضره ابن عمر فی مثل هذا الوقت ولا فی بيته بعد العشاء، وكذا انس رضی الله عنه كان يحضر منه صلی الله عليه وسلم مالايحضره غيره من الرجال لكونه من خواص خدمه، واما دراية: فلان الفصل بين الشفع والوتر مما لانظيره له فی المكتوبة ولا فی التطوع ، فما رواه الجماعة موافق للقياس دون مارواه ابن عمر(اعلاء السنن ،ج۶ص۳۱، باب الايتار بثلاث)

قلت : وليس مرادنا الا ترجيح الوتر بثلاث علی الايتار بواحدة، ولانقول: ان الوتر بواحدة لااصل له فی الشريعة رأسا، كيف؟ وقد نعلم ان بعض الصحابة قد اوتر بها، لكن ذلك لم يكن متعارفا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۷...... وتر کی نماز میں افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ اعلٰی، دوسری رکعت میں سورہ کافرون اور تیسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی جائے۔

لیکن ان کو ضروری نہ سمجھا جائے، اوران کے علاوہ دوسری سورتیں پڑھنا بھی جائز ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر ۱۸...... حنفیہ کے نزدیک رمضان میں وتروں کی نماز باجماعت پڑھنے کی صورت میں امام کے لئے تینوں رکعتوں میں بلند آواز سے قرائت کرنا واجب ہے۔ ۲؎

اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک وتر کی نماز باجماعت میں امام کے لئے جہری قرائت مسنون، جبکہ مالکیہ کے نزدیک مندوب ومستحب ہے۔ ۳؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بینهم كما يشعر به هذا الاثر، ولم يذهب اليه الا قليل منهم كماستعرف (اعلاء السنن ،ج٦ ص ٤١، باب الايتار بثلاث)

وبالجملة فقد تبين ان كون الوتر بثلاث لايسلم الا فى آخرهن كان متعارفا متقررا عند المسلمين والصحابة منهم والتابعين (اعلاء السنن ،ج٦ ص ٥٠، باب الايتار بثلاث)

وبالجملة قد جاء ت رواياتها من وجوه عديدة واتفقت فى المعنى والمرفوع يجب ان يكون متوافقا البتة والوصل هو عمل اكثر الصحابة والسلف فى وتر رمضان(معارف السنن ج٤ص ١٩٩)

۱؎ والسور الثلاث فيه سنة لكن ذكر فى النهاية أنه لا ينبغى أن يقرأ سورة متعينة على الدوام لأن الفرض هو مطلق القراء ة بقوله تعالى (فاقرء وا ما تيسر من القرآن)(المزمل:٢٠) والتعيين على الدوام يفضى إلى أن يعتقد بعض الناس أنه واجب وأنه لا يجوز غيره لكن لو قرأ بما ورد به الآثار أحيانا يكون حسنا ولكن لا يواظب لما ذكرنا اهـ(البحرالرائق، ج٢ ص ٤٦، ٤٧، باب الوتر والنوافل)

۲؎ وفى اليتيمة إذا ترك الجهر فى الوتر وفى التراويح يلزمه السهو كذا فى التتارخانية (الفتاوىٰ الهندية، ج١ ص ١٣٠، كتاب الصلاة، الباب الثانى عشر،فصل سهو الإمام يوجب عليه الخ)

۳؎ مواطن الجهر والإسرار فى القراء ة :اتفق الفقهاء على أنه يسن الجهر فى الصبح والمغرب والعشاء والجمعة والعيدين والتراويح ووتر رمضان، ويسر فى الظهر والعصر .وللفقهاء فى النوافل كالوتر وغيره تفصيل :فقال الحنفية: يجب الجهر على الإمام فى كل ركعات الوتر فى رمضان، وصلاة العيدين، والتراويح .ويجب الإسرار على الإمام والمنفرد فى صلاة الكسوف والاستسقاء والنوافل النهارية .وأما النوافل الليلية فهو مخير فيها.ويخير المنفرد بين الجهر والإسرار فى الصلاة الجهرية أداء ، أو قضاء فى وقتها أو غيروقتها، إلا أن الجهر أفضل فى الجهرية ليلاً .أما الصلاة السرية فيجب عليه أن يسر بها على الصحيح.ويجب على المأموم الإنصات فى كل حال.وقال المالكية :يندب الجهر فى جميع النوافل الليلية، والسر فى جميع النوافل النهارية إلا النافلة التى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۹...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر کی تینوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورتیں ملانا ثابت ہے۔

اور اسی لئے حنفیہ کے نزدیک وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور اس کے بعد سورت ملانا واجب ہے، ان میں سے کسی ایک کے بھول کر چھوٹنے سے سجدۂ سہو کا حکم ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۰...... کسی نے بھولے سے وتر کی نماز میں دوسری رکعت پر قعدہ نہیں کیا اور تیسری

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لها خطبة كالعيد والاستسقاء ، فيندب الجهر فيها .ويندب للمأموم الإسرار.وقال الشافعية :يسن الجهر في العيدين وخسوف القمر والاستسقاء والتراويح ووتر رمضان وركعتي الطواف ليلاً أو وقت الصبح، والإسرار في غير ذلک إلا نوافل الليل المطلقة فيتوسط فيها بين الجهر والإسرار، والتوسط :أن يجهر تارة، ويسر أخرى، اتباعاً للسنة، إن لم يشوش على نائم أو مصل أو نحوه . والعبرة في قضاء الفريضة بوقته أي وقت القضاء على المعتمد .وجهر المرأة دون جهر الرجل . ومحل جهرها إن لم تكن بحضرة أجانب .وقال الحنابلة :يسن الجهر في صلاة العيد والاستسقاء والكسوف والتواويح والوتر إذا وقع بعد التراويح، ويسر فيما عدا ذلک .ويخير المنفرد بين الجهر والإسرار في الصلاة الجهرية، كما قال الحنفية(الفقه الاسلامي وادلته، ج۲ص ۸۸۳،۸۸۴، القسم الاول، الباب الثاني، الفصل الاول، المبحث الاول)

[1] (ويقرأ في كل ركعة من الوتر فاتحة الكتاب) ش :قراءة الفاتحة في كل ركعة من الوتر واجبة بالإجماع، أما عند أبي يوسف ومحمد وعند الشافعي ومن معهم فلأنه نفل، وأما عند أبي حنيفة وإن كان واجبا لثبوته بخبر الواحد وفيه شبهة فيقرأها في كله للاحتياط(البناية شرح الهداية، ج۲ص ۴۹۱،باب صلاة الوتر،القراءة في صلاة الوتر)

اعتبروا المؤكدة صلاة واحدة في حق القراءة فقط احتياطا كما في الوتر فإنهم أوجبوا القراءة في جميع ركعاته احتياطا كما مر لاحتمال كونه سنة مؤكدة(البحر الرائق، ج۲ص ۶۱، باب الوتر والنوافل)

(قوله وقرأ في كل ركعة منه فاتحة الكتاب وسورة) بيان لمخالفته للفرائض فيقرأ في كل ركعة منه حتما ونقل في الهداية أنه بالإجماع وفي التجنيس لو ترک القراءة في الركعة الثالثة منه لم يجز في قولهم جميعا اهـ.أما عندهما فلأنه نفل وفي النفل تجب القراءة في الكل وكذا على قول أبي حنيفة لأن الوتر عنده واجب يحتمل أنه نفل ولكن يترجح جهة الفرضية بدليل فيه شبهة فكان الاحتياط فيه وجوب القراءة في الكل وقد قدمنا من فعله -صلى الله عليه وسلم -أنه كان يقرأ في الركعة الأولى (سبح اسم ربک الأعلى) (الأعلى: ۱) وفي الثانية (قل يا أيها الكافرون) (الكافرون: ۱) وفي الثالثة (قل هو الله أحد) (الإخلاص: ۱) فالحاصل أن قراءة آية في كل ركعة منه فرض وتعيين الفاتحة مع قراءة ثلاث آيات في كل ركعة واجب والسور الثلاث فيه سنة(البحر الرائق، ج۲ص ۴۶، باب الوتر والنوافل)

رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا تو حنفیہ کے نزدیک آخر میں سجدۂ سہو کرنے کا حکم ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۱...... وتر کی نماز چونکہ اکثر حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، جوکہ عملاً فرض کا درجہ رکھتی ہے، اس اصول کے پیشِ نظر فرض پر قیاس کرتے ہوئے اہلِ علم حضرات نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی بھولے سے وتر کی تیسری رکعت پڑھ کر چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا، تو اگر اس نے تیسری رکعت پر بالکل قعدہ نہیں کیا، تو اس کو واپس لوٹ آنا چاہئے، اور آخر میں سجدۂ سہو کرنا چاہئے۔

اور اگر وہ واپس لوٹ کر نہیں آیا، یہاں تک کہ اس نے چوتھی رکعت کا سجدہ بھی کرلیا، تو اب اس کو چار رکعتیں مکمل کرلینی چاہئیں، اور اس صورت میں سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں، مگر اس صورت میں اس کے وتر ادا نہ ہوں گے، بلکہ وتر دوبارہ پڑھنے ہوں گے۔

اور اگر وتر کی تیسری رکعت میں قعدۂ اخیرہ میں بیٹھ کر کوئی شخص بھولے سے چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا تھا، تو اس کے وتر درست ہوجائیں گے، اور اس صورت میں اگر چوتھی رکعت کے سجدہ سے پہلے یاد آجائے تو واپس بیٹھ جائے ورنہ ایک رکعت اور ملالے تاکہ دو رکعت نفل ہوجائیں، مگر ان دونوں صورتوں میں سلام میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم ہوگا (کذافی: احسن الفتاویٰ، ج۳ص۴۶۴) [2]

---

[1] وفی المجتبی ولا تجب القعدة الأولی فی الوتر وفی الامتحان صلی الوتر ولم یقعد فی الثانیة ناسیا ثم تذکر فی الرکوع لا یعود وإن عاد لا ینتقض رکوعه اھ ولا یخفی ما فیه لأن القعدة الأولی واجبة فی الفرض والنفل والوتر ذو شبه لهما فوجبت القعدة الأولی فیه وقد تقدم أنه یرفع یدیه عند تکبیرة القنوت کما یرفعهما عند الافتتاح(البحرالرائق ، ج۲ص۴۷، باب الوتر والنوافل)

[2] (ولو سها عن القعود الأخیر) کله أو بعضه (عاد) ویکفی کون کلا الجلستین قدر التشهد (ما لم یقیدها بسجدة) لأن ما دون الرکعة محل الرفض وسجد للسهو لتأخیر القعود (وإن قیدها) بسجدة عامدا أو ناسیا أو ساهیا أو مخطئا (تحول فرضه نفلا برفعه) الجبهة عند محمد، وبه یفتی لأن تمام الشیء بآخره، فلو سبقه الحدث قبل رفعه توضأ وبنی خلافا لأبی یوسف، حتی قال :زِهْ، صلاة فسدت أصلحها الحدث، والعبرة للإمام، حتی لو عاد ولم یعلم به القوم حتی سجدوا لم تفسد صلاتهم ما لم یتعمدوا السجود.وفیه یلغز: أی مصل ترک القعود الأخیر وقید الخامسة بسجدة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۲...... اگر کوئی امام وتروں کی نماز کے سنت ہونے کا قائل ہو، تو حنفی شخص کو اس کی اقتداء میں وتر پڑھنے کی گنجائش ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولـم يبطـل فـرضه؟ (وضم سادسة) ولو فی العصر والفجر (إن شاء) لاختـصاص الكراهة والإتمام بـالـقـصد (ولا يسجد للسهو على الأصح) لأن النقصان بالفساد لا ينجبر (وإن قعد فی الرابعة) مثلا قـدر التشهـد (ثـم قـام عـاد وسـلم)ولو سلم قائما صح؛ ثم الأصح أن القوم ينتظرونه، فإن عاد تبعوه (وإن سـجد للخامسة سلموا) لأنـه تـم فرضه، إذ لم يبق عليه إلا السلام (وضم إليها سادسة) لو فی العصر، وخامسة فی المغرب :ورابعة فی الفجر به يفتی (لتصير الركعتان له نفلا) والضم هنا آكد، ولا عهـدة لـو قـطع، ولا بأس بإتمامه فی وقت كراهة على المعتمد (وسجد للسهو) (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو)

۱؎ اور بعض نے عدمِ جواز کو ترجیح دی ہے، لیکن چونکہ جمہور یہاں تک کہ صاحبین بھی وتر کے مسنون ہونے کے قائل ہیں، اور وتر کے وجوب کی دلیل اشتباہ سے خالی نہیں، اور خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے آخری قول میں احتیاطاً وجوب کو ترجیح دی ہے۔

نیز حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

فَإِذَا خَشِيتَ الصُّبُحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ، تُوتِرُ لَکَ مَا قَدْ صَلَّيْتَ(بخاری، رقم الحديث ۴۷۳)

کے بارے میں محدثینِ احناف نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے پڑھی ہوئی دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت اور ملا کر وتر بنا لئے جائیں۔

يـحتـمـل مـا ذهبـوا إلـيـه، ويـحتمل أن يكون ركعة مع شفع تقدمها، وذلک كله وتر، فتكون تلک الركعة توتر الشفع المتقدم لها، وقد بين ذلک آخر حديث الباب الذی احتج به هؤلاء ، وهو قوله : (فأوترت له ما صلى) ، وكـذلک قوله فی الحديث الثانی من هذا الباب :(فأوتر بواحدة توتر لک مـا قد صليت) ، وآخـر حـديثهـم حـجة عـليهـم(عمدة القاری، ج۴ص ۲۵۲، كتاب الصلاة، باب الحلق والجلوس فی المسجد)

قوله :(توتر لک ما صليت) ، يدل على أنه يوصلها بالركعتين اللتين قبلها حتى يكون ما صلاه وترا ثـلاث ركعات، لأن المراد من قوله :(ما صليت) ، هـو الذی صلاه قبل هذه الركعة، ولا يكون هذا وترا إلا إذا انضمت إليه هذه الركعة الواحدة من غير فصل(عمدة القاری، ج۷ص۷، كتاب الوتر)

اور ظاہر ہے کہ پہلی دو رکعتیں صلاۃُ اللیل (تطوع) ہیں، جن کے ساتھ ایک رکعت ملانے سے وتر کو درست قرار دیا جا رہا ہے۔ لہٰذا غور کرنے سے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ سنت کے قائل کی اقتداء میں وتر کی نماز جائز ہو، بشرطیکہ دیگر شرائطِ صحتِ اقتداء کا لحاظ ہو، اور اس سے قبل جو بندہ نے بعض مقامات پر عدمِ جواز کو ترجیح دی تھی، اس کا غور کرنے سے مرجوح ہونا معلوم ہوا۔ اس لئے بندہ اب اس سے رجوع کرتا ہے۔ محمد رضوان۔

ولـو اقتـدى الـحـنـفـی بـمـن يـرى الـوتـر سـنة يـجـوز لـضعف دليل وجوبـه ذكره فی "مـخـتـصـر المحيط(البناية شرح الهداية، ج۲ص ۵۰۲،القنوت فی الوتر) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیونکہ وتر کا درجہ بہرحال فرض سے کم اور سنتِ مؤکدہ کے قریب ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال صاحب الإرشاد لا يجوز الاقتداء بالشافعية فى الوتر بإجماع أصحابنا ؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل والأول أصح لأن اعتقاد الوجوب ليس بواجب على الحنفى (تبيين الحقائق، ج ا ص ا ۷ ا ، باب الوتر والنوافل)

ولو اقتدى من يرى وجوب الوتر فيه بمن يرى سنيته صح للاتحاد ولا يختلف باختلاف الاعتقاد (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ا ص ۳۸۳،باب الامامة، شرائط صحة الامامة)

وما فى الفتاوى عن ابن الفضل وليس فيما ذكره دليل عليه لأن ما فى التجنيس وغيره إنما هو فى الفرض القطعى والوتر ليس بفرض قطعى إنما هو واجب ظنى ثبت بالسنة فلا يلزم اعتقاد وجوبه للاختلاف فيه فلم يلزم فى صحته تعيين وجوبه بل تعيين كونه وترا بل صرح فى المحيط والبدائع بأنه ينوى صلاة الوتر والعيدين فقط وصرح بعض المشايخ كما فى شرح منية المصلى بأنه لا ينوى فى الوتر أنه واجب للاختلاف فى وجوبه فظهر بهذا أن المذهب الصحيح صحة الاقتداء بالشافعى فى الوتر إن لم يسلم على رأس الركعتين وعدمها إن سلم(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ ص ۴۲، باب الوتر والنوافل)

ليس منه ما لو اقتدى من يرى وجوب الوتر بمن يرى سنيته فإن ذلك صحيح للإتحاد ولا يختلف باختلاف الإعتقاد(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ا ۲۹ ا ،باب الإمامة)

(فروع)صح اقتداء متنفل بمتنفل، ومن يرى الوتر واجبا بمن يراه سنة(الدرالمختار)

(فروع اقتداء متنفل بمتنفل ومن يرى الوتر واجبا بمن يراه سنة)(قوله بمن يراه سنة) أى بشرط أن يصليه بسلام واحد، لأن الصحيح اعتبار رأى المقتدى، وعلى مقابله يصح مطلقا .وبقى قول ثالث، وهو أنه لا يصح مطلقا وتمامه في ح (ردالمحتار، ج ا ص ۵۹۰، ا ۵۹،باب الامامة)

(وَصَحَّ الِاقْتِدَاءُ فِيهِ) فَفِي غَيْرِهِ أَوْلَى إنْ لَمْ يَتَحَقَّقْ مِنْهُ مَا يُفْسِدُهَا فِي الْأَصَحِّ كَمَا بَسَطَهُ فِي الْبَحْرِ (بِشَافِعِيٍّ) مَثَلًا (لَمْ يَفْصِلْهُ بِسَلَامٍ) لَا إنْ فَصَلَهُ (عَلَى الْأَصَحِّ) فِيهِمَا لِلِاتِّحَادِ وَإِنْ اخْتَلَفَ الِاعْتِقَادُ (وَ) لِذَا (يَنُوبُ الْوِتْرُ لَا الْوِتْرُ الْوَاجِبُ كَمَا فِي الْعِيدَيْنِ) لِلِاخْتِلَافِ(الدرالمختار)

(قَوْلُهُ فَفِي غَيْرِهِ أَوْلَى) وَجْهُ الْأَوْلَوِيَّةِ أَنَّ النِّيَّةَ مُتَّحِدَةٌ فِي الْفَرْضِ وَالنَّفْلِ، بِخِلَافِ الْوِتْرِ، فَهِيَ فِيهِ مُخْتَلِفَةٌ ط أَيْ لِأَنَّ إمَامَهُ يَنْوِيهِ سُنَّةً......(قَوْلُ عَلَى الْأَصَحِّ فِيهِمَا) أَيْ فِي جَوَازِ أَصْلِ الِاقْتِدَاءِ فِيهِ بِشَافِعِيٍّ وَفِي اشْتِرَاطِ عَدَمِ فَصْلِهِ، خِلَافًا لِمَا فِي الْإِرْشَادِ مِنْ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَصْلًا بِإِجْمَاعِ أَصْحَابِنَا لِأَنَّهُ اقْتِدَاءُ الْمُفْتَرِضِ بِالْمُتَنَفِّلِ، وَخِلَافًا لِمَا قَالَهُ الرَّازِيّ مِنْ أَنَّهُ يَصِحُّ وَإِنْ فَصَلَهُ وَيُصَلِّي مَعَهُ بَقِيَّةَ الْوِتْرِ لِأَنَّ إمَامَهُ لَمْ يَخْرُجْ بِسَلَامِهِ عِنْدَهُ وَهُوَ مُجْتَهِدٌ فِيهِ كَمَا لَوْ اقْتَدَى بِإِمَامٍ قَدْ رَعَفَ.قُلْت :وَمَعْنَى كَوْنِهِ لَمْ يَخْرُجْ بِسَلَامِهِ أَنَّ سَلَامَهُ لَمْ يُفْسِدْ وِتْرَهُ لِأَنَّ مَا بَعْدَهُ يُحْسَبُ مِنْ الْوِتْرِ، فَكَأَنَّهُ لَمْ يَخْرُجْ مِنْهُ، وَهَذَا بِنَاءٌ عَلَى قَوْلِ الْهِنْدُوَانِيِّ بِقَرِينَةِ قَوْلِهِ كَمَا لَوْ اقْتَدَى إلَخْ، وَمُقْتَضَاهُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ رَأْيُ الْإِمَامِ فَقَطْ، وَهَذَا يُخَالِفُ مَا قَدَّمْنَاهُ آنِفًا عَنْ نُوحٍ أَفَنْدِي.(قَوْلُهُ لِلِاتِّحَادِ إلَخْ) عِلَّةٌ لِصِحَّةِ الِاقْتِدَاءِ .وَرَدٌّ عَلَى مَا مَرَّ عَنْ الْإِرْشَادِ بِمَا نَقَلَهُ أَصْحَابُ الْفَتَاوَى عَنْ ابْنِ الْفَضْلِ أَنَّهُ يَصِحُّ الِاقْتِدَاءُ لِأَنَّ كُلًّا يَحْتَاجُ إلَى نِيَّةِ الْوِتْرِ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۳...... جو امام وتر کی نماز میں دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھے، تو اس کی اقتداء میں بھی وتر پڑھنے کی گنجائش ہے، اور ایسی صورت میں مقتدی کو رکوع کے بعد قنوت پڑھ لینا درست ہے۔

پھر اگر وہ امام جہراً (یعنی بآوازِ بلند) قنوت پڑھے، تو مقتدی کو امام کی دعا کے ساتھ ساتھ آمین کہنے پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فَأُهْدِرَ اخْتِلَافُ الِاعْتِقَادِ فِي صِفَةِ الصَّلَاةِ، وَاعْتُبِرَ مُجَرَّدُ اتِّحَادِ النِّيَّةِ .اهـ.وَاسْتَشْكَلَهُ فِي الْفَتْحِ بِأَنَّهُ اقْتِدَاءُ الْمُفْتَرِضِ بِالْمُتَنَفِّلِ وَإِنْ لَمْ يَخْطِرْ بِخَاطِرِهِ عِنْدَ النِّيَّةِ صِفَةُ السُّنِّيَّةِ أَوْ غَيْرُهَا، بَلْ مُجَرَّدُ الْوِتْرِ كَمَا هُوَ ظَاهِرُ إطْلَاقِ التَّجْنِيسِ لِتَقَرُّرِ النَّفْلِيَّةِ فِي اعْتِقَادِهِ .وَرَدَّهُ فِي الْبَحْرِ بِمَا صَرَّحَ بِهِ فِي التَّجْنِيسِ أَيْضًا مِنْ أَنَّ الْإِمَامَ إنْ نَوَى الْوِتْرَ وَهُوَ يَرَاهُ سُنَّةً جَازَ الِاقْتِدَاءُ كَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ خَلْفَ مَنْ يَرَى أَنَّ الرُّكُوعَ سُنَّةٌ، وَإِنْ نَوَاهُ بِنِيَّةِ التَّطَوُّعِ لَا يَصِحُّ الِاقْتِدَاءُ لِأَنَّهُ يَصِيرُ اقْتِدَاءَ الْمُفْتَرِضِ بِالْمُتَنَفِّلِ اهـ.وَلَمْ يَذْكُرْ الشَّارِحُ تَعْلِيلَ اشْتِرَاطِ عَدَمِ الْفَصْلِ بِسَلَامٍ اكْتِفَاءً بِمَا أَشَارَ إلَيْهِ قَبْلَهُ مِنْ أَنَّ الْأَصَحَّ اعْتِبَارُ اعْتِقَادِ الْمُقْتَدِي، وَالسَّلَامُ قَاطِعٌ فِي اعْتِقَادِهِ فَيَفْسُدُ اقْتِدَاؤُهُ وَإِنْ صَحَّ شُرُوعُهُ مَعَهُ إذْ لَا مَانِعَ مِنْهُ فِي الِابْتِدَاءِ كَمَا أَفَادَهُ ح .(قَوْلُهُ وَلِذَا يَنْوِي) أَيْ لِأَجْلِ الِاخْتِلَافِ الْمَفْهُومِ مِنْ قَوْلِهِ وَإِنْ اخْتَلَفَ الِاعْتِقَادُ ط.(قَوْلُهُ لَا الْوِتْرُ الْوَاجِبُ) الَّذِي يَنْبَغِي أَنْ يُفْهَمَ مِنْ قَوْلِهِمْ إنَّهُ لَا يَنْوِي أَنَّهُ وَاجِبٌ أَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ تَعْيِينُ الْوُجُوبِ لَا مَنْعُهُ مِنْ ذَلِكَ لِأَنَّهُ إنْ كَانَ حَنَفِيًّا يَنْبَغِي أَنْ يَنْوِيَهُ لِيُطَابِقَ اعْتِقَادَهُ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَهُ فَلَا تَضُرُّهُ تِلْكَ النِّيَّةُ بَحْرٌ.(قَوْلُهُ لِلِاخْتِلَافِ) أَيْ فِي الْوُجُوبِ وَالسُّنِّيَّةِ، وَهُوَ عِلَّةٌ لِلْعِيدَيْنِ فَقَطْ، وَعِلَّةُ الْوِتْرِ قَدَّمَهَا بِقَوْلِهِ وَلِذَا لَوْ حَذَفَ هَذَا مَا ضَرَّ لِفَهْمِهِ مِنْ الْكَافِ ط(ردالمحتار، ج ۲ ص۸،۷،بَابُ الْوِتْرِ وَالنَّوَافِلِ)

[۱] ولو صلى الوتر خلف من يقنت فى الوتر بعد الركوع تابع فيه(المحيط البرهانى، ج ۱ ص۴۷۳، الفصل الثالث عشر فى التراويح والوتر مسائل التراويح)

(ويأتى المأموم بقنوت الوتر) ولو بشافعي، يقنت بعد الركوع لانه مجتهد فيه(الدر المختار شرح تنوير الابصار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

(قول المصنف ويتبع المؤتم قانت الوتر) أى ولو كان الإمام شافعيا يقنت بعد الركوع لأن اختلافهم فى الفجر مع كونه منسوخا دليل على أنه يتابعه فى قنوت الوتر لكونه ثابتا بيقين كذا فى الدرر وصدر الشريعة وفى الشرنبلالية لا يخفى أن الشافعى يقنت باللهم اهدنا والحنفى باللهم إنا نستعينك فما يفعله فلينظر اهـ.

قال فى حواشى مسكين والظاهر أن المتابعة فى مطلق القنوت لا فى خصوص ما قنت به ثم رأيت الشيخ عبد الحى ذكر طبق ما فهمته اهـ.على أنه قدم المؤلف أن ظاهر الرواية أنه لا توقيت فيه (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، ج ۲ ص۴۸، باب الوتر والنوافل)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۴...... جوامام وتروں میں دو رکعت پر سلام پھیر کر ایک رکعت الگ سے پڑھائے، بہت سے حنفیہ کے نزدیک اس کی اقتداء میں نمازِ وتر کا پڑھنا جائز نہیں۔ ۱ البتہ بعض حنفیہ کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، جس کے پیشِ نظر مذکورہ طریقہ کے مطابق وتر پڑھانے والے امام کی اقتداء میں نمازِ وتر کا پڑھنا درست ہے۔ اور ہم نے اس کے دلائل اپنے رسالہ ''غیر حنفی کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا حکم'' کے جدید ایڈیشن میں ذکر کردیئے ہیں، اوراسی کی ساتھ پہلے قول کی بھی وضاحت کردی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولو صلى الوتر بمن يقنت فى الوتر بعد الركوع فى القومة والمقتدى لا يرى ذلك تابعه فيه هكذا فى فتاوى قاضيخان(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص ۱۱۱، كتاب الصلاة، الباب الثامن فى صلاة الوتر)

(وَيَتْبَعُ الْمُؤْتَمُّ) الْحَنَفِيُّ فِى الْقُنُوتِ إمَامًا شَافِعِيًّا (قَانِتَ الْوِتْرِ وَلَوْ بَعْدَ الرُّكُوعِ)(مجمع الانهر، ج ا ص ۱۲۹، باب الوتر والنوافل)

وَلَمَّا تَرَجَّحَ ذَلِكَ خَرَجَ مَا بَعْدَ الرُّكُوعِ مَعَ كَوْنِهِ مَحَلًّا لِلْقُنُوتِ، فَلِذَا رُوِىَ عَنْ أَبِى حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَوْ سَهَا عَنْ الْقُنُوتِ فَتَذَكَّرَهُ بَعْدَ الِاعْتِدَالِ لَا يَقْنُتُ، وَلَوْ تَذَكَّرَ فِى الرُّكُوعِ فَعَنْهُ رِوَايَتَان :إحْدَاهُمَا لَا يَقْنُتُ، وَالْأُخْرَى يَعُودُ إلَى الْقِيَامِ فَيَقْنُتُ .وَالَّذِى فِى فَتَاوَى قَاضِى خَانْ وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَقْنُتُ فِى الرُّكُوعِ وَلَا يَعُودُ إلَى الْقِيَامِ، فَإِنْ عَادَ إلَى الْقِيَامِ وَقَنَتَ وَلَمْ يُعِدْ الرُّكُوعَ لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُ لِأَنَّ رُكُوعَهُ قَائِمٌ لَمْ يَرْتَفِضْ .وَفِى الْخُلَاصَةِ بَعْدَمَا ذَكَرَ فِى الرِّوَايَتَيْنِ قَالَ فِى رِوَايَةٍ :يَعُودُ وَيَقْنُتُ وَلَا يُعِيدُ الرُّكُوعَ وَعَلَيْهِ السَّهْوُ قَنَتَ أَوْ لَمْ يَقْنُتْ، وَهَذَا يُحَقِّقُ خُرُوجَ الْقَوْمَةِ عَنْ الْمَحَلِّيَّةِ بِالْكُلِّيَّةِ إلَّا إذَا اقْتَدَى بِمَنْ يَقْنُتُ فِى الْوِتْرِ بَعْدَ الرُّكُوعِ فَإِنَّهُ يُتَابِعُهُ اتِّفَاقًا(فتح القدير، ج ا ص ۴۲۹، باب صلاة الوتر)

(ويتبع قانت الوتر) أى يتبع فى قراء ة القنوت حنفى شافعيا يقنت بعد الركوع ؛ لأن اختلافهم فى الفجر كما سيأتى مع كونه منسوخا دليل على أنه يتابعه فى قنوت الوتر لكونه ثابتا بيقين فصار كالثناء والتشهد والدعاء بعده وتسبيحات الركوع والسجود(درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ا ص ۱۱۴، باب الوتر والنوافل)

والذى يظهر لى أن المقتدى يتابع إمامه إلا إذا جهر فيؤمن(رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

۱ ولم يذكر الشارح تعليل اشتراط عدم الفصل بسلام اكتفاء بما أشار إليه قبله من أن الأصح اعتبار اعتقاد المقتدى، والسلام قاطع فى اعتقاده فيفسد اقتداؤه وإن صح شروعه معه إذ لا مانع منه فى الابتداء كما أفاده ح (رد المحتار على الدر المختار، ج ۲ ص ۸، باب الوتر والنوافل)

وقال فى "المحيط :"ولا يقطع وتره .وقال أبو بكر الرازى :يجوز اقتداء الحنفى بمن يسلم على الركعتين فى الوتر ويصلى معه بقية الوتر؛ لأن إمامه لا يجزئه سلامه عنده لأنه مجتهد فيه، كما لو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۵...... وتر کی نماز میں دعائے قنوت ہمیشہ پڑھنی چاہئے (نہ کہ صرف رمضان میں) جس کا طریقہ یہ ہے کہ وتروں کی تیسری رکعت میں قرائت سے فارغ ہوکر تکبیر کہے، اور تکبیر کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ (تکبیرِ تحریمہ کی طرح) کانوں تک اٹھائے، پھر ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر دعائے قنوت پڑھے، اور پھر دعائے قنوت سے فارغ ہوکر تکبیر کہتا ہوا رکوع میں جائے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۶...... وتر کی نماز میں کئی فقہاء کے نزدیک دعائے قنوت سنت ہے، اور اکثر حنفیہ کے نزدیک اگرچہ واجب ہے، مگر کسی مخصوص دعا کا پڑھنا واجب نہیں، بلکہ کسی بھی دعا کے پڑھ لینے سے یہ واجب ادا ہوجاتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اقتدی بإمام قد رعف وهو يعتقد أن طهارته باقية؛ لأنه مجتهد فيه فطهارته باقية فی حقه .وقيل لا يصح الاقتداء فی الرعاف والحجامة وبه قال الأكثرون(البناية شرح الهداية، ج۲ص ۵۰۲، كتاب الصلاة، القنوت فی الوتر)

دراصل یہ مسئلہ اس پر مبنی ہے کہ امام ومقتدی کا زعم مختلف ہونے کی صورت میں مقتدی کے زعم کا اعتبار ہوگا یا امام کے زعم کا، مقتدی کے زعم معتبر ہونے کا قول حنفیہ کی کتب میں اصح قرار دیا گیا ہے، اور اکابر کے فتاویٰ بھی اسی کے مطابق ہیں۔

ملاحظہ ہو: فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد۳ صفحہ۱۴۵، ۱۵۴، ۲۲۳، ۲۲۷، ۲۵۴، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۰- امداد الاحکام جلد۱ صفحہ ۵۳۷ و صفحہ۵۹۲- امداد المفتیین صفحہ۳۱۷- احسن الفتاویٰ جلد۳ صفحہ۲۸۲- وفتاویٰ محمودیہ جلد۱ صفحہ۲۶۱، جلد۲ صفحہ ۷۱ وصفحہ۹۵ و جلد۵ صفحہ۲۹۴ وجلد۹ صفحہ۶۲ وجلد۱۶ صفحہ۳۴۹- آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد۲ صفحہ۲۳۹ وصفحہ۲۵۸ و۲۵۹- فتاویٰ حقانیہ جلد۳ صفحہ۱۳۴- فتاویٰ عثمانی جلد۱ صفحہ۵۱۷، وصفحہ۵۱۹۔

اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "غیر حنفی کی اقتداء میں نماز کا حکم" میں بیان کردی ہے۔ محمد رضوان

[1] وقال أبو حنيفة رحمه الله القنوت فی الوتر قبل الركعة الثالثة إذا فرغ من السورة كبر ورفع يديه ثم خفضهما ثم دعا ثم كبر فلم يرفع يديه ثم ركع (الحجة على أهل المدينة، ج ۱ص ۱۹۹، باب عدد الوتر)

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ العِلْمِ فِي القُنُوتِ فِي الوِتْرِ .فَرَأَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ القُنُوتَ فِي الوِتْرِ فِي السَّنَةِ كُلِّهَا، وَاخْتَارَ القُنُوتَ قَبْلَ الرُّكُوعِ، وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ العِلْمِ، وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ المُبَارَكِ، وَإِسْحَاقُ، وَأَهْلُ الكُوفَةِ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّهُ كَانَ لَا يَقْنُتُ إِلَّا فِي النِّصْفِ الآخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، وَكَانَ يَقْنُتُ بَعْدَ الرُّكُوعِ .وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ إِلَى هَذَا، وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ (سنن الترمذی، تحت حديث رقم ۴۶۴، ابواب الوتر، باب ما جاء فی القنوت فی الوتر)

اور مشہور دعا جو "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ" آخر تک پڑھی جاتی ہے، خاص اس کا پڑھنا سنت ومستحب ہے، لہٰذا کسی دوسری دعا کے پڑھ لینے سے بھی واجب ادا ہو جاتا ہے۔ [1]

[1] أما الأول فالقنوت واجب عند أبي حنيفة وعندهما سنة، والكلام فيه كالكلام فى أصل الوتر(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۷۳،فصل فى القنوت)

قوله :وقنوتُ الوتر؛ القنوت لغة؛ مطلقُ الدعاء ، وهو المرادُ هاهنا لا خصوصُ الدعاء الذى تقرأه أكثرُ الحنفيَّة من :اللهم إنّا نستعينكُ ونستغفرك الخ؛ فإنّ الواجبَ هو قراءةُ مطلقِ الدعاءِ فِي الركعةِ الآخرةِ من الوتر .كذا فى غنية المستملى وغيره، وفى الاكتفاءِ عليه إشارةٌ إلى أنَّ رفعَ اليدين عند القنوتِ والتكبيرُ عند ابتدائهِ ليس بواجب، وهو الصحيح، كما حقَّقه صاحب البحر وغيره(عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية،كتابُ الصَّلاة)

(قوله وقراءة قنوت الوتر) أقحم لفظ (قراءة) إشارة إلى أن المراد بالقنوت الدعاء لا طول القيام كما قيل، وحكاهما فى المجتبى، وسيجيء فى محله .ابن عبد الرزاق :ثم وجوب القنوت مبنى على قول الإمام :وأما عندهما فسنة، فالخلاف فيه كالخلاف فى الوتر كما سيأتى فى بابه (قوله وهو مطلق الدعاء) أى القنوت الواجب يحصل بأى دعاء كان فى النهر، وأما خصوص :اللهم إنا نستعينك فسنة فقط، حتى لو أتى بغيره جاز إجماعا (رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص۴۶۸، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)

واختلف المشايخ فى حقيقة القنوت الذى هو واجب عنده؛ فنقل فى المجتبى أنه طول القيام دون الدعاء ، وفى الفتاوى الصغرى العكس، وينبغى تصحيحه بحر .قال فى المغرب :وهو المشهور، وقولهم دعاء القنوت إضافة بيان اهـ ومثله فى الإمداد .ثم القنوت واجب عنده سنة عندهما كالخلاف فى الوتر كما فى البحر والبدائع، لكن ظاهر ما فى غرر الأفكار عدم الخلاف فى وجوبه عندنا، فإنه قال :القنوت عندنا واجب .وعند مالك مستحب .وعند الشافعى من الأبعاض .وعند أحمد سنة تأمل . (قوله ويسن الدعاء المشهور) قدمنا فى بحث الواجبات التصريح بذلك عن النهر .وذكر فى البحر عن الكرخى أن القنوت ليس فيه دعاء مؤقت لأنه روى عن الصحابة أدعية مختلفة ولأن المؤقت من الدعاء يذهب برقة القلب .وذكر الإسبيجابى أنه ظاهر الرواية .وقال بعضهم :المراد ليس فيه دعاء مؤقت ما سوى :اللهم إنا نستعينك .وقال بعضهم :الأفضل التوقيت ورجحه فى شرح المنية تبركا بالمأثور اهـ. والظاهر أن القول الثانى والثالث متحدان، وحاصلهما تقييد ظاهر الرواية بغير المأثور كما يفيده قول الزيلعى .وقال فى المحيط والذخيرة : يعنى من غير قوله اللهم إنا نستعينك إلخ واللهم اهدنا إلخ اهـ فلفظ يعنى بيان لمراد محمد فى ظاهر الرواية، فلا يكون هذا القول خارجا عنها، ولذا قال فى شرح المنية :والصحيح أن عدم التوقيت فيما عدا المأثور لأن الصحابة اتفقوا عليه ولأنه ربما يجرى على اللسان ما يشبه كلام الناس إذا لم يؤقت ثم ذكر اختلاف الألفاظ الواردة فى اللهم إنا نستعينك إلخ .ثم ذكر أن الأولى أن يضم إليه اللهم اهدنى إلخ وأن ما عدا هذين فلا توقيت فيه، ومنه ما عن ابن عمر "أنه كان يقول بعد عذابك الجد بالكفار ملحق :اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی وجہ سے اگر کسی نے دعائے قنوت کا کچھ حصہ یا پوری دعائے قنوت ایک سے زیادہ مرتبہ پڑھ لی تو سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا۔

مسئلہ نمبر ۲...... اگر کسی کو مشہور دعائے قنوت پوری یاد نہیں ہے تو جتنی یاد ہے اتنی پڑھ لے اور اگر بالکل یاد نہیں تو اس کی جگہ

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنُیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ پڑھ لے

یا ’’ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ‘‘ تین بار پڑھ لے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وألف بين قلوبهم، وأصلح ذات بينهم، وانصرهم على عدوک وعدوهم .اللهم العن كفرة الكتاب الذين يكذبون رسلک ويقاتلون أولياء ک .اللهم خالف بين كلمتهم، وزلزل أقدامهم، وأنزل عليهم بأسک الذى لا يرد عن القوم المجرمين "ومنه ما أخرجه الأربعة وحسنه الترمذى أنه - عليه الصلاة والسلام - كان يقول فى آخر وتره :اللهم إنى أعوذ برضاک من سخطک، وبمعافاتک، من عقوبتک، وأعوذ بک منک، لا أحصى ثناء عليک، أنت كما أثنيت على نفسک وغير ذلک من الأدعية التى لا تشبه كلام الناس .ومن لا يحسن القنوت يقول (ربنا آتنا فى الدنيا حسنة) (البقرة: ۲۰۱) الآية .وقال أبو الليث يقول :اللهم اغفر لى يكررها ثلاثا، وقيل يقول :يا رب ثلاثا، ذكره فى الذخيرة .اهـ.أقول :هذا يفيد أن ما فى البحر من قوله ذكر الكرخى أن مقدار القيام فى القنوت مقدار سورة (إذا السماء انشقت)وكذا ذكر فى الأصل اهـ بيان للأفضل، أو هو مبنى على القول بأن القنوت الواجب هو طول القيام لا الدعاء تأمل .هذا، وذكر فى الحلية أن ما مر من أنه -صلى الله عليه وسلم -كان يقول فى آخر وتره اللهم إنى أعوذ برضاک من سخطک إلخ .جاء فى بعض روايات النسائى أنه كان يقوله إذا فرغ من صلاته وتبوأ مضجعه(ردالمحتار، ج۲ ص۶،۷، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

(ثُمَّ يَقْنُتُ فِيهِ) أى فى الوتر وجوباً .لِمَا روى الدَّارَقُطْنِىّ عن سُوَيْد بن غَفَلَة قال :سمعت أبا بكر وعمر وعليّاً ـ رَضِىَ الله عنهم ـ يقولون :قَنَتَ رسول الله صلى الله عليه وسلم فى آخر الوتر، وكانوا يفعلون ذلک .والمواظبة دليل الوجوب، إلَّا أنْ يقوم دليل على عدمه .وقال بعض المحققين :ولم نقف بعد على دليل نقلى فى رفع اليدين والتكبير، ولا على ما يقتضى وجوب القنوت.وأما (قول صاحب الهداية :لقوله عليه الصلاة والسلام للحسن حين علمه دعاء القنوت :) اجعل هذا فى وترک .فلم يوجد فيه لفظ الأمر .وعلى تقدير وجوده لا يدل على الوجوب، لعدم بلوغ الحسن حينئذٍ، فإذا لم يجب على المأمور، لا يجب على غيره .وكذا قوله عليه الصلاة والسلام :لا تُرفع الأيدى إلا فى سبع مواطن لم يَعُدَّ الوتر منها فى الحديث (شرح النقاية،فصلٌ فى الوِتْرِ والنَّوَافِلِ)

وعندى الْقُنُوت والتكبير ثابت كما مر فى الدلائل ولكن كون سنتهما راجح، كماهو قول الصاحبين رحمهماالله .م.ر.ن.

یا پھر ''یَارَبِّ'' تین مرتبہ کہہ لے۔

لیکن جلد از جلد اسے مسنون وماثور دعائے قنوت یاد کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۸...... مشہور دعائے قنوت یعنی ''اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ الخ'' کے ساتھ اگر احادیث میں مذکور دوسری مسنون دعا بھی ملا کر پڑھ لی جائے، تو کوئی حرج نہیں، بلکہ بعض کے نزدیک بہتر ہے۔

اور اگر احادیث میں مذکور کسی دوسری مسنون دعائے قنوت (مثلاً حضرت علی یا حضرت حسن سے مروی دعائے قنوت) کے پڑھنے پر اکتفاء کرے تو بھی کوئی گناہ نہیں، بلکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک دیگر مسنون دعائیں ہی افضل ہیں۔ [2]

---

[1] من لا يحسن القنوت يقول (ربنا آتنا فى الدنيا حسنة) الآية وقال أبو الليث يقول : اللهم اغفر لى يكررها ثلاثا، وقيل يقول :يا رب ثلاثا، ذكره فى الذخيرة اهـ (ردالمحتار، ج۲ ص۷، باب الوتر والنوافل)

ومن لا يحسن القنوت بالعربية أو لا يحفظه ففيه ثلاثة أقوال مختارة قيل يقول يا رب ثلاث مرات ثم يركع وقيل يقول اللهم اغفر لى ثلاث مرات وقيل اللهم ربنا آتنا فى الدنيا حسنة وفى الآخرة حسنة وقنا عذاب النار والظاهر أن الاختلاف فى الأفضلية لا فى الجواز وأن الأخير أفضل لشموله وأن التقييد بمن لا يحسن العربية ليس بشرط بل يجوز لمن يعرف الدعاء المعروف أن يقتصر على واحد مما ذكر لما علمت أن ظاهر الرواية عدم توقيته (البحرالرائق، ج۲ ص۴۵، باب الوتر والنوافل)

وَمَنْ لَا يَقْدِرُ عَلَى هَذَا يَقُولُ :اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ثَلَاثًا وَهُوَ اخْتِيَارُ الْإِمَامِ أَبِي اللَّيْثِ أَوْ يَقُولُ :اللَّهُمَّ (رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ) (البقرة: ۲۰۱) كَمَا فِي مِعْرَاجِ الدِّرَايَةِ (مجمع الانهر، ج ۱ ص ۱۲۹، باب الوتر والنوافل)

ومن لا يحسن دعاء القنوت قال المرغينانى :يقول على وجه الاستحباب اللهم اغفر لى ثلاثا .وفى " الواقعات "و "الذخيرة :"اللهم اغفر لنا ثلاثا أو أكثر، وقيل :يقول يا رب ثلاثا ذكره فى " الذخيرة "، وقيل :يقول ربنا آتنا فى الدنيا حسنة وفى الآخرة حسنة، وهو اختيار بعض المشايخ (البناية شرح الهداية، ج۲ ص۵۰۴، باب صلاة الوتر)

ومن لا يحسن القنوت يقول ربنا آتنا فى الدنيا حسنة إلخ قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى يقول اللهم اغفر لى ويكرر ثلاثاً(فتاویٰ قاضیخان، كتاب الصلاة)

[2] وقال بعض مشايخنا :المراد من قوله ليس فى القنوت دعاء موقت ما سوى قوله اللهم إنا نستعينك؛ لأن الصحابة -رضى الله عنهم -اتفقوا على هذا فى القنوت فالأولى أن يقرأه .ولو قرأ غيره جاز ولو قرأ معه غيره كان حسنا، والأولى أن يقرأ بعده ما علم رسول الله -صلى الله عليه وسلم -الحسن بن على -رضى الله عنهما -فى قنوته اللهم اهدنا فيمن هديت إلى آخره، وقال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ احادیث میں ایک دعائے قنوت اس طرح آئی ہے کہ:

”اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ، وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ، لَا أُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ، أَنْتَ کَمَا أَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ“

ترجمہ: اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں، آپ کی رضا کے ذریعہ سے، آپ کی ناراضگی سے، اور آپ کی معافی کے ذریعہ سے آپ کے عذاب سے، اور میں پناہ چاہتا ہوں، آپ کے ذریعہ سے آپ سے، میں شمار نہیں کرسکتا آپ کی تعریف کو، آپ ویسے ہی ہیں، جیسی کہ آپ نے اپنی تعریف فرمائی ہے (سنن نسائی) [1]

اور ایک دعائے قنوت اس طرح آئی ہے کہ:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بعضهم :الأفضل فی الوتر أن يكون فيه دعاء موقت؛ لأن الإمام ربما يكون جاهلا فيأتی بدعاء يشبه كلام الناس فيفسد الصلاة، وما روی عن محمد أن التوقيت فی الدعاء يذهب رقة القلب محمول علی أدعية المناسک دون الصلاة لما ذكرنا(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۷۳ ،فصل فی القنوت)

ولو قرأ غيره جاز ولو قرأ معه غيره كان حسنا والأولی أن يقرأ بعده ما علمه رسول الله صلی الله عليه وسلم الحسن بن علی فی قنوته اللهم اهدنی فيمن هديت إلی آخره(البحر الرائق، ج ۲ ص ۴۵، باب الوتر والنوافل)

واختلف الفقهاء فيما يقنت به من الدعاء . فقال الكوفيون ومالک ليس فی القنوت دعاء موقت ولكنهم يستحبون ألا يقنت إلا بقولهم اللهم إنا نستعينک ونستهديک ونستغفرک ونؤمن بک ونخنع لک ونخلع ونترک من يكفرک اللهم إياک نعبد ولک نصلی ونسجد وإليک نسعی ونحفد نرجوا رحمتک ونخشی عذابک الجد إن عذابک بالكافرين ملحق ، وهذا يسميه العراقيون السورتين ويرون أنها فی مصحف أبی بن كعب وقال الحسن بن حی والشافعی وإسحاق بن راهويه يقنت باللهم اهدنی فيمن هديت وعافنی فيمن عافيت وتولنی فيمن توليت اللهم قنی شر ما قضيت وبارک لی فيما أعطيت فإنک تقضی بالحق ولا يقضی عليک وأنه لا يذل من واليت تباركت ربنا وتعاليت ، وهذا يرويه الحسن بن علی من طرق ثابتة أن رسول الله صلی الله عليه وسلم علمه هذا الدعاء يقنت به فی الصلاة ، وقال عبد الله بن داود من لم يقنت بالسورتين فلا تصل خلفه ، قال أبو عمر هذا خطأ بين وخلاف للجمهور وللأصول(الاستذكار، باب القنوت فی الصبح)

[1] رقم الحديث ۱۷۴۷ ،كتاب قيام الليل وتطوع النهار،باب الدعاء فی الوتر، ابوداؤد، رقم الحديث ۱۴۲۷ ، سنن ترمذی، رقم الحديث ۳۵۶۶، باب فی دعاء الوتر ، مسند احمد، رقم الحديث ۷۵۱.

”اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ، وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا أَعْطَیْتَ، وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ، إِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ، وَإِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ، وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ“

ترجمہ: یااللہ! مجھے ہدایت دیجیے اُن لوگوں میں جن کو آپ نے ہدایت عطا فرمائی، اور عافیت دیجیے مجھے ان لوگوں میں جن لوگوں کو آپ نے عافیت عطا فرمائی، اور کارسازی فرمایئے، میری اُن لوگوں میں جن کی آپ نے کارسازی فرمائی، اور برکت عطا فرمایئے مجھے اُن چیزوں میں جو آپ نے مجھے عطا فرمائیں، اور حفاظت فرمایئے میری اُن چیزوں کے شَر سے جن کا آپ نے فیصلہ فرمایا، بے شک آپ ہی فیصلہ کرنے والے ہیں، اور آپ کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، بے شک جس کی آپ مدد فرمائیں، وہ ذلیل نہیں ہوسکتا، اور جس سے آپ بیزاری فرمائیں، وہ کبھی عزت نہیں پاسکتا، آپ بابرکت ہیں، ہمارے رب ہیں، اور بلند و بالا ہیں (ابوداؤد) [1]

مسئلہ نمبر۲۹...... وتر کی نماز میں دعائے قنوت سے پہلے، تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کہنے کے واجب یا سنت ہونے میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔

لہٰذا اگر یہ تکبیر بھولے سے چھوٹ جائے، تو سجدۂ سہو نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے، اور اگر کوئی کرلے، تو احتیاط ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۴۲۵، باب القنوت فی الوتر، واللفظ لہٗ، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۲۷۰۱، سنن البیھقی، رقم الحدیث ۳۱۳۸، معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم، رقم الحدیث ۱۷۶۱، مسند احمد، رقم الحدیث ۱۷۱۸، ترمذی، رقم الحدیث ۴۶۴، سنن نسائی، رقم الحدیث ۱۷۴۵.

[2] (قولہ وکذا تکبیر قنوتہ) أی الوتر. قال فی البحر فی باب سجود السھو: ومما ألحق بہ: أی بالقنوت تکبیرہ؛ وجزم الزیلعی بوجوب السجود بترکہ: وذکر فی الظھیریۃ أنہ لو ترکہ لا روایۃ فیہ، وقیل یجب السجود اعتبارا بتکبیرات العید، وقیل لا. اھ. وینبغی ترجیح عدم الوجوب لأنہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۰...... رکوع سے پہلے دعائے قنوت کے وقت میں جو تکبیر کہی جاتی ہے، حنفیہ کے نزدیک وہ تکبیر دعائے قنوت کے افتتاح کے لئے ہے، اس لئے اس تکبیر کے وقت میں ہاتھ اٹھانے کی وہی کیفیت ہوگی، جو تکبیرِ تحریمہ کے وقت میں ہوتی ہے۔

بعض لوگ دعائے قنوت کے لئے ہاتھ اٹھاتے وقت پہلے دونوں ہاتھ نیچے چھوڑتے ہیں پھر اَللّٰہُ اَکْبَر کے لئے کانوں تک دونوں ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

شرعاً اس کی ضرورت نہیں بلکہ نیچے لے جائے بغیر اٹھالینا کافی ہے۔ ؎۲

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾ الأصل، ولا دليل عليه، بخلاف تكبيرات العيد ا هـ (قوله وتكبيره ركوع الثالثة زيلعي) كذا عزاه إلى الزيلعي في النهر، وتبعه الشارح .قال السيد أبو السعود في حواشي مسكين في باب سجود السهو :قال شيخنا :هذا سهو لعدم وجوده في الزيلعي، لا في الصلاة ولا في السهو، ولعله سبق نظره إلى ما ذكره الزيلعي بقوله ولو ترك التكبيرة التي بعد القراء ة قبل القنوت سجد للسهو، فتوهم أن هذه تكبيرة الثالثة من الوتر وليس كذلك.وإنما هي تكبيرة القنوت اهـ وكذا نبه الرحمتي على أنه لم يجده فيه(رد المحتار على الدر المختار، ج ا ص ۴۶۸، ۴۶۹، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة)

ولو ترك التكبيرة التي بعد القراء ة قبل القنوت سجد للسهو ولأنها بمنزلة تكبيرات العيد كذا في التبيين(الفتاوى الهندية ،ج ا ص ۱۲۸ ،كتاب الصلاة،الباب الثاني عشر في سجود السهو)

وكذلك يجب سجود السهو في ترك التكبير الأولى، في القنوت (وعليه المحققون من) أصحابنا(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج ا ص ۵۰۱، كتاب الصلاة،الفصل السابع عشر في سجود السهو،نوع في بيان ما يجب به سجود السهو وما لا يجب)

قوله :وقنوتُ الوتر؛ القنوت لغة؛ مطلقُ الدعاء ، وهو المرادُ هاهنا لا خصوصُ الدعاء الذي تقرأه أكثرُ الحنفيَّة من :اللهم إنّا نستعينكُ ونستغفرك الخ؛ فإنّ الواجبَ هو قراءةُ مطلقِ الدعاءِ في الركعةِ الآخرةِ من الوتر .كذا في غنية المستملي وغيره، وفي الاكتفاءِ عليه إشارةٌ إلى أنَّ رفعَ اليدين عند القنوتِ والتكبيرُ عند ابتدائهِ ليس بواجب، وهو الصحيح، كما حقَّقه صاحب البحر وغيره(عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية،كتابُ الصَّلاة)

وقَبلَ رُكُوعِ الثَّالِثَةِ يُكَبِّرُ) أي استحباباً (رَافِعًا يَدَيْهِ) أي حِذَاء أذنيه، لأن الحالة قد اختلفت(شرح النقاية،فصلٌ في الوِتْرِ والنَّوَافِلِ)

؎۲ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ سُلَيْمَانَ ,عَنْ أَبِيهِ ,عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ ,عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ قَالَ " :تُرْفَعُ الْأَيْدِي فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ :فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ,وَفِي التَّكْبِيرِ لِلْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ ,وَفِي الْعِيدَيْنِ ,وَعِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ ,وَعَلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ,وَبِجَمْعٍ وَعَرَفَاتٍ ,وَعِنْدَ الْمَقَامَيْنِ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ "قَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ :فَأَمَّا فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ فِي الْعِيدَيْنِ ,وَفِي الْوِتْرِ ,وَعِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ ,فَيَجْعَلُ ظَهْرَ كَفَّيْهِ إِلَى وَجْهِهِ ,وَأَمَّا

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

مسئلہ نمبر ۱۳۱...... وتر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے وقت مناسب یہ ہے کہ دونوں ہاتھ آگے باندھ کر رکھے جائیں، اور اگر کوئی چھوڑ کر رکھے، تو بھی گناہ نہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فِی الثَّلَاثِ الْأُخَرِ ,فَيَسْتَقْبِلُ بِبَاطِنِ كَفَّيْهِ وَجْهَهُ فَأَمَّا مَا ذَكَرْنَا فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ,فَقَدِ اتَّفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى ذَلِكَ جَمِيعًا وَأَمَّا التَّكْبِيرَةُ فِي الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ ,فَإِنَّهَا تَكْبِيرَةٌ زَائِدَةٌ فِي تِلْكَ الصَّلَاةِ ,وَقَدْ أَجْمَعَ الَّذِينَ يَقْنُتُونَ قَبْلَ الرُّكُوعِ عَلَى الرَّفْعِ مَعَهَا فَالنَّظَرُ عَلَى ذَلِكَ ,أَنْ يَكُونَ كَذَلِكَ كُلُّ تَكْبِيرَةٍ زَائِدَةٍ فِي كُلِّ صَلَاةٍ ,فَتَكْبِيرُ الْعِيدَيْنِ الزَّائِدُ فِيهَا عَلَى سَائِرِ الصَّلَاةِ ,كَذَلِكَ أَيْضًا وَأَمَّا عِنْدَ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ ,فَإِنَّ ذَلِكَ جُعِلَ تَكْبِيرًا يُفْتَتَحُ بِهِ الطَّوَافُ ,كَمَا يُفْتَتَحُ بِالتَّكْبِيرِ الصَّلَاةُ وَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا(شرح معانی الآثار،تحت حديث رقم ۳۸۲۵،بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْبَيْتِ)

(وإذا أراد أن يقنت كبر) ش :يعنى مصلى الوتر إذا فرغ من القراءة فى الركعة الثالثة كبر، خلافا لبعض أصحاب الشافعي .وقال أحمد :إذا قنت قبل الركوع كبر ثم أخذ فى القنوت .قال فى " المغنى "لابن قدامة، وقد روى عن عمر -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -أنه كان إذا فرغ من القراءة كبر، ومن يقنت بعد الركوع يكبر حين يركع، ونقل عن المزنى أنه قال :زاد أبو حنيفة تكبيرة فى القنوت لم تثبت فى السنة ولا دل عليها قياسه، وقال أبو نصر الأقطع :هذا خطأ منه، فإن ذلك روى عن على وابن عمر والبراء بن عازب -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ -والقياس يدل عليه أيضا، وأشار إليه المصنف بقوله م :(لأن الحالة قد اختلفت) ش :أى لأن حالة المصلى قد اختلفت؛ لأنه كان فى حالة قراءة القرآن ثم ينتقل إلى حالة قراءة القنوت والحالتان مختلفتان، والتكبير فى الصلاة عند اختلاف الحالة مشروع كما فى حال الانتقال من القيام إلى الركوع ومن القومة إلى السجود.فإن قلت :كان ينبغى أن يكبر بين الثناء والقراءة لاختلاف الحالة .قلت :الثناء مكمل للتكبير؛ لأنه يجانسه لكونه ثناء، وأما القنوت فواجب فيفرد بحكم على حدة، ولأن رفع اليد ثبت بالحديث الذى يأتى الآن وأنه غير مشروع بلا تكبير كما فى تكبيرة الافتتاح وتكبيرات العيدين(البناية شرح الهداية، ج۲ص۴۹۲، باب صلاة الوتر)

والثالث رفع اليدين عند القنوت ففى قول ابى حنيفة واحدى الروايتين عن ابى يوسف ومحمد يرفع فى الوتر اليدين كما يرفع فى الافتتاح.وفى قول ابى عبد الله واحدى الروايتين عن ابى يوسف وقول مالک لا يرفع ولكن يقلبها للدعاء القنوت قبل الركوع او بعده(النتف فى الفتاوىٰ، ج۱ص۱۰۳،۱۰۴، كتاب الصلاة،رفع اليدين عند القنوت)

۱؎ والأصل أن كل قيام فيه ذكر مسنون يعتمد فيه وما لا فلا هو الصحيح، فيعتمد فى حالة القنوت وصلاة الجنازة، ويرسل فى القومة وبين تكبيرات الاعياد(الهداية شرح البداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

والصحيح ما قاله شمس الأئمة الحلوانى وهو الذى أشار إليه فى الكتاب أن كل قيام فيه ذكر مسنون، فالسنة فيه الاعتماد كما فى حالة الثناء والقنوت وصلاة الجنازة، وكل قيام ليس فيه ذكر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۴...... وتر کی نماز تنہا بغیر جماعت کے پڑھنے والے شخص کو بلند آواز سے سورہ فاتحہ اور دوسری سورت کی قرائت کرنا جائز ہے، اور جہاں تک دعائے قنوت کا مسئلہ ہے، تو افضل یہ ہے کہ دعائے قنوت آہستہ آواز میں پڑھے، اور اگر کبھی اونچی آواز میں پڑھ لے، تو بھی گناہ نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مسنون فالسنة فيه الإرسال فيرسل فی القومة عن الركوع وبين تكبيرات الأعياد، وبه كان يفتی شمس الأئمة السرخسی وبرهان الأئمة والصدر الشهيد .وذكر فی فتاوى قاضی خان :وكلما فرغ من التكبير يضع يده اليمنى على اليسرى تحت السرة، وكذا فی تكبيرات العيد وتكبيرات الجنازة والقنوت ويرسل فی القومة(العناية ، ج ا ص ۲۸۸، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

(ووقت) قراء ة (الثناء) فی سائر الصلوات (و) وقت قراء ة (القنوت) فی الوتر (يأخذ اليد باليد على قول أكثر المشايخ) اختيارا منهم لقول أبی حنيفة وأبی يوسف رحمهما الله وعند أبی حفص الفضلی يرسل فی جميع ذلک اختيارا منه لقول محمد رحمه الله(منية المصلی، كتاب الصلاة)

واختلفوا أنه يرسل يديه فی القنوت أم يعتمد والمختار أنه يعتمد .هكذا فی فتاوى قاضی خان (الفتاوى الهندية، ج ا ص ۱۱۱،كتاب الصلاة، الباب الثامن فی الوتر)

يضع يديه فی القنوت وصلاة الجنازة عندهما؛ لأن فيهما ذكرا مسنونا (خلافا له) أی لمحمد فيرسل فيهما عنده لعدم القراء ة(مجمع الانهر، ج ا ص ۹۴، باب صفة الشروع فی الصلاة)

[1] اقول: الوترداخل فی صلاة الليل، ويجوز فی صلاة الليل الجهرفی القراء ة.محمد رضوان.

(وخير المنفرد) بين الجهر والإخفاء (فی نفل الليل) ؛ لأن النوافل أتباع الفرائض لكونها مكملات لها فيخير فيها كما يخير فی الفرائض، وإن كان إماما جهر لما ذكر من أنها أتباع الفرائض؛ ولهذا يخفی فی نوافل النهار، ولو كان إماما .(وفی الفرض الجهری إن كان فی وقته) أی إذا أراد المنفرد أداء الجهری خير إن شاء جهر لكونه إمام نفسه، وإن شاء خافت؛ إذ ليس خلفه من يسمعه.(وفضل الجهر) ليكون الأداء على هيئة الجماعة وروى أن من صلى على تلک الهيئة صلت بصلاته صفوف من الملائكة(مجمع الانهر، ج ا ص ۱۰۳ ، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی احكام القراء ة فی الصلاة)

والمنفرد إن شاء جهر ، وإن شاء خفت(الاختيار لتعليل المختار،كتاب الصلاة،فصل فی التراويح)

وأما صفة دعاء القنوت من الجهر والمخافتة فقد ذكر القاضی فی شرحه مختصر الطحاوی أنه إن كان منفردا فهو بالخيار إن شاء جهر وأسمع غيره وإن شاء جهر وأسمع نفسه وإن شاء أسر كما فی القراء ة وإن كان إماما يجهر بالقنوت لكن دون الجهر بالقراء ة فی الصلاة والقوم يتابعونه هكذا إلی قوله إن عذابک بالكفار ملحق، وإذا دعا الإمام بعد ذلک هل يتابعه القوم؟ ذكر فی الفتاوى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳۴۳...... جماعت سے وتر پڑھے جانے کی صورت میں حنفیہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ آواز میں دعائے قنوت پڑھیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اختلافا بین أبی یوسف ومحمد، فی قول أبی یوسف یتابعونه ویقرء ون وفی قول محمد لا یقرء ون ولکن یؤمنون، وقال بعضهم إن شاء القوم سکتوا (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۷۴،فصل فی القنوت)

وأما الثانی فعن محمد یقنت الإمام ویسکت المقتدی، وهذا کقول بعضهم فی القنوت یتحمله الإمام عن المقتدی کالقراء ۃ ویجهر به، والأصح أنه یقنت کالإمام، ثم هل یجهر به الإمام؟ اختاره أبو یوسف فی روایة ویتابعونه إلی بالکفار ملحق، وإذا دعا الإمام :یعنی اللهم اهدنی فیمن هدیت أو غیره بعد ذلک هل یتابعونه؟ ذکر فی الفتاوی خلافا بین أبی یوسف ومحمد فی قول محمد لا ولکن یؤمنون، وقال بعضهم :إن شاء وا سکتوا، وقال الشیخ أبو بکر محمد بن الفضل :عندی یخفی الإمام، وکذا المقتدی لأنه ذکر کسائر الأذکار وثناء الافتتاح...........وأما المنفرد ففی البدائع نقلا عن شرح مختصر الطحاوی للقاضی أنه مخیر فیه بین الجهر والإخفاء کالقراء ۃ، والذی یقتضیه اختیار من اختار الإخفاء ، واختار المصنف تبعا لابن الفضل -رحمه الله -الإخفاء وهو الأولی، وفی الحدیث خیر الذکر الخفی ولأنه المتوارث فی مسجد أبی حفص الکبیر وهو من أصحاب محمد فهو ظاهر فی أنه علمه من محمد فی القنوت(فتح القدیر ج ۱ ص۴۳۸، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الوتر)

السادس :إنه یجهر بالقنوت أو یخافت به وقع فی بعض الکتب أن علی قول محمد رحمه الله یخافت؛ لأنه دعاء والسبیل فی الدعاء الإخفاء ، علی قول أبی یوسف رحمه الله یجهر به لما روی عن رسول الله صلی الله علیه وسلّمأنه کان یجهر به، حتی روی أن الصحابة رضی الله عنهم تعلموا القنوت فی قراء ۃ رسول الله علیه السلام، ووقع فی بعض الکتب الخلاف علی عکس هذا علی قول أبی یوسف رحمه الله (کانت) به، وعلی قوله محمد رحمه الله یجهر به وذکر القاضی الإمام علاء الدین المعروف ....رحمه الله فی شرح المختلفات :أن المنفرد یخافت بالقنوت، والإمام یخافت عند بعض المشایخ .منهم :الشیخ الإمام أبو بکر بن محمد الفضل، والشیخ الإمام أبو حفص الکبیر رحمه الله فلولا علم فی إشارة محمد بن الحسن رحمة الله علیه :أنه من سنّته المخافتة وإلا لما خالف أستاذه، وهذا لأنه دعاء علی الحقیقة وخیر الدعاء الخفی قال رحمه الله، وقد کانوا یستحسنون الجهر فی بلاد العجم، لیتعلموا کما جهر عمر رضی الله عنه إلینا حین قدم وفد العراق، وقال بعض مشایخ زماننا إن کان الغالب فی الفقه أنهم لا یعلمون دعاء القنوت،فالإمام یجهر به لیتعلموا منه .وقد صح عن رسول الله صلی الله علیه وسلّمجهر به، والصحابة تعلموا القنوت فی قراء ته، وإن کان الغالب فیهم أنهم یعلمون یخفی به، لأنه دعاء ، والسبیل فی الدعاء الخفیة، وقال بعض المشایخ :یجب أن یجهر به، لأن له شبهاً بالقرآن، فإن الصحابة رضوان الله علیهم اختلفوا فیه، قال بعضهم هما سورتان من القرآن ویجهر بما هو فرض علی الحقیقة، فکذا بما له نسبة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کوئی امام جہری آواز میں دعائے قنوت پڑھے، تاکہ مقتدیوں کو بھی دعائے قنوت یاد ہوجائے، تو بھی بعض کے نزدیک گنجائش ہے، اس صورت میں مقتدی کو دعائے قنوت پڑھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ وہ امام کی دعا کے ساتھ آہستہ آواز میں آمین کہتا رہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالقرآن، وقال صاحب شرح الطحاوی :الإمام یجهر بالقنوت، ویکون ذلک الجهر دون الجهر بالقراءة فی الصلاة.السابع :فی بیان المقتدی هل یقرأ القنوت؟ذکر القاضی الإمام عز الدین فی شرح المختلفات :إن علی قول أبی یوسف رحمه الله :یقرأ، وعلی قول محمد رحمه الله :لا یقرأ، وهکذا ذکر فی الفتاوی ، وذکر فی موضع آخر أن القوم یؤمنون عند محمد رحمه الله ویسکتون، عند أبی یوسف رحمه الله القوم بالخیار إن شاؤوا قرأوا، وإن شاؤوا سکتوا .وقال محمد رحمه الله: إن شاؤوا قرؤوا وإن شاؤوا أمنوا لدعائه، وذکر الطحاوی رحمه الله :أن القوم یتابعونه إلی قوله؛ إن عذابک بالکفار ملحق، فإذا دعا الإمام، فعند أبی یوسف رحمه الله یتابعونه، وعند محمد رحمه الله یؤمنون(المحیط البرهانی، ج ا ص ۴۷۱، ۴۷۲، الفصل الثالث عشر فی التراویح والوتر)

[1] قال أبو یوسف :إذا قنت فی الوتر لا یجهر ، ویقنت المقتدی أیضا لأنه دعاء ، والأفضل فیه الإخفاء .وقال محمد :یجهر الإمام ویؤمن المأموم ، ولا یقرأ لشبهه بالقرآن ، واختلاف الصحابة هل هو منه أم لا ؟والمنفرد إن شاء جهر ، وإن شاء خفت(الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الصلاة،فصل فی التراویح)

والمختار فی القنوت الإخفاء فی حق الإمام والقوم،هکذا فی النهایة ویخافته المنفرد وهو المختار: کذا فی شرح مجمع البحرین لابن ملک(الفتاوی الهندیة، ج ا ص ۱۱۱، کتاب الصلاة، الباب الثامن فی الوتر)

(قوله ویتبع المؤتم قانت الوتر) وقال محمد لا یأتی به المأموم بل یؤمن لأن للقنوت شبهة القرآن لاختلاف الصحابة فی قوله اللهم إنا نستعینک أنه من القرآن أو لا فأورث شبهة وهو لا یقرأ حقیقة القرآن فکذا ما له شبهة والمختار ما فی الکتاب کما فی المحیط وغیره وصححوه لأنه دعاء حقیقة کسائر الأدعیة والثناء والتشهد والتسبیحات وظاهر الروایة أنه لا یکره قراءته للجنب لأنه لیس بقرآن وعلیه الفتوی کما فی الولوالجیة(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۲ ص۴۸، باب الوتر والنوافل، القنوت فی غیر الوتر)

ولم یقید المصنف القنوت بالمخافتة للاختلاف فیه قال فی الذخیرة استحسنوا الجهر فی بلاد العجم للإمام لیتعلموا کما جهر عمر -رضی الله عنه -بالثناء حین قدم علیه وفد العراق ونص فی الهدایة علی أن المختار المخافتة وفی المحیط علی أنه الأصح وفی البدائع واختار مشایخنا بما وراء النهر الإخفاء فی دعاء القنوت فی حق الإمام والقوم جمیعا لقوله تعالی (ادعوا ربکم تضرعا وخفیة) (الأعراف:۵۵) وقول النبی -صلی الله علیه وسلم -خیر الدعاء الخفی وهو مروی فی صحیح ابن حبان وفصل بعضهم بین أن یکون القوم لا یعلمونه فالأفضل للامام الجهر لیتعلموا وإلا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۴...... اگر کسی نے امام کی اقتداء میں وتر کی نماز پڑھی، اور مقتدی نے دعائے قنوت نہیں پڑھی، تو اس مقتدی کی نماز درست ہوجائے گی، اور سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہوگی۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۳۵...... اگر کوئی وتر میں دعائے قنوت بھول جائے، اور رکوع میں چلا جائے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر سجدۂ سہو واجب ہے، اگرچہ وہ رکوع سے اٹھ کر دوبارہ دعائے قنوت پڑھ لے (کیونکہ رکوع میں چلے جانے سے اس کا محلِ وجوب فوت ہوجاتا ہے) [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فالإخفاء أفضل كما فى الذخيرة ومن اختار الجهر به أن يكون دون جهر القراء ة كما فى منية المصلى(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ص ۴۶،باب الوتر والنوافل)

واختلفوا أنه هل يجهر فى القنوت أم يخافت ويتحمله الإمام عن المقتدى أو لا يتحمل لم يذكر هذا فى ظاهر الرواية وعن أبى يوسف رحمه الله تعالى أن الإمام يجهر بالقنوت ويتخير المؤتم إن شاء قرأ وإن شاء خافت الشيخ وقال أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى عندى أن يخفى الإمام وكذا المقتدى لأنه ذكر كسائر الأذكار وثناء الافتتاح وتكبيرات الركوع والسجود وبعضهم جعل القنوت بمنزلة القراء ة يتحمله الإمام عن المقتدى (فتاویٰ قاضيخان، كتاب الصلاة)

(ويتبع المؤتم قانت الوتر) أى يتبع المقتدى الإمام القانت فى الوتر فى قنوته ويخفى هو والقوم ؛ لأنه دعاء وقيل يجهر الإمام ، ذكره فى المفيد وقيل عند محمد يقنت الإمام دون المؤتم كما لا يقرأ والصحيح الأول لأن اختلافهم فى الفجر مع كونه منسوخا دليل على أنه يتابعه فى قنوت الوتر لكونه ثابتا بيقين فصار كالثناء والتشهد والدعاء بعده وتسبيحات الركوع والسجود وفى نوادر ابن رستم رفع الإمام والمأموم صوتهما فى قنوت الوتر أحب إلى (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،ج ۱ ص ۱۷۱ ،باب الوتر والنوافل)

[۱] (قوله ويأتى المأموم إلخ) هذا من المسائل الخمس الآتية التى يفعلها المؤتم إن فعلها الإمام، وما مشى عليه المصنف تبعا للكنز هو المختار كما فى البحر عن المحيط .وعبارة المحيط كما فى الحلية قال أبو يوسف :يسن أن يقرأ المقتدى أيضا، وهو المختار، لأنه دعاء كسائر الأدعية .وقال محمد :لا يقرأ بل يؤمن لأن له شبهة القرآن احتياطا اهـ .وهو صريح فى أنه سنة للمقتدى لا واجب، إلا أن يكون مبنيا على ما مر عن البحر من أن القنوت سنة عندهما(ردالمحتار، ج۲ص۸، باب الوتر والنوافل)

[۲] اگر کوئی شخص وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت بھول گیا تو اس کی چار صورتیں ہیں:

(۱)...... رکوع میں دعائے قنوت پڑھ لی (۲)...... رکوع چھوڑ کر کھڑا ہوگیا اور دعائے قنوت پڑھ کر دوبارہ رکوع کیا (۳)...... دوبارہ رکوع نہیں کیا (۴)...... دعائے قنوت نہ رکوع میں پڑھی اور نہ رکوع کے بعد کھڑے ہوکر پڑھی۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۶ ...... اگر وتر کی تیسری رکعت میں امام دعائے قنوت بھول کر رکوع میں چلا گیا، تو اسے چاہئے کہ دوبارہ قیام کی طرف لوٹ کر نہ آئے، اور نماز جاری رکھے، اور آخر میں سجدۂ سہو کرے، لیکن اگر (خود سے یا مقتدیوں کی طرف سے یاددھیانی کرانے پر) قیام کی طرف

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ان چاروں صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سجدۂ سہو واجب ہے، لیکن دعائے قنوت بھول کر رکوع میں چلا جائے تو دوبارہ کھڑے ہو کر قنوت نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ اسی طرح سجدۂ سہو کر کے نماز مکمل کر لینی چاہئے۔

اور یہ تفصیل قنوت کے واجب قرار دینے کی صورت میں ہے، اور جو حضرات قنوت کو واجب قرار نہیں دیتے، بلکہ سنت قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک ترکِ قنوت سے سجدۂ سہو واجب نہیں۔

قلت أَرَأَيْت رجلا نسى الْقُنُوت فِي الْوتر وَذكر ذَلِک بعد مَا رفع رَأسه من الرُّكُوع هَل يقنت قَالَ لَا لَيْسَ عَلَيْهِ قنوت بعد الرُّكُوع .قلت فَهَل عَلَيْهِ سجدتا السَّهْو قَالَ نعم قلت فَإِن قنت بعد مَا رفع رَأسه من الرُّكُوع هَل يسْقط عَنهُ سجدتا السَّهْو قَالَ لَا قلت لم جعلت عَلَيْهِ سَجْدَتى السَّهْو فِي ترک الْقُنُوت وَلَا تجعلهما عَلَيْهِ فِي ترک التَّكْبِير فِي أَيَّام التَّشْرِيق قَالَ لِأَن الْقُنُوت عِنْدِي بِمَنْزِلَة التَّشَهُّد قلت فَمَا لَک لم تجْعَل عَلَيْهِ أَن يقنت بعد الرُّكُوع قَالَ لِأَن مَوضِع الْقُنُوت قبل الرُّكُوع فَإِذا لم يقنت فِي مَوْضِعه لم يكن عَلَيْهِ إِعَادَة وَكَانَ عَلَيْهِ سجدتا السَّهْو إِذا فعل ذَلِک نَاسِيا قلت فَإِن فعل ذَلِک مُتَعَمدا قَالَ قد أَسَاء وَلَا شَيْء عَلَيْهِ(الأصل المعروف بالمبسوط، ج ۱ ص ۲۵۴ ،فِي الإِمَام يحدث فَيقدم من فَاتَتْهُ رَكْعَة)

ومنها إذا نسى القنوت حتى ركع ثم تذكر فى الركوع فإنه يمضى على ركوعه ولا يعود إلى القيام ليقنت ،وروى عن أبى يوسف أنه يعود إلى القيام ويقنت كما إذا ترک الفاتحة أو السورة ناسيا وركع فله أن يعود إلى القيام ويقرأها،والصحيح هو الأول(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ۱ ص ۲۰۵، باب صلاة الوتر)

وأما حكم القنوت إذا فات عن محله فنقول :إذا نسى القنوت حتى ركع ثم تذكر بعد ما رفع رأسه من الركوع لا يعود ويسقط عنه القنوت وإن كان فى الركوع فكذلک فى ظاهر الرواية.

وروى عن أبى يوسف فى غير رواية الأصول أنه يعود إلى القنوت؛ لأنه له شبها بالقراء ة فيعود كما لو ترک الفاتحة أو السورة(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۷۴، كتاب الصلاة، فصل فى القنوت)

إذا نسى القنوت حتى ركع فذكر فى الركوع، ففى أصحابنا عنه روايتان نسى القنوت، وتذكر فى الركوع فى رواية يعود إلى القيام ويقنت؛ لأن الركوع له حكم القيام الأولى أنه لو أدرک الإمام فى الركوع كان مدركاً للركعة، وهى رواية أخرى يمضى على ركوعه، ولا يرفع رأسه للقنوت؛ لأنها شىء فائت عن وقتها فتسقط بخلاف تكبيرات العيد إذا تذكرها فى الركوع، فإنها لا تسقط.

والفرق :أن محل القنوت القيام المحض، فكذا محل القنوت، ولا يمكن أن يأتى به فى الركوع؛ لأن الركوع ليس بمحله ولا يمكن نقض الركوع لأجله؛ لأن الركوع فرض والقنوت سنّة، ولا يجوز نقض الفرض لأداء السنّة(المحيط البرهانى، ج ۱ ص ۴۷۱، الفصل الثالث عشر فى التراويح والوتر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لوٹ کرآ گیا، اوراس نے دعائے قنوت پڑھ کر دوبارہ رکوع کیا، تو بھی نماز ہوجائے گی، اور آخر میں سجدۂ سہو بھی کرے گا، مگراس صورت میں جو نیا مقتدی امام کے ساتھ دوسرے رکوع میں آ کرشریک ہوا، اس کی یہ رکعت معتبر نہیں ہوگی اور اُسے بعد میں تینوں رکعتیں پڑھنی پڑیں گی، کیونکہ امام کے رکوع کا فریضہ پہلی دفعہ کے رکوع سے ادا ہو چکا تھا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما حكمه إذا فات محله فنقول إذا نسى القنوت حتى ركع ثم تذكر فإن كان بعد رفع الرأس من الركوع لا يعود وسقط عنه القنوت وإن تذكره فى الركوع فكذلك فى ظاهر الرواية كما فى البدائع وصححه فى الخانية وعن أبى يوسف أنه يعود إلى القنوت لشبهه بالقرآن كما لو ترك الفاتحة أو السورة فتذكرها فى الركوع أو بعد رفع الرأس منه فإنه يعود وينتقض ركوعه والفرق على ظاهر الرواية أن نقض الركوع فى المقيس عليه لا كماله لأنه يتكامل بقراء ة الفاتحة والسورة لكونه لا يعتبر بدون القراء ة أصلا وفى المقيس ليس نقضه لا كماله لأنه لا قنوت فى سائر الصلوات والركوع معتبر بدونه فلو نقض لكان نقض الفرض للواجب كذا فى البدائع فإن عاد إلى القيام وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلاته لأن ركوعه قائم لم يرتفض بخلاف المقيس عليه لأن بعوده صارت قراءة الكل فرضا والترتيب بين القراء ة والركوع فرض فارتفض ركوعه فلو لم يركع بطلت فلو ركع وأدركه رجل فى الركوع الثانى كان مدركا لتلك الركعة وإنما لم يشرع القنوت فى الركوع مثل تكبيرات العيد إذا تذكرها فى حال الركوع حيث يكبر فيه لأنه لم يشرع إلا فى محض القيام غير معقول المعنى فلا يتعدى إلى ما هو قيام من وجه دون وجه وهو الركوع وأما تكبيرات العيد فلم تختص بمحض القيام لأن تكبيرة الركوع يؤتى بها فى حال الانحطاط وهى محسوبة من تكبيرات العيد بإجماع الصحابة(البحرالرائق، ج۲ ص۴۵، ۴۶، باب الوتر والنوافل)

ولو نسى القنوت فتذكر فى الركوع فالصحيح أنه لا يقنت فى الركوع ولا يعود إلى القيام .هكذا فى التتارخانية فإن عاد إلى القيام وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلاته .كذا فى البحر الرائق أما إذا رفع رأسه من الركوع ثم تذكر فإنه لا يعود إلى قراء ة ما نسى بالاتفاق .كذا فى المضمرات(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۱۱، الباب الثامن فى صلاة الوتر)

[1] ولو نسى القنوت فتذكر فى الركوع فيه روايتان والصحيح أنه لا يقنت فى الركوع ولا يعود إلى القيام فإن عاد إلى القيام وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلاته لأن ركوعه قائم لم يرتفض (فتاوىٰ قاضيخان، كتاب الصلاة)

وهذا كله بخلاف ما لو تذكر القنوت فى الركوع فالصحيح أنه لا يعود، ولو عاد وقنت لا يرتفض ركوعه وعليه السهو لأن القنوت إذا أعيد يقع واجبا لا فرضا كما فى شرح المنية، وأما إذا عاد لقراءة سورة أخرى فلا يرتفض ركوعه كما قدمناه لأنه وقع بعد قراء ة تامة فكان فى موقعه وكان عوده إلى القراء ة غير مشروع كما إذا عاد إلى القنوت بل أولى، والله أعلم (ردالمحتار، ج۲، ص ۸۱، باب سجود السهو)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۷...... امام نے وتر کی تیسری رکعت میں بھولے سے دعائے قنوت پڑھنے کے بجائے رکوع کر دیا اور امام رکوع سے واپس لوٹ کر نہیں آیا جس پر بعض مقتدیوں نے امام کے ساتھ رکوع کیا بعض نے کچھ دیر بعد (خواہ امام کے رکوع سے اُٹھنے کے بعد) رکوع کیا اور بعض نے بالکل رکوع نہیں کیا، اور امام نے بعد میں سجدۂ سہو کر کے نماز مکمل کی، تو اس صورت میں امام اور ان مقتدیوں کی نماز تو صحیح ہو جائے گی جنہوں نے امام کے ساتھ یا امام کے رکوع کے بعد رکوع کر لیا، لیکن ایسے مقتدیوں کی نماز صحیح نہیں ہوگی جنہوں نے بالکل سرے سے رکوع نہیں کیا (نہ امام کے ساتھ اور نہ امام کے رکوع کے بعد) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ لو تذكر الفاتحة أو السورة حيث يعود وينتقض ركوعه لأن بعوده صارت قراء ة الكل فرضا والترتيب بين القراء ة والركوع فرض فارتفض ركوعه، فلو لم يركع بطلت، ولو ركع وأدركه رجل فى الركوع الثانى كان مدركا لتلك الركعة بحر ملخصا :أى لأن الركوع الثانى هو المعتبر لارتفاض الأول بالعود إلى القراء ة بخلاف العود إلى القنوت؛ حتى لو عاد وقنت ثم ركع فاقتدى به رجل لم يدرك الركعة لأن هذا الركوع لغو؛ وما نقله ح عن البحر وتبعه ط فيه اختصار مخل فافهم وقدمنا فى فصل القراء ة بيان كون القراء ة تقع فرضا بالعود فراجعه.(فرع) ترك السورة دون الفاتحة وقنت ثم تذكر يعود ويقرأ السورة ويعيد القنوت والركوع معراج وخانية وغيرهما (ردالمحتار، ج۲، ص ۱۰، باب الوتر والنوافل)

[1] (قَوْلُهُ وَمُتَابَعَتُهُ لِإِمَامِهِ فِي الْفُرُوضِ) أَىْ بِأَنْ يَأْتِيَ بِهَا مَعَهُ أَوْ بَعْدَهُ، حَتَّى لَوْ رَكَعَ إمَامُهُ وَرَفَعَ فَرَكَعَ هُوَ بَعْدَهُ صَحَّ (ردالمحتار، ج ۱، ص ۴۵۰، كتاب الصلاة، فرائض الصلاة)

وَفِي الْخُلَاصَةِ الْمُقْتَدِى إذَا أَتَى بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ قَبْلَ الْإِمَامِ هَذِهِ عَلَى خَمْسَةِ أَوْجُهٍ :إمَّا إذَا أَتَى بِهِمَا قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ أَوْ بِالرُّكُوعِ مَعَهُ وَسَجَدَ قَبْلَهُ أَوْ بِالرُّكُوعِ قَبْلَهُ وَسَجَدَ مَعَهُ أَوْ أَتَى بِهِمَا قَبْلَهُ وَيُدْرِكُهُ الْإِمَامُ فِي آخِرِ رَكَعَاتِهِ فَإِنْ أَتَى بِالرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ قَبْلَ الْإِمَامِ فِي كُلِّهَا يَجِبُ عَلَيْهِ قَضَاءُ رَكْعَتَيْنِ وَإِذَا رَكَعَ قَبْلَهُ وَسَجَدَ مَعَهُ يَقْضِي أَرْبَعًا بِلَا قِرَاءَةٍ وَإِنْ رَكَعَ بَعْدَ الْإِمَامِ وَسَجَدَ بَعْدَهُ جَازَتْ صَلَاتُهُ .ا هـ . (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۱۱۹، كتاب الصلاة، فَصْلٌ الشروع فِي الصَّلَاة وَبَيَان إحرامها وأحوالها)

صاحبِ بزازیہ نے فرمایا کہ اگر امام قنوت بھول کر رکوع کر لے، اور مقتدی اس کی اتباع نہ کرے، پھر امام رکوع سے قیام کی طرف لوٹ کر قنوت پڑھے، اور پھر رکوع کرے، اور پھر مقتدی اس کے ساتھ رکوع کرے، تو اس مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ امام کا دوسرا رکوع نفل ہے، اور مقتدی کا دوسرا رکوع فرض ہے، لہٰذا امام کے دوسرے رکوع میں مفترِض کا متنفل کی اقتداء کرنا پایا جاتا ہے۔

ركع ناسياً القنوت ولم يتابعه القوم فرجع وقنت وركع وتابعه القوم فى الركوع الثانى فسد لأنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۸...... اگر وتر کی تیسری رکعت میں کوئی قرائت کرنا بھول گیا، یا سورہ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا بھول گیا، مگر اس نے دعائے قنوت پڑھ لی، پھر اسے رکوع میں جانے کے بعد یاد آیا کہ اس نے قرائت نہیں کی، یا سورہ فاتحہ کے ساتھ سورت نہیں پڑھی، تو اسے چاہئے کہ وہ قیام کی طرف لوٹ آئے، اور پہلے (سورہ فاتحہ اور سورت دونوں یا سورت جو بھی رہ گئی ہے کی) قرائت کرے، اور پھر دعائے قنوت پڑھے، اور پھر رکوع کرے، اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

اور اس صورت میں اگر وہ امام ہو، تو دوسری مرتبہ کے رکوع میں شامل ہونے والے مقتدی کے حق میں اس رکعت کا امام کے ساتھ پالینا شمار کیا جائے گا۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۳۹...... جس کی وتر کی نماز قضا ہوگئی، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر کی نماز

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

اقتداء مفترض بمتنفل فی الرکوع الثانی،تذکر راکعاً ترک القنوت لم یعد إلی القیام وإن عاد وقنت لا یرکع ثانیاً وإن رکع والقوم تابعوه فی الأول والثانی لا تفسد(الفتاوی البزازیة، ج ۱ ،ص ۲۴)

مگر ہمیں راجح یہ معلوم ہوا کہ اس صورت میں مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ اگر مقتدی امام کے بعد بھی رکوع کرے، تب بھی اس کا رکوع ہوجاتا ہے، جس سے متعلق فقہی عبارات اوپر گزر چکی ہیں، اور مذکورہ صورت کا مآل یہی ہے کہ جب مقتدی نے امام کے قنوت کے بعد رکوع کیا، تو اس کا اس رکوع سے فریضہ ادا ہوگیا، کیونکہ اگرچہ ظاہراً اور صورتاً وہ امام کے رکوعِ ثانی میں بشکلِ اقتداء اپنے فریضۂ رکوع کو ادا کررہا ہے، لیکن بہرحال وہ اپنے ذمہ میں باقی سابق فریضۂ رکوع کو ہی ادا کررہا ہے، اور متابعتِ امام، بعد ادائے فریضۂ امام کے موجود ہے۔

[۱] ولو أوتر فقرأ فی الثالثة القنوت ولم یقرأ القرآن أو قرأ الفاتحة دون السورة فتذکر فی الرکوع فإنه یعود إلی القیام ویقرأ ویقنت ویرکع لأنه لما عاد إلی القیام کما هو فی حکم الفریضة فارتفض رکوعه (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الصلاة)

ولو أوتر وقرأ فی الثالثة القنوت ولم یقرأ الفاتحة ولا السورة أو قرأ الفاتحة دون السورة، ورکع ثم تذکر ذلک فی الرکوع فإنه یعود إلی القیام ویقرأ ثم یرکع؛ لأن رکوعه قد ارتفض فی هذه الصورة، أما إذا لم یقرأ أصلا لأن القراء ة فرض وجاز أن یرتفض الفرض بالفرض، وأما إذا قرأ الفاتحة دون السورة؛ فلأن ضم السورة إلی الفاتحة، وإن کان من الواجبات، ولکن إذا ضم السورة إلی الفاتحة یصیر الکل فرضا، فیکون هذا نقض الفرض، لأجل الفرض(المحیط البرهانی، ج ۱ ص ۴۷۱، کتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر)

قضا پڑھتے وقت اسے دعائے قنوت پڑھنا بھی واجب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴۰...... وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کے ساتھ درود شریف پڑھنا بعض حضرات کے نزدیک جائز، اور بعض کے نزدیک منع ہے، اور نہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔ لیکن اگر کسی نے پڑھ لیا، تو اس کو سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہوگی۔ [2]

مسئلہ نمبر ۴۱...... وتر جماعت سے پڑھنے کی صورت میں اگر امام قنوت سے فارغ ہو کر رکوع میں چلا گیا، اور مقتدی ابھی دعائے قنوت سے فارغ نہیں ہوا، تو مقتدی کو بھی اپنی دعائے

---

[1] ومن يقضى الصلاة يقضى الأوتار بقنوتها لأن قضاء الأوتار واجب ولا وتر بدون القنوت (فتاویٰ قاضیخان، كتاب الصلاة)

[2] کیونکہ بعض روایات میں دعائے قنوت کے ساتھ درود وارد ہے۔

اوراسی وجہ سے بعض اس کے استحباب کے قائل ہیں۔ ولكن اختار مشائخنا ان لايصلي۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ :عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فِي الْوِتْرِ قَالَ :قُلْ :اللهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ، وَصَلَّى الله عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ(السنن الكبرى للنسائي ،رقم الحديث ۱۴۴۷)

واختلفوا أنه هل يصلى على النبى عليه الصلاة والسلام فى القنوت قال بعضهم لا يصلى (فتاویٰ قاضیخان، كتاب الصلاة)

ولا يصلى على النبى -صلى الله عليه وسلم -فى القنوت وهو اختيار مشايخنا .كذا فى الظهيرية(الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۱۱، كتاب الصلاة، الباب الثامن فى صلاة الوتر)

ولم يذكر المصنف الصلاة على النبى -صلى الله عليه وسلم -فى القنوت للاختلاف فيها واختار الفقيه أبو الليث أن الأولى الصلاة عليه -صلى الله عليه وسلم -لأن القنوت دعاء والأولى فى الدعاء أن يكون مشتملا عليها وذهب أبو القاسم الصفار إلى أنه لا يصلى فيه لأنه ليس موضعها ومشى عليه فى الخلاصة والحق هو الأول لما رواه النسائي بإسناد حسن أن فى حديث القنوت وصلى الله على محمد ولما رواه الطبرانى عن على كل دعاء محجوب حتى يصلى على محمد وفى الواقعات.ويستحب فى كل دعاء أن تكون فيه الصلاة على النبى اللهم صل على محمد وعلى آل محمد اهـ.وهو يقتضى أنه يصلى عليه فى القنوت بهذه الصيغة وهو الأولى ومن الغريب ما فى المجتبى لو صلى على النبى -صلى الله عليه وسلم -فى القنوت لا يصلى فى القعدة الأخيرة وكذا لو صلى عليه فى القعدة الأولى سهوا لا يصلى عليه فى القعدة الأخيرة ولا يصلى فى القنوت اهـ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج ۲ ص ۴۷،باب الوتر والنوافل)

قنوت درمیان میں چھوڑ کر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہوجانا چاہئے۔ [1]

[1] کیونکہ مقتدی کے دعائے قنوت کا کچھ حصہ پڑھ لینے سے واجب ادا ہوگیا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پوری دعائے قنوت پڑھنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے اور امام کی اتباع واجب ہے۔

(ركع الإمام قبل فراغ المقتدى) من القنوت قطعه و (تابعه) ولو لم يقرأ منه شيئا تركه إن خاف فوت الركوع معه بخلاف التشهد لأن المخالفة فيما هو من الأركان أو الشرائط مفسدة لا في غيرها درر(الدر المختار)

(قوله ولو لم يقرأ إلخ) أي لو ركع الإمام ولم يقرأ المقتدي شيئا من القنوت إن خاف فوت الركوع يركع وإلا يقنت ثم يركع خانية وغيرها، وهل المراد ما يسمى قنوتا أو خصوص الدعاء ؟ المشهور والظاهر الأول .(قوله بخلاف التشهد) أي فإن الإمام لو سلم أو قام للثالثة قبل إتمام المؤتم التشهد فإنه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه كما قدمه في فصل الشروع في الصلاة (قوله لأن المخالفة إلخ) هذا التعليل عليل لاقتضائه فرضية المتابعة المذكورة وقدمنا عن شرح المنية أن متابعة الإمام في الفرائض والواجبات من غير تأخير واجبة ما لم يعارضها واجب، فلا يفوته بل يأتي به ثم يتابعه، بخلاف ما إذا عارضها سنة لأن ترك السنة أولى من تأخير الواجب، وهذا موافق لما قدمناه آنفا، وحينئذ فوجه الفرق بين القنوت والتشهد هو أن قراءة المقتدي القنوت سنة كما قدمنا التصريح به عن المحيط، والمتابعة في الركوع واجبة؛ فإذا خاف فوتها يترك السنة للواجب .وأما التشهد فإتمامه واجب لأن بعض التشهد ليس بتشهد فيتمه وإن فاتت المتابعة في القيام أو السلام لأنه عارضها واجب تأكد بالتلبس به قبلها فلا يفوته لأجلها وإن كانت واجبة .وقد صرح في الظهيرية بأن المقتدي يتم التشهد إذا قام الإمام إلى الثالثة وإن خاف أن تفوته معه، وإذا قلنا إن قراءة القنوت للمقتدي واجبة، فإن كان قرأ بعضه حصل المقصود به لأن بعض القنوت قنوت، وإلا فلم يتأكد وتترجح المتابعة في الركوع للاختلاف في أن المقتدي هل يقرأ القنوت أم يسكت؟ فافهم(رد المحتار على الدر المختار، ج۲ ص ۱۰، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل)

المقتدي يتابع الإمام في القنوت في الوتر فلو ركع الإمام في الوتر قبل أن يفرغ المقتدي من القنوت فإنه يتابع الإمام .ولو ركع الإمام ولم يقرأ القنوت ولم يقرأ المقتدي من القنوت شيئا إن خاف فوت الركوع فإنه يركع وإن كان لا يخاف يقنت ثم يركع. كذا في الخلاصة ذكر الناطفي في أجناسه لو شك أنه في الأولى أو الثانية أو الثالثة فإنه يقنت في الركعة التي هو فيها ثم يقعد ثم يقوم فيصلي ركعتين بقعدتين ويقنت فيهما احتياطا، وفي قول آخر لا يقنت في الكل أصلا والأول أصح؛ لأن القنوت واجب وما تردد بين الواجب والبدعة يأتي به احتياطا .كذا في محيط السرخسي .المسبوق يقنت مع الإمام ولا يقنت بعده .كذا في المنية فإذا قنت مع الإمام لا يقنت ثانيا فيما يقضي. كذا في محيط السرخسي في قولهم جميعا .كذا في المضمرات(الفتاویٰ الهندية، ج۱ ص ۱۱، كتاب الصلاة، الباب الثامن في صلاة الوتر)

مسئلہ نمبر۲۴۲...... اگر کسی نے بھولے سے دعائے قنوت، وتر کی پہلی یا دوسری رکعت میں پڑھ لی، تو اسے وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنے کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کی ایک رائے تو یہ ہے کہ ضرورت نہیں ہوگی (لان تکرار القنوت غیر مشروع) اور ایک رائے یہ ہے کہ اسے تیسری رکعت میں بھی دعائے قنوت پڑھنی چاہئے (وہوالمختار عند البعض) [1]

اور اگر کسی کو یہ شک ہو کہ یہ دوسری رکعت ہے، یا تیسری رکعت ہے (اور ظنِ غالب کسی طرف نہ ہو) تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ قعدہ کے ساتھ ایک رکعت اور ملا لے، اور ان دونوں رکعتوں میں (جن کے دوسری، تیسری ہونے میں شک ہے) دعائے قنوت بھی پڑھے (تا کہ دعائے قنوت یقینی طور پر تیسری رکعت کے ختم ہونے سے پہلے پہلے ادا ہو جائے) اور اس صورت میں رکعتوں میں شبہ کی وجہ سے سجدۂ سہو بھی کرے۔ [2]

---

[1] اور اگر کسی کو وتر کی تیسری رکعت میں یہ شک ہو کہ اس نے پہلی یا دوسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھی ہے یا نہیں، تو اس صورت میں بالاتفاق تیسری رکعت میں قنوت پڑھنی چاہئے، کیونکہ یہاں تکرار متیقن نہیں۔

جہاں تک ان رکعتوں میں قعدہ کرنے اور اس کی وجہ سے سجدۂ سہو کا تعلق ہے، تو اس کا ذکر اگلی صورت میں اوپر متن میں ہی موجود ہے۔ محمد رضوان۔

[2] وكذلك ان شك انه فى الاولىٰ او الثانية او فى الثالثة ،فانه يقنت ويقعد فى كل ركعة. محمد رضوان.

وإذا قنت فى الركعة الأولى أو الثانية ساهياً لم يقنت فى الثالثة لأنه لا يتكرر فى الصلاة الواحدة، وإن شك أنه قنت أم لا يعنى فى الثالثة وهو فى قيام الثالثة تحرى، فإن لم يحضره شىء قنت، لأنه عسى لم يقنت.

وذكر فى الواقعات :رجل شك فى الوتر وهو فى حالة القيام أنه فى الأولى أو الثانية أو فى الثالثة فإنه يأخذ بالأقل احتياطاً إن لم يقع تحريه على شىء ويقعد فى كل ركعة، ويقرأ، وأما القنوت :فقد قال أئمة بلخ :إنه يقنت فى الركعة الأولى لا غير، وعن أبى حفص الكبير رحمه الله :إنه يقنت فى الركعة الثانية أيضاً، وبه أخذ القاضى الإمام أبو على النسفى رحمه الله.

ولو شك فى حالة القيام أنه فى الثانية أو فى الثالثة تمت تلك الركعة، ويقنت فيها، لجواز أنها الثالثة ثم يقعد ويقوم فيضيف إليها أخرى، ويقنت فيها أيضاً على قول أبى حفص الكبير، والقاضى الإمام أبى على النسفى، فرقا بين هذا وبين المسبوق ركعتين فى الوتر فى شهر رمضان إذا قنت مع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۳۴...... اگر کوئی بھول کر وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے یا پہلی یا دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھنے کے بعد دعائے قنوت پڑھ لے، تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الإمام فی الركعة الأخيرة من صلاة الإمام حيث لا يقنت فی الركعة الأخيرة إذا قام إلى القضاء فی قولهم جميعاً.والفرق :أن المسبوق هو مأمور بأن يقنت مع الإمام فصار ذلک موضعاً له فما أدى به مع الإمام وقع فی موضعه فلا يقنت مرة أخرى لأن تكرار القنوت ليس بمشروع.

أما فی مسألة الشک لم يتيقن بوقوع الأولى فی موضعها فيقنت مرة أخرى، وعن الشيخ الإمام أبی بكر الفضل رحمه الله أن فی مسألة الشک لا يقنت مرة أخرى كما هو قول أئمة بلخ فی المسألة الأولى(المحيط البرهانی، ج ا ص ۴۷۲،الفصل الثالث عشر فی التراويح والوتر)

(قنت فی) الركعة (الأولى أو الثانية سهوا لم يقنت فی الثالثة) ؛ لأن تكرار القنوت غير مشروع .

الشرح:قوله قنت فی الركعة الأولى أو الثانية سهوا إلخ)كذا نقل فی البحر عن الذخيرة ونظر فيه بما فی المحيط معزيا إلى الأجناس لو شک أنه فی الأولى أو فی الثانية أو فی الثالثة فإنه يقنت فی التی هو فيها ثم يقعد ثم يصلی ركعتين بقعدتين ويقنت فيهما احتياطا وهو الأصح ، وقيل لا يقنت فی الكل أصلا ثم قال فلعل ما فی الذخيرة مبنی على الضعيف ؛ لأنه إذا كان يأتی به فی الأصح مع الشک فمع اليقين أولى (درر الحكام شرح غرر الاحكام، ج۲ص۱۳ ، كتاب الصلاة، احوال الوتر)

(قنت فی أولى الوتر أو ثانيته سهوا لم يقنت فی ثالثته) أما لو شک أنه فی ثانيته أو ثالثته كرره مع القعود فی الأصح .والفرق أن الساهی قنت على أنه موضع القنوت فلا يتكرر، بخلاف الشاک ورجح الحلبی تكراره لهما؛ وأما المسبوق فيقنت مع إمامه فقط ويصير مدركا بإدراک ركوع الثالثة(الدر المختار)

(قوله فی ثانيته أو ثالثته) وكذا لو شک أنه فی الأولى أو الثانية أو الثالثة بحر.

(قوله كرره مع القعود) أی فيقنت ويقعد فی الركعة التی حصل فيها الشک لاحتمال أنها الثالثة، ثم يفعل كذلک فی التی بعدها لاحتمال أنها هی الثالثة وتلک كانت ثانية.

(قوله فی الأصح) وقيل لا يقنت فی الكل لأن القنوت فی الركعة الأولى أو الثانية بدعة .ووجه الأول أن القنوت واجب؛ وما تردد بين الواجب والبدعة يأتی به احتياطا بحر عن المحيط.

(قوله ورجح الحلبی تكراره لهما) حيث قال :إلا أن هذا الفرق غير مفيد إذ لا عبرة بالظن الذی ظهر خطؤه، وإذا كان الشاک يعيد لاحتمال أن الواجب لم يقع فی موضعه فكيف لا يعيد الساهی بعدما تيقن ذلک .وقد صرح فی الخلاصة عن الصدر الشهيد بأن الساهی يقنت ثانيا، فإن كان ما مر رواية فهی غير موافقة للدراية .اهـ .قلت :وكذا رجحه فی الحلية والبحر بنحو ما مر.

(قوله فيقنت مع إمامه فقط) لأنه آخر صلاته، وما يقضيه أولهما حكما فی حق القراء ة وما أشبهها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراگرپہلی یادوسری یا تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعداورسورت سے پہلے یادوسری یا

﴿گزشتہ صفحے کابقیہ حاشیہ﴾

وهو القنوت؛ وإذا وقع قنوته فى موضعه بيقين لا يكرر لأن تكراره غير مشروع شرح المنية(رد المحتار على الدر المختار، ج۲ص ۱۰ ۱ ۱، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل)

وبقى لو قنت فى الأولى أو الثانية سهوا فقدم المصنف فى باب الوتر أنه لا يقنت فى الثالثة، ومر ترجيح خلافه(رد المحتار على الدر المختار، ج۲ص۵ ۹، كتاب الصلاة، باب سجود السهو)

وإذا قنت فى الركعة الأولى أو الثانية ساهياً لا يقنت غير مشروع وإن شك أنه قنت فى الثالثة أم لا يتحرى فإن لم يحضره رأى يقنت لاحتمال أنه لم يقنت(فتاوى قاضى خان،كتاب الصلاة)

فهو مخالف لمسألة الشك (ولكن بينهما فرق) وهو أن الساهى قنت على أنه موضع القنوت فلا يتكرر بخلاف الشاک ، الا ان هذا الفرق غير مفيد اذ لاعبرة بالظن الذى ظهر خطاؤه ، واذا كان الشاک يعيد لاحتمال ان الواجب لم يقع فى موضعه فكيف لايعيد الساهى بعد ما تيقن ذلک، وقد صرح فى الخلاصة عن الصدر الشهيد انه قال فى المسبوق لايقنت ثانيا ، فان كان مافى الذخيرة رواية فهى غير موافقة للدراية وتعليل قاضيخان بان تكرار القنوت غير مشروع منقوض بالشاک فيه اللهم الا ان يختار فى الشاک ايضا انه يقنت فى الاولى مما شک فيه ثم لايعيد كما اختاره ائمة بلخ فح لايحتاج الى الفرق اصلا الا ان المختار ماقالها ابوحفص الكبير وابوعلى النسفى من ان الشاک يعيد فى كل ركعه يحتمل انها ثالثة وكذا الساهى على ما اختاره الصدر الشهيد ، والله سبحانهٗ اعلم (غنية المستملى فى شرح منية المصلى ، المشهور بشرح الكبير، ص ۴۲۲)

ولو شک أنها ثالثة أو خامسة فعلى ما ذكرنا فى الفجر فيعود إلى القعدة ثم يصلى ركعة أخرى ويتشهد ثم يقوم فيصلى ركعة أخرى ويقعد ويسجد للسهو ولو شک فى الوتر وهو قائم أنها ثانيته أو ثالثته يتم تلک الركعة ويقنت فيها ويقعد ثم يقوم فيصلى ركعة أخرى ويقنت فيها أيضا هو المختار إلى هنا عبارة الخلاصة ولم يذكر المصنف -رحمه الله -سجود السهو فى مسائل الشک تبعا لما فى الهداية وهو مما لا ينبغى إغفاله فإنه يجب السجود فى جميع صور الشک سواء عمل بالتحرى أو بنى على الأقل كذا فى فتح القدير وترک المحقق قيدا لا بد منه مما لا ينبغى إغفاله وهو أن يشغله الشک قدر أداء ركن ولم يشتغل حالة الشک بقراء ة ولا تسبيح كما قدمناه أول الباب لكن ذكره فى السراج الوهاج أن فى فصل البناء على الأقل يسجد للسهو وفى فصل البناء على غلبة الظن أن شغله تفكره مقدار أداء الركن وجب السهو وإلا فلا اهـ.

وكأنه فى فصل البناء على الأقل حصل النقص مطلقا باحتمال الزيادة فلا بد من جابر وفى الفصل الثانى النقصان بطول التفكير لا بمطلقه(البحر الرائق، ج۲ص ۱۱۹، ۱۲۰، باب سجود السهو)

اوربعض اردو کتابوں میں جوپہلی یا دوسری رکعت میں علی الاطلاق دعائے قنوت پڑھ لینے کی صورت میں سجدۂ سہو کا حکم مذکور ہے، یہ راجح معلوم نہ ہوسکا۔ پھروتر کی پہلی یا دوسری رکعت میں بھولے سے دعائے قنوت پڑھ لینے کی صورت میں فقہائے کرام نے سجدۂ سہو کا حکم بیان نہیں کیا،اوران کا اختلاف تیسری رکعت میں دوبارہ دعائے قنوت پڑھنے نہ پڑھنے تک دائر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے پڑھ لے، تو حنفیہ کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رہا، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعائے قنوت کا اگرچہ اصل محلِ مشروع عندالاحناف تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے ہے، لیکن اگر کوئی پہلی یا دوسری رکعت میں پڑھ لے، تو اس سے ان کے نزدیک قنوت کا وجوب ادا ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱؎ اور اس کی بنیاد اس پر ہے کہ دعائے قنوت کا حکم تشہد کی طرح ہے، مگر سجدہ سہو کا وجوب اس صورت کے ساتھ مقید ہونا چاہئے، جبکہ دعائے قنوت ایک مسنون رکن کی مقدار کے برابر یا اس سے زائد پڑھی ہو، جیسا کہ قرائت کے باب میں گزرا۔

قال ابوحنيفة رحمه الله: اَلْقُنُوت عِنْدِی بِمَنْزِلَة التَّشَهُّدِ (الأصل المعروف بالمبسوط، ج ا ص ۲۵۴، فِي الإِمَامِ يحدث فَيقدم من فَاتَتْهُ رَكْعَة)

مطلب يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء أقول :وقد صرحوا بأن مفاهيم الكتب حجة، والظاهر أن المراد بالدعاء ما يشمل الثناء ؛ لأن الفاتحة نصفها ثناء ونصفها الآخر دعاء (رد المحتار، ج ا ، ص ۱۷۲ ، كتاب الطهارة، سنن الغسل)

ولو قرأالتشهد قائماً أو راكعاًأوساجداًلاسهوعليه،لأن التشهد ثناء،والقيام موضع الثناء والقراءة .أرأيت لو افتتح فقال :السلام عليك أيها النبى إلى قوله عبده ورسوله، فإنه يكون بمنزلة الدعاء ، ولا سهو عليه .وعن أبى يوسف رحمه الله :فيمن تشهد قائماً فلا سهو عليه (المحيط البرهاني، ج ا ص ۵۰۴، كتاب الصلاة،الفصل السابع عشر فى سجود السهو)

لو بدأ بالسورة ثم تذكر يبدأ بالفاتحة ثم يقرأ السورة ويسجد للسهو وإن قرأ من السورة حرفا كذا فى المجتبى وقيده فى فتح القدير بأن يكون مقدار ما يتأدى به ركن عن قراءة الفاتحة (البحر الرائق، ج۲ ص ۱۰۱، كتاب الصلاة، باب سجود السهو)

(قوله وقيده فى فتح القدير إلخ) أيده العلامة ابن أمير حاج فى واجبات الصلاة بما ذكره غير واحد من المشايخ من أن الزيادة على التشهد فى القعدة الأولى الموجبة لسجود السهو بسبب تأخير القيام عن محله مقدرة بمقدار أداء ركن وهذه المسألة نظيرتها(منحة الخالق على البحر،حواله بالا)

ثم رأيت فى سهو البحر قال بعد ما مر :وقيده فى فتح القدير بأن يكون مقدار ما يتأدى به ركن .اهـ. أى لأن الظاهر أن العلة هى تأخير الابتداء بالفاتحة والتأخير اليسير، وهو ما دون ركن معفو عنه تأمل .ثم رأيت صاحب الحلية أيد ما بحثه شيخه فى الفتح من القيد المذكور بما ذكروه من الزيادة على التشهد فى القعدة الأولى الموجبة للسهو بسبب تأخير القيام عن محله، وأن غير واحد من المشايخ قدرها بمقدار أداء ركن(ردالمحتار، ج ا ص ۴۶۰، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

اور یہی وجہ ہے کہ بعض اہلِ علم حضرات نے دعائے قنوت کی جگہ تشہد بلکہ سورہ فاتحہ پڑھ لینے سے بھی دعائے قنوت کے وجوب کی ادائیگی کا حکم بیان کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ حمد وثناء اور تسبیح وتہلیل وغیرہ بھی دعا ہے (ملاحظہ ہو: احسن الفتاویٰ، جلد۴، صفحہ۴۷)

اور قیام کی حالت میں بھولے سے تشہد پڑھ لینے سے حنفیہ کے نزدیک سجدۂ سہو واجب ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ اس کی وجہ سے اگر واجب قرائت میں تاخیر لازم آئے، تو سجدۂ سہو واجب ہے، ورنہ نہیں۔

اور پہلی رکعت میں فاتحہ سے پہلے تو محلِ ثناء ہے، اس لئے یہاں پڑھنے سے واجب قرائت میں تاخیر لازم نہیں آتی، اور اسی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴۴...... اگر کوئی امام کے ساتھ وتر کی تیسری رکعت میں شامل ہوگیا، تو اگر رکوع میں جانے سے پہلے دعائے قنوت کا وقت ہو، تو اسے دعائے قنوت پڑھ لینی چاہئے۔

لیکن اگر دعائے قنوت کا وقت نہ ہو، مثلاً مقتدی امام کے ساتھ رکوع کے اندر شامل ہوا ہو، تو امام کے ساتھ تیسری رکعت کے ملنے سے اس کی دعائے قنوت بھی ادا ہوجاتی ہے، اور اس کو باقی ماندہ رکعتوں میں دعائے قنوت پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ [1]

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم، وعلمہٗ اتم واحکم

محمد رضوان ۲۵/ جمادی الاخریٰ/ ۱۴۳۳ھ 17/ مئی/ 2012ء بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ طرح سورۂ فاتحہ اور بقیہ قرائت سے فارغ ہو کر بھی۔

جبکہ سورۂ فاتحہ اور سورت کے درمیان تینوں رکعتوں میں اور سورہ فاتحہ سے پہلے دوسری اور تیسری رکعت میں واجب قرائت میں تاخیر لازم آتی ہے۔

ولو تشهد فی قيامه قبل قراء ة الفاتحة فلا سهو عليه وبعدها يلزمه سجود السهو وهو الأصح لأن بعد الفاتحة محل قراء ة السورة فإذا تشهد فيه فقد أخر الواجب وقبلها محل الثناء كذا فی التبيين ولو تشهد فی الأخريين لا يلزمه السهو كذا فی محيط السرخسی (الفتاوی الهندية، ج ١ ص ١٢٧، كتاب الصلاة، الباب الثانی عشر فی سجود السهو)

ملحوظ رہے کہ ''تشہد فی الاخریین'' سے مراد فرض نماز کی آخری دو رکعتیں ہیں، کیونکہ فرض کی آخری دو رکعتوں میں قرائت واجب نہیں، اس لئے ان میں مطلقاً قنوت پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، اور وتروں کی تمام رکعتوں میں قرائت واجب ہے، اس لئے وتروں کی آخری دو رکعتوں کا حکم فرضوں کی دوسری رکعت کی طرح اور پہلی کا حکم فرضوں کی پہلی رکعت کی طرح ہوگا (والعلة مذكورة فی العباره المذكورة فی قوله "فقد اخر الواجب")

[1] وإذا أَدْرَكَهُ فی الرَّكْعَةِ الثَّالِثَةِ فی الرُّكُوعِ ولم يَقْنُتْ معه لم يَقْنُتْ فِيمَا يَقْضِي كَذَا فی الْمُحِيطِ (الفتاوی الهندية، ج ١ ص ١١١، كِتَابُ الصَّلَاةِ، الْبَابُ الثَّامِنُ فی صَلَاةِ الْوِتْرِ)

وإن دخل يريد الوتر ولم يكن أوتر، وقد فاتته ركعتان مع الإمام، وهو فی الركعة الأخيرة فأوتر معهم أو أدركهم ركوعا فركع معهم ثم قام فقضاهما فليس عليه أن يقنت فيما يقضی قال؛ لأنه يقضی أول صلاته، وقد بينا هذا الأصل فی كتاب الصلاة أنه فی حكم القنوت يجعل ما أدرك مع الإمام آخر صلاته؛ لأن القنوت لم يشرع مكررا فی وتر واحد فلو جعلنا ما أتى به مع الإمام أول صلاته كأن يقنت فيما يقضی فيؤدی إلى تكرار القنوت وكذلك إن أدركهم فی الركوع؛ لأنه مدرك لهذه الركعة وهی محل للقنوت فيجعل إدراكه محل القنوت مع الإمام بمنزلة قنوته مع الإمام (المبسوط، للسرخسی، ج ٢ ص ٩٨، باب نوادر الصلاة)

تراویح سے متعلق چند قابلِ اصلاح وتحقیقی مسائل

تراویح کے فضائل ومسائل کے بعداب تراویح سے متعلق چند قابلِ اصلاح اورتحقیقی مسائل کا
کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

تراویح کے سنت ہونے کی وجہ سے ترک کردینا

آج کل بغیرکسی معذوری ومجبوری کے بہت سے لوگ اور خاص کرعورتیں تراویح کی نمازنہیں پڑھتے ، جوحضرات نماز، روزے کے پابند ہیں ان میں بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو تراویح کی نمازکا اہتمام نہیں کرتے۔

اسی لئے عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے لوگ مساجد میں عشاء کی نماز باجماعت پڑھ کراپنے گھروں کولوٹ جاتے ہیں اور گھر جاکربھی تراویح نہیں پڑھتے اورخواتین میں تو بہت بڑی تعدادایسی ہے جوسرے سے تراویح نہیں پڑھتی ،اوراس کوتاہی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ذہنوں میں تراویح کی نمازکی اہمیت نہیں ہے، عام طورپرتراویح کی نمازکو یہ کہہ کرنظرانداز کردیا جاتا ہے کہ یہ کوئی فرض یاواجب عمل نہیں ہے، بلکہ ایک سنت عمل ہے،اگراس کوچھوڑ بھی دیا تو کون سا نقصان ہے؟

حالانکہ یہ سوچ قابلِ اصلاح ہے، یہ بات پہلے معلوم ہوچکی ہے کہ تراویح کی نمازمَردوں اورعورتوں دونوں کے لئے سنتِ مؤکدہ ہے اورسنتِ موکدہ کا درجہ واجب کے قریب ہے، اس کو بلاعذر چھوڑنا قابلِ ملامت ہے اوراس کی عادت بنالینا گناہ کی بات ہے، پھرتراویح جیسے اہم سنت عمل کی دل میں اہمیت نہ ہونا اوراس کوایک ہلکا اورچھوٹا کام سمجھنا اوربھی زیادہ بری بات ہے۔

اس سوچ اورطرزِعمل کی اصلاح کرنی چاہئے ،اوررمضان کے تراویح جیسے بابرکت اورقیمتی

تحفہ کو قبول کرنا چاہئے۔ [1]

چند دن تراویح پڑھ کر چھوڑ دینا

بعض لوگ رمضان کے چند دن تو تراویح کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن چند دن تراویح کا اہتمام کر کے پھر چھوڑ دیتے ہیں، چنانچہ دیکھنے میں آتا ہے کہ مسجدوں میں رمضان کے شروع دنوں میں تراویح کی نماز کے لئے جو حاضری کی تعداد ہوتی ہے، وہ آہستہ آہستہ کم ہونا شروع ہوجاتی ہے اور آخری دنوں میں تو بہت ہی تھوڑی مقدار رہ جاتی ہے اور رمضان کی آخری رات میں تو لوگ زیادہ تر بازاروں میں گھوم پھر کر تراویح کا وقت ضائع کر دیتے ہیں، یہ طرزِ عمل بھی قابلِ اصلاح ہے۔

رمضان کے پورے مہینے میں ہر رات تراویح پڑھنے کا حکم ہے، جیسا کہ ہر دن کی نمازوں کے ساتھ سنتیں ہیں اور ایک دن سنت پڑھنے سے اگلے دن یا دوسرے دنوں کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی، اسی طرح رمضان کی ہر رات تراویح کے سنت ہونے کا معاملہ ہے، رمضان کے ایک بابرکت مہینہ میں بھی پابندی کے ساتھ تراویح کا اہتمام نہ کرنا اور چند دن تراویح پڑھ کر کسی معقول عذر کے بغیر چھوڑ دینا نقصان کی بات ہے، جس سے بچنا چاہئے۔ [2]

بیس سے کم رکعات تراویح پڑھنا

آج کل بہت سی عورتیں گھروں میں تراویح کی بیس رکعات مکمل نہیں پڑھتیں۔

---

[1] وفی فتاوی أهل سمرقند :رجل ترک سنن الصلوات الخمس إن لم یر السنن حقاً فقد کفر، وإن رأی السنن حقاً منهم من قال لا یأثم، والصحیح أنه یأثم.
وفی النوازل إذا ترک السنن إن ترکها بعذر فهو معذور وإن ترکها بغیر عذر لا یکون معذوراً ویسأله الله تعالی عن ترکها، والله أعلم(المحیط البرهانی، ج ۱ ص ۴۴۶، کتاب الصلاة، الفصل الحادی والعشرون فی التطوع قبل الفرض وبعده وفواته عن وقته وترکه بعذر وبغیر عذر)

[2] (وینبغی أن یجتمع الناس فی کل لیلة من شهر رمضان بعد العشاء ، فیصلی بهم إمامهم خمس ترویحات (الاختیار لتعلیل المختار، ج ۱، ص ۶۹، باب صلاة التراویح)

اسی طرح بہت سے لوگ مساجد میں باجماعت چند رکعات پڑھ کر گھروں کو واپس لوٹ جاتے ہیں۔

اور چند رکعتیں پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ تراویح کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔

حالانکہ بیس رکعات تراویح پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے، اور رمضان میں کم از کم ایک مرتبہ پورا قرآن مجید تراویح میں پڑھ یا سن کر مکمل کرنا مستقل سنت ہے اور مَردوں کے لئے جماعت کے ساتھ اور مسجد میں تراویح ادا کرنے کے فضائل ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں، اور ساتھ ساتھ صرف رمضان کے مہینے میں بطورِ خاص وتر کی نماز باجماعت ادا کرنا مستحب ہے۔

لہٰذا جو عورتیں بغیر شرعی عذر کے صرف سُستی کی وجہ سے بیس رکعات سے کم تراویح پڑھتی ہیں، ان کو تراویح کی سنت کا ثواب حاصل نہیں ہوتا۔

اسی طرح جو لوگ مساجد سے آٹھ رکعات تراویح پڑھ کر یا بیس سے کم پڑھ کر چلے جاتے ہیں، وہ کئی سنتوں اور فضائل سے محروم رہتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ ایک طرف تو تراویح کی سنت سے محروم رہتے ہیں۔

کیونکہ جب تراویح کم از کم بیس رکعات سنتِ موکدہ ہیں تو اس سے کم پڑھنے کی صورت میں یہ سنت ادا نہیں ہو گی جیسا کہ کوئی شخص ظہر کی چار سنتوں کے بجائے دو یا تین رکعات پڑھ لے تو اس کو ظہر کی سنت ادا کرنے والا شمار نہیں کیا جائے گا۔ [1]

دوسری طرف یہ لوگ تراویح کی اہم سنت یعنی قرآن مجید مکمل طور پر پڑھنے یا سننے سے بھی محروم رہتے ہیں۔

کیونکہ جب انہوں نے کچھ رکعتیں چھوڑ دیں تو ان میں پڑھا جانے والا قرآن مجید کا حصہ بھی چھوٹ گیا۔

اسی طرح یہ لوگ تراویح مکمل ہونے سے پہلے چلے جانے کی وجہ سے وتر کی نماز باجماعت

---

[1] فقیام رمضان بعشرین رکعة والوتر هو السنة المؤکدة یضلل تارکها ویلام من نقص عنها (اعلاء السنن ج ۷ ص ۸۴)

پڑھنے سے بھی محروم رہتے ہیں۔

لہٰذا بیس رکعات سے کم تراویح پڑھ کر تراویح کے مقصد کو پورا سمجھ لینا درست نہیں۔

البتہ اگر کوئی مرد یا عورت مریض ومعذور ہو، جس کی وجہ سے اسے تراویح کی بیس رکعات پڑھنا مشکل ہو، اور وہ بیس سے کم چند رکعتیں پڑھ لے، تو ایسی صورت میں اگرچہ اس کی تراویح کی سنت تو ادا نہیں ہوگی، اور مریض ومعذور ہونے کی وجہ سے امید ہے کہ قابلِ ملامت بھی نہیں ہوگا، لیکن چند رکعت پڑھنے سے اسے رمضان کی رات میں قیام اللیل کا ثواب حاصل ہوجائے گا۔ [1]

---

[1] احادیث میں مذکور قیامِ رمضان کی مراد اکثر حضرات نے تراویح سے بیان فرمائی ہے، لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ تراویح سے جس طرح ایک سنت ادا ہوتی ہے، اسی طرح اس سے قیامِ لیل کی فضیلت بھی حاصل ہوجاتی ہے، اور اگر بیس تراویح کے بجائے چند رکعات پڑھے، تو اس سے فی الجملہ قیام اللیل کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے، اگرچہ تراویح کی سنت ادا نہ ہو، اور مریض ومعذور کے احکام الگ ہوا کرتے ہیں۔

(بـاب فـضل من قام رمضان)أى قام لياليه مصليا والمراد من قيام الليل ما يحصل به مطلق القيام كما قـدمـنـاه فـى التهجد سواء وذكر النووى أن المراد بقيام رمضان صلاة التراويح يعنى أنه يحصل بها الـمـطـلوب من القيام لا أن قيام رمضان لا يكون إلا بها وأغرب الكرمانى فقال اتفقوا على أن المراد بـقيام رمضان صلاة التراويح (فتـح البارى ، ج۴،ص ۲۵۱ ،كتاب صلاة التراويح، بـاب فضل من قام رمضان)

(باب فضل من قام رمضان)أى :هـذا باب فى بيان فضل من قام رمضان .قال الكرمانى :اتفقوا على أن الـمراد بقيامه صلاة التراويح .قلت :قال النووى :الـمـراد بقيام رمضان صلاة التراويح، ولكن الاتـفـاق مـن أيـن أخـذه؟ بـل الـمـراد مـن قـيـام الـلـيـل ما يحصل به مطلق القيام، سواء كان قليلا أو كثيرا (عمدة القارى، ج ۱۱، ص ۱۲۴، كتاب التراويح)

ولـمـا شـاع فـى الأمصار تحديده بعشرين ركعة غير الشفع والوتر وكان يتوهم عدم حصول ذلك الثـواب بـأقل منها دفعه بقوله :(وإن قمت فيه) أى فـى رمضان (بما تيسر) مـن الصلاة ولو أقل من عشـرين ركعة (فذلك) الـذى تيسـر لك (مرجو فضله) أى ثـوابـه لاشتـمـال كل ركعة على قيام وسجود وقراءة :والله يضاعف لمن يشاء) ورجـاء الفضل من القيام القليل لا ينافى أن الكثير أكثر ثوابا (و) مـرجو (تكفير الذنوب به) وإنما قال :مـرجـو فـضـلـه ولم يجزم بحصوله لما تقرر من أن الإثـابة عـلـى الأعـمـال الـصـالـحة غير مـقـطـوع بهـا، إذ الإثـابة عليهـا متوقفة على الإخلاص والـقـبـول(الـفـواكه الدوانى على رسالة ابن أبى زيد القيروانى، ج ۱ ص ۳۱۷،لأحمد بن غانم شهاب الدين المالكى ،باب فى الصيام،حكم التراويح فى رمضان)

تراویح میں قرآن سنانے پر معاوضہ واُجرت

تراویح اوراس میں قرآن مجید سننے سنانے کا عمل بڑی فضیلت اوراجروثواب کا باعث ہے۔ اس کا کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن ساتھ ہی یہ اصول بھی اپنی جگہ مقرر ہے کہ کسی بھی بڑے سے بڑے عمل کی قبولیت اخلاص پر موقوف ہے، دکھلاوا شہرت یا کسی دنیوی غرض سے کیا جانے والا عمل بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں بلکہ باعثِ وبال ہے، خواہ وہ عمل کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، قرآن مجید کی قرائت وتلاوت کا بھی یہی معاملہ ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا (سورہ بقرۃ آیت ۲۶)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ) اس (قرآن کے) ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، اور بہت سے لوگوں کو ہدایت عطا فرماتے ہیں (سورہ بقرہ)

اورایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَايَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۲ پ ۱۵)

ترجمہ: ہم قرآن کی وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو شفاء ہیں، اور رحمت ہیں مؤمنین کے لئے، اور ظالم لوگوں کی خسارہ میں ہی زیادتی ہوتی ہے (سورہ بنی اسرائیل)

اورایک حدیث میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ (مسلم) [1]

ترجمہ: اللہ اس کتاب (یعنی قرآن) کے ذریعہ سے کچھ لوگوں کو بلند فرماتے ہیں، اوراس کے ذریعہ سے دوسرے لوگوں کو پست اور (ذلیل) فرماتے ہیں (مسلم)

---

[1] رقم الحدیث ۸۱۷ "۲۶۹" "کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمه.

ان آیات اور حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے ذریعہ سے لوگ اپنی شامتِ اعمال کی بدولت گمراہی اور خسارہ بھی پاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری)

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان (کی رات) میں قیام کیا (اور تراویح پڑھیں) ایمان کی حالت میں اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے اخلاص کے ساتھ تو یہ عمل اس کے سابقہ (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ رمضان کے قیام اور تراویح کی اصل فضیلت اخلاص کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔ ۲

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اُن کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَبْتَغِيْ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ كَانَ لَهُ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمَحْوُ عَشْرِ سَيِّئَاتٍ (مصنف ابن أبي شيبة) ۳

ترجمہ: جس نے قرآن کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے (یعنی اخلاص کے ساتھ) پڑھا، تو اُس کو ہر حرف پر دس نیکیاں حاصل ہوں گی، اور دس گناہ مٹا دیے جائیں گے (ابنِ ابی شیبہ)

---

۱ رقم الحديث ۳۷، كتاب الايمان، باب تطوع قيام رمضان من الإيمان.

۲ قوله صلى الله عليه وسلم من قام رمضان إيمانا واحتسابا معنى إيمانا تصديقا بأنه حق مقتصد فضيلته ومعنى احتسابا أن يريد الله تعالى وحده لا يقصد رؤية الناس ولا غير ذلك مما يخالف الإخلاص والمراد بقيام رمضان صلاة التراويح (شرح النووی علی مسلم، ج۶ ص ۳۹، باب الترغيب فی قيام رمضان)

۳ رقم الحديث ۳۰۵۵۵، كتاب فضائل القرآن، باب ثواب من قرأ حروف القرآن.

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت پر عظیم اجروثواب کا وعدہ اخلاص کے ساتھ تلاوت وقرائت کرنے پر ہے۔

اوراسی وجہ سے احادیث وروایات میں قرآن مجید پڑھنے پر اجرت ومعاوضہ لینے؛ یااس کودنیا کی غرض سے پڑھنے کی بُرائی آئی ہے۔

چنانچہ حضرت حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ:

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّهُ مَرَّ عَلٰى قَارِءٍ يَقْرَأُ، ثُمَّ سَأَلَ فَاسْتَرْجَعَ، ثُمَّ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللّٰهَ بِهٖ، فَإِنَّهُ سَيَجِيْءُ أَقْوَامٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک قاری کے پاس سے گزرے جو قرائت کررہا تھا، پھراُس نے لوگوں سے مانگنا شروع کیا، تو حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا، اور فرمایا کہ میں نے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے قرآن پڑھا، اُسے چاہیے کہ قرآن کے ذریعے اللہ سے سوال کرے، کیونکہ عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو پڑھ کراس کے ذریعے لوگوں سے سوال کریں گے (مسند احمد)

اس قسم کا مضمون اوراحادیث میں بھی آیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِقْرَءُوْا الْقُرْآنَ، وَلَا تَغْلُوْا فِيْهِ، وَلَا تَجْفُوْا عَنْهُ، وَلَا تَأْكُلُوْا بِهٖ، وَلَا تَسْتَكْثِرُوْا بِهٖ (مسند

---

[1] رقم الحديث ٢٩١٧، ابواب فضائل القرآن، مسند احمد، رقم الحديث ١٩٨٨٥.
قَال الترمذی. هذا حديث حسن ليس إسناده بذاک.
وفی حاشية مسند احمد: حسن لغيره.

أحمد، رقم الحديث ۱۵۵۲۹) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ تم قرآن کی قرائت کرو، اور اُس میں غلو نہ کرو، اور اس کی تلاوت سے غفلت اختیار نہ کرو، اور اُس کے ذریعے سے نہ کھاؤ، اور نہ اُس کے ذریعے سے مال بڑھاؤ (مسند احمد)

حضرت ولید بن قیس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ نے فرمایا کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ (فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ) فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَكُوْنُ خَلْفٌ مِنْ بَعْدِ سِتِّيْنَ سَنَةً أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا، ثُمَّ يَكُوْنُ خَلْفٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يَعْدُوْ تَرَاقِيَهُمْ، وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ ثَلَاثَةٌ مُؤْمِنٌ وَمُنَافِقٌ وَفَاجِرٌ قَالَ بَشِيْرٌ: فَقُلْتُ لِلْوَلِيْدِ: مَا هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَةُ؟ فَقَالَ: اَلْمُنَافِقُ كَافِرٌ، وَالْفَاجِرُ يَتَأَكَّلُ بِهٖ، وَالْمُؤْمِنُ يُؤْمِنُ بِهٖ (مستدرک حاکم) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے (سورہ مریم کی یہ) آیت تلاوت فرمائی کہ ''فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساٹھ سال کے بعد ایسے ناخلف آئیں گے، کہ جو نماز کو ضائع

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح، وهذا إسناد قوى، رجاله ثقات رجال الشيخين، غير أبى راشد الحُبرانى، فقد روى له البخارى فى "الأدب المفرد"، وأبو داود، والترمذى، وابن ماجه، وروى عنه جمع، ووثقه العجلى، وابن حبان، والحافظ ابن حجر فى "التقريب."

[2] رقم الحديث ۳۴۱۶، كتاب التفسير، تفسير سورة مريم، ج۲ص۴۰۶، واللفظ لهٗ، مسند احمد، رقم الحديث ۱۱۳۴۰.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح رواته حجازيون وشاميون أثبات ولم يخرجاه.

وقال الذهبى فى التلخيص: صحيح.

فى حاشية مسند احمد: إسناده حسن.

کریں گے، اور اپنی خواہشوں کی اتباع کریں گے، سو یہ لوگ عنقریب شر (وہلاکت) میں مبتلا ہوں گے، پھر اس کے بعد ایسے ناخلف لوگ آئیں گے، جو قرآن کو پڑھیں گے، جو ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اترے گا، اور قرآن کو تین قسم کے لوگ پڑھتے ہیں، ایک مومن، دوسرے کافر، تیسرے فاجر۔

بشیر (راوی) کہتے ہیں کہ میں نے ولید (راوی) سے عرض کیا کہ یہ تین قسم کے لوگ کون سے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ منافق تو کافر ہے (کہ اس کا دل سے قرآن پر ایمان نہیں ہوتا، اگرچہ وہ زبان سے الفاظ تلاوت کرے) اور فاجر قرآن کے ذریعہ سے کھاتا ہے، اور مومن اس پر ایمان لاتا ہے (حاکم)

حضرت ایاس بن عامر سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

إِنَّکَ إِنْ بَقِيتَ سَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ ثَلَاثَةُ أَصْنَافٍ: فَصِنْفٌ لِلّٰهِ، وَصِنْفٌ لِلْجِدَالِ، وَصِنْفٌ لِلدُّنْيَا، وَمَنْ طَلَبَ بِهٖ أَدْرَکَ (سنن الدارمی) [1]

ترجمہ: بے شک آپ اگر زندہ رہے، تو عنقریب تین قسم کے لوگ قرآن کی قرائت کریں گے، ایک قسم کے لوگ تو اللہ کے لئے، اور دوسری قسم کے لوگ جھگڑا (وبحث مباحثہ) کرنے کے لئے، اور تیسری قسم کے لوگ دنیا کے لئے، اور جو اس کے ذریعہ سے (دنیا کو) طلب کرے گا، تو اسے حاصل ہوجائے گی (لیکن وہ ثواب سے محروم ہوگا) (دارمی)

امام ابنِ ابی شیبہ نے تو باقاعدہ رمضان میں قرآن مجید پڑھنے پر اجرت ومعاوضہ لینے کے سلسلہ میں مستقل باب قائم کیا ہے، اور اس کے ذیل میں مختلف روایات ذکر کی ہیں۔

چنانچہ ایک روایت ابوایاس معاویہ بن قرہ سے یہ ذکر کی ہے؛ کہ وہ فرماتے ہیں کہ:

كُنْتُ نَازِلًا عَلٰى عَمْرِو بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ ، فَلَمَّا حَضَرَ رَمَضَانُ

---

[1] رقم الحديث ٣٣٧٢، كتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن.
قال حسين سليم :إسناده صحيح(تعليق سنن دارمی)

جَاءَ ہٗ رَجُلٌ بِأَلُفَیْ دِرُهَمٍ مِنُ قِبَلِ مُصُعَبِ بُنِ الزُّبَیُرِ ، فَقَالَ: إِنَّ الْأَمِیُرَ یُقُرِئُکَ السَّلَامَ وَیَقُوُلُ إِنَّا لَمُ نَدَعُ قَارِئًا شَرِیُفًا إِلَّا قَدُ وَصَلَ إِلَیُهِ مِنَّا مَعُرُوُفٌ فَاسُتَعِنُ بِهٰذَیُنِ عَلٰی نَفَقَةِ شَهُرِکَ هٰذَا ، فَقَالَ: عَمُرٌو اِقُرَأُ عَلَی الْأَمِیُرِ السَّلَامَ وَقُلُ وَاللهِ مَا قَرَأُنَا الْقُرُآنَ نُرِیُدُ بِهِ الدُّنُیَا وَرَدَّهٗ عَلَیُهِ(مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: میں عمرو بن نعمان بن مقرن (جلیل القدر تابعی) کی خدمت میں حاضر تھا، جب رمضان آیا، تو ایک شخص ان کے پاس مصعب بن زبیر کی طرف سے دو ہزار درہم لے کر آیا، اور اس نے کہا کہ امیر (گورنر) آپ کو سلام کہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے ہر معزز قاری کو انعام دیا گیا ہے، تو آپ اپنے اس مہینے کے خرچ میں مدد کے لئے یہ لے لیجئے، تو حضرت عمرو بن نعمان نے فرمایا کہ امیر کو میرا سلام کہہ دیجئے، اور یہ کہہ دیجئے کہ اللہ کی قسم ہم نے قرآن کو دنیا کی غرض سے نہیں پڑھا، اور اس رقم کو واپس کر دیا (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت عمرو بن نعمان بن مقرن عظیم تابعی اور بصرۃ کے عظیم قاری ہیں، اور آپ کا انتقال حضرت مصعب بن زبیر سے پہلے ہوا۔ [2]

اگرچہ حکومت کی طرف سے یہ رقم ملنے کی وجہ سے یہ بات کہی جاسکتی تھی کہ وہ بطور وظیفہ کے

---

[1] رقم الحدیث ۷۸۲۰، کتاب الصلاۃ، باب فی الرجل یقوم بالناس فی رمضان فیعطی.

[2] عمرو بن النعمان بن مقرن المزنی من سادات التابعین وقراء أھل البصرۃ مات قبل مصعب بن الزبیر(مشاھیر علماء الأمصار تحت ترجمۃ رقم ۶۷۲)

عمرو بن النعمان بن مقرن المزنی یروی عن جماعۃ من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عدادہ فی أھل البصرۃ وکان من قرائھم روی عنہ معاویۃ بن قرۃ ثنا الحسن بن سفیان قال ثناہ أبو بکر بن أبی شیبۃ قال ثنا محمد بن بشر قال ثنا عبد اللہ بن الولید قال ثنا یحیی عن أیوب قال ثنا معاویۃ بن قرۃ قال کنت نازلا علی عمرو بن النعمان بن مقرن فلما حضر رمضان جاء رجل بألفی درھم من قبل مصعب بن الزبیر فقال إن الامیر یقرئک السلام ویقول إنا لم ندع قارئا شریفا إلا وقد وصل إلیہ منا معروف فاستعن بھذین علی بقیۃ شھرک فقال عمرو اقرأ علی الامیر السلام وقل واللہ ما قرأنا القرآن نرید بہ الدنیا وردھا علیہ(ثقات ابن حبان ج۵ص۱۷۰)

دی جارہی ہو، اور خاص قرآن مجید پڑھنے کے عوض میں نہ ہو، لیکن حضرت عمرو بن نعمان نے اس کو گوارہ نہیں کیا اور اپنی نیت کی بھی وضاحت فرما دی۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت میں یہ واقعہ آتا ہے کہ:

أَنَّـهُ صَـلّٰـى بِالنَّاسِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفِطْرِ بَعَثَ إِلَيْهِ عَبْـدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ بِحُلَّةٍ وَبِخَمْسِمِائَةِ دِرْهَمٍ فَرَدَّهَا ، وَقَالَ: إِنَّا لَانَأْخُذُ عَلَى الْقُرْآنِ أَجْرًا (مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: انہوں نے لوگوں کو رمضان میں نماز پڑھائی، پس جب عیدالفطر کا دن ہوا تو عبداللہ بن زیاد نے ان کو ایک کپڑے کا جوڑا اور پانچ سو درہم بھیجے، تو حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اس کو واپس کر دیا، اور فرمایا کہ ہم قرآن پر اجرت نہیں لیتے (ابنِ ابی شیبہ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مغفل نے رمضان میں تراویح میں قرآن مجید سنایا تھا، جیسا کہ شروع روایت میں رمضان میں نماز پڑھانے کے الفاظ ہیں، اسی لئے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ہم قرآن پر اجرت نہیں لیتے۔

اور حضرت قاسم بن عبدالرحمٰن (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لَا يُؤْخَذُ عَلَى الْقُرْآنِ أَجْرٌ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [2]

ترجمہ: قرآن مجید پر اجرت نہیں لی جائے گی (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت زاذان (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

مَـنْ قَـرَأَ الْـقُـرْآنَ يَـأْكُلُ بِهٖ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهٗ عَظْمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [3]

---

[1] رقم الحديث ۷۸۲۱، كتاب الصلاة، باب فى الرجل يقوم بالناس فى رمضان فيعطى.
[2] رقم الحديث ۷۸۲۲، كتاب الصلاة، باب فى الرجل يقوم بالناس فى رمضان فيعطى.
[3] رقم الحديث ۷۸۲۴، كتاب الصلاة، باب فى الرجل يقوم بالناس فى رمضان فيعطى.

ترجمہ: جوشخص قرآن پڑھے تا کہ اس کی وجہ سے (مال) کھائے، تو قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ صرف ہڈی والا (بھیانک شکل میں) ہوگا، اس پر گوشت نہ ہوگا (ابنِ ابی شیبہ) ؎۱

ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے، جو سند کے لحاظ سے قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ ؎۲

جو لوگ قرآن شریف کو دنیا طلب کرنے کی غرض سے پڑھتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، چہرے پر گوشت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے اشرفُ الاشیاء (سب چیزوں میں اشرف اور عظیم چیز یعنی قرآن مجید) کو اس کے مقابلہ میں ذلیل چیز (یعنی دنیا) کمانے کا ذریعہ بنایا تو اشرفُ الاعضاء یعنی چہرہ کو رونق سے محروم کر دیا جائے گا۔ ؎۳

؎۱ اور قاسم بن سلام کی فضائلِ قرآن میں یہ روایت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

حدثنا عبد الرحمن ، عن سفيان ، عن واقد مولى يزيد بن خليدة ، عن زاذان ، قال : من قرأ القرآن ليتأكل الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم (فضائل القرآن للقاسم بن سلام رقم الحديث ۲۹۳)

؎۲ أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، وأبو القاسم بن حبيب المفسر من أصل كتابه، ومحمد بن موسى بن الفضل، قالوا :حدثنا أبو عبد الله محمد بن عبد الله الصفار الأصبهاني، حدثنا أحمد بن ميثم بن أبي نعيم الفضل بن دكين، حدثنا على بن قادم الخزاعي، عن سفيان الثوري، عن علقمة بن مرثد، عن سليمان بن بريدة، عن أبيه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم "(شعب الايمان للبيهقي رقم الحديث ۲۳۸۴)

قال المناوى:قال ابن أبي حاتم :لا أصل لهذا من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ابن الجوزى :وفيه على بن قادم ضعفه يحيى وأحمد بن ضبير ضعفه الدارقطني اه.وأورده الذهبي في المتروكين وقال :ضعفه ابن معين وكان شيعيا غاليا.(فيض القدير للمناوى تحت حديث رقم ۲۲۸۹)

؎۳ (من قرأ القرآن يتأكل به) أى يستأكل به على حد *(فمن تعجل في يومين) أى استعجل والباء للآلة ككتبت بالقلم (الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم) أى من جعل القرآن ذريعة ووسيلة إلى حطام الدنيا جاء يوم القيامة في أسوأ حال وأقبح صورة حيث عكس وجعل أشرف الأشياء وأعزها وصلت إلى أذل الأشياء وأحقرها وذا أبلغ من خبر لا يزال الرجل يسأل الناس حتى يأتى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شیطان کا حربہ ہے کہ جتنا بڑا عمل ہوتا ہے، اتنا ہی اسے ضائع کرنے کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ آج رمضان المبارک کے بابرکت اور مقدس مہینے میں بہت سے حفاظِ کرام چند ٹکوں کے بدلے قرآن مجید کی سودے بازی کرتے ہیں اور اس طرح یہ دنیا دار ناقدر شناس لوگ اس مبارک مہینے کے انوار و برکات کو پیسوں کی خاطر قربان کر کے رکھ دیتے ہیں۔

اور اس پر طرہ یہ ہے کہ اس عمل کو گناہ سمجھنے کے بجائے الٹا جائز بلکہ ثواب ثابت کرنے کی بے تکی تاویلیں کرتے ہیں۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ہم تو خالصتاً اللہ کی رضاء کے لئے سناتے ہیں یا ہمیں زبردستی دے دیا جاتا ہے۔

پھر بعض جگہ تو حفاظ پہلے سے قرآن سنانے کی اُجرت مقرر کر لیتے ہیں ان کا معاملہ تو بالکل صاف ہے کہ یہ صریح گناہ ہے۔

اور اکثر حفاظ ایسے ہیں اور یہی رواج بھی ہے کہ پہلے سے کچھ مقرر نہیں کیا جاتا پھر جس قدر مل جائے وصول کر لیتے ہیں۔

مگر یاد رکھئے کہ متعین نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو اجرت میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

کیونکہ جو بات لوگوں کے درمیان پہلے سے معروف ومشہور اور رائج ہو وہ مشروط چیز کا حکم رکھتی ہے خواہ لفظوں میں اس شرط کی وضاحت نہ کی جائے (ہماری روزمرہ کی زندگی میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يوم القيامة وليس في وجهه مزعة لحم لأنه أخبر عن وجهه أنه عظم صرف ثم أكده بقوله وليس عليه لحم قال الأفضلي :من استجر الجيفة ببعض الملاهي والمعازف أهون ممن استجرها بالمصحف(فيض القدير للمناوى تحت حديث رقم ۲۲۸۹)

[1] المعروف عرفا كالمشروط شرطا وفي الكتب الفقهية عبارات أخرى بهذا المعنى "الثابت بالعرف كالثابت بدليل شرعي "و "المعروف عرفا كالمشروط شرعا "و "الثابت بالعرف كالثابت بالنص "والمعروف بالعرف كالمشروط باللفظ (درر الحكام في شرح مجلة الأحكام، ج ۱ ،ص ۵۱، المادة ۴۳، المعروف عرفا كالمشروط شرطا)

لہٰذا تراویح میں قرآن مجید پڑھنے کی اجرت خواہ مشروط ہو یا معروف ہو جیسا کہ آج کل بہت سے علاقوں میں عام طور پر رواج ہے کہ کسی نہ کسی عنوان سے لینا دینا لازم سمجھا جاتا ہے اور حفاظ بھی ایسی جگہ کی تلاش میں ہوتے ہیں جہاں زیادہ ملنے کی امید ہو یہاں تک کہ اگر دوسرے شہر جانا پڑے تو اس کے لئے سفر کرتے ہیں اور اگر کسی جگہ کچھ ملنے کی امید نہ ہو تو وہاں نہیں جاتے بلانے پر بھی عذر کر دیتے ہیں اور اگر زبان سے کچھ نہ کہیں تب بھی دل میں یہی ہوتا ہے کہ یہاں سے کچھ نہ کچھ ضرور ملے گا۔

تو اس صورت میں جو کچھ ہدیہ چندہ اور مدد کے نام سے نقدی یا جوڑا دیا جائے گا وہ اجرت میں داخل ہوگا، اور لینے دینے والے دونوں گنہگار رہوں گے۔ [1]

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ قاری اور حافظ اُجرت کی نیت سے نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے لئے کام کرتے ہیں اور لوگ بھی اخلاص کے ساتھ ان کی خدمت کرتے ہیں، معاوضہ مقصود نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ جب لین دین کا رواج ہو تو ظاہر پر حکم لگایا جاتا ہے اور نیت کا حال کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔

مگر درجِ ذیل قرائن سے نیت کا فساد معلوم ہوتا ہے۔

(الف)...... اگر کسی جگہ قاری کو کچھ بھی نہ ملے یا حسبِ منشاء وصولی نہ ہو یا پہلے ہی کہہ دیا جائے کہ یہاں سے آپ کو نقدی، جوتا، مٹھائی، کپڑا وغیرہ کچھ نہیں ملے گا تو اس پر ان کی طرف سے ناراضگی اور خفگی والا ردِ عمل سامنے آتا ہے، اسی وجہ سے ایسی جگہ کا آئندہ رُخ بھی نہیں کیا جاتا۔

(ب)...... اپنے علاقوں کی مسجدیں جہاں کچھ نہیں ملتا، یا بہت کم ملتا ہے، ویران چھوڑ کر دور دراز کے علاقوں میں جہاں بھاری رقم ملتی ہے، جا کر تراویح پڑھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔

---

[1] وقال العینی فی شرح الهدایة: ویمنع القاری للدنیا والأخذ والمعطی آثمان (ردالمحتار، ج ٦ ص ٥٦، کتاب الاجارة، مطلب فی الاستئجار علی الطاعات)

(ج)...... در پردہ لوگوں کو ان کی یا اپنی امداد کی ترغیب دی جاتی ہے۔

(د)...... اس قسم کے حفاظ اندرونِ خانہ بیٹھ کر لین دین کے معاملات میں گفتگو کرتے ہیں۔

(ہ)...... ایک دوسرے پر فخریہ انداز میں اپنے آپ کو ملنے والی رقم کے ذریعہ سے بڑھ چڑھ کر ظاہر کرتے ہیں، کیا یہی اخلاص اور للّٰہیت ہے؟

(و)...... مسجد والوں کا حال یہ ہے کہ اگر یہ قاری ان کی مسجد میں نہ آئیں تو یہ لوگ ان حافظ صاحب کی خدمت نہیں کرتے، اور ان کا حال بھی دریافت نہیں کرتے، خواہ وہ کتنے ہی محتاج وضرورت مند ہوں۔

اس قسم کی باتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جانبین کی نیت معاوضے اور اُجرت کے لین دین کی ہوتی ہے (ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ، جلد۳، صفحہ ۵۱۴، فصل فی التراویح)

اسی سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ تراویح میں قرآن مجید سُنانے والے حافظ کو دینے کی غرض سے چندہ کرنا اور تعاون کرنا بھی جائز نہیں۔ [1]

بعض لوگ شبہ کیا کرتے ہیں کہ اگر تراویح میں قرآن سنانے والے حافظ کے لئے کچھ لینا دینا ناجائز ہے تو مدرسوں میں قرآن مجید کی تعلیم دینے والوں کو تنخواہ لینا کیوں جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم اور قرآن مجید کی تلاوت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، قرآن مجید کی تعلیم پر لینا دینا جائز ہے اور تلاوت پر (خواہ وہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر) جائز نہیں۔ [2]

---

[1] لقولہٖ تعالیٰ "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (سورۃ المائدۃ، آیت ۲)

[2] (تنبیہ) قال فی البحر : ولم أر حکم من أخذ شیئا من الدنیا لیجعل شیئا من عبادته للمعطی، وینبغی أن لا یصح ذلک اھ أی لأنه إن کان أخذه علی عبادة سابقة یکون ذلک بیعا لها، وذلک باطل قطعا، وإن کان أخذه لیعمل یکون إجارة علی الطاعة وهی باطلة أیضا کما نص علیه فی المتون والشروح والفتاوی، إلا فیما استثناه المتأخرون من جواز الاستئجار علی التعلیم والأذان والإمامة وعللوه بالضرورة وخوف ضیاع الدین فی زماننا لانقطاع ما کان یعطی من بیت المال .وبه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر تراویح میں قرآن مجید سُنانے والے کے ذمہ کچھ نمازیں لگادی جائیں، یا پہلے سے اس کے ذمہ کچھ نمازیں مقرر ہوں، تو پھر ایسی صورت میں اس کو جو کچھ دیا جائے، تو اگر وہ امامت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

علم أنه لا يجوز الاستئجار على الحج عن الميت لعدم الضرورة كما يأتى بيانه فى هذا الباب، ولا على التلاوة والذكر لعدم الضرورة أيضا، وتمام الكلام على ذلك فى رسالتنا (شفاء العليل وبل الغليل، فى بطلان الوصية بالختمات والتهاليل) فافهم(رد المحتار على الدر المختار، ج٢، ص٥٩٦، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

قوله :وتعليم القرآن؛ قال تاج الشريعةِ -رضى الله عنه- فى شرح الهداية :إن القرآنَ بالأجرةِ لا يستحقُّ الثوابَ لا للميِّت ولا للقارىء، وقال العَيْنِيُّ فى شرح الهداية :ويمنعُ القارىء للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان، فالحاصل أنَّ ما شاعَ فى زماننا من قراءةِ الأجزاءِ بالأجرةِ لا يجوز؛ لأنَّ فيه الأمرَ بالقراءة، وإعطاءُ الثواب للآمر، والقراءةُ لأجلِ المال، فإذا لم يمكن للقارىء ثوابٌ لعدمِ النيّة الصحيحةِ فأين يصلُ الثوابُ إلى المستأجر، ولولا الأجرةَ ما قرأ أحدٌ لأحدٍ فى هذا الزمان، بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلةً إلى جمع الدنيا، إنّا لله وإنّا إليه راجعون .انتهى.

وقال الشيخ خيرُ الدين الرمليُّ فى حاشية البحر فى كتاب الوقف :أقول :المفتى به جوازُ الأخذِ استحساناً على تعليمِ القرآن لا على القراءةِ المجرَّدة .كما صرَّح به فى التاتارخانية حيث قال :لا معنى لهذه الوصيّة، ولصلة القارىء بقراءته؛ لأنَّ هذا بمنْزلةِ الأجرة، والإجارةُ فى ذلك باطلة، وهى بدعة، ولم يفعلها أحدٌ من الخلفاء ، وقد ذكرنا مسألة تعليمِ القرآنِ على استحسان؛ أى للضرورة، ولا ضرورةَ فى الاستئجار على القراءةِ على القبر .انتهى.

وفيه ردَّ صاحب البحر حيث علَّلَ البطلانَ بأنّه مبنيٌّ على القولِ بكراهةِ القرآن على القبر وليس كذلك، بل لما فيه من شبهةِ الاستئجارِ على القبر، وقال فى الولوالجيّة: لو زارَ قبرَ صديقٍ أو قريبٍ له وقرأ عنده شيئاً من القرآن فهو حسن، أمّا الوصيّة بذلك فلا معنى لها، ولا معنى أيضاً لصلةِ القارىء؛ لأنَّ ذلك يشبهُ استئجاره على قراءةِ القرآن وذلك باطل، ولم يفعل ذلك أحدٌ من الخلفاء .انتهى.

فلو كانت العلَّة ما قاله صاحب البحر لم يصحّ قوله هنا، فهو حسن، ونقل العلامةُ الخلوتيّ فى حاشية المنتهى الحنبلى عن شيخِ الإسلام تقىّ الدين -رضى الله عنه- ما نصَّه :ولا يصحُّ الاستئجارُ على القراءة وإهدائها إلى الميِّت؛ لأنّه لم ينقلْ عن أحدٍ من الأئمّة الإذن فى ذلك، وقد قال العلماء :إنّ القارىء إذا قرأ لأجلِ المالِ فلا ثواب له، فأىُّ شىءٍ يهديه إلى الميّت، وإنّما يصلُ إلى الميّت العمل، والاستئجارُ على مجرّد التلاوةِ لم يقلْ به أحد من الأئمّة، وإنّما تنازعوا فى الاستئجار على التعليم .انتهى هذا ما التقطته من رد المحتار(٣/٣٥)

وقال فى الفتاوى العالمكيرية :واختلفوا فى الاستئجارِ على قراءة القرآن على القبر مدّة معلومة، قال بعضهم :تجوزُ وهو المختار، كذا فى السراج الوهّاج.انتهى .وقال العلامةُ الطحطاويّ فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے معروف معاوضہ سے زیادہ ہو، تو بھی اتنا حصہ اجرت میں داخل ہوکر منع ہوگا۔ [1]
اگر کسی امام وخطیب یا مدرس کو معاشی تنگی کا سامنا ہے اور تنخواہ سے اس کا گزارہ مشکل ہے تو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حاشيته على الدرّ المختار (۳۰/۴) والمختارُ جوازُ الاستئجار على قراءةِ القرآنِ على القبورِ مدَّة معلومة، وفي الحَمَويّ ما نصّه :ونقل العلامةُ المقدسيّ من هامش نسخة من القنية: ما نصّه وفي الكواشي: المستأجر للختمِ ليس له أن يأخذ الأجر أقلّ من خمسةٍ وأربعين درهماً شرعيّاً، هذا إذا لم يسمِّ شيئاً من الأجر .كما ذكره في الأصل :أي المبسوط في رجلٍ قال للقارء :اختم القرآن ولم يسمِّ شيئاً من الأجر وختمه، ليس له أن يأخذَ أقلَّ من خمسة وأربعين درهماً بعد العقد عليه، أو شرطَ أن يكون ثواب ما فوق لنفسه فلا يأثم، وعلى هذا لو قال القارء :اقرأ ختماً بقدرِ ما قدّرتَ من الأجرِ حين أمره المستأجر بالختم بأقلّ من خمسةٍ وأربعين فقرأ من القرآن ذلک المقدار من الثلث أو الربعِ أو النصف أو نحوها فلا يأثم .انتهى ملخّصاً.

وقال العلامةُ الشاميُّ في رد المحتار (۳۶/۵) وما نقل عن بعض الهوامش، وعزى حاوى الزاهدى من أنّه لا يجوز الاستئجار على الختمِ من خمسةٍ وأربعين فخارجٌ عمّا اتّفقَ عليه أهل المذهبِ قاطبة. انتهى .فتفكّر وتدبّر ليظهرَ عليک قوّة دليلِ عدمِ جواز الاستئجارِ على قراءةِ القرآن لاتصال الثوابِ إلى الميت سواء كان على القبر أو لا، والاستئجار على ختمِ القرآنِ في التراويح كما اعتادَه الحفّاظُ في زماننا فإنّهم يعيّنون الأجر من قبل، ويجبرونَ المستأجر عليه، والحالُ أنّ الختمَ في التراويحِ سنة لا واجبة، والقياس على حجِّ البدلِ قياسٌ مع الفارق، وحاله ما ذكرنا فتذكّر (عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، كتابُ الهبة)

[1] چنانچہ امدادُالفتاویٰ میں ہے کہ:

یہ جواز کا فتویٰ اُس وقت ہے جب امامت ہی مقصود ہو، حالانکہ یہاں مقصود ختمِ تراویح ہے، اور یہ محض ایک حیلہ۔

دیانات میں جوکہ معاملہ فیما بین العبد وبین اللہ ہے، حیل مفید جوازِ واقعہ کونہیں ہوتے، لہٰذا یہ ناجائز ہوگا (امدادُ الفتاویٰ، ج۱، ص۳۲۲، فصل فی التراویح)

ملحوظ رہے کہ بعض حضرات نے سامع کو معلم کا درجہ دیتے ہوئے لین دین کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ احسن الفتاویٰ میں اس سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ:

صحیح یہ ہے کہ یہ تعلیم نہیں بلکہ تذکیر ہے، ثانیاً اگر تعلیم ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ اس قسم کی ضروری تعلیم نہیں، جس پر جوازِ اُجرت کا فتویٰ ہے، جب تراویح میں ختمِ قرآن ہی ضروری نہیں، اسی لئے اس پر اُجرت لینا جائز نہیں، تو قاری کو تعلیم یا تذکیر ایسی ضروری کیونکر ہوسکتی ہے کہ اس پر اُجرت لینا جائز ہو، لہٰذا قاری کی طرح سامع کو بھی اُجرت لینا جائز نہیں، خواہ اُجرت متعین ہو، یا بلاتعیین بنامِ امداد وخدمت ہو؛ بہرحال ناجائز ہے، بلکہ بدون تعیین میں مزید قباحت یہ ہے کہ اس میں اُجرت مجہول ہے، اس لئے یہ اور بھی زیادہ شدید گناہ ہے (احسن الفتاویٰ ج۳، ص۵۱۶، فصل فی التراویح)

اہلِ محلّہ کی دینی واخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی تنخواہ میں بقدرِ ضرورت اضافہ کریں تاکہ وہ فراغت اور دلجمعی سے دینی خدمات سرانجام دے سکے۔

یہ مسلمانوں کی دنیاوی اور جسمانی ضروریات سے زیادہ بڑی اور اہم ضرورت ہے کہ علماء وائمہ اور حفاظ وقراء کو (تراویح میں قرآن مجید سنانے سے ہٹ کر) ویسے ہی ان کو معاشی ضرورتوں سے بے فکر کر کے انہیں خدماتِ دینیہ کے لئے فارغ رکھیں، اسی میں عوام اور ان کی آئندہ نسلوں کے دین کی حفاظت ہے۔

علماء وائمہ کو بھی چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے پر قناعت کریں اور اخلاص واستغناء سے اصولِ شرعیہ کے مطابق خدمتِ دین میں مشغول رہیں، اللہ تعالیٰ خود ان کی ہر ضرورت کے پورا ہونے کا غیب سے انتظام فرمائیں گے اور عزت سے کھلائیں گے، اور یہ بھی سوچیں کہ رمضان سال میں صرف ایک مرتبہ آتا ہے اور گیارہ مہینہ کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش تو ہوتا ہی ہے تو جس طرح گیارہ مہینے گزر بسر ہو جاتا ہے یہ مہینہ بھی گزارنا کوئی مشکل نہیں۔

ملحوظ رہے کہ تراویح میں قرآن مجید سنانے پر لین دین کے ناجائز ہونے کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ لینا دینا طے کر لیا جائے یا زبانی صراحت ہو جائے، یا لین دین کی نیت سے پڑھا یا سنا جائے یا لین دین کا رواج ہو (جیسا کہ عام طور پر آج کل ہے) اور اگر ان میں سے کوئی بات نہ ہو تو پھر بطور ہدیہ کے لینا دینا جائز ہوگا (لیکن اس صورت کا وجود آج کل مشکل ہے)

تراویح میں مسائل سے ناواقف کو امام بنانا

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ، فَإِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً، فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ (مسلم) [1]

---

[1] رقم الحديث ٦٧٣" ٢٩٠" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب من احق بالامامة.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کی امامت وہ شخص کرے جو اُن میں کتابُ اللہ کی قرائت کو زیادہ جانتا ہو، اگر لوگ قرائت میں برابر ہوں تو جو سنت کو زیادہ جاننے والا ہو (وہ امامت کرے) (مسلم)

شریعتِ مطہرہ میں امامت کے لئے کچھ شرائط اور اوصاف ضروری قرار دیئے گئے ہیں جن کا پایا جانا امام کے لئے ضروری ہے خواہ امام فرض نماز کا ہو یا تراویح کا، حکم سب نمازوں کی امامت کا برابر ہے۔

مثلاً امامت کے لئے ضروری ہے کہ نماز کے فرائض، واجبات وغیرہ کا علم ہو، کیونکہ اگر نماز کے ضروری مسائل کا بھی علم نہ ہوگا کہ نماز کن چیزوں سے فاسد ہوجاتی ہے اور کن چیزوں سے نماز میں سجدہ سہو لازم آجاتا ہے تو نماز کے ضائع یا واجبُ الاعادہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

آج کل تراویح کی امامت کے سلسلہ میں اس سے بہت غفلت برتی جاتی ہے اور صرف حافظِ قرآن ہونا یا قرائت کا اچھا ہونا کافی سمجھا جاتا ہے، جبکہ امامت کے مستحق ہونے میں قرائت کا اچھا ہونا اور حافظ قرآن ہونے کا درجہ ضروری مسائل کے علم کے بعد کا ہے کیونکہ اگر نماز ہی صحیح نہ ہو یا واجبُ الاعادہ ہوجائے تو ایسی قرائت اور ایسی تراویح میں قرآن مجید پڑھنے کا کیا فائدہ، اس سے بہتر تھا کہ ایسے شخص کے پیچھے سورتوں سے تراویح پڑھ لی جاتی جو کم از کم نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہوتا کیونکہ اس میں اگرچہ ایک سنت ''تراویح میں قرآن مجید سننے'' کی تو رہ جاتی مگر تراویح کے صحیح ہونے کی ذمہ داری سے تو بری ہوجاتے، اور اگر نماز ہی ناقص یا ضائع ہوگئی تو نہ تراویح کی سنت ادا ہوگی اور اس کے نتیجہ میں نہ ہی قرآن مجید پڑھنے یا سننے کی سنت ادا ہوگی۔ [1]

---

[1] أما الكلام فى بيان من هو أحق بالإمامة، نقول: الأولى بالتقديم الأعلم بالسنّة إذا كان يحسن من القراء ة ما يجوز بها الصلاة؛ لأن القراء ة يحتاج إليها فى ركن واحد والعلم بالسُنّة يحتاج إليه من أول الصلاة إلى آخرها؛ فكان الأعلم بالسنّة أولى، والذى روى أن النبى عليه السلام قال: يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله تعالى، فإن كانوا سواء، فأعلمهم بالسنّة فإنما قال ذلك فى ذلك

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذااس لاپرواہی کودور کرنا چاہئے اورتراویح کے لئے ایسے حافظ کومتعین کرنا چاہئے جودوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ نماز کے ضروری اوراہم مسائل واحکام سے بھی واقف ہواوراگرایسا کوئی حافظ نہ ملے تو نماز کے ضروری مسائل سے واقف پابندِشریعت شخص کے پیچھے سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائے۔

ڈاڑھی کٹوانے والے کی تراویح میں امامت

ہمارے یہاں الحمدللہ دین کی محنت اورعلمائے کرام کی جدوجہد کی بدولت عموماً فرض نمازوں میں توشرعی ڈاڑھی والے امام کا اہتمام کیا جاتا ہے، لیکن رمضانُ المبارک کے مقدس مہینہ میں بہت سی جگہ تراویح کے لئے صرف حافظِ قرآن ہونے یا خوش الحانی کی وجہ سے یا کسی اوردنیوی غرض کی خاطرایسے حافظوں کوتراویح پڑھانے کے لئے مصلے پرکھڑا کردیا جاتا ہے جن کی شرعی (یعنی پوری ایک مٹھی) ڈاڑھی نہیں ہوتی۔

بعض حافظ ایسے بھی ہیں کہ سارے سال توشرعی احکام سے آزاداور بے باک نظرآتے ہیں لیکن ماہِ مبارک کی آمدسن کر چندروز پہلے خشخشی ڈاڑھی رکھ لیتے ہیں اورجوں ہی مبارک مہینہ گزرتا ہے، یاتراویح میں قرآن سنا کرفارغ ہوتے ہیں فوراًاپنی پہلی حالت پرلوٹ آتے ہیں اورصرف اسی پربس نہیں کہ ڈاڑھی کٹانا شروع کردیتے ہوں، بلکہ فرض نمازروزوں کوبھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الوقت؛ لأنهم كانوا يتلقنون القرآن بأحكامه فالأقرأ فيهم كان أعلم، فأما فى زماننا فيكون الرجل ماهراً فى القراءة ولا حظ له من العلم، فالعلم بالسنّة أولى، قال :فإذا تساووا فأكثرهم ورعاً للحديث (المحيط البرهانى، ج ا ، ص ۴۰۵، كتاب الصلاة، الفصل السادس، فصل فى بيان من هو أحق بالإمامة)

(قوله والأعلم أحق بالإمامة) أى أولى بها ولم يبين المعلوم وفسره فى المضمرات بأحكام الصلاة، وفى السراج الوهاج بما يصلح الصلاة ويفسدها، وفى غاية البيان بالفقه وأحكام الشريعة والظاهر هو الأول ويقرب منه الثانى، وأما الثالث فمحمول على الأول لظهور أنه ليس المراد من الفقه غير أحكام الصلاة ولهذا وقع فى عبارة أكثرهم الأعلم بالسنة باعتبار أن أحكام الصلاة لم تستفد إلا من السنة(البحر الرائق، ج ا ، ص۳٦۷، باب الامامة، صفة الإمامة فى الصلاة)

خیر باد کہہ دیتے ہیں بعض حفاظ سرِ عام کھاتے پیتے اور سگریٹوں کے کش لگاتے پھرتے ہیں، غیر شرعی لباس پہن کر اکڑتے پھرتے ہیں۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ یہ لوگ ویسے تو کبھی اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ پھٹکیں اور چند ٹکوں، یا شہرت کی خاطر یا کسی بھی دنیاوی غرض سے چند دنوں کے لئے اس حالت کو اپنالیں۔

کیا اس گناہ سے بچنا سارے سال اور ہمیشہ کے لئے ضروری نہیں ہے؟

یاد رکھئے کہ ڈاڑھی رکھنے اور بڑھانے کی سخت اہمیت اور تاکید ہے، اور کم از کم ایک مٹھی تک ڈاڑھی بڑھانا واجب ہے، اور اس کا منڈانا یا شرعی مقدار پوری ہونے سے پہلے کاٹنا سخت گناہ ہے۔

بلکہ اس عمل میں کئی گناہ پائے جاتے ہیں، مثلاً:

(۱)...... سب سے پہلا گناہ تو یہ ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت پائی جاتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا ہے۔ [۱]

(۲)...... دوسرا گناہ یہ ہے کہ یہ گناہ علانیہ اور کھلے عام ہوتا ہے، جو لوگوں کی نظروں سے مخفی نہیں رہتا، اور گناہ کو ظاہر کرنا بھی مستقل گناہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

كُلُّ أُمَّتِيْ مُعَافِى إِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ (بخاری) [۲]

ترجمہ: میری سب امت کی بخشش کر دی جائے گی، سوائے علانیہ گناہ کرنے

---

[۱] والأمر بهذا يفيد وجوب المأمور به ، بحيث يثاب فاعله ، ويعاقب تاركه ، و ليست هناك قرينة تصرفه إلى الندب ، ومنه يعلم أن حلق اللحية مخالفة صريحة لأمر رسول اللّٰه -صلى الله عليه وسلم (ففروا إلى الله :لأبى ذر القلمونى، الباب الثالث عشر :الدين النصيحة،القرآن واللحية)

[۲] رقم الحديث ۶۰۶۹ ،كتاب الادب، باب ستر المؤمن على نفسه؛ مسلم،رقم الحديث ۲۹۹۰ "۵۲"باب النهى عن هتك الإنسان ستر نفسه.

والوں کے (بخاری، مسلم)

(۳)...... تیسرا گناہ یہ ہے کہ اس عمل میں اپنی شکل بگاڑنا اور تغییرِ خلق اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی فطرت وخلقت کو بدلنا) پایا جاتا ہے، اور اس گناہ کا شیطان نے وعدہ کیا تھا۔ [1]

(۴)...... چوتھا گناہ یہ ہے کہ ڈاڑھی منڈانے میں کافروں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، جس پر سخت وعید آئی ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی، تو وہ انہی میں سے ہوگا (ابوداؤد)

(۵)...... پانچواں گناہ یہ ہے کہ ڈاڑھی منڈانے میں خواتین کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، کیونکہ ڈاڑھی کو اللہ تعالیٰ نے مَردوں اور عورتوں کے درمیان امتیازی شرف کی چیز بنایا ہے۔ [3]

اور جس عمل میں عورتوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہو، ایسے عمل کو اختیار کرنا

---

[1] ولآمرنهم فليغيرن خلق الله (سورة النساء، آية ۱۱۹)

[2] رقم الحديث ۴۰۳۱، كتاب اللباس، باب فى لبس الشهرة.

[3] قوله عز وجل (وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِى آدَمَ) روى عن ابن عباس أنه قال :هو أنهم يأكلون بالأيدى وغير الآدمى يأكل بفيه من الأرض وروى عنه أنه قال :بالعقل.
وقال الضحاک :بالنطق وقال عطاء :بتعديل القامة وامتدادها والدواب منكبة على وجوهها وقيل : بحسن الصورة وقيل :الرجال باللحى والنساء بالذوائب وقيل :بأن سخر لهم سائر الأشياء وقيل : بأن منهم خير أمة أخرجت للناس (تفسير البغوى، ج۳ص ۱۴۵، تحت آيت ۷۰من سورة الاسراء)
وقيل أكرم الرجال باللحى والنساء بالذوائب(تفسير القرطبى.ج۱۰ ص ۲۹۴ تحت آيت ۷۰من سورة الاسراء)

احادیث کی رُو سے باعثِ لعنت عمل ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُتَشَبِّھِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّھَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ مشابہت کرنے والے مَردوں اور مَردوں کے ساتھ مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے (بخاری)

(۶)...... چھٹا گناہ یہ ہے کہ ڈاڑھی منڈانے میں ہیجڑوں کے ساتھ بھی مشابہت پائی جاتی ہے، اور یہ بھی مستقل گناہ ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

لَعَنَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُخَنَّثِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخنث (یعنی ہیجڑہ وزنخہ) بننے والے مَردوں پر اور مرد بننے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے (بخاری)

(۷)...... ساتواں گناہ یہ ہے کہ ڈاڑھی منڈا کر یا ایک مٹھی سے کم کرا کر جب تک انسان اس عمل کا مرتکب رہتا ہے، اس وقت تک اس کا گناہ برابر ہوتا رہتا ہے (احسن الفتاویٰ ج۸ص۷۴) [3]

---

[1] رقم الحديث ۵۸۸۵، كتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء والمتشبهات بالرجال.

[2] رقم الحديث ۵۸۸۶، كتاب اللباس، باب إخراج المتشبهين بالنساء من البيوت.

[3] أحدهما: أن تحريم حلق اللحية دلت عليه السنة بخصوصه............

الثانی: أن حالق اللحية مجاهر بمعصيته, وأثارها بادية عليه باستمرار فی حالة نومه, ويقظته, وعبادته, وفراغه............ .

الوجه الثالث: أن حلق اللحية تغيير للمظهر الإسلامی فی الفرد والجماعة, وعدول به عن مظهر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۸)...... آٹھواں گناہ یہ ہے کہ ڈاڑھی رکھنا اسلام کا شعار یا کم از کم نیک اور دیندار لوگوں کا شعار ہے، جس کی حفاظت واجب ہے، اوراس کی خلاف ورزی کرنا گناہ ہے (کذافی کفایت المفتی ج۹ص ۱۷۱، واغلاط العوام بتبویبِ جدید ص۹۰)

ملحوظ رہے کہ اگر ڈاڑھی پوری طرح منڈائی نہ جائے بلکہ کاٹ کر ایک مٹھی سے کم کردی جائے تو بھی گناہ ہے، کیونکہ اس میں بھی رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور کافروں کی مشابہت پائی جاتی ہے، اور ایک درجہ میں تغییر خلق اللہ اور اپنے آپ کومثلہ بنانے کا گناہ بھی پایا جاتا ہے۔

البتہ اس میں عورتوں اور ہیجڑوں کے ساتھ پوری طرح مشابہت کا گناہ نہیں پایا جاتا، اس لئے باوجودیکہ ڈاڑھی کا ایک مٹھی سے کم کرنا بھی گناہ ہے، مگر اس کا گناہ پوری طرح ڈاڑھی منڈوانے کے گناہ سے کسی قدر کم ضرور ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأنبياء والمرسلين,والذين اتبعوهم بإحسان,وهذا أمر زائد على كونه مجرد معصية.

الوجه الرابع :أن حلق اللحية تشبه بأعداء الله تعالى من المجوس,والمشركين,وتحويل للمظهر الإسلامي إلى مظهر شرك ومجوسية ,فهو معصية لرسول الله صلى الله عليه وسلم ,وتشبه بأعداء الله عز وجل,وهاتان مفسدتان:المعصية,و التشبه.

الوجه الخامس :أن في حلق اللحية تغييرا لخلق الله تعالى وهو من أوامر الشيطان كما قال تعالى عنه) ومن يتخذ الشيطان وليا من دون الله فقد خسر خسرانا مبينا يعدهم ويمنيهم وما يعدهم الشيطان إلا غرورا أولئك مأواهم جهنم ولا يجدون عنها محيصا(النساء ،الآيات ۱۱۹ تا ۱۲۱)

(مجموع فتاویٰ ورسائل للعثيمين، ج۱۵ ص ۱۳۱، ۱۳۲، تحت رقم السؤال ۹۹۰)

[۱] چنانچہ کفایتُ المفتی میں ہے کہ:

منڈانے اور ایک مشت سے کم رکھنے میں حکم متفاوت ہوگا، یعنی منڈانے والا زیادہ مؤاخذہ دار ہے، اور کتروانے والا اس سے کم (کفایت المفتی مدلل ومکمل ج۹ص ۱۷۸)

مندرجہ بالا تفصیل سے بعض حضرات کے اس شبہ کا بھی جواب ہوگیا کہ ڈاڑھی کا مقصد تو مرد اور عورت میں امتیاز ہے، لہٰذا یہ امتیاز جتنی مقدار ڈاڑھی کے رکھنے سے پورا ہوجائے، وہ کافی ہے، اور ایک مٹھی کی مقدار ضروری نہیں۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس صورت میں مذکورہ گناہ سے تو کسی درجہ میں بچت ہوجاتی ہے، مگر دوسرے گناہ پھر بھی موجود رہتے ہیں، جو اس فعل کے گناہ ہونے کے لئے کافی ہیں، اور ڈاڑھی کے حکم کا دارومدار صرف مذکورہ مقصد کی تکمیل پر نہیں۔

خلاصہ یہ کہ داڑھی مونڈنے یا ایک مٹھی سے کم داڑھی رکھنے والا حافظ اس عمل کی وجہ سے سخت گناہ گار ہے۔ [1]

جس کی امامت مکروہ ہے۔ [2]

اور بطورِ خاص تراویح میں ایسے شخص کی امامت میں زیادہ شدید کراہت ہے، کیونکہ تراویح کی جماعت کی اہمیت فرض نماز با جماعت کی اہمیت سے کم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی جگہ ایسے حافظ کے علاوہ تراویح کی جماعت میسر نہ ہو تو اس کا حل یہ ہے کہ اس کے بجائے کسی نیک اور شریعت کے متبع شخص کی اقتداء میں سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائے، اور یہ بھی میسر نہ ہو تو تنہا بغیر جماعت کے تراویح پڑھ لی جائے۔ [3]

---

[1] وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد اهـ (ردالمحتار، ج۲، ص۴۱۸، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده)

[2] وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا قال :ولذا لم تجز الصلاة خلفه أصلا عند مالك ورواية عن أحمد، فلذا حاول الشارح في عبارة المصنف وحمل الاستثناء على غير الفاسق، والله أعلم (ردالمحتار، ج۱، ص۵۶۰، وص۵۶۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

[3] وإن تخلف واحد من الناس وصلاها في بيته فقد ترك الفضيلة ولا يكون مسيئا ولا تاركا للسنة (الفتاویٰ الهندية، ج۱، ص۱۱۶، كتاب الصلاة، الباب التاسع، فصل في التراويح)

وقال الصدر الشهيد الجماعة سنة كفاية فيها حتى لو أقامها البعض في المسجد بجماعة وباقي أهل المحلة منفردا في بيته لا يكون تاركا للسنة لأنه يروى عن أفراد الصحابة للتخلف .وقال في المبسوط لو صلى إنسان في بيته لا يأثم فقد فعله ابن عمر وعروة وسالم والقاسم وإبراهيم ونافع فدل فعل هؤلاء أن الجماعة في المسجد سنة على سبيل الكفاية إذ لا يظن بابن عمر ومن تبعه ترك السنة اه .وإن صلاها بجماعة في بيته فالصحيح أنه نال إحدى الفضيلتين فإن الأداء في المسجد له فضيلة ليس للأداء في البيت ذلك وكذا الحكم في الفرائض (مراقي الفلاح شرح نور الايضاح، ص۱۵۷، كتاب الصلاة، باب في النوافل، فصل في التراويح)

(لكن على وجه الكفاية) ش :يعني إذا قام بها البعض بالجماعة سقطت عن الباقين حضور الجماعة، لأن الجماعة فيها سنة على الكفاية م :(حتى لو امتنع أهل المسجد عن إقامتها كانوا مسيئين) ش: هذه نتيجة كون الجماعة في التراويح سنة، على الكفاية م :(ولو أقامها البعض فالمتخلف عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تراویح میں نماز کے ارکان میں جلد بازی کرنا

یہ مرض بھی آج کل تراویح پڑھانے اور پڑھنے والوں میں کچھ عام ہوگیا ہے کہ تراویح میں جہاں ایک طرف قرآن مجید بہت تیز اور جلدی پڑھتے ہیں۔

دوسری طرف نماز کے ارکان رکوع، سجود، قومہ، جلسہ وغیرہ میں جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں بہت سی سنتیں اور واجبات رہ جاتے ہیں، بعض صورتوں میں نماز مکروہ ہوجاتی ہے اور بعض صورتوں میں واجب الاعادہ ہوجاتی ہے۔

نماز کو ٹھیک ٹھیک پڑھنے پر اگر بے شمار فضائل ہیں تو نماز کو خراب کرنے اور اس کے ارکان کو پوری طرح ادا نہ کرنے پر اسی درجہ کی وعیدیں بھی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الجماعة تارک للفضيلة) ش :يعنى لو أقام بعض أهل المسجد التراويح فالذى يتخلف عنهم لا يكون مسيئا بل يكون تاركا للفضيلة، لأن سنتها بالجماعة على الكفاية والفرض على الكفاية إذا قام به بعض سقط عن الباقى، ففى السنة على الكفاية بالطريق الأولى.

وعلل المصنف ذلک بقوله م :(لأن أفراد الصحابة -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ -يروى عنهم التخلف) ش: أى عن الجماعة فى صلاة التراويح، منهم عبد الله بن عمر -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا -رواه الطحاوى عن نافع عن ابن عمر أنه كان لا يصلى خلف الإمام فى شهر رمضان، وروى أيضا عن مجاهد قال :قال رجل لابن عمر -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا :-أصلى خلف الإمام فى رمضان؟ قال أتقرأ القرآن؟

قال :نعم قال :صل فى بيتک.

وأخرج ابن أبى شيبة أيضا فى "مصنفه "عن ابن عمر أنه كان لا يقوم مع الناس فى شهر رمضان قال وكان القاسم وسالم لا يقومان مع الناس .وروى البيهقى فى "سننه "عن ابن عمر أنه قال له رجل أصلى خلف الإمام فى رمضان؟ قال ابن عمر أليس تقرأ القرآن؟ قال :نعم، قال انتصب كأنک حمار، صل فى بيتک .وروى الطحاوى عن الأشعث بن سليم قال :أتيت مكة وذاک فى رمضان فى زمان ابن الزبير -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -فكان الإمام يصلى بالناس فى المسجد وقوم يصلون على حدة المسجد .وروى أيضا عن إبراهيم قال :لو لم يكن معى إلا سورة واحدة لكنت أرددها أحب إلى من أن أقوم خلف الإمام فى رمضان، وروى أيضا عن عروة وسعيد بن جبير ونافع أنهم كانوا ينصرفون من العشاء فى رمضان ولا يقومون مع الناس (البناية شرح الهداية، ج۲، ص۵۵۴، حكم صلاة التراويح وكيفيته)

أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَجَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰی ثُمَّ سَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ قَالَ فِى الثَّالِثَةِ فَأَعْلِمْنِيْ قَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ وَاقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ وَتَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِيْ صَلَاتِكَ كُلِّهَا (بخاری) [1]

ترجمہ: ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوکر نماز پڑھنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے، وہ شخص نماز سے فارغ ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور سلام کیا، آپ نے فرمایا واپس جاؤ، اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ واپس گیا اور (دوبارہ) نماز پڑھ کر پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا، اور فرمایا واپس جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، تیسری مرتبہ اس شخص نے عرض کیا کہ مجھے (نماز کے طریقہ کی) تعلیم دے دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو پہلے اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلہ رو ہو کر تکبیر کہو، اور جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکو پڑھو، اس کے بعد اطمینان سے رکوع کرو، پھر سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر اطمینان سے سجدہ کرو، پھر سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر اطمینان سے سجدہ کرو، پھر سجدہ سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ،

---

[1] رقم الحديث ٦٦٦٧، كتاب الايمان والنذور، باب إذا حنث ناسيا فى الأيمان، واللفظ لهٗ، مسلم، رقم الحديث ٧ ٣٩٧ "٤٥"، ابوداؤد رقم الحديث ٨٥٦.

اوراسی طرح ساری نماز میں کرو (بخاری، مسلم)

حضرت رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

فَإِذَا رَكَعْتَ، فَاجْعَلْ رَاحَتَيْكَ عَلٰى رُكْبَتَيْكَ، وَامْدُدْ ظَهْرَكَ وَمَكِّنْ لِرُكُوعِكَ، فَإِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ فَأَقِمْ صُلْبَكَ حَتّٰى تَرْجِعَ الْعِظَامُ إِلٰى مَفَاصِلِهَا، وَإِذَا سَجَدْتَ فَمَكِّنْ لِسُجُودِكَ، فَإِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ، فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِكَ الْيُسْرٰى، ثُمَّ اصْنَعْ ذٰلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ وَسَجْدَةٍ (مسند أحمد، رقم الحديث ۱۸۹۹۵) [1]

ترجمہ: پس جب آپ رکوع کریں، تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھیں، اور اپنی پشت کو پھیلالیں، اوراپنے رکوع کو اطمینان سے کریں، پھر جب آپ رکوع سے سر اٹھائیں تو اپنی پشت کو سیدھا کرلیں، یہاں تک کہ ہڈیاں اپنے جوڑوں پر لوٹ آئیں، اور جب آپ سجدہ کریں تو اپنے سجدے کو اطمینان سے کریں، پھر جب آپ سجدے سے اپنا سر اٹھائیں تو اپنی بائیں ران پر بیٹھ جائیں، پھر یہ ہر (رکعت کے) رکوع اور سجدہ میں کریں (مسند احمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَسْوَأَ النَّاسِ سَرِقَةً، الَّذِي يَسْرِقُ صَلَاتَهُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَسْرِقُهَا ؟ قَالَ: لَا يُتِمُّ رُكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا (مسند احمد، رقم الحديث ۱۱۵۳۲) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں چوری کے اعتبار سے سب سے بُرا شخص وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے، صحابۂ کرام نے عرض کیا

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

[2] فی حاشية مسند احمد: حديث حسن.

کہ اے اللہ کے رسول! نماز کی کیسے چوری کرے گا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس کے رکوع اور سجدوں کو مکمل (طریقہ پر ادا) نہیں کرتا (مسند احمد)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْسَنَ الرَّجُلُ الصَّلَاةَ فَأَتَمَّ رُكُوْعَهَا وَسُجُوْدَهَا قَالَتِ الصَّلَاةُ: حَفِظَكَ اللّٰہُ كَمَا حَفِظْتَنِیْ فَتُرْفَعُ، وَإِذَا أَسَاءَ الصَّلَاةَ فَلَمْ يُتِمَّ رُكُوْعَهَا وَسُجُوْدَهَا قَالَتِ الصَّلَاةُ: ضَيَّعَكَ اللّٰہُ كَمَا ضَيَّعْتَنِیْ فَتُلَفُّ كَمَا يُلَفُّ الثَّوْبُ الْخَلَقُ فَيُضْرَبُ بِهَا وَجْهُهُ (مسند ابی داؤد الطیالسی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ اچھی طرح نماز پڑھتا ہے، اور اس کے رکوع اور سجدوں کو پورا پورا ادا کرتا ہے، تو نماز کہتی ہے کہ اللہ تیری بھی ایسی ہی حفاظت فرمائے جیسی تو نے میری حفاظت کی، پھر اس نماز کو

---

[1] رقم الحدیث ۵۸۶، ج ۱ ص ۴۷۹، احادیث عبادة بن الصامت؛ مسند الشامیین للطبرانی رقم الحدیث ۴۲۷؛ شعب الایمان، رقم الحدیث ۲۸۷۱؛ مسند البزار، رقم الحدیث ۲۶۹۱.

قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الکبیر والبزار بنحوه وفیه الاحوص بن حکیم وثقه ابن المدینی والعجلی وضعفه جماعة وبقیة رجاله موثقون (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۲۷۳۴، ج ۲ ص ۱۲۲، باب فیمن لایتم صلاته ونسی رکوعها وسجودها)

اقول: روی هذاالمعنیٰ بوجه آخر.

عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى الصلاة لوقتها، وأسبغ لها وضوء ها، وأتم لها قيامها وخشوعها وركوعها وسجودها خرجت وهي بيضاء مسفرة، تقول: حفظک الله كما حفظتني، ومن صلى الصلاة لغير وقتها فلم يسبغ لها وضوء ها، ولم يتم لها خشوعها ولا ركوعها ولا سجودها خرجت وهي سوداء مظلمة، تقول: ضيعک الله كما ضيعتني، حتى إذا كانت حيث شاء الله لفت كما يلف الثوب الخلق، ثم ضرب بها وجهه.

لم يرو هذا الحديث عن حميد الطويل، عن أنس إلا عباد بن كثير، تفرد به عبد الرحمن بن سليمان، وأبو عبيدة هو حميد الطويل (المعجم الاوسط، رقم الحديث ۳۰۹۵)

(آسمان کی طرف) اُٹھالیا جاتا ہے، اور جب بندہ نماز کو بُرا کر کے پڑھتا ہے، اور اس کے رکوع اور سجدوں کو پورا ادا نہیں کرتا، تو نماز کہتی ہے کہ اللہ تجھے بھی ایسا ہی ضائع کرے جیسا تو نے مجھے ضائع کیا، پھر اس نماز کو پُرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردیا جاتا ہے (ابوداؤ دطیالسی)

حضرت ابوعبداللہ اشعری سے روایت ہے کہ:

صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِأَصْحَابِہٖ، ثُمَّ جَلَسَ فِیْ طَائِفَۃٍ مِّنْھُمْ، فَدَخَلَ رَجُلٌ، فَقَامَ یُصَلِّیْ، فَجَعَلَ یَرْکَعُ وَیَنْقُرُ فِیْ سُجُوْدِہٖ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَتَرَوْنَ ھٰذَا، مَنْ مَّاتَ عَلٰی ھٰذَا مَاتَ عَلٰی غَیْرِ مِلَّۃِ مُحَمَّدٍ، یَنْقُرُ صَلَاتَہٗ کَمَا یَنْقُرُ الْغُرَابُ الدَّمَ، إِنَّمَا مَثَلُ الَّذِیْ یَرْکَعُ وَیَنْقُرُ فِیْ سُجُوْدِہٖ کَالْجَائِعِ لَا یَأْکُلُ إِلَّا التَّمْرَۃَ وَالتَّمْرَتَیْنِ، فَمَاذَا تُغْنِیَانِ عَنْہُ، فَأَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ، وَیْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ، أَتِمُّوا الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ (صحیح ابنِ خزیمۃ) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نماز پڑھائی، پھر بعض صحابہ کے ساتھ بیٹھ گئے، اور ایک آدمی آیا، اور کھڑا ہوا، اور نماز پڑھی، وہ شخص رکوع مکمل نہیں کررہا تھا، اور اپنے سجدوں میں بھی ٹھونگ لگا رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ اسی حالت پر فوت ہوگیا، تو ملتِ

---

[1] رقم الحدیث ٦٦٥، کتاب الصلاۃ، باب إتمام السجود والزجر عن انتقاصہ الخ؛ الآحاد والمثانی لابن أبی عاصم، رقم الحدیث ۴۹۴؛ المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۳۸۴۰.

قال ابن خزیمۃ:

قال أبو صالح :فقلت لأبی عبد اللہ الأشعری :من حدثک بھذا الحدیث؟ فقال :أمراء الأجناد :عمرو بن العاص، وخالد بن الولید، ویزید بن أبی سفیان، وشرحبیل بن حسنۃ، کل ھؤلاء سمعوہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم(حوالہ بالا)

قال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الکبیر وأبو یعلی وإسنادہ حسن(مجمع الزوائد،باب فیمن لایتم صلاتہ ونسی رکوعھا وسجودھا)

اسلام کے علاوہ پر فوت ہوگا، اپنی نماز میں اس طرح ٹھونگ مارتا ہے، جس طرح سے کہ کوّا خون پر ٹھونگ مارتا ہے، بس اس شخص کی مثال جو کہ نماز پڑھتا ہے، اور پورا رکوع نہیں کرتا، اور اپنے سجدوں میں (کوّے کی طرح) ٹھونگیں مارتا ہے، اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور پیٹ نہیں بھرتا، سوائے ایک دو کھجوروں کے، پس یہ ایک دو کھجوریں اس کی کیا ضرورت پوری کریں گی، لہٰذا تم اچھی طرح وضو کیا کرو، اور (وضو کرتے وقت) ایڑیاں خشک رہ جانے والوں کے لئے آگ کی ہلاکت ہے، تم رکوع اور سجدوں کو پورا کیا کرو (ابنِ خزیمہ)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ شخص رکوع اور سجدوں کو پورا نہیں کر رہا تھا، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تنبیہ فرمائی، اور رکوع اور سجدوں کو پورا کرنے کا حکم فرمایا۔

اس قسم کی احادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی جان بوجھ کر قومہ (یعنی رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا) اور جلسہ (یعنی دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا) کو بالکل چھوڑ دے، یا قومہ اور جلسہ اور رکوع وسجدے کو اطمینان سے ادا نہ کرے، تو اس نماز کا لوٹانا واجب ہے، اور اگر بھولے سے چھوٹ جائے، تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔ [1]

---

[1] ولو ترک تعديل الاركان، ساهيا، أو القومة التى بين الركوع والسجود، يجب عليه السهو، لانه غير الفرض، وترک الواجب.(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ا ص ۲۱۰، كتاب الصلاة، باب السهو، دارالكتب العلمية، بيروت)

وفى شرح الزاهدى ما يدل على وجوبها عندهما كوجوبها فى الأركان فإنه قال وذكر صدر القضاة :وإتمام الركوع وإكمال كل ركن واجب عند أبى حنيفة ومحمد وعند أبى يوسف والشافعى فرض ، وكذا رفع الرأس من الركوع والانتصاب والقيام والطمأنينة فيه فيجب أن يكمل الركوع حتى يطمئن كل عضو منه ويرفع رأسه من الركوع حتى ينتصب قائما ويطمئن كل عضو منه ، وكذا فى السجود ، ولو ترک شيئا من ذلک ناسيا يلزمه سجدتا السهو ولو تركها عمدا يكره أشد الكراهة ويلزمه أن يعيد الصلاة ۱ھ .وهو يدل على وجوب القومة والجلسة وسيأتى التصريح بسنيتهما ومقتضى الدليل وجوب الطمأنينة فى الأربعة ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة على ذلک كله وللأمر فى حديث المسىء صلاته ، وفى فتاوى قاضى خان فى فصل ما يوجب السهو قال :المصلى إذا ركع ولم يرفع رأسه من الركوع حتى خر ساجدا ساهيا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رکوع وسجدے اور قومہ اور جلسہ میں اتنا ٹھہراؤ اور سکون ضروری ہے کہ جتنی دیر میں ایک مرتبہ ’’سبحان ربی العظیم‘‘ یا ’’سبحان ربی الاعلیٰ‘‘ کہا جاسکے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تجوز صلاته فی قول أبی حنیفة ومحمد وعلیه السهو .ا هـ .وفی المحیط لو ترک تعدیل الأرکان أو القومة التی بین الرکوع والسجود ساهیا لزمه سجود السهو ا هـ .فیکون حکم الجلسة بین السجدتین کذلک ؛ لأن الکلام فیهما واحد والقول بوجوب الکل هو مختار المحقق ابن الهمام وتلمیذه ابن أمیر حاج حتی قال إنه الصواب والله الموفق للصواب(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج ا ص ۳۱۷، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، دارالکتاب الاسلامی)

ولو ترک القومة ساهیا بأن انحط من الرکوع ساجدا ففی فتاوی قاضی خان أن علیه السجود عند أبی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالی هکذا فی فتح القدیر(الفتاوی الهندیة، ج ا ص ۱۲۶، کتاب الصلاة،الباب الثانی عشر فی سجود السهو)

فیمکث فی الرکوع والسجود وفی القومة بینهما حتی یطمئن کل عضو منه ، هذا هو الواجب عند أبی حنیفة ومحمد ، حتی لو ترکها أو شیئا منها ساهیا یلزمه السهو ولو عمدا یکره أشد الکراهة ، ویلزمه أن یعید الصلاة وتکون معتبرة فی حق سقوط الترتیب ونحوه کمن طاف جنبا تلزمه الإعادة والمعتبر هو الأول کذا هذا .ا هـ .والحاصل أن الأصح روایة ودرایة وجوب تعدیل الأرکان ، وأما القومة والجلسة وتعدیلهما فالمشهور فی المذهب السنیة ، وروی وجوبها ، وهو الموافق للأدلة ، وعلیه الکمال ومن بعده من المتأخرین وقد علمت قول تلمیذه إنه الصواب .وقال أبو یوسف بفرضیة الکل ....وللعلامة البرکلی رسالة سماها معدل الصلاة أوضح المسألة فیها غایة الإیضاح ، وبسط فیها أدلة الوجوب ، وذکر ما یترتب علی ترک ذلک من الآفات وأوصلها إلی ثلاثین آفة ومن المکروهات الحاصلة فی صلاة یوم ولیلة ، وأوصلها إلی أکثر من ثلثمائة وخمسین مکروها ، فینبغی مراجعتها ومطالعتها (رد المحتار ج ا ص ۴۶۴، ۴۶۵،کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،واجبات الصلات، دارالفکر ،بیروت)

ثم الصحیح من هذه المذاهب والروایات وجوب الاربعة اعنی طمانینة الرکوع والسجود ورفع الرأس عنهما والقومة والجلسة والطمانینة فیهمالو ترک شیئا منها عمدا اثم ووجب اعادتها وان سهوا فعلیه سجدتاالسهو (رسالة’’معدل الصلاة‘‘للبرکلی، صفحه ۱۴)

۱؎ وهو الاطمئنان فی الرُّکوع، وکذا فی السُّجُود، وقُدِّرَبمقدارِ تسبیحة، وکذاالاطمئنان بین الرُّکوع والسُّجود، وبین السَّجدتین(شرح الوقایة ،کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

قوله: وقدر بتسبیحة ای قدر الاطمینان بتسبیحة واحدة فی الرکوع سبحان ربی العظیم وفی السجود سبحان ربی الاعلیٰ (السعایة فی کشف مافی شرح الوقایة ، ج۲ ص ۱۴۱)

ومقدار الطمأنینة بمقدار تسبیحة(العنایة شرح الهدایة، ج ا ص ۳۳۰، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، دارالفکر ،بیروت)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تراویح میں قرآن مجید غیر معمولی تیز پڑھنا

بہت سے حفاظ تراویح میں اتنا تیز قرآن مجید پڑھتے ہیں کہ قرآن مجید کے حروف اچھی طرح ادانہیں کرتے ،قریب ہونے کے باوجود پورے حروف اورکلمات صاف سمجھ نہیں آتے اور سننے والے کو پتہ نہیں چلتا کہ کیا پڑھا،بس''يَعْلَمُوْنَ تَعْلَمُوْنَ'' اوراس طرح کی دوسری آوازیں کانوں میں پڑتی رہتی ہیں۔

اور بعض حفاظ کچھ حصہ صاف پڑھتے ہیں اور کچھ حصہ گُن ، گنا کر کے جلدی سے پڑھ دیتے ہیں،ان حفاظ کا یہ طرزِ عمل نہایت خطرناک اور گناہ ہے۔

اور مقتدیوں کا بھی یہی حال ہے،اول تو ان کو بیس رکعتیں پڑھنا ہی بھاری گزرتا ہے اور پہلے سے سمجھتے ہیں کہ نعوذ باللہ لواب کم بختی آئی بیس رکعتیں پڑھنی پڑیں گی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(وتعديل الاركان) أى تسكين الجوارح قدر تسبيحة فى الركوع والسجود، وكذا فى الرفع منهما على ما اختاره الكمال(الدر المختار مع رد المحتار،ج ا ص ۴۶۴،كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،واجبات الصلات، دارالفكر،بيروت)

(وتعديل الأركان) وهو تسكين الجوارح فى الركوع والسجود حتى تطمئن مفاصله وأدناه مقدار تسبيحة (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ا ص ۱۰۶، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، المطبعة الكبرىٰ الاميرية، قاهرة)

(قوله وتعديل الأركان) ، وهو تسكين الجوارح فى الركوع والسجود حتى تطمئن مفاصله وأدناه مقدار تسبيحة ، وهو واجب على تخريج الكرخى ، وهو الصحيح كما فى شرح المنية وسنة على تخريج الجرجانى وفرض على ما نقله الطحاوى عن الثلاثة ، والذى نقله الجم الغفير أنه واجب عند أبى حنيفة ومحمد ، فرض عند أبى يوسف(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج ا ص ۳۱۶، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، دارالكتاب الاسلامى)

وتعديل الأركان هو تسكين الجوارح حتى تطمئن مفاصله وأدناه قدر تسبيحة كذا فى العينى شرح الكنز والنهر الفائق(الفتاوى الهندية ،ج ا ص ۷۱،كتاب الصلاة، الباب الرابع،الفصل الثانى فى واجبات الصلاة)

اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ جتنی دیر میں ایک مرتبہ تسبیح کہی جاسکتی ہے،اعضاء کا استقرار بھی اتنی ہی دیر میں مکمل ہوتا ہے،جس کا بعض روایات میں ذکر پایا جاتا ہے۔

دوسرے اگر اتفاق سے کوئی حافظ صاحب تجوید کے ساتھ پڑھنے والے ہوں پھر تو مقتدیوں کو گویا عذاب معلوم ہوتا ہے، تجوید سے پڑھنے والے حافظوں کو اول تو ویسے ہی منتخب نہیں کیا جاتا اور اگر کبھی ایسے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنی پڑ جائے تو جلدی جلدی پڑھنے کی فرمائش کر کے اسے ایسا تنگ کرتے ہیں کہ آئندہ کے لئے وہ توبہ ہی کر لیتا ہے کہ انہیں تو اب کبھی تراویح میں قرآن مجید نہیں سناؤں گا، یہ لوگ تو بس چاہتے ہیں کہ صرف اُٹھک بیٹھک ہو اور کسی طرح سے جان چھوٹے۔

خوب سمجھ لیجئے! کہ قرآن مجید پڑھنے میں ''صحت'' کا لحاظ بہت ضروری ہے، حروف بدل جانے سے (مثلاً سؔ کی جگہ صؔ یا ثؔ کی جگہ سؔ یا ثؔ۔ یا ضؔ کی جگہ زؔ یا ذؔ کی جگہ ضؔ یا زؔ یا طؔ کی جگہ تؔ وغیرہ پڑھنے سے) لحنِ جلی (بڑی اور واضح غلطی) لازم آتی ہے، جو کہ گناہ ہے۔

اس کے علاوہ بعض غلطیاں ایسی ہیں کہ وہ لحنِ خفی (چھوٹی غلطی) کہلاتی ہیں (مثلاً مد، غنہ، اخفاء اور اظہار وغیرہ کے اصولوں کی خلاف ورزی) اس قسم کی غلطیوں سے اگرچہ گناہ لازم نہیں آتا لیکن فضیلتوں سے محرومی ہو جاتی ہے۔

غور فرمایئے کہ سال میں صرف ایک مرتبہ اللہ اللہ کر کے مسجد میں باجماعت نماز کے ساتھ پورا قرآن مجید پڑھنے اور سننے کی سعادت حاصل ہوتی ہے مگر وہ بھی اپنی سُستی اور کم ہمتی کی وجہ سے ضائع کر دی جائے تو کتنی محرومی کی بات ہے، پھر یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ تراویح یا اس میں قرآن مجید پڑھنا اتنا ضروری نہیں جتنا کہ قرآن مجید پڑھتے ہوئے اس کا صحیح پڑھنا ضروری ہے۔ ایک سنت عمل ادا کرنے چلے ہیں اور پورے قرآن مجید کے حقوق ضائع کر کے فرائض کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

جو امام تیز پڑھ کر ایسی غلطیاں قراءت میں کرتا ہے کہ جس سے لحنِ جلی لازم آئے یا معنیٰ میں تبدیلی آ جائے تو ایسی صورت میں تراویح میں قرآن مجید ختم کرنے کی سنت وفضیلت حاصل نہ ہوگی، گناہ علیٰحدہ ہوگا۔

اور بعض صورتوں میں نماز ہی صحیح نہ ہوگی۔ ۱؎

۱؎ فصل كيفيات القراء ة ثلاث:
أحدها :التحقيق وهو إعطاء كل حرف حقه من إشباع المد وتحقيق الهمزة وإتمام الحركات واعتماد الإظهار والتشديدات وبيان الحروف وتفكيكها وإخراج بعضها من بعض بالسكت والترتيل والتؤدة وملاحظة الجائز من الوقوف بلا قصر ولا اختلاس ولا إسكان محرك ولا إدغامه وهو يكون لرياضة الألسن وتقويم الألفاظ ويستحب الأخذ به على المتعلمين من غير أن يتجاوز فيه إلى حد الإفراط بتوليد الحروف من الحركات وتكرير الراء ات وتحريك السواكن وتطنين النونات بالمبالغة فى الغنات، كما قال حمزة لبعض من سمعه يبالغ فى ذلک أما علمت أن ما فوق البياض برص وما فوق الجعودة قطط وما فوق القراء ة ليس بقراء ة ؟
وكذا يحترز من الفصل بين حروف الكلمة كمن يقف على التاء من :(نستعين) وقفة لطيفة مدعيا أنه يرتل وهذا النوع من القراءة مذهب حمزة وورش وقد أخرج فيه الدانى حديثا فى كتاب التجويد مسلسلا إلى أبى بن كعب أنه قرأ على رسول الله صلى الله عليه وسلم التحقيق وقال :إنه غريب مستقيم الإسناد.
الثانية :الحدر بفتح الحاء وسكون الدال المهملتين وهو إدراج القراء ة وسرعتها وتخفيفها بالقصر والتسكين والاختلاس والبدل والإدغام الكبير وتخفيف الهمزة ونحو ذلک مما صحت به الرواية مع مراعاة إقامة الإعراب وتقويم اللفظ وتمكن الحروف بدون بتر حروف المد واختلاس أكثر الحركات وذهاب صوت الغنة والتفريط إلى غاية لا تصح بها القراء ة ولا توصف بها التلاوة وهذا النوع مذهب ابن كثير وأبى جعفر .ومن قصر المنفصل كأبى عمرو ويعقوب.
الثالثة :التدوير :وهو التوسط بين المقامين من التحقيق والحدر وهو الذى ورد عن أكثر الأئمة ممن مد المنفصل ولم يبلغ فيه الإشباع وهو مذهب سائر القراء وهو المختار عند أكثر أهل الأداء .
تنبيه:
سيأتى فى النوع الذى يلى هذا استحباب الترتيل فى القراء ة والفرق بينه وبين التحقيق -فيما ذكره بعضهم -أن التحقيق يكون للرياضة والتعليم والتمرين والترتيل يكون للتدبر والتفكر والاستنباط فكل تحقيق ترتيل وليس كل ترتيل تحقيقا(الإتقان فى علوم القرآن،للسيوطى، ج ۱ ص ۳۴۴ تا ۳۴۶،النوع الرابع والثلاثون :فى كيفية تحمله، فصل كيفيات القراء ة ثلاث)
ما يخل بالتجويد، وحكمه:
يقع الإخلال بالتجويد إما فى أداء الحروف، وإما فيما يلابس القراء ة من التغييرات الصوتية المخالفة لكيفية النطق المأثورة.
فالنوع الأول يسمى (اللحن) أى الخطأ والميل عن الصواب، وهو نوعان :جلى وخفى.
واللحن الجلى :خطأ يطرأ على الألفاظ فيخل بعرف القراء ة، سواء أخل بالمعنى أم لم يخل .وسمى جليا لأنه يخل إخلالا ظاهرا يشترک فى معرفته علماء القرآن وغيرهم، وهو يكون فى مبنى الكلمة كتبديل حرف بآخر، أو فى حركتها بتبديلها إلى حركة أخرى أو سكون، سواء أتغير المعنى بالخطأ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور یہ بات بھی یاد رکھئے کہ نفل نماز شروع کرنے کے بعد اس کو پورا کرنا لازم ہوجاتا ہے اور اگر کسی وجہ سے وہ فاسد ہوجائے تو اس کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔

یہاں سے اندازہ لگالینا چاہئے کہ تراویح اصل میں سنتِ مؤکدہ ہیں، لیکن شروع کردینے کے بعد اگر ایسی غلطی ہوجائے جس کی وجہ سے نماز فاسد ہوجاتی ہے تو اس کو لوٹانا واجب ہوجائے گا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فيها أم لم يتغير.

وهذا النوع يحرم على من هو قادر على تلافيه، سواء أوهم خلل المعنى أو اقتضى تغيير الإعراب.

وأما اللحن الخفى :فهو خطأ يطرأ على اللفظ، فيخل بعرف القراء ة ولا يخل بالمعنى .وسمى خفيا لأنه يختص بمعرفته علماء القرآن وأهل التجويد .وهو يكون فى صفات الحروف 1)) ، وهذا اللحن الخفى قسمان:

أحدهما :لا يعرفه إلا علماء القراء ة كترك الإخفاء ، وهو ليس بفرض عين يترتب عليه عقاب كما سبق، بل فيه خوف العتاب والتهديد.

والثانى :لا يعرفه إلا مهرة القراء كتكرير الراء ات وتغليظ اللامات فى غير محلها، ومراعاة مثل هذا مستحبة تحسن فى حال الأداء .

وأما النوع الثانى من الإخلال فهو ما يحصل من الزيادة والنقص عن الحد المنقول من أوضاع التلاوة، سواء فى أداء الحرف أو الحركة عند القراء ة، وسبب الإخلال القراء ة بالألحان المطربة المرجعة كترجيع الغناء ، وهو ممنوع لما فيه من إخراج التلاوة عن أوضاعها الصحيحة، وتشبيه القرآن بالأغانى التى يقصد بها الطرب.

واستدلوا لمنع ذلك بحديث عابس رضى الله عنه قال :إنى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :بادروا بالموت ستا :إمرة السفهاء ، وكثرة الشرط، وبيع الحكم، واستخفافا بالدم، وقطيعة الرحم، ونشئا يتخذون القرآن مزامير يقدمونه يغنيهم، وإن كان أقل منهم فقها.

قال الشيخ زكريا الأنصارى :والمراد بلحون العرب :القراء ة بالطبع والسليقة كما جبلوا عليه من غير زيادة ولا نقص، والمراد بلحون أهل الفسق والكبائر :الأنغام المستفادة من علم الموسيقى، والأمر فى الخبر محمول على الندب، والنهى على الكراهة إن حصلت المحافظة على صحة ألفاظ الحروف، وإلا فعلى التحريم.

قال الرافعى :المكروه أن يفرط فى المد وفى إشباع الحركات، حتى يتولد من الفتحة ألف ومن الضمة واو . . .إلخ قال النووى :الصحيح أن الإفراط على الوجه المذكور حرام يفسق به القارء ويأثم به المستمع، لأنه عدل به عن منهجه القويم، وهذا مراد الشافعى بالكراهة.

وقد أورد علماء التجويد نماذج من ذلك، فمنها ما يسمى بالترقيص، والتحزين، والترعيد،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر نماز فاسد نہ ہو لیکن مکروہ تحریمی کے درجہ تک پہنچ جائے تب بھی اس کا نقصان اور قباحت سنتِ مؤکدہ کے درجہ سے زیادہ ہے۔

بعض اس لئے تیز پڑھتے ہیں کہ غلطی نہ آئے یا سامع زبر زیر وغیرہ کی غلطی نہ پکڑ سکے اور اس طرح گول مول ہو جائے، یہ بھی دھوکا ہے، جبکہ غلطی آنا گناہ نہیں اور غلط پڑھنا یقیناً گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَارَبِّ اِنَّ قَوْمِ اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْراً (سورۃ الفرقان آیت ۳۰)

ترجمہ: اور (قیامت کے دن) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے شکایت کے طور پر) کہیں گے کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا (سورہ فرقان)

قرآن مجید کی تصدیق نہ کرنا، اس میں غور نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا، اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی قراءت صحیح کرنے کی طرف توجہ نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ قرآن مجید کو چھوڑنے اور نظر انداز کرنے کے اندر داخل ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والتحريف، والقراء ة باللين والرخاوة فى الحروف، والنقر بالحروف وتقطيعها . . . إلخ.
وتفصيل المراد بذلک فى مراجعه، ومنها شروح الجزرية، ونهاية القول المفيد، وقد أورد أبياتا فى ذلک من منظومة للإمام علم الدين السخاوى، ثم نقل عن شرحها قوله :فكل حرف له ميزان يعرف به مقدار حقيقته، وذلک الميزان هو مخرجه وصفته، وإذا خرج عن مخرجه معطى ما له من الصفات على وجه العدل فى ذلک من غير إفراط ولا تفريط فقد وزن بميزانه، وهذا هو حقيقة التجويد وسبيل ذلک التلقى من أفواه القراء المتقنين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٠، ص ١٨١ تا ١٨٣ ،مادة تجويد)

[1] يقول تعالى مخبرا عن رسوله ونبيه محمد صلى الله عليه وسلم أنه قال يا رب إن قومى اتخذوا هذا القرآن مهجورا وذلک أن المشركين كانوا لا يصغون للقرآن ولا يستمعونه، كما قال تعالى :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آوازسازی کو اچھی قرأت پر ترجیح دینا

بعض لوگ تراویح پڑھانے میں ایسے حافظوں کو ترجیح دیتے ہیں، جن کی آواز تو خوبصورت اور پُرکشش ہوتی ہے لیکن قرأت درست نہیں ہوتی، یہ طرزِ عمل بھی درست نہیں ہے۔

حضرت عابس غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَتَخَوَّفُ عَلٰى أُمَّتِهٖ سِتَّ خِصَالٍ: إِمْرَةُ الصِّبْيَانِ، وَكَثْرَةُ الشُّرَطِ، وَالرِّشْوَةُ فِي الْحُكْمِ، وَقَطِيْعَةُ الرَّحِمِ، واسْتِخْفَافُ بِالدَّمِ، وَنَشْوٌ يَتَّخِذُوْنَ الْقُرْآنَ مَزَامِيْرَ يُقَدِّمُوْنَ الرَّجُلَ لَيْسَ بِأَفْقَهِهِمْ وَلَا أَفْضَلِهِمْ يُغَنِّيْهِمْ غِنَاءً (المعجم الكبير للطبرانی) ؎

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ اپنی امت پر چھ خصلتوں کا خوف کررہے تھے، ایک تو بچوں کی امارت کا (کہ بچے لوگوں کے امیر وحکمران ہونگے) دوسرے پولیس کی کثرت کا (یعنی پولیس کثرت سے ہوگی، جو لوگوں پر ظلم بھی کرے گی، اور فتنے وفسادات پر قابو نہیں پاسکے گی، بلکہ فتنوں میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الذين كفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه الآية، فكانوا إذا تلى عليهم القرآن أكثروا اللغط والكلام فى غيره حتى لا يسمعوه .فهذا من هجرانه وترك الإيمان به وترك تصديقه من هجرانه، وترك تدبره وتفهمه من هجرانه، وترك العمل به وامتثال أوامره واجتناب زواجره من هجرانه، والعدول عنه إلى غيره من شعر أو قول أو غناء أو لهو أو كلام أو طريقة مأخوذة من غيره، من هجرانه، فنسأل الله الكريم المنان القادر على ما يشاء ، أن يخلصنا مما يسخطه، ويستعملنا فيما يرضيه من حفظ كتابه وفهمه، والقيام بمقتضاه آناء الليل وأطراف النهار على الوجه الذى يحبه ويرضاه، إنه كريم وهاب(تفسير ابن كثير، ج٦، ص ٩٩،سورة الفرقان)

؎ رقم الحديث ٦٢، ج١٨ ص٣٧، واللفظ لهٗ؛ المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ٦٨٥؛ مسند احمد، رقم الحديث ١٦٠٤٠.

فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

اضافے کا ذریعہ ہوگی) تیسرے فیصلوں میں رشوت کا (کہ مقدمات میں فیصلے رشوت کی بنیاد پر ہونے لگیں گے) چوتھے (رشتہ داروں سے) قطع رحمی کا، پانچویں خون (یعنی قتل) کو ہلکا سمجھنے کا (یعنی کسی کو ناحق قتل کرنا بہت ہلکی چیز سمجھ لی جائے گی) چھٹے ایسے لوگوں کے پیدا ہو جانے کا جو قرآن کو موسیقی کا ذریعہ بنالیں گے، اپنے میں سے ایک ایسے شخص کو آگے کریں گے جو ان میں دین کی سمجھ رکھنے والا اور افضل شخص نہیں ہوگا، وہ ان کے سامنے (قرآن مجید کو) گانے کے طور پر گائے گا (یعنی گانوں کی طرز پر قرآن مجید کی تلاوت کرے گا) (طبرانی)

اسی قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [۱]

حالانکہ قرآن مجید کی قرأت مخارج کے ساتھ ادائیگی ضروری ہے، اور آواز کا اچھا اور خوبصورت ہونا ضروری نہیں، البتہ آواز کا اچھا ہونا مستحب درجے کی چیز ہے، فرض درجے کی چیز نہیں؛ بشرطیکہ غنا اور گانے کا انداز نہ ہو ورنہ پھر مستحب بھی نہیں۔ [۲]

لہٰذا صرف آواز سازی کو مقصود بنالینا اور اصل قرأت اور مخارج سے ادائیگی کو نظر انداز کر دینا درست نہیں۔

---

[۱] عن شداد أبي عمار الشامي، قال: قال عوف بن مالک: يا طاعون خذني إليک قال: فقالوا: أليس قد سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "ما عمر المسلم كان خيرا له؟" قال: بلى ولكني أخاف ستا إمارة السفهاء، وبيع الحكم، وكثرة الشرط، وقطيعة الرحم، ونشء ينشئون يتخذون القرآن مزامير، وسفک الدم" (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۳۹۷۰، حديث عوف بن مالک الأشجعي الأنصاري)

في حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[۲] حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''تلاوتِ قرآن میں حُسنِ صوت اور اچھا لہجہ جس سے دل کشی پیدا ہو ایک درجہ میں مطلوب ومحبوب ہے، بشرطیکہ آج کل کے قرّاء کی طرح اس میں غلو نہ ہو کہ صرف آواز ہی سنوارنے اور لوگوں کو لبھانے کی فکر رہ جائے، تلاوت کا اصل مقصد ہی غائب ہو جائے'' (معارف القرآن جلد۶ صفحہ۲۱۱)

معلوم ہوا کہ آواز کا اچھا ہونا اور دل کش لہجہ ایک درجہ میں مطلوب ومحمود ہے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ غلو نہ کیا جاتا ہو اور اسی کو مقصود نہ بنالیا جاتا ہو، اور آج کل کم علم اور نااہلوں کی دنیا میں قراءت صرف آواز سازی کا نام رہ گیا ہے۔

لاؤڈسپیکر کا بے جا استعمال

آج کل بہت سی جگہ تراویح کے لئے مسجد کا بیرونی سپیکر استعمال کیا جاتا ہے۔

جبکہ لاؤڈسپیکر بذاتِ خود کوئی فرض یا واجب چیز نہیں اور نہ ہی بذاتِ خود یہ کوئی ثواب کی چیز ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک انتظامی ضرورت یا سہولت کی چیز ہے۔

لہٰذا اس کو بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت ہی استعمال کرنا چاہئے۔ [1]

کوئی مسلمان یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ نماز کے لئے لاؤڈسپیکر کا استعمال ضروری ہے اور اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اور نہ کوئی مسلمان اس کی جرأت کرے گا کہ تیرہ سوسال کے مسلمانوں کی نماز کو (جبکہ یہ آلہ ایجاد نہیں ہوا تھا) فاسد اور غلط قرار دے، نہ ہی کوئی سمجھدار مسلمان اس بات کی جرأت کرسکتا ہے کہ یہ دعویٰ کرے کہ بذاتِ خود اسپیکر کے استعمال سے نماز میں زیادہ ثواب یا زیادہ فضیلت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ اس دعوے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور گذشتہ امت کی نمازیں اس فضیلت اور ثواب سے خالی تھیں اور پھر لاؤڈسپیکر ایجاد کرنے والوں نے یہ احسان کیا کہ تیرہ سوسال کے بعد نماز کا ثواب مکمل کیا (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص۴۳ بتغیر، از مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ)

پس زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ لاؤڈسپیکر دراصل ایک سہولت یا انتظامی ضرورت کے لئے ہے، اس کا استعمال بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت ہونا چاہئے۔

فقہائے کرام نے بغیر لاؤڈسپیکر کے بھی امام کو اپنی آواز میں اعتدال رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ [2]

لہٰذا جب نمازیوں کی تعداد مسجد کی اندرونی حدود تک محدود ہو تو بلاضرورت اوپر کا بڑا اور بیرونی سپیکر استعمال کر کے بلاضرورت دور دراز اور غیر متعلقہ لوگوں تک آواز پہنچانا دراصل حد سے

---

[1] لقولہٖ تعالیٰ: ولا تجهر بصلاتک ولا تخافت بها (سورة الإسراء، رقم الآية ١١٠)

[2] قالوا: ولا يجهد الإمام نفسه بالجهر، وفى السراج الوهاج: الإمام إذا جهر فوق حاجة الناس فقد أساء (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج١، ص٣٥٥، كتاب الصلاة، آداب الصلاة)

تجاوز کرنا ہے اور اس میں کئی خرابیاں اور مفاسد پائے جاتے ہیں، مثلاً:

(۱)...... جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کا ادب واحترام ضروری ہے اور ہر ایسے کام سے پرہیز کرنے کا حکم ہے جس سے قرآن مجید کی بے ادبی یا بے احترامی لازم آتی ہو۔

اب اوپر کے بیرونی سپیکر پر تراویح پڑھنے کی صورت میں اگرچہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا جس جگہ تلاوت کر رہا ہے وہاں کوئی چیز قرآن مجید کے احترام کے خلاف نہ ہو۔

لیکن جہاں جہاں اس کی آواز پہنچتی ہے ان میں بہت سے ایسے مقامات ہوتے ہیں جن میں لہوولعب، شوروشغب اور مختلف قسم کے کاروبار ہوتے رہتے ہیں بلکہ فسق وفجور تک میں لوگ مبتلا ہوتے ہیں (جیسا کہ آج کل عام بازاروں، دوکانوں، ہوٹلوں، تفریح گاہوں بلکہ گھروں تک میں مختلف قسم کی خرافات ہوتی رہتی ہیں، غیبت، موسیقی اور ٹی۔وی وغیرہ کی وباء تو جگہ جگہ عام ہے)

اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے مقامات پر قرآن پڑھنا بے ادبی اور ناجائز ہے، اور سپیکر سے ایسے مقامات تک آواز پہنچانا بھی اس میں داخل ہے۔ [۱]

(۲)...... اگر لوگ فسق وفجور اور شوروشغب ولہوولعب میں بھی مصروف نہ ہوں بلکہ ایسے کاموں میں مصروف ہوں جو فی نفسہٖ جائز ہیں (مثلاً ضروری باتیں کرنا، چلنا پھرنا، اپنی مصروفیاتِ

---

[۱] چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

وقد يأثم به إذا فعله في مجلس الفسق وهو يعلمه لما فيه من الاستهزاء والمخالفة لموجبه(الفتاوىٰ الهندية، ج ۵ ص ۳۱۵، كتاب الكراهية،الباب الرابع)

ترجمہ: اور پڑھنے والا گنہگار ہوگا اگر اس نے (قرآن کو) کسی فسق وگناہ کی مجلس میں پڑھا جبکہ اس مجلس کا فسق ہونا معلوم ہو، کیونکہ ایسا کرنا درحقیقت قرآن مجید کا استہزاء کرنا اور قرآن مجید کے منشاء کے خلاف کرنا ہے (فتاویٰ ہندیہ)

اور ایک اور مقام پر ہے کہ:

ومن حرمة القرآن أن لا يقرأ في الأسواق، وفي موضع اللغو كذا في القنية (الفتاوىٰ الهندية ج ۵ ص ۳۲۷، كتاب الكراهية،الباب الرابع)

ترجمہ: قرآن مجید کے احترام میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کو بازاروں اور لغو مجلسوں میں نہ پڑھا جائے (فتاویٰ ہندیہ)

خانہ انجام دینا، آرام کرنا، لیٹنا یا اور کوئی جائز کام کرنا)

اس وجہ سے یہ لوگ قرآن مجید سننے کی طرف متوجہ نہ ہوں تب بھی ان تک آواز پہنچانا گناہ ہے کیونکہ یہ انسانی حق میں خلل اندازی کرنا اور بین الاقوامی مسلمہ انسانی اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ومما يعتنى به ويتأكد الأمر به احترام القرآن من أمور قد يتساهل فيها بعض الغافلين القارئين مجتمعين فمن ذلک اجتناب الضحک واللغط والحديث فی خلال القراء ة إلا كلاما يضطر إليه......ومن ذلک العبث باليد وغيرها فإنه يناجی ربه سبحانه وتعالى فلا يعبث بين يديه ومن ذلک النظر إلى ما يلهى ويبدد الذهن (رسالة "التبيان فی آداب حملة القرآن " لشيخ الاسلام محی الدين نووی رحمه الله ص ۴۶،مطبوعه: الرحيم اكيڈمی، كراچی)

ترجمہ: ایک بات ان چیزوں میں سے (جن سے قرآن کا احترام ضروری ہے اور بہت سے غافل قاری اس میں تساہل وغفلت اختیار کرتے ہیں) یہ بھی ہے کہ تلاوت کی مجلس میں ہنسی ٹھٹھے اور فضول باتوں سے بچا جائے اور تلاوت کے درمیان بلاسخت ضرورت کے بات کرنے اور ہاتھ یا دوسری چیزوں سے کھیلنے سے پرہیز کیا جائے اور ایسی چیزوں پر نظر ڈالنے سے، بچا جائے جن کی وجہ سے ذہن منتشر ہو اور توجہ قرآن کی طرف نہ رہے (التبیان فی آداب حملۃ القرآن)

اور ردالمحتار میں ہے کہ:

رجل يكتب الفقه وبجنبه رجل يقرأ القرآن فلا يمكنه استماع القرآن فالإثم على القارء وعلى هذا لو قرأ على السطح والناس نيام يأثم (ردالمحتار، ج ۱ ص ۵۴۶، كتاب الصلاة، فصل فی القرأة)

ترجمہ: ایک آدمی فقہ لکھ (یا پڑھ) رہا ہے اور اس کے ساتھ دوسرا آدمی بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے جس کی وجہ سے اس لکھنے والے کو قرآن کا سننا ممکن نہیں تو گناہ بلند آواز سے قرآن پڑھنے والے پر ہے اور اسی طرح اگر کوئی چھت پر قرآن بلند آواز سے (رات میں) پڑھے اور لوگ سوئے ہوئے ہوں تو پڑھنے والا گنہگار ہے (ردالمحتار)

اور فتاویٰ بزازیہ میں بھی اسی طرح سے ہے۔

يكتب الفقه ويجنبه رجل يقرأ القرآن ولا يمكنه سماع القرآن فالأثم على القارء وكذا فی كل موضع الناس مشغولون بالعمل ولا يمكنهم الاستماع ولا أثم على من يعمل وهذا على قول من قال استماع القرآن واجب خارج الصلاة وكذا لو قرأ على السطح والناس نيام *المرأة تقرأ عند الغزل والحائک عند النسج والماشي يقرأ عند المشی إن لم يشغله العمل والمشی والقلب حاضر يجوز (الفتاوی البزازية،ص ۲۰)

پس جہاں لہوولعب ہو یا لوگ قرآن سننے کی طرف متوجہ نہ ہوں اسپیکر سے تلاوت کی آواز پہنچانا گناہ اور ناجائز ہے (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام بتغیر واضافہ ۱۶۳)

(۳)...... ایک خرابی یہ ہے کہ مسجد کے بیرونی اسپیکر سے آواز قریب ودُور کے مختلف گھروں میں بھی پہنچتی ہے جس کی وجہ سے گھروں میں خواتین، بوڑھوں اور معذوروں وغیرہ کو نماز پڑھنا اور ذکر وتلاوت اور دوسری عبادت کرنا دشوار ہوجاتا ہے اور اس بات کا روزمرہ مشاہدہ ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ کسی کی نماز یا دوسری عبادت میں خلل ڈالنا گناہ ہے اور دراصل یہ ایک طرح سے دوسرے کو عبادت سے روکنا ہے۔

(۴)...... ایک خرابی یہ ہے کہ اس کی وجہ سے محلّہ اور علاقہ کے مریضوں اور بچوں وغیرہ کو آرام کرنا اور سونا مشکل ہوجاتا ہے، اور یہ ان کے لئے تکلیف اور ایذاء کا باعث ہوتا ہے، اور کسی مسلمان کو بے جا تکلیف وایذاء پہنچانا ناجائز بلکہ حرام ہے۔

اسی وجہ سے حجرِ اسود کو بوسہ دینے کی عبادت انجام دینے کے لئے بھی کسی کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ [1]

بکثرت ایسے واقعات ہیں کہ بڑے اسپیکر کی آواز سے سوتے ہوئے بچے یا مریض کے دماغ کی رَگ پھٹ گئی اور موت واقع ہوگئی۔

(۵)...... ایک خرابی یہ ہے کہ جہاں دو یا زیادہ مقامات پر بڑے اسپیکروں میں قرآن مجید پڑھا جا رہا ہو وہاں عام طور پر ایک مسجد کے امام کی آواز دوسرے امام کی آواز سے ٹکراتی ہے

---

[1] أن النبی صلی الله علیه وسلم قال له " :یا عمر ، إنک رجل قوی ، لا تزاحم علی الحجر فتؤذی الضعیف ، إن وجدت خلوة فاستلمه ، وإلا فاستقبله فهلل وكبر (مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۰ ،عن عمر بن الخطاب)

فی حاشية مسند احمد:حديث حسن رجاله ثقات رجال الشيخين غير الشيخ بمكة ، وقد سماه سفيان بن عيينة فی "السنن المأثورة(۵۱۰) "عبد الرحمن بن نافع بن عبد الحارث ، وهو من أولاد الصحابة ، وأبوه ولی مكة لعمر بن الخطاب ، والحديث مرسل ، والمرسل -كما قال الإمام الذهبی فی "الموقظة "ص ۳۹إذا صحَّ إلى تابعی كبير ، فهو حجة عند خلقٍ من الفقهاء .

اور مختلف آوازوں کے تصادم وٹکراؤ سے ایک عجیب تماشا بن جاتا ہے۔

جس کی وجہ سے یا تو خود امام اور قرآن پڑھنے والے ہی کو متشابہ لگ جاتا ہے، اور پڑھنا دشوار ہوجاتا ہے، اور یا مقتدیوں کو اپنے امام اور دوسرے کی آواز میں اشتباہ والتباس پیدا ہوجاتا ہے۔

اور پھر اس کے نتیجہ میں امام یا مقتدیوں کی نماز میں کسی نہ کسی درجہ کا خلل آجاتا ہے اور بعض اوقات نماز ہی فاسد ہوجاتی ہے، یا کم ازکم کچھ نہ کچھ پریشانی اور خشوع اور یکسوئی میں کمی تو ضرور ہوتی ہے۔

اور قرآن مجید سننے کا جو مزہ اور لطف ہے اس میں بھی یقینی طور پر خلل پیدا ہوتا ہے جس میں دوسرے مسلمان کو بے جا تکلیف پہنچانے کا گناہ بھی شامل ہوجاتا ہے (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام ص۱۵۱بتغیر)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا (سورۃ بقرۃ آیت ۱۱۴)

ترجمہ: اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اس کا ذکر (اور عبادت) کئے جانے سے منع کرے اور ان کے ویران (ومعطل) ہونے (کے بارے) میں کوشش کرے (سورہ بقرہ)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ:

مسجد میں ذکر ونماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز ہیں، نماز کے اوقات میں جبکہ لوگ اپنی نماز وغیرہ میں مشغول ہوں بلند آواز سے (یا اسپیکر وغیرہ سے) تلاوت وغیرہ کرنا بھی نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالنے اور ایک حیثیت سے اللہ کے ذکر وعبادت سے روکنے کی صورت ہے (ملاحظہ ہو معارف القرآن

ج ا ص ۲۹۹) ل

(۶)...... جبکہ ضرورت بھی نہ ہو خوامخواہ اوپر کا اسپیکر چلا کر قرآن پڑھنے میں عموماً (قاری حضرات اور مسجد کی انتظامیہ وغیرہ کو) اپنی شہرت، نام ونمود اور دکھلاوا مقصود ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب نیتوں میں اخلاص ہی نہ رہا بلکہ نام طلبی اور جاہ طلبی آ گئی تو ثواب کی کیا امید کی جاسکتی ہے؟ بلکہ ایسی صورت میں تو ثواب کے بجائے اُلٹا گناہ ہونے کا اندیشہ زیادہ ہے۔ ۲

(۷)...... یہ بات کسی مسلمان پر مخفی نہیں کہ نماز میں خشوع وخضوع کی بڑی تاکید قرآن وحدیث میں آئی ہے اور درحقیقت یہی نماز کی روح ہے، اور نماز کے بہت سے آداب وسنتیں صرف خشوع حاصل کرنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں جبکہ بہت سی چیزیں نماز میں صرف اس لئے مکروہ ہیں کہ وہ خشوع کے خلاف ہیں، اور تجربے ومشاہدے سے یہ بات ثابت ہے کہ اوپر کا بڑا اسپیکر چلانے سے آواز ہوا اور فضاء کے ساتھ خلط ملط ہو کر مقتدیوں کی توجہ بٹنے کا ذریعہ بنتی ہے جو کہ خشوع کے خلاف ہے اور اس کے علاوہ بھی بعض دوسری چیزیں خاص کر بڑے سپیکر پر خشوع کے خلاف ہو جاتی ہیں (ملاحظہ ہو آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام ص ۴۳ وص ۴۴)

(۸)...... لاؤڈ سپیکر کی آواز حالیہ تحقیق کے مطابق کیونکہ بولنے والے کی اصلی آواز ہے اس لئے اس پر پڑھی جانے والی سجدہ کی آیت سے چاروں طرف سننے والوں پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہوگا (خواہ وہ ارادہ سے سنیں یا بغیر ارادہ کے بشرطیکہ ان کے کان میں آواز پہنچ جائے اور انہیں آیتِ سجدہ کا پتہ چل جائے، وھٰذا عند الحنفیة)

ل لاشک ان فی الجھر بالقرآن احادیث کثیرة والاٰثار من الصحابة والتابعین اکثر من ان تحصٰی لکن فیما لایخاف ریاء ولااعجاباولا غیرھما من القبائح ولایؤذی جماعة یلبس علیھم صلٰوتھم ویخلطھا علیھم فمن خاف شیئا من ذالک فلایجوزله الجھر (تفسیر مظھری ج ۳ ص ۴۵۴)

۲ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تفسیر معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''آواز سے تلاوت کرنے میں چند شرائط سب کے نزدیک بالاتفاق ضروری ہیں، اوّل یہ کہ نام ونمود اور ریاء (دکھلاوے) کا اندیشہ نہ ہو، دوسرے اس کی آواز سے دوسرے لوگوں کا حرج یا تکلیف نہ ہو، کسی دوسرے شخص کی نماز وتلاوت یا کام میں یا آرام میں خلل انداز نہ ہوالخ'' (معارف القرآن ج ۴ ص ۱۶۸)

اب اگر یہ باہر کے لوگ اپنی غفلت یا لاپرواہی کی وجہ سے سجدۂ تلاوت نہیں کریں گے (نہ اب اور نہ ہی بعد میں)

تو وہ خود تو گناہگار ہوں گے ہی، ساتھ ہی قاری اور انتظامیہ کو بھی گناہ ہوگا کیونکہ یہی اس گناہ کا ابتداءً سبب بنے ہیں (اگر سجدۂ تلاوت کے وقت کہیں اسپیکر بند بھی کردیا جائے تب بھی گزشتہ دوسری خرابیوں سے تو حفاظت نہیں ہوسکے گی)

ضروری نہیں کہ ہر جگہ یہ مذکورہ تمام خرابیاں پائی جاتی ہوں لیکن ناجائز ہونے کے لئے ان خرابیوں میں سے چند خرابیوں یا ایک خرابی کا پایا جانا بھی کافی ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ مذکورہ خرابیوں میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا گناہ دوسرے لوگوں پر بھی لوٹتا ہے لیکن مجموعی طور پر قاری اور انتظامیہ بہرحال ان تمام خرابیوں کا سبب اور معاون ہونے کی وجہ سے گناہ گار ہیں۔

گزشتہ تفصیل سے کوئی یہ ہرگز نہ سمجھ لے کہ نماز میں ہر حال میں ہر قسم کے اسپیکر کا استعمال ناجائز ہے بلکہ عام طور پر چونکہ یہ خرابیاں اوپر کا بیرونی اسپیکر چلانے کی صورت میں لازم آتی ہیں جس میں غیر متعلقہ لوگوں تک آواز پہنچتی ہے۔

لہٰذا اگر کوئی بوقتِ ضرورت اندر کے اسپیکر کو چلا کر اس کی آواز کو ضرورت کی حد تک محدود رکھے تو اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں ہوگا۔

مروَّجہ تسبیح تراویح کی حقیقت اور اس میں غلو

تراویح کی نماز میں ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر وقفہ اور انتظار کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت زید بن وہب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُرَوِّحُنَا فِيْ رَمَضَانَ، يَعْنِيْ بَيْنَ

التَّرْوِيحَتَيْنِ قَدْرَ مَا يَذْهَبُ الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ إِلٰى سَلْعٍ (السنن الكبرىٰ للبيهقى) [۱]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہمیں رمضان میں دو ترویحوں کے درمیان اتنا وقفہ دیتے تھے کہ جتنی دیر میں آدمی مسجد سے سلع (مقام) تک چلا جاتا تھا(بیہقی)

جس کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ ہر چار رکعات کے بعد تراویح پڑھنے والے کو خواہ امام ہو یا مقتدی، یا تنہا نماز پڑھنے والا، کچھ دیر وقفہ کرنا مستحب ہے۔

لیکن ہر چار رکعات کے بعد یہ وقفہ مستحب ہے، لہٰذا اگر کوئی اتفاق سے یہ وقفہ نہ کرے تو بھی گناہ نہیں۔ [۲]

اور باجماعت تراویح پڑھنے کی صورت میں ہر چار رکعات کے بعد اس وقفہ کے دوران کوئی اجتماعی عمل نہیں، اور نہ ہی کسی خاص عمل کی پابندی ہر ایک کے لئے یکساں طور پر ضروری ہے، بلکہ اختیار ہے کہ خاموش رہے یا کوئی ذکر کرے یا دُعا کرے۔ [۳]

---

[۱] رقم الحديث ۴۲۹۳، جماع أبواب صلاة التطوع، وقيام شهر رمضان، باب ما روى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان

[۲] والمستحب فى الجلوس بين الترويحتين مقدار الترويحة وكذا بين الخامسة والوتر لعادة أهل الحرمين، واستحب البعض الاستراحة على خمس تسليمات وليس بصحيح .وقوله :ثم يوتر بهم يشير إلى أن وقتها بعد العشاء قبل الوتر، وبه قال عامة المشايخ -رَحِمَهُمُ اللَّهُ (الهداية فى شرح بداية المبتدى، ج ۱ ص ۷۰، كتاب الصلاة، فصل فى قيام شهر رمضان)

(قوله والمستحب الجلوس) قيل ينبغى أن يقول : والمستحب الانتظار بين الترويحتين لأنه استدل بعادة أهل الحرمين، وأهل المدينة كانوا يصلون بدل ذلك أربع ركعات فرادى، وأهل مكة يطوفون بينهما أسبوعا ويصلون ركعتى الطواف، إلا أنه روى البيهقى بإسناد صحيح أنهم كانوا يقومون على عهد عمر، ونحن لا نمنع أحدا من التنفل ما شاء ، وإنما الكلام فى القدر المستحب بجماعة وأهل كل بلدة بالخيار يسبحون أو يهللون أو ينتظرون سكوتا أو يصلون أربعا فرادى، وإنما استحب الانتظار لأن التراويح مأخوذ من الراحة فيفعل ذلك تحقيقا لمعنى الاسم وكذا هو متوارث (فتح القدير للكمال ابن الهمام، ج ۱، ص ۴۶۸، و ۴۶۹، فصل فى قيام شهر رمضان)

[۳] وقوله :(والمستحب فى الجلوس بين الترويحتين مقدار الترويحة) كان من حقه أن يقول : والمستحب فى الانتظار بين الترويحتين؛ لأنه استدل بعادة أهل الحرمين على ذلك، وأهل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ذکرواذکار یا دعاوغیرہ میں مشغول ہونا خالی اور بالکل خاموش بیٹھے رہنے سے بہتر ہے۔

بعض حضرات نے اس وقفہ کے دورانیہ میں ایک دعا پڑھنے کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ عوام الناس میں تسبیح تراویح کے نام سے مشہور ہے، اور جس کے شروع کے الفاظ یہ ہیں کہ:

"سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ" [1]

اس لئے بعض حضرات کا اس دعاء کو پڑھنے کا بھی معمول رہا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحرمين لا يجلسون، فإن أهل مكة يطوفون بين كل ترويحتين أسبوعا، وأهل المدينة يصلون بدل ذلك أربع ركعات، وأهل كل بلدة بالخيار يسبحون أو يهللون أو ينتظرون سكوتا، وإنما يستحب الانتظار بين كل ترويحتين؛ لأن التراويح مأخوذ من الراحة فيفعل ما قلنا تحقيقا للمسمى (واستحسن البعض الاستراحة على خمس تسليمات وهو نصف التراويح وليس بصحيح) أى مستحب (العناية شرح الهداية، ج ا، ص۴۶۸، ۴۶۹، فصل فى قيام شهر رمضان)

(قوله :ويجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة) وذلك مستحب وهم بالخيار فى ذلك الجلوس إن شاء وا يسبحون أو يهللون أو ينتظرون سكوتا وهل يصلون اختلف فيه المشايخ منهم من كرهه ومنهم من استحسنه (الجوهرة النيرة، ج ا، ص۹۷، كتاب الصلاة، بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ)

ويستحب الجلوس بعد "صلاة "كل أربع "ركعات "بقدرها وكذا "يستحب الجلوس بقدرها "بين الترويحة الخامسة والوتر "لأن المتوارث عن السلف وهذا روى عن أبى حنيفة رحمه الله ولأن اسم التراويح ينبء عن ذلك وهم مخيرون فى الجلوس بين التسبيح والقراء ة والصلاة فرادى والسكوت (مراقى الفلاح شرح نور الايضاح،ص۱۵۸، فصل :فى صلاة التراويح)

ومنها أن الإمام كلما صلى ترويحة قعد بين الترويحتين قدر ترويحة يسبح، ويهلل ويكبر، ويصلى على النبى -صلى الله عليه وسلم -ويدعو وينتظر أيضا بعد الخامسة قدر ترويحة؛ لأنه متوارث من السلف(بدائع الصنائع، ج ا، ص۲۹۰، فصل فى قدر صلاة التراويح)

[1] (يجلس) ندبا (بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح وقراء ة وسكوت وصلاة فرادى (الدرالمختار)

(قوله بين تسبيح) قال القهستانى :فيقال ثلاث مرات سبحان ذى الملك والملكوت، سبحان ذى العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الملك الحى الذى لا يموت، سبوح قدوس رب الملائكة والروح، لا إله إلا الله نستغفر الله، نسألك الجنة ونعوذ بك من النار كما فى منهج العباد .اهـ (ردالمحتار، ج۲، ص۴۶، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

لیکن یاد رہے کہ اس تسبیح کا حدیث سے ثبوت نہیں لہٰذا یہ تسبیح سنت نہیں اور فقہائے کرام نے بھی اس کو سنت قرار نہیں دیا، بلکہ جن حضرات نے اس تسبیح کے پڑھنے کا ذکر فرمایا ہے خود انہوں نے بھی اس تسبیح کو تراویح کے ساتھ خاص نہیں کیا اور نہ ہی اس تسبیح کو تسبیح تراویح کا نام دیا ہے۔

لہٰذا دوسرے اوقات میں (بلکہ رمضان المبارک کے علاوہ بھی) اس تسبیح کو پڑھا جا سکتا ہے۔

لیکن آج کل عوام میں اس تسبیح سے متعلق کئی خرابیاں شامل ہوگئی ہیں، جن سے ہر ایک کو بچنا چاہئے، مثلاً:

(۱)...... بعض لوگ اس تسبیح کو خاص تراویح کی تسبیح سمجھتے ہیں اسی وجہ سے بولنے اور لکھنے میں اس کو تسبیح تراویح کا نام دیا جانے لگا ہے، ایک عام چیز کو خاص کر لینا غلط ہے۔

(۲)...... بعض لوگ اس وقفہ میں یہ تسبیح پڑھنا ضروری یا کم از کم سنت سمجھنے لگے ہیں۔ جبکہ یہ تسبیح نہ ضروری ہے اور نہ ہی سنت۔

(۳)...... بعض لوگ اس تسبیح کو تراویح کا حصہ سمجھتے ہیں اور اگر یہ تسبیح پڑھنے کا موقع نہ ملے تو تراویح کو بھی ضائع یا ناقص خیال کرتے ہیں، یہ بھی سراسر کم علمی کی بات ہے۔

(۴)...... بعض لوگ اس تسبیح نہ پڑھنے والے کو معیوب سمجھتے ہیں، یہ بھی دین پر زیادتی ہے۔

(۵)...... بہت سے لوگ اس تسبیح کو بآوازِ بلند پڑھتے ہیں جس سے دوسرے حضرات اور مسبوق نمازیوں کو خلل ہوتا ہے۔

(۶)...... بعض لوگ اجتماعی انداز میں آواز ملا کر اس تسبیح کو ترنم کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں، یہ بھی غلط طریقہ ہے۔

(۷)...... اس تسبیح کو ''تسبیح تراویح'' کا نام دے کر عوام الناس بڑے بڑے اشتہاروں اور عالیشان کارڈوں پر شائع کرنے اور خاص طور پر مسجدوں میں آویزاں یا چسپاں کرنے کا اتنا اہتمام کرنے اور ثواب سمجھنے لگے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں (جہالت کے اس دور میں)

روزے اور رمضان کے ضروری مسائل سمجھنے اور عوام تک اس انداز میں پہنچانے کی بھی فکر واہتمام نہیں پایا جاتا۔

(۸)...... اس تسبیح کو عام طور پر مسجدوں میں محرابوں اور خاص قبلہ کی طرف والی دیواروں پر اس طرح آویزاں کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے نماز میں بھی خلل آتا ہے اور بہت سے لوگ نماز کے دوران ہی اس کو زبان سے پڑھتے اور یاد کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اوقات نماز بھی فاسد ہونے کا خدشہ ہوتا ہے، اور کم ازکم کراہت تو لازم آہی جاتی ہے۔

ان تمام خرابیوں سے بچنا اور دوسروں کو بچانے کی فکر کرنا ضروری ہے۔

اگر یہی محنت اور سرمایہ ایمان ویقین اور نماز روزے کے بنیادی اور اہم مسائل (تحریراً وتقریراً) سمجھنے، سمجھانے پر خرچ کیا جائے تو کتنے لوگوں کی اصلاح ہو جائے اور کتنے حضرات کی نمازیں اور روزے ضائع ہونے سے بچ جائیں۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائیں۔آمین۔

تکمیلِ قرآن پر مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنے کی حیثیت

قرآن مجید کا تراویح میں پڑھنا کوئی آج کے دور کا ایجاد کردہ مسئلہ نہیں بلکہ چودہ سو سال پہلے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں جاری ہو چکا تھا اور اب تک پوری امت میں متوارث چلتا آرہا ہے، پورے رمضانُ المبارک میں تراویح پڑھنا اور اس میں کم ازکم ایک مرتبہ پورا قرآن مجید پڑھ یا سن کر مکمل کرنا سنت قرار دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس سنت پر بزرگانِ دین، اولیاء اللہ اور مسلمانانِ عالم عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔

اور یہ بات بھی واضح ہے کہ تراویح میں مکمل قرآن پڑھنے کی سنت کی ادائیگی کا ہو جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نعمت اور رحمت ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم

ہے، لیکن یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر یا اس نعمت کی خوشی کا ہونا مٹھائی یا کوئی بھی چیز تقسیم کرنے کے ساتھ خاص نہیں ہے کیونکہ شکر کا اصل تعلق دل سے ہے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی اظہار کیا جائے تو یہ شکر ہی کہلائے گا لیکن آج اکثر مقامات پر ختمِ قرآن کے موقع پر مٹھائی تقسیم کرنے کی جو رسم جاری ہے، اس میں کئی خرابیاں لوگوں نے شامل کر لی ہیں، جن کی وجہ سے بہت سے اہلِ علم حضرات نے اس کو ناپسند قرار دیا ہے۔

جس کی تفصیل ذیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)...... تراویح میں قرآن مجید سُننے سُنانے کا طریقہ خیر القرون سے چلا آتا ہے، مگر مروجہ مٹھائی تقسیم کرنے کا ثبوت نہیں پایا جاتا، جس کی وجہ سے اس کو سنت قرار نہیں دیا جا سکتا، اور آج کل بہت سے لوگ اس کو سنت سمجھتے ہیں۔

(۲)...... مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنے کو آج بہت سے لوگوں نے اس قدر ضروری سمجھ رکھا ہے کہ اس رسم کو چھوڑنا کسی حال میں گوارا نہیں اور اگر کوئی اس رسم پر عمل نہ کرے تو اسے معیوب سمجھا جاتا ہے اور طرح طرح کے طعنے دیئے جاتے ہیں، کبھی بخیل کہا جاتا ہے کبھی کنجوس اور مکھی چوس وغیرہ کا لقب دیا جاتا ہے، اور اسی وجہ سے اس کا ناغہ گوارا نہیں کیا جاتا۔ جبکہ غیر ضروری چیز کو ضروری سمجھنا اور نہ کرنے والے کو معیوب سمجھنا یا اس پر لعن طعن کرنا جائز نہیں۔

(۳)...... بہت سے لوگ یہ عمل صرف ریاکاری اور دکھلاوے اور اپنی بڑائی کے اظہار کے طور پر کرتے ہیں، اسی وجہ سے اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ دوسرے لوگوں پر فوقیت جتلائی جائے اور کسی طرح پیچھے نہ رہا جائے، اور اسی وجہ سے ہر ایک دوسرے کے مقابلہ میں نت نئے طریقے اختیار کرتا ہے، اور اس پر زیادہ سے زیادہ رقم لگانے کی کوشش کرتا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ ریاء اور دکھلاوے کے طور پر کوئی عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

(۴)...... بہت سے لوگ صرف مٹھائی حاصل کرنے کے لئے شریک ہوتے ہیں اور ایسے ایسے لوگ بھی مٹھائی وغیرہ حاصل کرنے کی غرض سے آجاتے ہیں جن کو پورے مہینہ نہ تو

تراویح پڑھنے کی توفیق حاصل ہوتی اور نہ ہی قرآن مجید کو دل لگا کر سننے کی بلکہ خاص اسی دن بھی بہت سے لوگ تراویح اور نماز میں شریک نہیں ہوتے اور تراویح ختم ہوتے ہی آجاتے ہیں، اس سے پہلے باہر ہی انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اس میں ایک درجہ کی قرآن مجید اور نمازِ تراویح کی بے احترامی ہے کہ نماز اور قرآن سے زیادہ مٹھائی مرغوب ہے۔

(۵)...... بہت سی جگہ یہ حالت ہے کہ اگر قرآن مجید کی تکمیل کے موقعہ پر مٹھائی وغیرہ کا اہتمام نہ کیا جائے تو شرکاء کو خوشی نہیں ہوتی اور مٹھائی وغیرہ تقسیم کردی جائے تو خوش ہوجاتے ہیں خواہ قرآن مجید صحیح پڑھا گیا ہو یا غلط، نمازوں میں خرابی کی گئی ہو یا اور کچھ؟ بہرحال خوشی کا مدار مٹھائی کے تقسیم ہونے پر رکھ دیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ مٹھائی وغیرہ کے تقسیم ہونے کو اصل درجہ دے دیا گیا ہے اور نماز و قرآن کے حقوق کو نظرانداز یا پیچھے کردیا گیا ہے۔

(۶)...... بعض جگہ مسجد کی رقم اور اجتماعی فنڈ سے مٹھائی وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے، جبکہ مٹھائی وغیرہ کی ضرورت مسجد کی عام رقم (اور فنڈ) کا مصرف نہیں کہ اس کو اس رسم کے لئے استعمال کیا جائے۔

(۷)...... بعض جگہ اس ضرورت کے لئے چندہ کیا جاتا ہے اول تو یہ ضرورت ایسی نہیں کہ اس کے لئے چندہ جمع کیا جائے اور اگر کسی ضرورت کے لئے چندہ جمع کرنے کی اجازت بھی ہو تب بھی اس میں شریعت نے کچھ اصول مقرر کئے ہیں جن میں سے ایک اصول یہ ہے کہ چندہ برضاء و رغبت حاصل کیا جائے، جبر کرکے یا بادلِ نخواستہ چندہ لینا جائز نہیں ہے۔

احادیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ [1]

اور یہ لوگ اس اصول کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

چنانچہ کسی نہ کسی طرح لوگوں کے پاس پہنچ کر یا ان کو کسی بھی طرح عار دلا کر شرمندہ کرکے چندہ لیا جاتا ہے، اور اگر کوئی نہ دے تو اس پر جبر کیا جاتا ہے اور اس طرح کسی کی رقم لینا جائز نہیں

---

[1] عن عمرو بن يثربى، قال :خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال " :ألا ولا يحل لامرء من مال أخيه شيء ، إلا بطيب نفس منه "(مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۰۸۲)

اور اگر بظاہر جبر بھی نہ کیا جائے تب بھی شرمندہ کیا جاتا ہے اور اس طرح بھی کسی کی رقم لینا جائز نہیں اور اگر بظاہر جبر اور شرمندہ بھی نہ کیا جائے تب بھی حالات سے پتہ چلتا ہے کہ دینے والوں کی دلی خوشی اور طیبِ خاطر ملحوظ نہیں، مثلاً عام مجمع میں اس طرح سے ترغیب دی جاتی ہے کہ حاضرین شرمندہ ہو کر حصہ لیتے ہیں بعض اوقات نام پکار کر بھی مخصوص لوگوں کو تیار کیا جاتا ہے جس سے عام مجمع میں شرمندہ ہو کر یا فخر وتفاخر کے طور پر دینے والا دیتا ہے، پھر اس کی تفصیل لکھی جاتی ہے کہ فلاں نے اتنا تعاون کیا اس میں دینے والوں کو بھی اپنی بڑائی مقصود ہوتی ہے اور بعض لوگ تو قرض تک لے کر تعاون کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

(۸)...... بعض تعاون کرنے والوں کی آمدنی حرام ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ ان کے پیسے سے لوگوں کے پیٹ بھرنا اور رمضان جیسے مقدس مہینے میں حرام غذا پیٹ میں لے جانا کتنی بڑی دلیری ہے۔ جو لوگ مالی حالات کمزور ہونے کی وجہ سے شریک نہیں ہو پاتے وہ شرمندہ ہوتے ہیں اور اپنی تحقیر وتذلیل محسوس کرتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو ایسے موقع پر اس تقریب میں ہی شریک نہیں ہوتے کہ جب چندہ نہ دیا تو کس منہ سے حاضر ہوں اور کس طرح سے مٹھائی میں شریک ہوں اور کسی مسلمان کو عار دلانا، شرمندہ کرنا یا ایسے حالات پیدا کرنا جائز نہیں۔

(۹)...... پھر مٹھائی تقسیم کرنے میں بعض اوقات انصاف کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

(۱۰)...... بہت سے لوگ مٹھائی کی غرض سے بغیر وضو اور غسل کے پاکی ناپاکی کا خیال کئے بغیر مسجد میں گھسے چلے آتے ہیں جس میں مسجد کی بے احترامی پائی جاتی ہے۔

(۱۱)...... مٹھائی تقسیم کرنے اور کھانے کے وقت مسجد میں غیر ضروری شور وشغب اور بعض دفعہ چھینا جھپٹی کی نوبت آجاتی ہے جس کی وجہ سے مسجد تماشہ گاہ بن جاتی ہے اس میں بھی مسجد کی بے احترامی ہے۔

(۱۲)...... پھر اس کی وجہ سے مسجد گندی ہوتی ہے اور صفائی کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔

اس قسم کی خرابیوں کی وجہ سے ختمِ قرآن کے موقع پر مروجہ رسم ناپسندیدہ ہے۔

البتہ ان خرابیوں سے بچ کر اگر کوئی خوشدلی سے حلال مال کے ساتھ اخلاص کے ساتھ مٹھائی تقسیم کردے اور کبھی ناغہ بھی کردیا جایا کرے تو پھر کوئی حرج نہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو''اصلاح الرسوم'' وخطباتِ حکیم الامت ج۴ بعنوان حقوق وفرائض ص۱۸۸)

تکمیلِ قرآن پر غیر ضروری روشنی اور دوسرے منکرات

آج کل بہت سی جگہ تکمیلِ قرآن کے موقع پر ضرورت سے زیادہ روشنی (لائٹنگ) کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے جس میں کئی گناہ لازم آجاتے ہیں، مثلاً:

(۱)...... بجلی ایک ضرورت کی چیز ہے جس کو بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت استعمال کرنا چاہئے، بلاضرورت یا ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا اسراف اور فضول خرچی میں داخل ہے اور فضول خرچی قرآن وحدیث کی رو سے گناہ ہے۔

(۲)...... اس رسم میں ہندوؤں اور غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت ہے کہ وہ اپنے مخصوص اوقات میں (مثلاً دیوالی وغیرہ کے موقعہ پر) ضرورت سے زیادہ روشنیوں کا انتظام کرتے ہیں۔ اور غیر مسلموں کی مشابہت گناہ ہے۔

(۳)...... عام طور پر اس روشنی کا انتظام مسجد کے فنڈ سے کیا جاتا ہے (یعنی بجلی اور مخصوص لائٹنگ کا بل مسجد کے فنڈ سے ادا کیا جاتا ہے) اور مسجد کی رقم کا اس میں استعمال ناجائز ہے، یہ لوگوں کے چندہ کو بے موقع اور بے محل استعمال کرنا ہے جس میں انتظامیہ پر گناہ کے علاوہ تاوان بھی لازم ہوسکتا ہے۔

(۴)...... بعض جگہ سرکاری یا غیر سرکاری چوری کی بجلی سے یہ رسم پوری کی جاتی ہے اور چوری کا گناہ ہونا واضح ہے۔

(۵)...... عام طور پر اس سے مقصد اپنا نام اونچا کرنا اور شہرت ہوتی ہے اور اس غرض کے

لئے کوئی کام کرنا گناہ ہے۔

(۶)...... سب سے بڑھ کر خرابی یہ ہے کہ یہ سب کچھ قرآن مجید کے نام پر ہوتا ہے، قرآن مجید کی طرف نسبت کر کے اور قرآن مجید کے سہارے پر گناہ کرنا کتنی بڑی جراءت کی بات ہے۔

(۷)...... بعض جگہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے باقاعدہ چندہ کا اہتمام کیا جاتا ہے اوراس غرض کے لئے چندہ کرنا اور لوگوں سے پیسے مانگنا جائز نہیں۔ اور بطورِ خود اس رسم میں تعاون کرنا بھی جائز نہیں پھر چندہ میں بھی خوشدلی کا لحاظ نہیں ہوتا۔

(۸)...... ایک گناہ یہ ہے کہ اس رسم کو ثواب سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ ثواب کا کام نہیں بلکہ گناہ ہے اس کو ثواب سمجھنا دوہرا جرم ہے۔

پس ان خرابیوں کی وجہ سے اس رسم سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔

آج کل تکمیلِ قرآن کے موقع پر اور بھی کئی منکرات پیدا ہو گئے ہیں، مثلاً:

(۹)...... تصویر سازی کرنا، جس میں مسجد کی بے حرمتی کا بھی گناہ ہے۔

(۱۰)...... بعض جگہ ختم قرآن کی رات میں حفاظ کو مختلف قسم کے ہار پہنائے جاتے ہیں، یہ رواج قابلِ ترک ہے اور یہ طریقہ سلف سے ثابت نہیں اور اس میں عموماً فضول خرچی اور دکھلاوے کا گناہ بھی شامل ہوتا ہے، بعض اوقات اس کی وجہ سے مسجد کی بے ادبی بھی ہوتی ہے کہ مسجد گندی ہوجاتی ہے، اگر حافظ کی عزت افزائی مقصود ہے تو اس کے دوسرے جائز طریقے بھی موجود ہیں (کذا فی فتاویٰ رحیمیہ مبوب ج ۶ ص ۲۵۸ بتغیر)

(۱۱)...... بعض لوگ اس موقع پر مسجد کی بے جا زیبائش اور نمائش بھی کرتے ہیں اس میں فضول خرچی کے ساتھ ہندوؤں کے دیوالی کے تہوار سے مشابہت ہوتی ہے اور مسجد تماشہ گاہ بن جاتی ہے، خلاف شرع کاموں سے مسجد کی رونق نہیں بڑھتی بلکہ بے حرمتی ہوتی ہے، مسجد کی زینت اور رونق اس کی صفائی، خوشبو، نیز نمازیوں کی زیادتی، اچھی پوشاک پہن کر خوشبو

لگا کر، خشوع خضوع سے نماز پڑھنے اور باادب بیٹھنے میں ہے (کذافی فتاویٰ رحیمیہ مبوب ج۹ص ۷۰،۷۱بتغیر)

آخر میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ تکمیلِ قرآن کے موقع پر کسی مقرر کی تقریر لازم اور ضروری نہیں، اس کو ضروری سمجھنا بھی حد سے تجاوز ہے، البتہ اس موقع پر اگر موقع کی مناسبت سے فضائل واحکام اور منکرات پر روشنی ڈالی جائے تو بہت بہتر ہے۔

مروَّجہ شبینہ کا حکم

قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا، سننا سنانا، بڑے اجروثواب کا باعث ہے اور تراویح کی نماز میں قرآن مجید کے پڑھنے اور سننے کے عظیم فضائل ہیں، جن کا تفصیل کے ساتھ ہم نے اپنے مقام پر تذکرہ کر دیا ہے، اور یہ بات بھی پہلے گذر چکی ہے کہ بیس تراویح پڑھنے کے بعد مزید نفل نمازوں کو باجماعت پڑھنا مکروہ ہے، آج کل رمضان کے مہینے میں اور خاص کر رمضان کی آخری راتوں میں بعض مقامات پر ''شبینہ'' کے نام سے مخصوص نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے، جس میں لمبا قیام کیا جاتا ہے، اور چند راتوں میں قرآن مجید مکمل کیا جاتا ہے، آج کل چونکہ ان مروجہ شبینوں میں متعدد خرابیاں پائی جاتی ہیں اور اس قسم کے شبینوں کا صحابہ، تابعین ائمۂ دین اور سلفِ صالحین سے ثبوت نہیں ملتا، اس لئے علمائے کرام نے مروّجہ طریقوں پر شبینوں کو مکروہ وناپسند قرار دیا ہے، اور ان سے بچنے کا حکم فرمایا ہے، اس لیے کسی کو نفلی عبادت کا شوق ہو تو اسے چاہیے کہ سنت کے مطابق خلوت وتنہائی میں اپنے مقام پر رہتے ہوئے، جتنی چاہے عبادت کرے، اور جتنی چاہے نوافل ادا کرے۔

اگر ہر قسم کی مروجہ خرابیوں سے بچ کر شبینہ پڑھا جائے تو پھر کوئی حرج نہ ہوگا، ذیل میں ایسی شرائط کا ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کا لحاظ کرنے سے خرابیوں سے بچا جاسکتا ہے۔

(۱)......قرآن مجید کو جلدی ختم کرنے کی خاطر بہت تیز نہ پڑھا جائے بلکہ تجوید کے قواعد

ملحوظ رکھے جائیں اور مکمل حروف ادا کیے جائیں۔

(۲)...... نماز پڑھانے والا امام عاقل بالغ ہو اور نابالغ وفاسق نہ ہو۔

(۳)...... رضائے الٰہی اور اخلاص مقصود ہو دکھلاوا، نام ونمود اور شہرت ملحوظ نہ ہو۔

(۴)...... قرآن مجید سنانے پر شرط لگا کر یا رواج ہوتے ہوئے بغیر شرط لگائے بھی کسی قسم کی اجرت اور معاوضہ نہ لیا دیا جائے۔

(۵)...... تمام شرکاء شوق اور ذوق کے ساتھ اس میں شرکت کریں۔

(۶)...... نماز، قرآن مجید اور مسجد کا احترام ملحوظ رکھیں، بعض لوگوں کا جماعت میں کھڑے ہونا اور بقیہ کا بیٹھے یا لیٹے رہنا یا بات چیت کرنا یا چائے قہوہ وغیرہ کے دور میں مشغول رہنا بھی جماعت اور قرآن مجید کے ادب کے خلاف ہے خواہ رکوع میں شامل ہو جائیں۔

(۷)...... اوپر کا بڑا (یعنی بیرونی) لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کیا جائے بلکہ آواز کو نمازیوں تک محدود رکھا جائے۔

(۸)...... ضرورت سے زیادہ لائٹنگ (Lighting) چراغاں اور ہر طرح کے اسراف وفضول خرچی سے پرہیز کیا جائے (چوری کی بجلی کا اس طرح استعمال دوہرا جرم ہے)

(۹)...... تکمیلِ قرآن کے انتظامات وغیرہ کے لیے مروَّجہ طریقہ پر رسمی چندہ کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

(۱۰)...... اختتام پر بغیر چندہ کے بھی مٹھائی وغیرہ کو لازم نہ سمجھا جائے۔

(۱۱)...... نوافل کے بجائے تراویح میں قرآن مجید پڑھا جائے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک اس طرح نوافل کی جماعت مکروہ ہے، جس میں لوگوں کو دعوت دے کر جمع کیا جائے، یا نوافل کی امامت کرنے والے کے ساتھ تین افراد سے زیادہ مقتدی نفل کی نیت سے شامل ہوں۔ [۱]

---

[۱] فقہ حنفی میں نفل کی جماعت مکروہ ہے، البتہ اگر مقتدی زیادہ سے زیادہ تین ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے اور ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ نفل کی جماعت بالاتفاق جائز ہے، اور نفل نماز کا یہ حکم رمضان اور غیر رمضان کے لئے عام ہے، رسول اللہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر امام تراویح پڑھ رہا ہو، اور اس کے تمام یا اکثر مقتدی نفل کی نیت سے اس کی اقتداء کر رہے ہوں، تو تب بھی اکثر کو کل کا حکم دیتے ہوئے بعض علمائے کرام نے اس کو نفل کی جماعت کا حکم ہی دیا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ سے عموماً رمضان میں بھی تراویح کے علاوہ دوسرے نوافل کی جماعت ثابت نہیں۔

جبکہ یہ حضرات یقیناً ہم سے اور آج کل کے مسلمانوں سے زیادہ عبادت وریاضت کرنے والے اور زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کے حریص تھے اور جن کتابوں میں رمضان میں جماعت کے ساتھ تطوع، نفل اور قیام کے الفاظ ہیں ان سے تراویح کی نماز مراد ہے، اور جن حضرات کی طرف نفل باجماعت پڑھنے کی نسبت کی گئی ہے وہ بھی تداعی کے بغیر کبھی اتفاقاً ایک دو یا تین مقتدیوں کی صورت میں ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ ''رمضان میں نفل کی جماعت'' از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم، مشمولہ فقہی مقالات ج ۲، واحسن الفتاویٰ ج ۳ از ص ۴۶۸، از مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ)

اگر کبھی اتفاق سے ایک یا دو آدمی امام کے ساتھ نفل کی جماعت میں شریک تھے مگر بعد میں کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے تو اس صورت میں جو مقتدی (دو یا تین) پہلے تھے ان پر کوئی کراہت نہیں اس کے بعد جو لوگ شریک ہوں گے وہ کراہت کے مرتکب شمار کیے جائیں گے (کذا فی احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۹۳)

وتطوعه فمكروهة فيهما على سبيل التداعى قال شمس الأئمة الحلوانى إن اقتدى به ثلاثة لا يكون تداعيا فلا يكره إتفاقا وإن اقتدى به أربعة فالأصح الكراهة(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ۲۸۶،باب الإمامة)

إذا كان على سبيل التداعى أى طريق يدعو الناس للإجتماع عليهم(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ۳۸۶،باب الوتر وأحكامه)

وكان على سبيل التداعى بأن يجتمع جمع كثر فوق الثلاثة حتى لو اقتدى واحد أو اثنان لايكره فى الثلاثة اختلاف وفى الأربعة يكره اتفاقا ذكره فى الكافى (منية المصلى،فصل فى النوافل)

[1] کوئی شخص تراویح کی چند رکعتیں چھوڑ دے، اور بعد میں باقی ماندہ رکعتوں میں امامت کرائے، اور پیچھے مقتدی ایسے ہوں کہ جو پہلے تراویح کی اپنی بیس رکعات پڑھ چکے تھے، اس قسم کے سوال کے جواب میں امداد الاحکام میں ہے کہ:

الجواب: قال الطحطاوى فى حاشيته على مراقى الفلاح:

وكره أن يؤم فى التراويح مرتين فى ليلة واحدة وعليه الفتوى لأن السنة لا تتكرر فى الوقت الواحد فتقع الثانية نفلا مضمرات بخلاف ما لو صلاها مأموما مرتين حيث لا يكره كما لو أم فيها ثم اقتدى بآخر فى تلك الصلاة وكما لو صلى العشاء إماما أو مقتديا ثم أقيمت ثانيا فإنه لا يكره له أن يدخل فيها ثانيا بل يستحل له (حاشية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۲)...... ہر قسم کی خرافات اور رسم ورواج سے بچا جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الطحطاوی علی مراقی، ج ۱، ص ۴۱۲، فصل فی صلاۃ التراویح)

یہ صورتِ عمل فی نفسہٖ تو جائز تھی، جیسا کہ عبارتِ مذکورہ سے معلوم ہوا مگر ان مفاسد کے انضمام سے جو سوال میں ہیں کہ عوام اس کو جماعتِ تراویح نہیں بلکہ جماعتِ تہجد سمجھتے ہیں، اور دوسرے لوگوں نے اس کو دیکھ کر جماعتِ نوافلِ محضہ بھی شروع کردی، یہ قابلِ ترک بلکہ واجب الترک ہے، فان المباح والمستحب اذا ادی الٰی مفسدۃ یجب ترکہ صرح بہ الفقہاء قاطبۃ، واللہ اعلم۔ غرہ رمضان ۴۵ھ۔(امداد الاحکام، ج۱،ص۶۳۶، فصل فی التراویح)

اور مولانا مفتی محمد مجاہد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

بعض مساجد میں شبینہ کا یہ انداز اختیار کیا جاتا ہے کہ قاری صاحب جنہوں نے قرآن پاک سنانا ہوتا ہے، وہ تراویح کو چھوڑ کر آتے ہیں، اور شبینہ میں تراویح کی نیت سے قرآن پاک پڑھتے ہیں، اور پیچھے کھڑے ہونے والے تمام یا اکثر مقتدی نفل کی نیت سے شریک ہوتے ہیں، یہ صورت بھی درست معلوم نہیں ہوتی، اس کو بھی ترک کردینا چاہئے، اس کی وجوہ درجِ ذیل ہیں:

(۱)......ان شبینوں میں اصل مقصود نوافل کی جماعت ہے، اور صرف امام کا تراویح کی نیت کرنا محض ایک حیلہ ہے، اور نوافل کی اہتمام کے ساتھ اجتماعی شکل ہی مزاجِ شریعت کے خلاف ہے، لہٰذا اس حیلے کے باوجود اس کی قباحت برقرار رہے گی۔

(۲)......صرف امام تراویح پڑھ رہا ہو، اور تمام مقتدی یا اکثر نفل پڑھ رہے ہوں، اس کو تراویح کی جماعت نہیں کہا جائے گا، بلکہ اکثریت کا اعتبار کرتے ہوئے نوافل کی جماعت ہی شمار کیا جائے گا، البتہ اگر امام اور اکثر مقتدی تراویح پڑھ رہے ہوں، اور اتفاقاً بعض لوگ آکر نفل کی نیت سے شریک ہوجائیں، تو اس کی واقعی گنجائش ہوگی، اور یہی کہا جائے گا کہ تراویح کی جماعت میں چند نفل پڑھنے والے شریک ہوگئے ہیں، لیکن مذکورہ بالا مروجہ شکل کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے۔

(۳)......فقہائے حنفیہ نے مسجدِ محلّہ میں ایک بار فرض نماز کی جماعت ہوجانے کے بعد دوسری بار فرض کی جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے، جیسا کہ ابھی گزرا ہے، لیکن ایک صورت کی فقہاء نے بھی اجازت دی ہے، اور حدیث شریف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ایک شخص مسجد میں پہنچا، تو جماعت ہوچکی تھی، وہ اکیلا نماز پڑھنے کے بجائے جنہوں نے نماز باجماعت ادا کرلی ہے، ان میں سے کسی کو نفل کی نیت سے شریک کرکے مسجد میں جماعت سے نماز پڑھ لے، تو یہ جائز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صرف امام فرض پڑھ رہا ہو، اور مقتدی نفل پڑھ رہے ہوں، تو اس کو فرض جماعت شمار نہیں کیا گیا، ورنہ مسجد میں اس کی اجازت نہ ہوتی، اس پر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ صرف امام تراویح پڑھ رہا ہو، اور تمام مقتدی نفل پڑھ رہے ہوں، تو اس کو تراویح کی جماعت نہیں کہا جائے گا (احکام ومسائل ص۱۱۰، وص۱۱۱، کتاب الصلاۃ، مطبوعہ: اکتوبر 1998ء، مکتبۃ العارفی، فیصل آباد)

تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ ان تمام شرائط کا آج کل عام طور مروجہ شبینوں میں لحاظ نہیں کیا جاتا۔ [1] بڑی بڑی کمیٹیاں جو عام طور پر شبینوں کا انتظام کرتی ہیں ان کے یہاں بھی اکثر یہ شرطیں ملحوظ نہیں ہوتیں۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ آج کل کے شبینے منعقد کرنے کا اصل مقصد عام طور پر رمضان کے آخری عشرہ کی مبارک راتوں میں جاگنا اور عبادت کرنا بیان کیا جاتا ہے اور ان راتوں میں بطور خاص مسجدوں میں جمع ہوکر جاگنے کا رسول اللہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین سے ثبوت نہیں، اور اسی وجہ سے فقہائے کرام نے مبارک راتوں میں عبادت کی غرض سے مسجد میں جمع ہوکر جاگنے اور مبارک راتوں میں عبادت کی غرض سے مسجد میں جمع ہونے کو مکروہ وناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ [2]

جہاں تک آخری عشرے میں اعتکاف کا تعلق ہے، تو وہ بھی انفرادی عبادت ہے، تفصیل کے لیے ہماری دوسری کتاب ''اعتکاف کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

جماعت میں اکثر افراد تراویح پڑھ رہے ہوں، نوافل پڑھنے والے کم ہوں، تو یہ صورت جائز ہے، مگر متعارف شبینہ میں دیگر قبائح بہرحال ہوتے ہیں، لہٰذا اس سے بھی احتراز لازم ہے (احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۵۲۲، فصل فی التراویح)

[2] ویکره الاجتماع علی احیاء لیلة من هذه اللیالی فی المساجد (البحرالرائق ج ۲ ص ۵۶، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

(ویکره الاجتماع علی احیاء لیلة من هذه اللیالی)المتقدم ذکرها (فی المساجد) وغیرها لانه لم یفعله النبی صلی الله علیه وسلم ولااصحابه فانکره اکثر العلماء من اهل الحجاز منهم عطاء وابن ابی ملیکة وفقهاء اهل المدینة واصحاب مالک وغیرهم وقالوا ذالک کله بدعة (مراقی الفلاح شرح نورالایضاح، ص ۱۵۱، کتاب الصلاة، باب فی النوافل)

والثانی انه یکره الاجتماع فیها فی المساجد للصلٰوة والقصص والدعاء ولایکره ان یصلی الرجل فیها لخاصة نفسه وهذا قول الاوزاعی امام اهل الشام وفقیههم وعالمهم وهذاهو الاقرب ان شاء الله تعالٰی (لطائف المعارف ص۱۳۷، وظائف شهر شعبان، المجلس الثانی فی نصف شعبان)

ویحصل القیام بالصلاة نفلا فرادی من غیر عدد مخصوص، وبقراء ة القرآن، والأحادیث وسماعها، وبالتسبیح والثناء، والصلاة والسلام علی النبی -صلی الله علیه وسلم -الحاصل ذلک فی معظم اللیل وقیل بساعة منه(ردالمحتار، ج۲ص۲۶، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

آج کل ملکی سطح پر بڑے پیمانے پر شبینے منعقد کیے جاتے ہیں، جن کو ذرائعِ ابلاغ کے ذریعے سے براہِ راست نشر بھی کیا جاتا ہے، اور لوگ دلچسپی کے ساتھ ان کو دیکھتے ہیں، حالانکہ اس طرح دیکھنا ثواب کی چیز نہیں، اصل ثواب تو اس میں ہے کہ خود اخلاص وصدق کے ساتھ عبادت کی جائے۔

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان ۲۹/ جمادی الاخریٰ/۱۴۳۳ھ 21/ مئی/ 2012ء بروز پیر

عورتوں کا مَرد امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا

سوال

عورتوں کی نماز سے متعلق پہلا سوال یہ ہے کہ:

آج کل ہمارے سلسلہ کی بعض مساجد میں عورتوں کے لئے نماز باجماعت میں شمولیت کا انتظام کیا جاتا ہے، عورتوں کے لئے باپردہ طریقہ پر مَرد حضرات سے الگ تھلگ مخصوص جگہیں نماز کے لئے مقرر کی جاتی ہیں، جہاں خواتین نماز باجماعت میں شامل ہوتی ہیں، خاص طور پر جمعہ اور دیگر دینی اجتماعات کے مواقع پر خواتین شرکت کرتی ہیں، اور نماز پڑھنے کے علاوہ دینی بیانات بھی سنتی ہیں، اس کے علاوہ عیدین کے اجتماعات میں بھی شرکت کرتی ہیں، اور رمضان کے مہینہ میں تراویح کی نماز میں قرآن مجید بھی سنتی ہیں۔

اور اس طرح کا سلسلہ کراچی، لاہور وغیرہ جیسے شہروں میں اور ہندوستان میں بھی بعض علاقوں میں دینی مدارس وجامعات کے تحت مساجد میں مشہور علمائے حق کی نگرانی میں جاری ہے۔

بعض علماء اس کو ناجائز اور گناہ قرار دیتے ہیں، اور وہ اس سلسلہ میں فقہی عبارات پیش کرتے ہیں، جبکہ بعض علماء اس کو جائز قرار دیتے ہیں، اور اس کو خواتین کی اصلاح اور دینی فائدہ کا ذریعہ بتاتے ہیں، اور وہ اس کے متعلق احادیث اور صحابیات کے طرزِ عمل سے استدلال

کرتے ہیں۔

آپ سے درخواست ہے کہ طرفین کے دلائل کوملحوظ رکھتے ہوئے اس کے متعلق مفصل ومدلل اورمعتدل جواب تحریرفرما کرممنون فرمائیں۔ بینواوتوجروا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

ہم نے اس سلسلہ میں پہلے بھی اپنے بعض رسائل ومضامین میں کچھ تحریر کیا تھا،لیکن اس وقت زیادہ تحقیق وتفصیل سے غورکرنے کا موقع نہیں ملاتھا،اورصرف متأخرین اوراکثر اُردوکتب کو سامنے رکھ کرحکم بیان کیا گیا تھا،اب دوبارہ توجہ دِلانے پرشرعی دلائل اورفریقین کے موقف کا بنظرِ انصاف جائزہ لیا گیا،اورمعلوم ہوا کہ اس مسئلہ کی پوری تفصیل معلوم نہ ہونے اورصرف بعض متأخرین مشائخ کی عبارات پرنظرمرکوز ہونے کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں،لہٰذا اس مسئلہ کی تفصیل معلوم ہونا ضروری ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ فی نفسہٖ عورت کا مرد کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے،اور مرد کی اقتداء میں عورت نماز پڑھے تو اس کی نماز ادا ہوجاتی ہے،بشرطیکہ عورت مرد کے ساتھ کھڑی نہ ہو،بلکہ مرد کے پیچھے کھڑی ہو۔

اس سلسلہ میں بے شماراحادیث وروایات ہیں،جن میں سے چنداحادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ، فَأَكَلَ مِنْهُ فَقَالَ : قُوْمُوْا فَلِأُصَلِّيَ بِكُمْ، فَقُمْتُ إِلٰى حَصِيْرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَا لَبِثَ، فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْيَتِيْمُ مَعِيْ وَالْعَجُوْزُ مِنْ وَّرَائِنَا، فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ

(بخاری) [1]

ترجمہ: اُن کی دادی حضرت ملیکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لئے بلایا، جو کھانا انہوں نے تیار کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے میں سے تناول فرمایا، پھر فرمایا کہ تم اٹھو، تا کہ میں تمہیں نماز پڑھاؤں، پھر میں کھڑا ہو کر اپنی ایک چٹائی لینے گیا، جو کہ زیادہ پرانی ہونے کی وجہ سے سیاہ ہوگئی تھی، پھر میں نے اس کو پانی سے دھویا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، اور میرے ساتھ یتیم (ضمیرہ نام کا چھوٹا بچہ) کھڑا ہوا، اور بوڑھی خاتون (یعنی امِ سُلیم، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ تھیں) ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں (بخاری)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِ أُمِّ سُلَيْمٍ، فَقُمْتُ وَيَتِيْمٌ خَلْفَهُ وَأُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امِ سُلیم رضی اللہ عنہا کے گھر میں نماز پڑھائی، تو میں اور ایک لڑکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے اور امِ سُلیم ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ان الفاظ میں ہے کہ:

أَنَّهُ كَانَ هُوَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأُمُّهُ وَخَالَتُهُ، فَصَلّٰى بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلَ أَنَسًا عَنْ يَّمِيْنِهِ، وَأُمَّهُ وَخَالَتَهُ خَلْفَهُمَا (صحيح ابنِ حبان) [3]

---

[1] رقم الحديث ٨٦٠، كتاب الاذان، باب وضوء الصبيان، ومتى يجب عليهم الغسل والطهور.

[2] رقم الحديث ٨٧١، كتاب الاذان، باب صلاة النساء خلف الرجال.

[3] رقم الحديث ٢٢٠٦، كتاب الصلاة، باب فرض متابعة الامام.

في حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم.

ترجمہ: وہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی والدہ اور خالہ تھیں، پھر ان سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، انس کو اپنی دائیں جانب کھڑا کیا، اور ان کی والدہ اور خالہ کو اپنے پیچھے کھڑا کیا (ابنِ حبان)

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : صَلَّيْتُ إِلٰى جَنْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَائِشَةُ خَلْفَنَا تُصَلِّيْ مَعَنَا، وَأَنَا إِلٰى جَنْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُصَلِّيْ مَعَهٗ (نسائی) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں نماز پڑھی، اور حضرت عائشہ ہمارے پیچھے کھڑی ہو کر ہمارے ساتھ نماز پڑھ رہی تھیں، اور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر میں کھڑے ہو کر آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا (نسائی)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبَلَ مِنْ نَوَاحِي الْمَدِيْنَةِ يُرِيْدُ الصَّلَاةَ، فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا، فَمَالَ إِلٰى مَنْزِلِهٖ، فَجَمَعَ أَهْلَهٗ، فَصَلّٰى بِهِمْ (المعجم الاوسط للطبرانی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے مضافات سے تشریف لائے، آپ نماز پڑھنا چاہتے تھے، آپ نے لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ نماز پڑھ چکے تھے، پھر آپ اپنے گھر میں تشریف لے گئے، پھر آپ نے گھر والوں کو جمع کیا، اور

---

[1] رقم الحديث ۸۰۴، كتاب الامامة، باب موقف الإمام إذا كان معه صبى وامرأة، واللفظ لهٗ، مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۳۸۷۵، باب الرجل يؤم الرجل والمرأة.

[2] رقم الحديث ۴۶۰۱، ج۵ ص۳۵، باب العين ، من اسمه عبدان.

قال الهيثمي: رواه الطبراني فى الكبير والأوسط ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۲۱۷۷، باب فيمن جاء إلى المسجد فوجد الناس قد صلوا)

ان کے ساتھ نماز پڑھی (طبرانی)

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ عورت کا مرد کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست اور جائز ہے۔ ۱؎

حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

صَلَّيْتُ مَعَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَأَقَامَنِيْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ، وَقَامَتْ جَمِيْلَةُ أُمُّ وَلَدِهٖ خَلْفَنَا (مصنف عبد الرزاق) ۲؎

ترجمہ: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، تو انہوں نے مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا، اور ان کی اُمِّ ولد جمیلہ ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں (عبدالرزاق)

حضرت جابر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ الشَّعْبِيِّ، وَعَطَاءٍ، قَالَا: لَا بَأْسَ بِأَنْ يَّؤُمَّ الرَّجُلُ النِّسَاءَ (عبد الرزاق) ۳؎

ترجمہ: امام شعبی اور حضرت عطاء (دونوں جلیل القدر تابعین) نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد عورتوں کی امامت کرے (عبدالرزاق)

اور حضرت ابنِ جریج رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: يَقُوْمُ الرَّجُلُ إِلٰى رُكْنِ الْإِمَامِ، وَالْمَرْأَتَانِ وَرَاءَ هُمَا،

۱؎ (فقمت إلى حصير لنا قد اسود من طول ما لبث، فنضحته بماء، فقام رسول الله -صلى الله عليه وسلم-، واليتيم معى) برفع اليتيم عطفا على الضمير المرفوع المتصل بلا فصل، واسمه : ضميرة، بضم الضاد المعجمة وسكون المثناة التحتية وبالراء، ابن سعد الحميرى (والعجوز) أم سليم (من ورائنا) بكسر ميم :من على الأشهر على أنها حجارة، وجوز الفتح على أنها موصولة. (فصلى بنا) عليه الصلاة والسلام (ركعتين)

مطابقته للجزء الأخير من الترجمة فى قوله :واليتيم معى، أى فى الصف .لأن اليتيم دال على الصبى إذ لا يتم بعد الاحتلام(ارشاد السارى للقسطلانى، ج۲ص ۱۵۰، باب وضوء الصبيان، ومتى يجب عليهم الغسل والطهور؟ وحضورهم الجماعة والعيدين والجنائز وصفوفهم)

۲؎ رقم الحديث ۳۸۷۱،كتاب الصلاة،باب الرجل يؤم الرجل والمرأة.

۳؎ رقم الحديث ۵۱۲۳،كتاب الصلاة، باب شهود النساء الجماعة.

قُلْتُ : فَنِسْوَةٌ؟ قَالَ : وَكَذٰلِكَ أَيْضًا، اَلرَّجُلُ إِلٰى رُكْنِ الرَّجُلِ، وَالنِّسْوَةُ وَرَاءَ هُمَا (مصنف عبد الرزاق) [۱]

ترجمہ: حضرت عطاء (جلیلُ القدر تابعی) نے فرمایا کہ مرد امام کے ساتھ کھڑا ہوگا، اور دو عورتیں ہوں تو وہ ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہوں گی، میں نے عرض کیا کہ اگر زیادہ عورتیں ہوں، تو حضرت عطاء نے فرمایا کہ تب بھی اسی طرح سے ایک مرد ہو تو مرد (امام) کے ساتھ کھڑا ہوگا، اور عورتیں ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہوں گی (عبدالرزاق)

اور حضرت معمر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ قَتَادَةَ فِي الرَّجُلَيْنِ يَكُوْنُ مَعَهُمَا الْمَرْأَةُ قَالَ : يَقُوْمُ الرَّجُلُ عَنْ يَّمِيْنِ صَاحِبِهٖ، وَتَقُوْمُ الْمَرْأَةُ خَلْفَهُمَا (مصنف عبد الرزاق) [۲]

ترجمہ: حضرت قتادہ (جلیلُ القدر تابعی) نے ان دو آدمیوں کے بارے میں کہ جن کے ساتھ ایک عورت ہو، فرمایا کہ مرد تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو، اور عورت ان کے پیچھے کھڑی ہو (عبدالرزاق)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایک یا زیادہ عورتوں کا مرد کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے، جس میں تراویح کی نماز بھی داخل ہے، بشرطیکہ عورت مرد کے ساتھ کھڑی نہ ہو، بلکہ پیچھے کھڑی ہو۔

اس کے علاوہ خواتین کا نمازوں کے لیے مساجد اور عیدگاہ میں آنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کو مساجد وعیدگاہ میں آنے کی اجازت دینا اور اُن کو مساجد میں آنے سے منع نہ کرنا صحیح احادیث میں مذکور وموجود ہے، جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو مسجد میں آنے کی صورت میں یہ حکم فرمادیا تھا کہ وہ

---

[۱] رقم الحديث ۳۸۷۴، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم الرجل والمرأة.

[۲] رقم الحديث ۳۸۷۲، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم الرجل والمرأة.

باپردہ آئیں اور خوشبو لگا کر اور زیب وزینت اختیار کر کے نہ آئیں۔
مگر اس کے باوجود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کا اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کو زیادہ فضیلت کا باعث قرار دیا تھا۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لَا تَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کی بندیوں (یعنی عورتوں) کو اللہ کی مساجد میں آنے سے منع نہ کرو (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ فی نفسہٖ عورتوں کو مساجد میں آنا منع نہیں ہے، اسی لئے انہیں منع کرنے سے روکا گیا ہے۔

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

كَانَتِ امْرَأَةٌ لِعُمَرَ تَشْهَدُ صَلاَةَ الصُّبْحِ وَالْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ، فَقِيْلَ لَهَا : لِمَ تَخْرُجِيْنَ وَقَدْ تَعْلَمِيْنَ أَنَّ عُمَرَ يَكْرَهُ ذٰلِكَ وَيَغَارُ؟ قَالَتْ : وَمَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَّنْهَانِيَ؟ قَالَ : يَمْنَعُهُ قَوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لاَ تَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ (بخاری) [2]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ صبح اور عشاء کی نماز کے لئے مسجد کی جماعت میں حاضر ہوتی تھیں، اُن سے کہا گیا کہ آپ (نماز کے لئے گھر سے) کیوں نکلتی ہیں؟ دراں حالیکہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عمر اس کو مکروہ سمجھتے ہیں، اور انہیں

---

[1] رقم الحديث ۴۴۲ "۱۳۶" كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة، وأنها لا تخرج مطيبة؛ مسند أبى يعلى، رقم الحديث ۱۵۴.
فى حاشية مسند ابى يعلىٰ: إسناده صحيح.

[2] رقم الحديث ۹۰۰، كتاب الجمعة، باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من النساء والصبيان وغيرهم؟

اس پر غیرت آتی ہے، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ پھر حضرت عمر کو کون سی چیز اس بات سے روکتی ہے کہ وہ مجھے اس سے منع کریں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منع کرتا ہے کہ تم اللہ کی بندیوں (یعنی عورتوں) کو اللہ کی مساجد سے منع نہ کرو (بخاری)

اور مسند احمد میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا اسْتَأْذَنَتْ أَحَدَكُمُ امْرَأَتُهُ أَنْ تَأْتِيَ الْمَسْجِدَ، فَلَا يَمْنَعُهَا. قَالَ: وَكَانَتِ امْرَأَةُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ تُصَلِّيْ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ لَهَا: إِنَّكِ لَتَعْلَمِيْنَ مَا أُحِبُّ فَقَالَتْ: وَاللّٰهِ لَا أَنْتَهِيْ حَتّٰى تَنْهَانِيْ قَالَ: فَطُعِنَ عُمَرُ وَإِنَّهَا لَفِي الْمَسْجِدِ (مسند احمد، رقم الحديث ۴۵۲۲) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں جانے کی اجازت مانگے تو وہ اسے منع نہ کرے، اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی مسجد میں (جا کر) نماز پڑھتی تھیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ بے شک آپ کو وہ بات معلوم ہے، جو مجھے پسند ہے (یعنی گھر میں نماز پڑھنا) تو وہ کہنے لگیں کہ جب تک آپ مجھے منع نہیں کریں گے میں (مسجد میں) جانے سے نہیں رُکوں گی، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ان کو تا حیات حضرت عمر نے منع نہیں فرمایا، یہاں تک کہ) جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر (فجر کی نماز کے وقت مسجد میں) قاتلانہ حملہ ہوا تو یہ (یعنی اُن کی اہلیہ) مسجد میں ہی (نماز کی غرض سے) موجود تھیں (مسند احمد)

حضرت یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

عَنْ عَاتِكَةَ بِنْتِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ، امْرَأَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ؛ أَنَّهَا كَانَتْ تَسْتَأْذِنُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ إِلَى الْمَسْجِدِ. فَيَسْكُتُ. فَتَقُولُ: وَاللّٰهِ لَأَخْرُجَنَّ، إِلَّا أَنْ تَمْنَعَنِي. فَلَا يَمْنَعُهَا (مؤطاامام مالک) [1]

ترجمہ: عاتکہ بنتِ زید بن عمرو بن نفیل جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مسجد جانے کی اجازت لیتی تھیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہوجاتے تھے، پھر وہ کہتی تھیں کہ اللہ کی قسم! میں تو ضرور جاؤں گی مگر یہ کہ آپ مجھے منع کردیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُن کو منع نہیں کرتے تھے (موطامالک)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے خلیفۂ راشد اور جلیل القدر صحابی اگرچہ خواتین کے مسجد میں جانے کو پسند نہیں فرماتے تھے، بلکہ گھر میں نماز پڑھنے کو پسند فرماتے تھے، کیونکہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی زیادہ فضیلت بیان فرمائی تھی، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ "خواتین کو مساجد میں جانے سے منع نہ کرو" منع نہیں فرماتے تھے، جس پر تاحیات عمل پیرا رہے۔

حضرت بلال بن عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ حُظُوظَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ، إِذَا اسْتَأْذَنُوكُمْ فَقَالَ بِلَالٌ: وَاللّٰهِ، لَنَمْنَعُهُنَّ. فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ: أَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُولُ أَنْتَ: لَنَمْنَعُهُنَّ (مسلم) [2]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] رقم الحديث ٦٧٦، ج٢ص٢٧٧، ما جاء في خروج النساء إلى المسجد.

[2] رقم الحديث ٤٤٢ "١٠٤٠" كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة، وأنها لا تخرج مطيبة.

فرمایا کہ تم عورتوں کو مساجد سے اُن کے حقوق سے منع نہ کرو، جب وہ تم سے اجازت طلب کریں، تو بلال نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم ان کو (مساجد سے) ضرور منع کریں گے، جس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے فرمایا کہ میں یہ کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کہ تم عورتوں کو منع نہ کرو) اور آپ کہتے ہیں کہ ہم ضرور ان کو منع کریں گے (بیٹے کے اس طرزِ عمل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اختلاف پر ناراضگی کا اظہار کیا) (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فی نفسہٖ عورتوں کا مساجد سے حق وابستہ ہے، لہٰذا ان کو فی نفسہٖ مساجد سے منع نہیں کرنا چاہئے۔

اور حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَ كُمُ الْمَسَاجِدَ إِذَا اسْتَأْذَنَّكُمْ إِلَيْهَا قَالَ : فَقَالَ بِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ : وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ، قَالَ : فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ : فَسَبَّهُ سَبًّا سَيِّئًا مَا سَمِعْتُهُ سَبَّهُ مِثْلَهُ قَطُّ وَقَالَ: أُخْبِرُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ: وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ (مسلم) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم اپنی عورتوں کو مساجد سے نہ روکو جب وہ تم سے اس کی اجازت طلب کریں، حضرت سالم کہتے ہیں کہ (ان کے بھائی) بلال بن عبداللہ نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم ان کو (مساجد سے) ضرور منع کریں گے، جس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اتنا بُرا بھلا کہا کہ میں نے اس طرح کا بُرا بھلا کہنا آپ سے کسی اور کے لئے کبھی نہیں سُنا، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ

---

[1] رقم الحديث ۴۴۲ "۱۳۵" كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة، وأنها لا تخرج مطيبة.

نے فرمایا کہ میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خبر دیتا ہوں (کہ تم عورتوں کو مساجد سے منع نہ کرو) اور آپ (اس کے مقابلہ میں) کہتے ہیں کہ ہم ان کو ضرور منع کریں گے (مسلم)

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے بیٹے بھی عورتوں کو مسجد سے منع کرنے کے حق میں نہ تھے، اور فرض نماز کی طرح بعض شرائط کے ساتھ خواتین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت وحکم سے عید کی نماز اور خطبہ کے لیے عیدگاہ میں آنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنْ نُخْرِجَهُنَّ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى، اَلْعَوَاتِقَ، وَالْحُيَّضَ، وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ، فَأَمَّا الْحُيَّضُ فَيَعْتَزِلْنَ الصَّلَاةَ، وَيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ، وَدَعْوَةَ الْمُسْلِمِيْنَ، قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِحْدَانَا لَا يَكُوْنُ لَهَا جِلْبَابٌ، قَالَ: لِتُلْبِسْهَا أُخْتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم عورتوں کو عیدالفطر وعید الاضحیٰ کے لئے نکالیں، بالغ لڑکیوں کو بھی، اور حیض والی اور پردہ نشین عورتوں کو بھی، جہاں تک کہ حائضہ عورتوں کا تعلق ہے، تو وہ نماز سے علیحدہ رہ کر خیر اور مسلمانوں کی دعوت (یعنی وعظ وخطبہ وغیرہ) میں حاضر ہوں، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے جس کے پاس (پردہ کرنے کے لیے بڑی) چادر نہ ہو تو؟ (وہ کیا کرے) آپ نے فرمایا کہ اس کی بہن کو چاہئے کہ اپنی (پردہ والی) چادر اس کو پہنا دے (مسلم)

---

[1] رقم الحدیث ۸۹۰ ”۱۲“ کتاب صلاۃ العیدین، باب ذکر إباحة خروج النساء فی العیدین إلى المصلى وشهود الخطبة، مفارقات للرجال، داراحیاء التراث العربی، بیروت، واللفظ لهٗ، سنن الترمذی، رقم الحدیث ۵۳۹، باب فی خروج النساء فی العیدین.

حضرت حفصہ بنتِ سیرین کی سند سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ ۱؎
خیر اور مسلمانوں کی دعوت سے مراد خطبہ اور وعظ وتذکیر ہے۔ ۲؎
یہ واقعہ کئی سندوں سے مروی ہے، اور چونکہ عیدگاہ میں عورتوں کے لئے مَردوں سے الگ باپردہ انتظام کیا جاتا تھا، اس لئے بعض اوقات عورتوں کو خطبہ کی آواز نہیں پہنچتی تھی، اس لئے ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ سے وعظ فرمایا، جس کا بعض روایات میں ذکر پایا جاتا ہے۔ ۳؎
جس سے معلوم ہوا کہ خواتین کو عید کی نماز میں شریک کرنے کا ایک مقصد وعظ وتبلیغ بھی تھا، اور اس میں بوڑھی خواتین کے علاوہ نوجوان، پردہ نشین خواتین کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریک فرمایا۔
حضرت عائشہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی سند سے بھی خواتین کے عیدگاہ میں

۱؎ عن حفصة، قالت :كنا نمنع عواتقنا أن يخرجن فى العيدين، فقدمت امرأة، فنزلت قصر بنى خلف، فحدثت عن أختها، وكان زوج أختها غزا مع النبى صلى الله عليه وسلم ثنتى عشرة غزوة، وكانت أختى معه فى ست، قالت :كنا نداوى الكلمى، ونقوم على المرضى، فسألت أختى النبى صلى الله عليه وسلم :أعلى إحدانا بأس إذا لم يكن لها جلباب أن لا تخرج؟ قال :لتلبسها صاحبتها من جلبابها ولتشهد الخير ودعوة المسلمين، فلما قدمت أم عطية، سألتها أسمعت النبى صلى الله عليه وسلم؟ قالت :بأبى، نعم، وكانت لا تذكره إلا قالت :بأبى، سمعته يقول :يخرج العواتق وذوات الخدور، أو العواتق ذوات الخدور، والحيض، وليشهدن الخير، ودعوة المؤمنين، ويعتزل الحيض المصلى، قالت حفصة :فقلت الحيض، فقالت :أليس تشهد عرفة، وكذا وكذا (بخارى، رقم الحديث ۳۲۴)

۲؎ قوله :(وليشهدن الخير) أى :وليحضرن مجالس الخير كسماع الحديث وعيادة المريض. قوله :(ودعوة المسلمين) ، كالاجتماع لصلاة الاستسقاء .وفى رواية :(ودعوة المؤمنين) ، وهى رواية الكشميهنى(عمدة القارى، ج۳ص ۳۰۴،كتاب الحيض،باب شهود الحائض العيدين ودعوة المسلمين ويعتزلن المصلى)
والمراد بالدعوة :الكلمات الدعائية التى فى خلال الخطبة(فيض البارى شرح البخارى،كتاب الحيض،باب شهود الحائض العيدين ودعوة المسلمين، ويعتزلن المصلى)

۳؎ فكان النساء بعيدا من الرجال .ألا ترى أنه -عليه الصلاة والسلام -لما أن فرغ من خطبته وصلاته جاء إلى النساء فوعظهن وذكرهن، فلو كن قريبا لسمعن الخطبة ولما احتجن إلى تذكيره لهن بعد الخطبة (المدخل لابنِ الحاج، ج۲ص ۲۸۳، فصل فى خروج الإمام إلى صلاة العيدين)

آنے کی احادیث وروایات مروی ہیں۔ [1]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کئی جلیل القدر صحابۂ کرام (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ) اور تابعین (حضرت علقمہ، حضرت اسود وغیرہ) سے بھی خواتین کے عید کی نماز کے لیے آنے کا جواز وثبوت ملتا ہے۔ [2]

---

[1] عن ابن عباس رضی الله عنهما، شهدت العيد مع النبی صلی الله عليه وسلم فصلی قبل الخطبة قال أبو عبد الله :وزاد ابن وهب، عن ابن جريج :فأتی النساء ، فجعلن يلقين الفتخ والخواتيم فی ثوب بلال(بخاری، رقم الحديث ۵۸۸۰)

عن عائشة، قالت " :قد كانت تخرج الكعاب من خدرها لرسول الله صلی الله عليه وسلم فی العيدين "(مسند أحمد، رقم الحديث۲۵۵۱۲)

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره .علی :وهو الواسطی -وإن كان ضعيفاً -متابع، وباقی رجاله ثقات رجال الشيخين إلا أن أبا قلابة -وهو عبد الله بن زيد الجَرْمی -لم يسمع من عائشة.

قال الهيثمی: رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد، ج۲ص ۲۰۰،باب الخروج إلی العيد)

عن مجاهد فی قوله :(كواعب) قال :نواهد(مُصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ۵۸۳۹، مَنْ رَخَّصَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَی الْعِيدَيْنِ)

عن ابن عباس، قال " :كان رسول الله صلی الله عليه وسلم، يأمر بناته ونساء ه أن يخرجن فی العيدين "(مسنداحمد، رقم الحديث ۲۰۵۴)

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره، حجاج -وهو ابن أرطاة -مدلس وقد عنعن، وباقی رجاله ثقات رجال الشيخين.

[2] عن طلحة اليامی ، قال :قال أبو بكر :حق علی كل ذات نطاق الخروج إلی العيدين(مُصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث ۵۸۳۵، من رخص فی خروج النساء إلی العيدين)

عن علی ، قال :حق علی كل ذات نطاق أن تخرج إلی العيدين ، ولم يكن يرخص لهن فی شیء من الخروج إلا إلی العيدين(ايضاً رقم الحديث ۵۸۳۶)

عن نافع ، قال :كان عبد الله بن عمر يخرج إلی العيدين من استطاع من أهله(ايضاً رقم الحديث ۵۸۳۷)

عن أبی قلابة ، قال :قالت عائشة :قد كانت الكعاب تخرج لرسول الله صلی الله عليه وسلم من خدرها فی الفطر والأضحی(ايضاً رقم الحديث ۵۸۳۸)

عن عبد الرحمن بن الأسود ؛ أن علقمة ، والأسود كانا يخرجان نساء هما فی العيدين ، ويمنعونهن من الجمعة(ايضاً رقم الحديث ۵۸۴۰)

عن أبی إسحاق ، قال :إن كانت امرأة أبی ميسرة لتخرج إلی العيد(ايضاً رقم الحديث ۵۸۴۱)

عن إبراهيم ، قال :كان لعلقمة امرأة قد خلت فی السن تخرج إلی العيدين(ايضاً رقم الحديث ۵۸۴۲)

لیکن ایک تو احادیث میں جہاں ایک طرف خواتین کو نماز کے لئے مساجد میں آنے کی اجازت اور منع نہ کرنا ثابت ہے، اسی کے ساتھ صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواتین کو مساجد کے مقابلہ میں اپنے گھروں میں رہ کر نماز پڑھنے کی ترغیب دینا اور فضیلت بیان فرمانا مذکور ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَ كُمُ الْمَسَاجِدَ، وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ (سنن أبی داود) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی عورتوں کو مساجد سے منع نہ کرو، البتہ اُن کے گھر اُن کے لئے زیادہ بہتر ہیں (ابوداؤد؛ حاکم)

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ : خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَآءِ قَعْرُ بُيُوْتِهِنَّ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کی سب سے بہترین مساجد ان کے اندرونی گھر ہیں (مسند احمد)

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ٥٦٧، كتاب الصلاة، باب ما جاء فی خروج النساء إلى المسجد؛ مستدرک حاكم، رقم الحديث ٧٥٥،

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، فقد احتجا جميعا بالعوام بن حوشب، وقد صح سماع حبيب من ابن عمر، ولم يخرجا فيه الزيادة وبيوتهن خير لهن وشاهده .

وقال الذهبی فی التلخيص: على شرطهما.

[2] رقم الحديث ٢٦٥٤٢؛ صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ١٦٨٣؛ السنن الكبرىٰ للبيهقی، رقم الحديث ٥٣٦٠؛ مستدرک حاكم، رقم الحديث ٧٥٦؛ مسند شهاب قضاعی، رقم الحديث ١١٥٧.

فی حاشية مسند احمد: حديث حسن بشواهده.

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِيْ بَيْتِهَا خَيْرٌ مِّنْ صَلَاتِهَا فِيْ حُجْرَتِهَا وَصَلَاتُهَا فِيْ حُجْرَتِهَا خَيْرٌ مِّنْ صَلَاتِهَا فِيْ دَارِهَا وَصَلَاتُهَا فِيْ دَارِهَا خَيْرٌ مِّنْ صَلَاتِهَا خَارِجٌ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۹۱۰۱، ج۹ص۴۸، باب المیم) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی وہ نماز جو اس کے کمرہ میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو دالان میں ہو، اوراس کی وہ نماز جو دالان میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو گھر کے صحن میں ہو اوراس کی وہ نماز جو گھر کے صحن میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو گھر سے باہر (مسجد وغیرہ میں) ہو (طبرانی)

اسی قسم کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے بھی مروی ہے۔ [۲]

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِيْ بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِّنْ صَلَاتِهَا فِيْ حُجْرَتِهَا وَصَلَاتُهَا فِيْ مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ بَيْتِهَا (ابوداؤد) [۳]

---

[۱] قال المنذری:رواه الطبرانی فی الأوسط بإسناد جید (الترغیب والترهیب ج ۱ ص ۱۴۱)

[۲] قال رسول الله صلی الله علیه وسلم " :لأن تصلی المرأة فی بیتها خیر من أن تصلی فی حجرتها، ولأن تصلی فی حجرتها خیر من أن تصلی فی الدار، وأن تصلی فی الدار خیر من أن تصلی فی المسجد "(شعب الإیمان، رقم الحدیث ۷۴۳۵)

قال الألبانی: قلت :و لکنه شاهد لا بأس به لحدیث عائشة ، فالحدیث حسن بمجموعهما .و له شاهد آخر من حدیث أم حمید امرأة أبی حمید الساعدی مرفوعا بنحوه ، و له عنها طریقان یقوی أحدهما الآخر کما بینته فی "تخریج الترغیب "، فالحدیث به صحیح (السلسلة الصحیحة الکاملة، تحت رقم الحدیث ۲۱۴۲)

[۳] رقم الحدیث ۵۷۰،کتاب الصلاة، باب ما جاء فی خروج النساء إلى المسجد؛ مستدرک حاکم رقم الحدیث ۷۵۷؛ السنن الکبریٰ للبیهقی، رقم الحدیث ۵۳۶۱؛ الاوسط لابن المنذر، رقم الحدیث ۲۰۸۲ باختصار.

قال الحاکم :هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ، وَقَدِ احْتَجَّا جَمِيعًا بِالْمُوَرِّقِ بْنِ مُشَمْرِجٍ الْعِجْلِيِّ (حواله بالا)

وقال الذهبی فی التلخیص: علی شرطهما.

ترجمہ: عورت کی اپنے گھر کے اندر والے حصہ میں نماز پڑھنا افضل ہے، اس کے دالان میں نماز پڑھنے سے، اور عورت کا اندر والی کوٹھری میں نماز پڑھنا اس کے کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے (ابوداؤد)

اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنَّ أَحَبَّ صَلَاةٍ تُصَلِّيُهَا الْمَرْأَةُ إِلَى اللّٰهِ فِي أَشَدِّ مَكَانٍ فِيْ بَيْتِهَا ظُلْمَةً (صحيح ابن خزيمة) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ نماز ہے، جو وہ اپنے گھر کے زیادہ اندھیرے (اور پردہ) والے حصہ میں پڑھتی ہے (ابنِ خزیمہ)

اسی قسم کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

اور حضرت ابوالاحوص رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ صَلاةُ الْمَرْأَةِ فِيْ بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِّنْ صَلاتِهَا فِيْ حُجْرَتِهَا، وَصَلاتُهَا فِيْ حُجْرَتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلاتِهَا فِيْ دَارِهَا، وَصَلاتُهَا فِيْ دَارِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلاتِهَا فِيْمَا سِوَاهُ، ثُمَّ قَالَ إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا خَرَجَتْ تَشَرَّفَ لَهَا الشَّيْطَانُ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۹۴۸۲، ج۹ص ۲۹۵) [3]

---

[1] رقم الحديث ۱۶۹۱، كتاب الامامة فى الصلاة، باب اختيار صلاة المرأة فى أشد مكان من بيتها ظلمة.

قال الألباني :حسن بما بعده(حاشية ابنِ خزيمة)

[2] عن أبى هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن أحب صلاة تصليها المرأة إلى الله أن تصلى فى أشد مكان من بيتها ظلمة(صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث ۱۶۹۲)

قال الألباني: حسن بما قبله(حاشية ابنِ خزيمة)

[3] قال الهيثمي: رواه الطبراني فى الكبير ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد ج۲ ص ۳۴)

ترجمہ:عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت کا اپنے گھر کے اندر والے حصہ میں نماز پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، بنسبت گھر کے دالان میں نماز پڑھنے سے،اور عورت کا گھر کے دالان میں نماز پڑھنا افضل ہے گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے،اور عورت کا اپنے گھر کے صحن میں نماز پڑھنا افضل ہے، گھر کے علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھنے سے۔

پھر فرمایا کہ: بے شک عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا، تاکتا ہے(طبرانی)

اور حضرت ابوعمر وشیبانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

سَمِعْتُ رَبَّ هٰذِهِ الدَّارِ ، يَعْنِي ابْنَ مَسْعُوْدٍ حَلَفَ فَبَالَغَ فِي الْيَمِيْنِ مَا صَلَّتِ امْرَأَةٌ صَلاَةً أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ صَلاَةٍ فِيْ بَيْتِهَا إِلَّا فِيْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ ، إِلَّا امْرَأَةٌ قَدْ أَيِسَتْ مِنَ الْبُعُوْلَةِ (مصنف ابن أبی شيبة) [1]

ترجمہ: میں نے اس گھر کے مالک یعنی ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے سُنا، جنہوں نے بہت مضبوط طریقے سے قسم اُٹھا کر فرمایا کہ کسی عورت کا نماز پڑھنا اللہ تعالیٰ کو اُس نماز سے زیادہ پسند نہیں ہے، جو وہ اپنے گھر میں پڑھے، سِوائے حج یا عمرہ کے، مگر وہ عورت جو کہ (عمر کی وجہ سے) زوجیت سے مایوس ہو چکی ہو (ابنِ ابی شیبہ)

یعنی بہت بوڑھی عورت کے حق میں مساجد میں نماز پڑھنے میں کوئی ناپسندیدگی والی بات نہیں پائی جاتی۔

حضرت عبداللہ بن سوید انصاری اپنی پھوپھی اُمِ حمید جو کہ ابوحمید ساعدی کی بیوی ہیں، اُن

---

[1] رقم الحديث ۷۷۰۱،كتاب الصلاة، باب من كره ذلک؛ المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۹۴۷۳.

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير ورجاله موثقون(مجمع الزوائد، ج۲ص۳۵،باب خروج النساء إلى المساجد وغير ذلک وصلاتهن فی بيوتهن وصلاتهن فی المسجد)

سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّهَا جَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أُحِبُّ الصَّلَاةَ مَعَكَ قَالَ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكِ تُحِبِّيْنَ الصَّلَاةَ مَعِيْ وَصَلَاتُكِ فِيْ بَيْتِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلَاتِكِ فِيْ حُجْرَتِكِ وَصَلَاتُكِ فِيْ حُجْرَتِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلَاتِكِ فِيْ دَارِكِ وَصَلَاتُكِ فِيْ دَارِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلَاتِكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ وَصَلَاتُكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلَاتِكِ فِيْ مَسْجِدِيْ قَالَ فَأَمَرَتْ فَبُنِيَ لَهَا مَسْجِدٌ فِيْ أَقْصٰى شَيْءٍ مِنْ بَيْتِهَا وَأَظْلَمِهٖ فَكَانَتْ تُصَلِّيْ فِيْهِ حَتّٰى لَقِيَتِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق رکھتی ہو، مگر تمہاری وہ نماز جو اندرونی کوٹھڑی میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو کمرہ میں ہو اور تمہاری وہ نماز جو کمرہ میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو گھر کے احاطہ میں ہو اور تمہاری وہ نماز جو گھر کے احاطہ میں ہو، اُس نماز سے بہتر ہے جو محلّہ کی مسجد میں ہو، اور تمہاری وہ نماز جو محلّہ کی مسجد میں ہو اُس نماز سے بہتر ہے جو میری مسجد (یعنی میرے پیچھے مسجد نبوی) میں ہو، چنانچہ (حضرت اُمِّ حمید رضی اللہ عنہا نے گھر والوں کو) کہہ کر

[1] رقم الحديث ٢٧٠٩٠؛ صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٢٢١٧، باب ذكر البيان بأن صلاة المرأة كلما كانت أستر كان أعظم لأجرها؛ صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ١٦٨٩.
في حاشية مسند احمد: حديث حسن.
قال الهيثمي: رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح غير عبد الله بن سويد الأنصاري ووثقه ابن حبان (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٢١٠٦، ج٢ص ٣٤)
وفي حاشية ابنِ حبان: حديث قوي.

اپنے کمرے کے کونے میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا، نماز پڑھنے کی جگہ بنوائی، وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ اللہ عزوجل سے جاملیں (مسند احمد)

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ اِمْرَأَةً سَأَلَتْهُ عَنِ الصَّلَاةَ فِی الْمَسْجِدِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ ؟ فَقَالَ صَلَاتُکِ فِیْ مَخْدَعِکِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِکِ فِیْ بَیْتِکِ وَصَلَاتُکِ فِیْ بَیْتِکِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِکِ فِیْ حُجْرَتِکِ وَصَلَاتُکِ فِیْ حُجْرَتِکِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِک فِیْ مَسْجِدِ قَوْمِکِ

(مصنف ابنِ ابی شیبة، کتاب الصلاة، رقم الحدیث ۷۶۹۷، باب من کرہ ذلک)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک عورت نے جمعہ کے دن مسجد میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا، تو اس کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا کہ تمہارا اپنے گھر کی اندر والی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، گھر کے کمرے میں نماز پڑھنے سے، اور تمہارا گھر کے کمرے میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے گھر کے دالان میں نماز پڑھنے سے، اور تمہارا گھر کے دالان میں نماز پڑھنا افضل ہے، تمہاری اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنے سے (ابنِ ابی شیبہ)

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ عورت کی زیادہ پردے والی نماز افضل ہے، اور اسی وجہ سے اُسے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، بنسبت مساجد وغیرہ میں جا کر نماز پڑھنے کے۔ [۱]

---

[۱] صلاة المرأة فی بیتها أی الداخلانی لکمال سترها أفضل من صلاتها فی حجرتها أی صحن الدار قال ابن الملک أراد بالحجرة ما تکون أبواب البیوت إلیها وهی أدنی حالا من البیت وصلاتها فی مخدعها بضم المیم وتفتح وتکسر مع فتح الدال فی الکل وهو البیت الصغیر الذی یکون داخل البیت الکبیر یحفظ فیه الأمتعة النفیسة من الخدع وهو اخفاء الشیء أی فی خزانتها أفضل من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

غرضیکہ کئی احادیث وروایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں بھی عورتوں کو عام حالات میں اپنے گھروں میں رہتے ہوئے نماز پڑھنے کی زیادہ فضیلت بیان فرمائی تھی۔

دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور سرپرستی اور صحابہ وصحابیات کے انتہائی تقوے اور خیرالقرون کے پاکیزہ اور مقدس زمانے کے باوجود، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے مساجد میں آنے اور جانے کے متعلق سخت شرائط عائد فرمائی تھیں، تاکہ ہر قسم کے فتنوں کا سدِّ باب رہے، مثلاً یہ کہ وہ مَردوں کے آمدورفت والے دروازے سے نہ آئیں جائیں، اور مکمل پردے کے ساتھ آئیں، اور نظروں کی حفاظت رکھیں، اور بن سنور کر زیور وغیرہ سے آراستہ ہو کر اور مزین لباس پہن کر اور خوشبو وغیرہ لگا کر نہ آئیں اور پچھلی صفوں سے مَردوں کے اٹھنے سے پہلے اٹھ کر چلی جائیں وغیرہ وغیرہ۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صلاتها فی بیتها لأن مبنی أمرها علی التستر (مرقاۃ المفاتیح، ج۳ص۸۳۷، کتاب الصلاۃ، باب الجماعۃ)

وإنما کانت صلاتها فی مخدعها أفضل من صلاتها فی بیتها ومن صلاتها فی حجرتها ، لأنها أستر لها، وأمنع لها من نظر الناس، ومَبْنی حالهن علی الستر ما أمکن (شرح ابی داؤد للعینی ، ج۳ص۵۶، کتاب الصلاۃ، باب فی خروج النساء إلی المَسجد)

[1] عن عمرة بنت عبد الرحمن، عن عائشة، قالت :إن کان رسول الله صلی الله علیه وسلم لیصلی الصبح، فینصرف النساء متلفعات بمروطهن، ما یعرفن من الغلس(بخاری، رقم الحدیث ۸۶۷)

عن عمرة، عن عائشة أنها قالت :إن کان رسول الله صلی الله علیه وسلم لیصلی الصبح فینصرف النساء متلفعات بمروطهن(مستخرج أبی عوانۃرقم الحدیث۱۰۹۵)

(فتنصرف النساء) : أی :اللاتی یصلین معه وکن فی ذلک الزمن علی أعلی غایة الصیانة، فما کان یتطرق إلیهن ولا بهن فتنة ألبتة، ولما حدثت الفتن لهن وبهن منعهن العلماء من ذلک، ولقد قالت عائشة :لو علم النبی صلی الله علیه وسلم ما أحدث النساء بعده لمنعهن المساجد کما منعت نساء بنی إسرائیل (ملتفعات) : بالنصب علی الحالیة أی :مستترات وجوههن وأبدانهن .قال الطیبی : التلفع شدة اللفاع وهو ما یغطی الوجه ویتلحف به (بمروطهن) : المرط :بالکسر کساء من صوف أو خز یؤتزر به، وقیل :الجلباب، وقیل :الملحفة (ما یعرفن) : ما :نافیة أی ما یعرفهن أحد، وفی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فرض اور عید کی نماز کے علاوہ خواتین کا حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں تراویح کے لئے آنا اور ان حضرات کا خواتین کی تراویح کے لئے مستقل طور پر مرد کو امام مقرر کرنا روایات سے ثابت ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رواية للبخارى، ولا يعرف بعضهن بعضا (من الغلس) : من :ابتدائية بمعنى لأجل قاله الطيبى، والغلس :ظلمة آخر الليل، ثم إنه يستعمل على الاتساع فيما بقى منه بعد الصباح، وقيل :من غلس المسجد أى :من أجل ظلمته وعدم إسفاره؛ لأنه ما كان يظهر النور فيه إلا بطلوع الشمس(مرقاة المفاتيح، ج۲ص ۵۳۰، كتاب الصلاة،باب المواقيت،باب تعجيل الصلوات)

أن أم سلمة، زوج النبى صلى الله عليه وسلم، أخبرتها :أن النساء فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم كن إذا سلمن من المكتوبة، قمن وثبت رسول الله صلى الله عليه وسلم ومن صلى من الرجال ما شاء الله، فإذا قام رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قام الرجال(بخارى، رقم الحديث ۸۶۶)

عن أم سلمة رضى الله عنها، قالت :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سلم قام النساء حين يقضى تسليمه، ويمكث هو فى مقامه يسيرا قبل أن يقوم، قال :نرى -والله أعلم -أن ذلک كان لکى ينصرف النساء ، قبل أن يدركهن أحد من الرجال(بخارى، رقم الحديث ۸۷۰)

عن جابر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :خير صفوف الرجال المقدم، وشرها المؤخر، وشر صفوف النساء المقدم، وخيرها المؤخر "، ثم قال " :يا معشر النساء ، إذا سجد الرجال فاغضضن أبصاركن، لا ترين عورات الرجال من ضيق الأزر " (مسنداحمدرقم الحديث ۱۴۱۲۳)

فى حاشية مسند احمد: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن فى المتابعات والشواهد.

عن بسر بن سعيد، أن زينب الثقفية، كانت تحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال :إذا شهدت إحداكن العشاء فلا تطيب تلک الليلة (مسلم،رقم الحديث ۴۴۳" ۱۴۱"باب إذا شَهِدت المرأة العشاء فلا تمسَّ طيبًا)

عن زينب، امرأة عبد الله، قالت :قال لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم :إذا شهدت إحداكن المسجد فلا تمس طيبا(مسلم،رقم الحديث ۴۴۳" ۱۴۱" باب إذا شَهِدت المرأة العشاء فلا تمسَّ طيبًا؛ صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۲۲۱۲، ذكر الشرط الثالث الذى أبيح مجىء النساء إلى المساجد بالليل به)

فى حاشية ابنِ حبان: اسناده حسن.

عن أبى هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أيما امرأة أصابت بخورا فلا تشهد معنا العشاء الآخرة(مسلم،رقم الحديث ۴۴۴"۱۴۳"باب إذا شَهِدت المرأة العشاء فلا تمسَّ طيبًا) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ حضرت ہشام بن عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عُـمَـرَ بْنَ الْخَطَّابِ، أَمَرَ سُلَيْمَانَ بْنَ أَبِيْ حَثْمَةَ أَنْ يَؤُمَّ النِّسَاءَ فِيْ مُؤَخِّرِ الْمَسْجِدِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ(عبد الرزاق) [1]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سلیمان بن ابی حثمہ کو رمضان کے مہینہ میں مسجد کے پچھلے حصہ میں عورتوں کی امامت کے لئے حکم فرمایا(عبدالرزاق)

اورحضرت ہشام بن عروہ اپنے والد حضرت عروہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

جَعَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابَ لِلنَّاسِ قَارِئَيْنَ فِيْ رَمَضَانَ ، فَكَانَ أُبَيٌّ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ، وَابْنُ أَبِيْ حَثْمَةَ يُصَلِّيْ بِالنِّسَاءِ (مُصنف ابن أبی شيبة) [2]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لئے رمضان کے مہینہ میں دو قاری مقرر فرمائے، حضرت اُبی مَردوں کو نماز پڑھاتے تھے، اور ابنِ ابی حثمہ عورتوں کو نماز پڑھاتے تھے(عبدالرزاق)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عن زيد بن خالد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال" :لا تمنعوا إماء الله مساجد الله، وليخرجن تفلات "(صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٢٢١١،ذكر الشرط الثانى الذى أبيح هذا الفعل به)

فی حاشية ابنِ حبان: إسناده حسن

عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :لا تمنعوا إماء الله مساجد الله، ولكن ليخرجن وهن تفلات(سنن أبی داود، رقم الحديث ٥٦٥)

عن زيد بن خالد الجهني، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :لا تمنعوا إماء الله المساجد، وليخرجن تفلات "(مسند أحمد، رقم الحديث ٢١٦٧٤)

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لو تركنا هذا الباب للنساء قال نافع :فلم يدخل منه ابن عمر حتى مات، قال أبو داود :رواه إسماعيل بن إبراهيم، عن أيوب، عن نافع، قال :قال عمر :وهذا أصح(سنن أبی داود، رقم الحديث ٥٧١)

عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، كَانَ يَنْهَى أَنْ يُدْخَلَ مِنْ بَابِ النِّسَاءِ(سنن أبی داود، رقم الحديث ٤٦٤)

[1] رقم الحديث ٥١٢٤،كتاب الصلاة، باب شهود النساء الجماعة.

[2] رقم الحديث ٦٢٠٥،كتاب الصلاة، فی الرجل يؤم النساء.

اور حضرت عرفجہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَـلِيًّـا كَـانَ يَأْمُرُ النَّاسَ بِالْقِيَامِ فِيُ شَهُرِ رَمَضَانَ، وَيَجُعَلُ لِلرِّجَالِ إِمَامًا وَلِلنِّسَاءِ إِمَامًا " قَالَ: فَأَمَرَنِيُ فَأَمَمُتُ النِّسَاءَ (عبد الرزاق) [1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو رمضان کے مہینہ میں قیام (یعنی تراویح) کا حکم فرماتے تھے، اور مَردوں کے لئے امام مقرر فرماتے تھے، اور عورتوں کے لئے بھی امام مقرر فرماتے تھے، حضرت عرفجہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے عورتوں کی امامت کا حکم فرمایا (عبدالرزاق)

معلوم ہوا کہ جس طرح مخصوص شرائط کے ساتھ خواتین کو فرض نماز کے لئے مساجد میں آنا جائز ہے، اسی طرح تراویح کے لئے بھی جائز ہے، اور عید کی نماز کے لئے بھی، اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ آپ کے خلفائے راشدین سے بھی ثابت ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ اجازت ہر قسم کے فتنوں سے حفاظت کا انتظام اور سِد باب کرنے کی صورت میں ہے، یہی وجہ ہے کہ بعد میں بعض صحابہ وتابعین نے حالات کی تبدیلی کو دیکھتے ہوئے خواتین کے نماز کے لیے مساجد میں آنے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَـنِ الـنَّبِـيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَـمُـنَعُوُا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ الـلّٰهِ، وَلُيَخُرُجُنَ تَفِلَاتٍ "قَـالَتُ عَائِشَةُ ": وَلَـوُ رَأٰى حَالَهُنَّ الْيَوُمَ مَنَعَهُنَّ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۴۰۶؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۵۶۵) [2]

---

[1] رقم الحديث ۵۱۲۵، كتاب الصلاة، باب شهود النساء الجماعة، ورقم الحديث ۷۷۲۲، باب قيام رمضان؛ مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۶۲۰۸، فى الرجل يؤم النساء؛ شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ۳۰۰۳؛ السنن الكبرى، للبيهقى، رقم الحديث ۴۲۷۷، باب قيام رمضان.

[2] فى حاشية مسند احمد: مرفوعة صحيح لغيره، وقول عائشة: ولو رأى حالَهنَّ اليوم ... صحيح، وهذا إسناد فيه عبد الرحمن بنُ أبى الرجال، وثَّقَهُ ابنُ معين والدارقطنى، لكن سئل عنه أبو داود فقال: أحاديثُ عمرةَ يجعلُها كلَّها عن عائشة. وذكره ابنُ حبان فى "الثقات"، وقال: ربما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد سے منع نہ کرو، اور عورتوں کو چاہئے کہ وہ بن سنور کر نہ نکلیں، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اگر آج نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حالت کو دیکھ لیتے، تو ان کو منع فرمادیتے (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

لَوْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰــہُ عَلَیْــہِ وَسَلَّمَ رَاٰی مَااَحْدَثَ النِّسَآءُ لَمَنَعَھُنَّ الْمَسْجِدَ کَمَامُنِعَتْ نِسَآءُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (مسلم) [1]

ترجمہ: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات کو دیکھ لیتے جو (آپ کے بعد) عورتوں نے پیدا کردیئے ہیں تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے ضرور منع فرمادیتے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کردیا گیا تھا (مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں ہے کہ وہ عورتوں کو جمعہ کے دن مسجد میں آنے سے منع فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أخطأ . وقال سعيد بن عمرو البرذعي :قلت لأبی زرعة الرازی :حارثة وعبد الرحمن ابنا أبی الرجال؟ فقال :عبد الرحمن أشبه، وحارثة واهی، وعبد الرحمن أيضاً يرفع أشياء لا يرفعها غيره . وبقية رجال الإسناد يقال رجال الصحيح .الحكم :هو ابنُ موسى القنطَری، وعمرة :هی عَمْرَةُ بنت عبد الرحمن الأنصارية والدة أبی الرجال .وأخرجه إسحاق بن راهوية(١٧٥١)من طريق حارثة بن أبی الرجال، عن عمرة، بهذا الإسناد، وحارثة ضعيف، كما سلف .ويشهد له حديثُ ابن عمر السالف برقم (۴۵۲۲)بلفظ " :إذا استأذَنَتْ أحدَكم امرأتُه أن تأتیَ إلى المسجد، فلا يَمْنَعها ." وإسناده صحِيح على شرط الشيخين.

[1] رقم الحديث ۴۴۵ "۱۴۴" كتاب الصلاة، باب منع نساء بنی اسرائيل المسجد،داراحياء التراث العربی، بيروت، و اللفظ لهٗ ؛ بخاری، رقم الحديث ۸۶۹؛ ابوداوٗد، رقم الحديث ۵۶۹؛ مسند احمد، رقم الحديث ۲۵۹۸۲.

[2] عن أبی عمرو الشيبانی، عن ابن مسعود، أنه :كان يطرد النساء من المسجد يوم الجمعة، ويقول :صلين فی بيوتكن(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۹۴۷۷؛ مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۵۲۰۱؛ مصنف ابن ابی شيبة، رقم الحديث ۷۶۹۹)

قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبيرِ ورجاله موثقون (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۲۱۱۹)

فقہائے کرام نے بھی فتنوں سے حفاظت اور سدِ باب کے لئے اپنے اپنے اجتہاد کی روشنی میں عورتوں کو مساجد میں آنے کے لئے مخصوص شرائط ذکر فرمائی ہیں۔ ۱؎

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بوڑھی عورتوں کو فجر اور عشاء کی نماز میں اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے تمام نمازوں میں حاضری کی اجازت دی ہے، اور جوان عورتوں کے لئے مکروہ وناپسند قرار دیا ہے۔ ۲؎

۱؎ وهل شهودهنّ للجماعة مندوب أو مباح فقط؟ قال محمد بن جرير الطبرى إطلاق الخروج لهن إلى المساجد إباحة لا ندب ولا فرض، وفرق بعضهم بين الشابة والعجوز وفيه إباحة خروج النساء لمصالحهنّ، لكن فرق بعض المالكية وغيرهم بين الشابة وغيرها.

وأجيب بأنها إذا كانت مستترة غير متزينة ولا متعطرة حصل الأمن عليها، ولا سيما إذا كان ذلک بالليل.

وقال أبو حنيفة رحمه الله :أكره للنساء شهود الجمعة، وأرخص للعجوز أن تشهد العشاء والفجر، وأما غيرهما من الصلوات فلا.

وقال أبو يوسف رحمه الله :لا بأس أن تخرج العجائز فى الكل، وأكره للشابة (ارشاد السارى، ج۲، ص ۱۵۱، و۱۵۲، باب خروجِ النساء إلى المساجد بالليل والغلس)

قوله صلى الله عليه وسلم (لا تمنعوا إماء الله مساجد الله) هذا وشبهه من أحاديث الباب ظاهر فى أنها لا تمنع المسجد لكن بشروط ذكرها العلماء مأخوذة من الأحاديث وهو أن لا تكون متطيبة ولا متزينة ولا ذات خلاخل يسمع صوتها ولا ثياب فاخرة ولا مختلطة بالرجال ولا شابة ونحوها ممن يفتتن بها وأن لا يكون فى الطريق ما يخاف به مفسدة ونحوها وهذا النهى عن منعهن من الخروج محمول على كراهة التنزيه إذا كانت المرأة ذات زوج أو سيد ووجدت الشروط المذكورة فإن لم يكن لها زوج ولا سيد حرم المنع إذا وجدت الشروط (شرح النووى على مسلم، ج۴، ص ۱۶۱، باب خروجِ النساء إلى المساجد)

۲؎ قال ثمة أيضا :وليس على النساء خروج العيدين وكان ترخص لهن فى ذلک قال :وقال أبو حنيفة :فأما اليوم فإنى أكره لهن ذلک وأكره لهن شهود الجمعة وصلاة المكتوبة وإنما أرخص للعجوز الكبيرة أن تشهد العشاء والفجر والعيدين.

وقال أبو يوسف، ومحمد رحمهما الله :يرخص للعجوز فى حضور الصلوات كلها وفى الكسوف والاستسقاء (المحيط البرهانى لابن مازة البخارى، ج۲ص ۱۰۱،۱۰۲، كتاب الصلاة،الفصل السادس والعشرون فى صلاة العيدين، دارالكتب العلمية، بيروت)

وأما العجائز فلا خلاف فى أنه يرخص لهن الخروج فى الفجر والمغرب والعشاء والعيدين، واختلفوا فى الظهر والعصر والجمعة قال أبو حنيفة :لا يرخص لهن فى ذلک وقال أبو يوسف ومحمد يرخص لهن فى ذلک......وأما صلاة العيد فإنها تؤدى فى الجبانة فيمكنها أن تعتزل ناحية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو گھروں میں رہ کر نماز پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔ اور احادیث میں کیونکہ صراحتاً فی نفسہٖ عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے احادیث کے مطابق اصل موقف تو یہی ہے کہ فی نفسہٖ عورتوں کا پردے وغیرہ کی مکمل شرائط کرتے ہوئے نماز کے لئے آنا جائز ہے، اس کو ناجائز قرار دینا درست نہیں، البتہ گھر میں نماز پڑھنے کی افضلیت کو ترک کرنے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی قرار دیا جاسکتا ہے، جس کا نتیجہ ومآل اولیٰ وافضل کا ترک کرنا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن الرجال كي لا تصدم فرخص لهن الخروج والله أعلم ثم هذا الخلاف في الرخصة والإباحة فأما لا خلاف في أن الأفضل أن لا يخرجن في صلاة لما روى عن النبي -صلى الله عليه وسلم -أنه قال: صلاة المرأة في دارها أفضل من صلاتها في مسجدها، وصلاتها في بيتها أفضل من صلاتها في دارها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها(بدائع الصنائع، ج ا ، صفحه ۲۷۵، كتاب الصلاة، فصل صلاة العيدين، دار الكتب العلمية، بيروت)

[1] فقہائے احناف نے کراہت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک تحریمی اور دوسری تنزیہی۔
اور جہاں اطلاق ہو وہاں دلائل پر نظر کر کے تعیین کی جاتی ہے، اور پردہ وغیرہ کی شرائط پائی جانے میں زیادہ سے زیادہ ترکِ اولیٰ پایا جاتا ہے، جس کی خواتین کے لئے زیادہ فضیلت ہے، اور وہ گھر میں نماز پڑھنا ہے۔

مطلب في تعريف المكروه، وأنه قد يطلق على الحرام والمكروه تحريما وتنزيها .(قوله: ومكروهه) هو ضد المحبوب؛ قد يطلق على الحرام كقول القدوري في مختصره :ومن صلى الظهر في منزله يوم الجمعة قبل صلاة الإمام ولا عذر له كره له ذلك .وعلى المكروه تحريما : وهو ما كان إلى الحرام أقرب، ويسميه محمد حراما ظنيا .وعلى المكروه تنزيها :وهو ما كان تركه أولى من فعله، ويرادف خلاف الأولى كما قدمناه.

وفي البحر :من مكروهات الصلاة المكروه في هذا الباب نوعان :أحدهما ما كره تحريما، وهو المحمل عند إطلاقهم الكراهة كما في زكاة فتح القدير، وذكر أنه في رتبة الواجب لا يثبت إلا بما يثبت به الواجب يعني بالظني الثبوت .ثانيهما المكروه تنزيها، ومرجعه إلى ما تركه أولى، وكثيرا ما يطلقونه كما في شرح المنية، فحينئذ إذا ذكروا مكروها فلا بد من النظر في دليله، فإن كان نهيا ظنيا يحكم بكراهة التحريم إلا لصارف للنهي عن التحريم إلى الندب، فإن لم يكن الدليل نهيا بل كان مفيدا للترك الغير الجازم فهي تنزيهية .اهـ . (ردالمحتار، ج ا، ص ۱۳۱، و۱۳۲، كتاب الطهارة، سنن الوضوء)

(قوله :ومن منهياته) يشمل المكروه تنزيها فإنه منهي عنه اصطلاحا حقيقة كما قدمناه عن التحرير آنفا، فافهم (ردالمحتار، ج ا، ص ۱۳۳، كتاب الطهارة، سنن الوضوء)

اور بعد کے بعض مشائخ نے فتنہ وفساد پائے جانے کی وجہ سے اگر چہ عورتوں کو مطلقاً مساجد میں آنے سے منع فرمادیا ہے، لیکن اُن کا یہ منع فرمانا شرائط کی پابندی نہ کرنے اوراس کے نتیجہ میں فتنہ لازم آنے کی وجہ سے ہے، اور بالفاظِ دیگر منہی لغیرہٖ کے طور پر ہے۔

لہٰذا خواتین کو مساجد میں اور دیگر مقامات پر فرض نماز اور تراویح یا عید کی نماز کے لئے تاکید بیان کرنا اور ترغیب دینا درست نہیں ہے، بلکہ اُن کو گھروں میں ہی نماز پڑھنے کی ترغیب دینی چاہئے، لیکن اگر کوئی عورت آنا چاہے، بالخصوص جبکہ وہ بے پردہ ہوکر اور خوشبو لگا کر اور زیب وزینت اختیار کر کے نہ نکلے، اور بالاخص جبکہ وہ بوڑھی عورت ہو، اور جس جگہ وہ خاتون نماز ادا کرے، وہ جگہ بھی باپردہ اور ہر قسم کے فتنوں سے مامون ومحفوظ ہو، تو احادیث کی روشنی میں اس کی گنجائش موجود ہے۔

اس کے باوجود بھی کسی کا اس پر نکیر کرنا اور ہر حال میں عورتوں کے مساجد میں آنے کو گناہ قرار دینا ان احادیث کی مخالفت کرنا کہلائے گا، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو مساجد میں آنے کی اجازت دی، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے منع کرنے والے پر سخت برہمی کا اظہار فرمایا۔ [1]

علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں انتہائی جامع اور معتدل فیصلہ فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ ابُنُ دَقِيُقِ الُعِيُدِ هٰذَا الُحَدِيُثُ عَامٌّ فِى النِّسَاءِ إِلَّا أَنَّ الُفُقَهَاءَ

---

[1] كانت امرأة لعمر تشهد صلاة الصبح والعشاء فى الجماعة فى المسجد، فقيل لها :لم تخرجين وقد تعلمين أن عمر يكره ذلك ويغار؟ قالت :وما يمنعه أن ينهانى؟ قال :يمنعه قول رسول الله صلى الله عليه وسلم :لا تمنعوا إماء الله مساجد الله(بخارى، رقم الحديث ۹۰۰)

أن عبد الله بن عمر قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :لا تمنعوا نساء كم المساجد إذا استأذنكم إليها قال :فقال بلال بن عبد الله :والله لنمنعهن، قال :فأقبل عليه عبد الله: فسبه سبا سيئا ما سمعته سبه مثله قط وقال " :أخبرک عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتقول: والله لنمنعهن " (مسلم، رقم الحديث ۴۴۲"۱۳۵" باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة، وأنها لا تخرج مطيبة)

خَصُّوْهُ بِشُرُوْطٍ مِنهَا أَنْ لَا تَتَطَيَّبَ وَهُوَ فِيْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ وَلْيَخْرُجْنَ تَفِلَاتٍ قُلْتُ هُوَ بِفَتْحِ الْمُثَنَّاةِ وَكَسْرِ الْفَاءِ أَيْ غَيْرَ مُتَطَيِّبَاتٍ وَيُقَالُ اِمْرَأَةٌ تَفِلَةٌ إِذَا كَانَتْ مُتَغَيِّرَةَ الرِّيْحِ وَهُوَ عِنْدَ أَبِيْ دَاوُدَ وَبْنِ خُزَيْمَةَ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَة وَعِنْدَ بْنِ حَبَّانَ مِنْ حَدِيْثِ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَأَوَّلُهُ لَا تَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ وَلِمُسْلِمٍ مِنْ حَدِيْثِ زَيْنَبَ امْرَأَةِ بْنِ مَسْعُوْدٍ إِذَا شَهِدَتْ إِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّنَّ طِيْبًا اِنْتَهٰى قَالَ وَيُلْحِقُ بِالطِّيْبِ مَا فِيْ مَعْنَاهُ لِأَنَّ سَبَبَ الْمَنْعِ مِنْهُ مَا فِيْهِ مِنْ تَحْرِيْكِ دَاعِيَةِ الشَّهْوَةِ كَحُسْنِ الْمَلْبَسِ وَالْحُلِيِّ الَّذِيْ يَظْهَرُ وَالزِّيْنَةِ الْفَاخِرَةِ وَكَذَا الْاِخْتِلَاطُ بِالرِّجَالِ وَفَرَّقَ كَثِيْرٌ مِّنَ الْفُقَهَاءِ الْمَالِكِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ بَيْنَ الشَّابَّةِ وَغَيْرِهَا وَفِيْهِ نَظَرٌ إِلَّا إِنْ أُخِذَ الْخَوْفُ عَلَيْهَا مِنْ جِهَتِهَا لِأَنَّهَا إِذَا عَرِيَتْ مِمَّا ذُكِرَ وَكَانَتْ مُسْتَتِرَةً حَصَلَ الْأَمْنُ عَلَيْهَا وَلَا سِيَّمَا إِذَا كَانَ ذٰلِكَ بِاللَّيْلِ وَقَدْ وَرَدَ فِيْ بَعْضِ طُرُقِ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَغَيْرِهٖ مَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ صَلَاةَ الْمَرْأَةِ فِيْ بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي الْمَسْجِد...... وَوَجْهُ كَوْنِ صَلَاتِهَا فِي الْإِخْفَاءِ أَفْضَلَ تَحَقُّقُ الْأَمْنِ فِيْهِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَتَأَكَّدُ ذٰلِكَ بَعْدَ وُجُوْدِ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ مِنَ التَّبَرُّجِ وَالزِّيْنَةِ وَمِنْ ثَمَّ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا قَالَتْ وَتَمَسَّكَ بَعْضُهُمْ بِقَوْلِ عَائِشَةَ فِيْ مَنْعِ النِّسَاءِ مُطْلَقًا وَفِيْهِ نَظَرٌ إِذْ لَا يَتَرَتَّبُ عَلٰى ذٰلِكَ تَغَيُّرُ الْحُكْمِ لِأَنَّهَا عَلَّقَتْهُ عَلٰى شَرْطٍ لَمْ يُوْجَدْ بِنَاءً عَلٰى ظَنٍّ ظَنَّتْهُ فَقَالَتْ لَوْ رَاٰى لَمَنَعَ فَيُقَالُ عَلَيْهِ لَمْ يَرَ وَلَمْ يَمْنَعْ فَاسْتَمَرَّ الْحُكْمُ حَتّٰى أَنَّ عَائِشَةَ لَمْ تُصَرِّحْ بِالْمَنْعِ وَإِنْ كَانَ كَلَامُهَا يُشْعِرُ بِأَنَّهَا كَانَتْ تَرَى الْمَنْعَ وَأَيْضًا فَقَدْ

عَلِمَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ مَا سَيُحْدِثْنَ فَمَا أَوْحٰى إِلٰى نَبِيِّهٖ بِمَنْعِهِنَّ وَلَوْ كَانَ مَا أَحْدَثْنَ يَسْتَلْزِمُ مَنْعَهُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ لَكَانَ مَنْعُهُنَّ مِنْ غَيْرِهَا كَالْأَسْوَاقِ أَوْلٰى وَأَيْضًا فَالْإِحْدَاثُ إِنَّمَا وَقَعَ مِنْ بَعْضِ النِّسَاءِ لَا مِنْ جَمِيْعِهِنَّ فَإِنْ تَعَيَّنَ الْمَنْعُ فَلْيَكُنْ لِمَنْ أَحْدَثَتْ وَالْأَوْلٰى أَنْ يُنْظَرَ إِلٰى مَا يُخْشٰى مِنْهُ الْفَسَادُ فَيُجْتَنَبُ لِإِشَارَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى ذٰلِكَ بِمَنْعِ التَّطَيُّبِ وَالزِّيْنَةِ وَكَذٰلِكَ التَّقَيُّدُ بِاللَّيْلِ كَمَا سَبَقَ (فتح الباری لابن حجر) [1]

ترجمہ: ابنِ دقیق العید نے فرمایا کہ یہ حدیث عورتوں کے (مساجد میں آنے کی اجازت کے) حق میں عام ہے، مگر فقہاء نے اس کو چند شرائط کے ساتھ خاص کیا ہے، ایک یہ کہ وہ خوشبو نہ لگائے، جس کا بعض روایات میں ذکر ہے کہ عورتیں ''تفلات'' ہوکر نکلیں، یعنی خوشبو لگائے بغیر نکلیں، اور ابوداؤد اور ابنِ خزیمہ میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے، اور ابنِ حبان میں حضرت زید بن خالد کی حدیث ہے، جس کے شروع میں یہ ہے کہ تم اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو، اور مسلم میں حضرت زینب، ابنِ مسعود کی اہلیہ کی حدیث ہے کہ جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں آئے، تو وہ خوشبو ہرگز نہ لگائے، ابنِ دقیق العید کا کلام ختم ہوا۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ خوشبو کے حکم میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں، جو اس کے معنیٰ میں ہوں، اس لئے کہ خوشبو سے منع کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس میں شہوت کو دعوت دینے کی تحریک پائی جاتی ہے، جیسا کہ اچھا لباس پہننا، اور ایسا زیور پہننا جو نظر آئے (اور نامحرموں کو اس کی آواز سنائی دے) اور فخر وتفاخر والی زینت اختیار کرنا، اور اسی طرح مَردوں کے ساتھ اختلاط کا ہونا۔

---

[1] ج۲، ص ۳۴۹، کتاب الاذان، قوله باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس، الناشر: دارالمعرفة، بيروت.

اور مالکیہ اوران کے علاوہ دیگر بہت سے فقہاء نے جوان اور غیر جوان عورت میں فرق کیا ہے، مگراس (فرق کرنے) میں تأمل ہے، اِلَّا یہ کہ جوان عورت کا خود فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو(نہ کہ اس کی وجہ سے دوسروں کا) کیونکہ جب عورت خوشبواور زیب وزینت وغیرہ سے پاک ہوکر آئے گی، اور وہ باپردہ آئے گی، تواس پرامن حاصل ہوجائے گا (اور فتنہ نہیں رہے گا، خواہ جوان ہی کیوں نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ سلم نے عید کی نماز کے لئے جو کہ دن کے وقت ادا کی جاتی ہے، جوان عورتوں کو پردہ کے ساتھ نکلنے کا حکم فرمایا) خاص طور پر جبکہ رات کو آئے، اوراس حدیث کی اور بعض دوسری حدیثوں کی سندوں میں یہ بات آئی ہے کہ عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، بنسبت اس کے مسجد میں نماز پڑھنے کے............اور عورت کے چھپ کر (اپنے گھر میں) نماز پڑھنے کے زیادہ فضیلت کا باعث ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ہر قسم کے فتنہ سے حفظ وامان پایا جاتا ہے، جس کی تاکید ان چیزوں کے پائے جانے کے بعد زیادہ ہوگئی، جو عورتوں نے بے پردگی اور زیب وزینت کی شکل میں پیدا کرلی ہیں، اوراسی وجہ سے حضرت عائشہ نے اس سلسلہ میں فرمایا، جو کچھ کہ انہوں نے فرمایا، اور بعض حضرات نے حضرت عائشہ کے قول سے مطلقاً عورتوں کو مساجد میں منع کرنے کی دلیل پکڑی ہے، حالانکہ یہ بات (یعنی ہر حال میں عورت کو مساجد میں آنے سے منع کرنے کی دلیل پکڑنا) محلِ نظر ہے، کیونکہ اس پر شریعت کے حکم کا بدلنا مرتب نہیں ہوسکتا (جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو منع نہ کرنے کا حکم فرمایا) کیونکہ حضرت عائشہ نے اس کو ایسی شرط پر معلق کیا ہے، جو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) پائی نہیں گئی تھی اپنے گمان کے مطابق، اور انہوں نے فرمایا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے، تو منع فرمادیتے، تواس پر کہا

جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیکھا، اور منع نہیں فرمایا، تو حکم اسی طرح (منع نہ فرمانے کا) برقرار رہا، اس کے علاوہ حضرت عائشہ نے منع کرنے کی صراحت نہیں فرمائی، اگرچہ آپ کے کلام سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ وہ منع سمجھتی تھیں، اوراس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ اللہ سبحانہٗ کوعورتوں کے آئندہ حالات کا علم تھا، لیکن اس (یعنی اللہ تعالیٰ کوآئندہ کے حالات کا علم ہونے) کے باوجود اپنے نبی کی طرف عورتوں کو منع کرنے کی وحی نہیں بھیجی، اور اگر عورتوں کے نئی چیزیں پیدا کرنے سے ان کا مساجد سے منع کرنا لازم آتا ہے، تو ان کا مساجد کے علاوہ بازار وغیرہ (اور دوسری جگہ مثلاً تعلیم حاصل کرنے کے لئے شرعی مسافت سے کم پر جانے) سے بھی منع کرنا بدرجۂ اولیٰ لازم آتا ہے، اوران سب باتوں کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ عورتوں نے جو کچھ بعد میں پیدا کیا، وہ بعض عورتوں کی طرف سے واقع ہوا تھا، نہ کہ سب عورتوں کی طرف سے، لہٰذا اگر (برسبیلِ تسلیم) منع کرنا ہی متعین ہو، تو صرف ان عورتوں کے لئے ہوگا، جنہوں نے یہ چیزیں پیدا کیں، اور بہتر یہ ہے کہ ان چیزوں پر نظر کی جائے (اور حکم کا مدار ان چیزوں پر رکھا جائے) جن چیزوں سے فساد کا خوف ہوتا ہے، تو ان چیزوں سے بچنے بچانے کا اہتمام کیا جائے، جن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا، یعنی خوشبو لگانے اور زینت اختیار کرنے سے منع کیا جائے، اور اسی طرح رات میں آنے کی قید لگائی جائے، جیسا کہ پہلے گزرا (نہ یہ کہ اس کے مقابلہ میں اپنی طرف سے منع کرنے اور روکنے کا حکم لگایا جائے) (فتح الباری)

خلاصہ یہ کہ خواتین کا فرض نماز اور تراویح کے لئے مساجد میں اور نمازِ عید کے لئے باپردہ اور شرائط کی پابندی کرکے آنا فی نفسہٖ جائز ہے، البتہ ان کا گھروں میں نماز پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

جیسا کہ فقہائے احناف نے عورت کو مسجد میں اعتکاف کرنے کے بجائے گھر میں نماز پڑھی جانے والی جگہ میں اعتکاف کرنے کو افضل قرار دیا ہے، اوراعتکاف کا معاملہ نماز سے کمزور ہے۔ [1]

---

[1] والأفضل فی حق المرأة الاعتكاف فی مسجد بيتها يريد به الموضع المعد للصلاة، ولو خرجت واعتكفت فی مسجد الجماعة جاز اعتكافها(المحيط البرهانی، ج۲ص۴۰۵، کتاب الصوم،الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)

قال -رحمه الله -(والمرأة تعتكف فی مسجد بيتها) لأنه هو الموضع لصلاتها فيتحقق انتظارها فيه ولو اعتكفت فی مسجد الجماعة جاز والأول أفضل ومسجد حيها أفضل لها من المسجد الأعظم (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج۱،ص۳۵۰، كتاب الصوم،باب الاعتكاف،اعتكاف المرأة)

وقد روى الحسن عن أبی حنيفة رحمهما الله تعالى أنها إذا اعتكفت فی مسجد الجماعة جاز ذلک، واعتكافها فی مسجد بيتها أفضل، وهذا هو الصحيح؛ لأن مسجد الجماعة يدخله كل أحد، وهی طول النهار لا تقدر أن تكون مستترة ويخاف عليها الفتنة من الفسقة فالمنع لهذا، وهو ليس لمعنى راجع إلى عين الاعتكاف فلا يمنع جواز الاعتكاف(المبسوط للسرخسی، ج۳ص۱۱۹، باب الاعتکاف)

ولا تعتكف المرأة إلا فی مسجد بيتها يعنی موضع صلاتها فی بيتها وقال الشافعی رحمه الله تعالى لا تعتكف إلا فی مسجد حيها وعندنا لو اعتكفت فی مسجد حيها جاز ويكره(فتاوى قاضی خان،ج۱،ص۱۶۱،کتاب الصوم)

(والمرأة تعتكف فی بيتها)أی فی الموضع الذی أعدته للصلاة فيه، حتى لو لم يكن فی بيتها موضع معد للصلاة أو كان، واعتكفت فی موضع غَيْرِهِ من بيتها، لا اعتكاف لها . ولو اعتكفت فی مسجد جماعة جاز، ولكن مسجد بيتها أفضل من مسجدِ حيها، ومسجد حيها أَفضل من مسجدِ جماعة غيرهِ .وقال مالک والشافعی فی القول الجديد :لا يجوز اعتكاف المرأَة فی مسجد بيتها، وألحقوها بالرجال لإطلاق :لا اعتكاف إلا فی مسجد جماعة.ولنا أن مسجد بيتها أصون لها وأحرز لفضيلة الصلاة، قال صلى الله عليه وسلم صلاة المرأة فی بيتها أفضل من صلاة المرأة فی صَحن دَارِها، وصلاتُها فی صَحنِ دارها أَفضل من صلاتها فی المسجد، فإِذا أُعطى لبيتها حُكْمَ المسجد فی حق الصلاة، فكذا فی حق الاعتكاف بِمَكَانِ الصلاة(شرح النقاية، ج۲،ص۲۴۱)

وأما المرأة فذكر فی الأصل أنها لا تعتكف إلا فی مسجد بيتها ولا تعتكف فی مسجد جماعة وروى الحسن عن أبی حنيفة أن للمرأة أن تعتكف فی مسجد الجماعة وإن شاء ت اعتكفت فی مسجد بيتها، ومسجد بيتها أفضل لها من مسجد حيها ومسجد حيها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ فتنہ وفساد سے اجتناب لازم ہے۔

لیکن بجائے اس کے کہ عورتوں کو شرائط کی طرف متوجہ کیا جائے، اور فتنوں کے سدِ باب کا انتظام واہتمام کیا جائے، بذاتِ خود خواتین کو منع کرنا یا ہر حال میں گناہ قرار دینا شریعت کے مزاج سے میل نہیں کھاتا، بالخصوص جبکہ خواتین کی احکامِ شرع سے عمومی جہالت اور دین سے دوری کا یہ عالَم ہے کہ انہیں پردہ وغیرہ کے ضروری احکام کا بھی علم نہیں، اور ذرائع ابلاغ وغیرہ سے جو کچھ گھر بیٹھے یا اہلِ باطل کی مجالس میں شرکت سے دین کا تصور حاصل کیا جاتا ہے، وہ خود بھیڑ کی شکل میں بھیڑیا سے کم نہیں، ان حالات میں خواتین کو دینی مجالس میں شرکت کر کے ان کو دین کے صحیح احکام کی تعلیم وترغیب دی جاسکتی ہے، جو کہ خود خواتین کے لئے پردہ کی رعایت کرنے اور فتنہ وفساد سے حفاظت کا مؤثر ذریعہ ہے، اور غالباً اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ نے منع فرمانے کے بجائے خواتین کو شرائط کی طرف متوجہ فرمایا۔

ہم نے جو کچھ اس سلسلہ میں تحریر کیا وہ فیما بینہٗ وبین اللہ دیانت داری کے ساتھ حق

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أفضل لها من المسجد الأعظم وهذا لا يوجب اختلاف الروايات، بل يجوز اعتكافها فى مسجد الجماعة على الروايتين جميعا بلا خلاف بين أصحابنا والمذكور فى الأصل محمول على نفى الفضيلة لا على نفى الجواز توفيقا بين الروايتين وهذا عندنا .وقال الشافعى :لا يجوز اعتكافها فى مسجد بيتها وجه قوله أن الاعتكاف قربة خصت بالمساجد بالنص، ومسجد بيتها ليس بمسجد حقيقة بل هو اسم للمكان المعد للصلاة فى حقها حتى لا يثبت له شىء من أحكام المسجد فلا يجوز إقامة هذه القربة فيه ونحن نقول :بل هذه قربة خصت بالمسجد لكن مسجد بيتها له حكم المسجد فى حقها فى حق الاعتكاف؛ لأن له حكم المسجد فى حقها فى حق الصلاة لحاجتها إلى إحراز فضيلة الجماعة فأعطى له حكم مسجد الجماعة فى حقها حتى كانت صلاتها فى بيتها أفضل على ما روى عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أنه قال :صلاة المرأة فى مسجد بيتها أفضل من صلاتها فى مسجد دارها وصلاتها فى صحن دارها أفضل من صلاتها فى مسجد حيها وإذا كان له حكم المسجد فى حقها فى حق الصلاة فكذلك فى حق الاعتكاف؛ لأن كل واحد منهما فى اختصاصه بالمسجد سواء وليس لها أن تعتكف فى بيتها فى غير مسجد وهو الموضع المعد للصلاة؛ لأنه ليس لغير ذلك الموضع من بيتها حكم المسجد، فلا يجوز اعتكافها فيه.والله أعلم(بدائع الصنائع ،ج۲ص۱۱۳ ،كتاب الاعتكاف،فصل شرائط صحة الاعتكاف)

ودرست سمجھتے ہوئے بغیر کسی لومۃ لائم کے شریعت کے اصل دلائل وماٰخذ کی روشنی میں ذکر کردیا ہے۔ [1]
فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان یکم/ رجب المرجب/۱۴۳۳ھ 23/ مئی/ 2012ء بروز بدھ
ادارہ غفران، راولپنڈی

خواتین کی امامت وجماعت کا شرعی حکم

سوال:

عورتوں کی نماز سے متعلق دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی خاتون دوسری خاتون کی امامت کرے، یعنی امام بھی خاتون ہو، اور مقتدی بھی، تو کیا اس طرح عورتوں کی نماز ہوجاتی ہے؟ اگر ہوجاتی ہے تو امام عورت کو اپنی مقتدی عورت کے ساتھ کھڑے ہوکر نماز پڑھانا چاہئے، یا آگے کھڑے ہوکر۔

ہمارے یہاں آجکل بعض مقامات پر چند خواتین تراویح کی جماعت کرتی ہیں، جن میں اُن کی امام عورت ہوتی ہے، اور زیادہ تر یہ عمل وہاں کیا جاتا ہے جہاں کوئی عورت حافظِ قرآن ہوتی ہے۔

آج کل ہمارے علاقہ میں اہلِ علم حضرات کی اس سلسلہ میں مختلف بحثیں چل رہی ہیں، بعض علماء کا کہنا ہے کہ اگر عورت امام آگے کھڑی ہوکر نماز پڑھائے، تو جائز نہیں، اور ساتھ کھڑی ہوکر نماز پڑھائے تو جائز ہے، جبکہ بعض علماء دونوں صورتوں کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

آپ سے درخواست ہے کہ اس کے متعلق قرآن وسنت اور فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں تفصیل سے جواب تحریر فرمائیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء

---

[1] پھر بھی اگر کوئی صاحبِ علم اس سے متفق نہ ہوں، اور وہ مذکورہ دلائل کے بجائے بعض متأخرین مشائخ کے اس قول کو اختیار کریں، اور حجت سمجھیں، جس کی رو سے خواتین کا مطلقاً نماز کے لئے خروج مکروہ ہے، تو یہ ان کا معاملہ ہے۔
مگر ان کو یہ روا نہیں کہ جس قول کو ہم اپنے اوپر حجت نہ سمجھیں، وہ ہم کو اس کا مکلف قرار دیں، یا جس قول کی جو ہم تاویل مناسب سمجھیں، وہ اس کے مقابلہ میں دوسری تاویل کو ہم پر حجت ہونا قرار دیں۔ محمد رضوان۔

جواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواتین کا مرد کی امامت کرنا تو جائز نہیں، اگر کوئی مرد کسی خاتون کی اقتداء میں نماز پڑھے تو اس مرد کی نماز درست نہیں ہوتی، اور اگر خواتین کسی عاقل بالغ خاتون کی اقتداء میں نماز پڑھیں، تو وہ نماز درست تو ہو جاتی ہے، لیکن آیا کہ ایسا کرنا خواتین کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض جائز یا مستحب اور بعض مکروہ یا ناجائز قرار دیتے ہیں۔

ہمیں دلائل میں غور وفکر کرنے سے راجح یہ معلوم ہوا کہ شریعت نے عورتوں کو جماعت کرنے کی تاکید اور ترغیب نہیں دی، بلکہ اُن کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی ہے، اور نہ ہی خیرُ القرون کے دور میں عورتوں کی امامت وجماعت کا طریقہ معروف اور رائج تھا، البتہ عورت کی امامت کے چند واقعات کا روایات وآثار اور خیرُ القرون میں ذکر ملتا ہے، اور صحابہ وتابعین کے کئی آثار سے اس کی اجازت ملتی ہے، جن کے پیشِ نظر اگر کبھی کوئی عورت دوسری عورتوں کی امامت کرے، اور اُن کی امام درمیان میں کھڑی ہو، اور کوئی دوسری خرابی بھی لازم نہ آئے، تو فی نفسہٖ اس کی گنجائش ہے۔

اور اس کو مکروہ تحریمی قرار دینا محلِ نظر ہے، البتہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ قرار دیا جا سکتا ہے، جبکہ بلاضرورت ایسا کیا جائے۔

آگے اس مسئلہ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

عورتوں کی امامت وجماعت سے متعلق فقہاء کے اقوال

پہلے عورتوں کی امامت وجماعت کے سلسلہ میں فقہائے کرام کے اقوال ذکر کئے جاتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمَّارٍ الدُّهْنِيِّ عَنْ اِمْرَأَةٍ مِّنْ قَوْمِهٖ يُقَالُ لَهَا حُجَيْرَةُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ أَمَّتْهُنَّ فَقَامَتْ وَسَطًا.

(قَالَ الشَّافِعِيُّ) رَوَى اللَّيْثُ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا صَلَّتْ بِنِسْوَةٍ الْعَصْرَ فَقَامَتْ فِيْ وَسَطِهِنَّ أَخْبَرَنَا الرَّبِيْعُ قَالَ: أَخْبَرَنَا الشَّافِعِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيْمُ عَنْ صَفْوَانَ قَالَ: إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تُصَلِّيَ الْمَرْأَةُ بِالنِّسَاءِ تَقُوْمُ فِيْ وَسَطِهِنَّ (قَالَ الشَّافِعِيُّ) وَكَانَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ يَأْمُرُ جَارِيَةً لَهٗ تَقُوْمُ بِأَهْلِهٖ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ وَكَانَتْ عَمْرَةُ تَأْمُرُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَقُوْمَ لِلنِّسَاءِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ.

(قَالَ الشَّافِعِيُّ) وَتَؤُمُّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ فِي الْمَكْتُوْبَةِ وَغَيْرِهَا وَآمُرُهَا أَنْ تَقُوْمَ فِيْ وَسَطِ الصَّفِّ وَإِنْ كَانَ مَعَهَا نِسَاءٌ كَثِيْرٌ أَمَرْتُ أَنْ يُّقَوَّمَ الصَّفُّ الثَّانِيْ خَلْفَ صَفِّهَا وَكَذٰلِكَ الصُّفُوْفُ (كتاب الأم للشافعي، ج ۱، ص ۱۹۱، باب صفة الائمة، امامة المرأة وموقفها فى الامامة)

ترجمہ: ہمیں حضرت سفیان نے عمار دھنی سے خبر دی، انہوں نے اپنی قوم کی ایک عورت سے روایت کیا، جس کو حجیرہ کہا جاتا تھا، کہ حضرت اُمِ سلمہ نے اُن کی درمیان میں کھڑے ہوکر امامت کی۔

امام شافعی نے فرمایا کہ لیث نے عطاء سے اور انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ انہوں نے عورتوں کو عصر میں نماز پڑھائی، اور آپ اُن کے درمیان میں کھڑی ہوئیں، ہمیں ربیع نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام شافعی نے خبر دی، انہوں نے فرمایا کہ ہمیں ابراہیم نے صفوان کی روایت بیان کی کہ سنت یہ ہے کہ عورت عورتوں کو نماز اُن کے درمیان میں کھڑی ہوکر پڑھائے، امام شافعی نے

فرمایا کہ علی بن حسین اپنی باندی کو حکم فرماتے تھے کہ وہ اُن کے گھر والوں کو رمضان کے مہینہ میں نماز پڑھائے، اور حضرت عمرہ عورت کو حکم فرماتی تھیں کہ وہ رمضان کے مہینہ میں عورتوں کی امامت کرے۔

امام شافعی نے فرمایا کہ عورت عورتوں کی فرض اور غیر فرض نماز میں امامت کرسکتی ہے، اور میں عورت کو حکم دیتا ہوں کہ وہ صف کے درمیان میں کھڑی ہو، اور اگر اُس کے ساتھ زیادہ عورتیں ہوں، تو میں یہ حکم کرتا ہوں کہ دوسری صف اُس کی صف کے پیچھے بنائیں، اور اسی طرح دوسری صفیں بنائیں (کتاب الام)

اور امام نووی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَأَمَّا النِّسَاءُ، فَلَا تُفْرَضُ عَلَيْهِنَّ الْجَمَاعَةُ، لَا فَرْضَ عَيْنٍ، وَلَا كِفَايَةٍ وَلٰكِنْ يُسْتَحَبُّ لَهُنَّ ثُمَّ فِيهِ وَجْهَانِ أَحَدُهُمَا كَاسْتِحْبَابِهَا لِلرِّجَالِ . وَأَصَحُّهُمَا: لَا يَتَأَكَّدُ فِيْ حَقِّهِنَّ، كَتَأَكُّدِهَا فِيْ حَقِّ الرِّجَالِ. فَلَا يُكْرَهُ لَهُنَّ تَرْكُهَا، وَيُكْرَهُ تَرْكُهَا لِلرِّجَالِ، مَعَ قَوْلِنَا : هِيَ لَهُمْ سُنَّةٌ . وَالْمُسْتَحَبُّ أَنْ تَقِفَ إِمَامَتُهُنَّ وَسَطَهُنَّ، وَجَمَاعَتُهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ أَفْضَلُ (روضة الطالبين وعمدة المفتين للنووی، ج ۱، ص ۳۴۰، كِتَابُ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ)

ترجمہ: اور عورتوں پر جماعت فرض نہیں، نہ تو فرضِ عین ہے اور نہ فرضِ کفایہ ہے، لیکن اُن کے لئے جماعت مستحب ہے، پھر اس میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ عورتوں کے لئے جماعت مَردوں کی طرح مستحب ہے، اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ عورتوں کے حق میں جماعت کی اس طرح تاکید نہیں جس طرح مَردوں کے حق میں تاکید ہے، پس عورتوں کو جماعت کا ترک کرنا مکروہ نہیں، اور مرد حضرات کو جماعت کا ترک کرنا مکروہ ہے، باوجودیکہ ہمارا قول یہ ہے کہ جماعت مَردوں کے لئے سنت

ہے، اور مستحب یہ ہے کہ عورتوں کی امام اُن کے درمیان میں کھڑی ہو، اور اُن کو گھروں میں جماعت کرنا افضل ہے (روضۃ الطالبین)

اور زکریا ابن محمد بن زکریا انصاری شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(وَلَا يَقْتَدِیْ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ) لِخَبَرِ الْبُخَارِیِّ لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً مَعَ خَبَرِ ابْنِ مَاجَهْ لَا تَؤُمَّنَّ امْرَأَةٌ رَجُلًا (أسنی المطالب فی شرح روض الطالب، ج ۱، ص ۲۱۷، کتاب صلاة الجماعة، بَابُ صِفَةِ الْأَئِمَّةِ فِی الصَّلَاةِ)

ترجمہ: اور کوئی مرد کسی عورت کا مقتدی نہ بنے، بخاری کی حدیث کی وجہ سے کہ ہرگز بھی وہ قوم فلاح نہیں پاسکتی، جس نے اپنے معاملہ کو عورت کے حوالہ کردیا، ابنِ ماجہ کی اس حدیث کے ساتھ کہ عورت ہرگز بھی مرد کی امامت نہیں کرسکتی (اسنی المطالب)

اور علامہ ابنِ قدامہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(وَإِنْ صَلَّتْ امْرَأَةٌ بِالنِّسَاءِ قَامَتْ مَعَهُنَّ فِی الصَّفِّ وَسَطًا) اخْتَلَفَتْ الرِّوَايَةُ، هَلْ يُسْتَحَبُّ أَنْ تُصَلِّیَ الْمَرْأَةُ بِالنِّسَاءِ جَمَاعَةً؟ فَرُوِیَ أَنَّ ذٰلِکَ مُسْتَحَبٌّ، وَمِمَّنْ رُوِیَ عَنْهُ أَنَّ الْمَرْأَةَ تَؤُمُّ النِّسَاءَ عَائِشَةُ، وَأُمُّ سَلَمَةَ، وَعَطَاءٌ، وَالثَّوْرِیُّ، وَالْأَوْزَاعِیُّ، وَالشَّافِعِیُّ، وَإِسْحَاقُ، وَأَبُوْ ثَوْرٍ. وَرُوِیَ عَنْ أَحْمَدَ، - رَحِمَهُ اللّٰهُ -، أَنَّ ذٰلِکَ غَيْرُ مُسْتَحَبٍّ وَكَرِهَهُ أَصْحَابُ الرَّأْیِ، وَإِنْ فَعَلَتْ أَجْزَأَهُنَّ. وَقَالَ الشَّعْبِیُّ، وَالنَّخَعِیُّ، وَقَتَادَةُ: لَهُنَّ ذٰلِکَ فِی التَّطَوُّعِ دُوْنَ الْمَكْتُوْبَةِ. وَقَالَ الْحَسَنُ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ: لَا تَؤُمُّ فِیْ فَرِيْضَةٍ وَلَا نَافِلَةٍ. وَقَالَ مَالِکٌ: لَا يَنْبَغِیْ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَؤُمَّ أَحَدًا، لِأَنَّهُ يُكْرَهُ لَهَا الْأَذَانُ، وَهُوَ دُعَاءٌ إِلَى الْجَمَاعَةِ، فَكُرِهَ لَهَا مَا يُرَادُ الْأَذَانُ لَهُ.

وَلَنَا حَدِيْثُ أُمِّ وَرَقَةَ وَلِأَنَّهُنَّ مِنْ أَهْلِ الْفَرْضِ، فَأَشْبَهْنَ الرِّجَالَ، وَإِنَّمَا كُرِهَ لَهُنَّ الْأَذَانُ لِمَا فِيْهِ مِنْ رَفْعِ الصَّوْتِ، وَلَسْنَ مِنْ أَهْلِهِ إِذَا ثَبَتَ هٰذَا، فَإِنَّهَا إِذَا صَلَّتْ بِهِنَّ قَامَتْ فِيْ وَسَطِهِنَّ، لَا نَعْلَمُ فِيْهِ خِلَافًا بَيْنَ مَنْ رَأٰى لَهَا أَنْ تَؤُمَّهُنَّ، وَلِأَنَّ الْمَرْأَةَ يُسْتَحَبُّ لَهَا التَّسَتُّرُ، وَلِذٰلِكَ لَا يُسْتَحَبُّ لَهَا التَّجَافِيْ، وَكَوْنُهَا فِيْ وَسَطِ الصَّفِّ أَسْتَرُ لَهَا؛ لِأَنَّهَا تَسْتَتِرُ بِهِنَّ مِنْ جَانِبَيْهَا، فَاسْتُحِبَّ لَهَا ذٰلِكَ كَالْعُرْيَانِ، فَإِنْ صَلَّتْ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ اِحْتَمَلَ أَنْ يَّصِحَّ؛ لِأَنَّهُ مَوْقِفٌ فِي الْجُمْلَةِ، وَلِهٰذَا كَانَ مَوْقِفًا لِلرَّجُلِ، وَاحْتَمَلَ أَنْ لَا يَصِحَّ؛ لِأَنَّهَا خَالَفَتْ مَوْقِفَهَا، أَشْبَهَ مَا لَوْ خَالَفَ الرَّجُلُ مَوْقِفَهُ.

فَصْلٌ: وَتَجْهَرُ فِيْ صَلَاةِ الْجَهْرِ، وَإِنْ كَانَ ثَمَّ رِجَالٌ لَا تَجْهَرُ، إِلَّا أَنْ يَكُوْنُوْا مِنْ مَحَارِمِهَا، فَلَا بَأْسَ (المغنی لابن قدامة، ج۲،ص ۱۴۹، مَسْأَلَةٌ صَلَاةُ الْمَرْأَةِ بِالنِّسَاء)

ترجمہ: اور اگر عورت عورتوں کو نماز پڑھائے، تو اُن کے ساتھ صف کے درمیان میں کھڑی ہو، اس میں (امام احمد کی) روایت مختلف ہے کہ آیا عورت کے لئے عورتوں کو جماعت کرانا مستحب ہے، پس ایک روایت تو یہ ہے کہ یہ مستحب ہے، اورعورت کی عورتوں کی امامت کرانا حضرت عائشہ اور اُمِ سلمہ اور حضرت عطاء اور حضرت ثوری اور اوزاعی اور امام شافعی اور اسحاق اور ابوثور سے مروی ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ سے (ایک روایت) یہ مروی ہے کہ عورتوں کی جماعت مستحب نہیں ہے (بلکہ جائز ومباح ہے) اور اصحابِ رائے نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، لیکن (ان کے نزدیک) اگر عورتیں جماعت کریں تو اُن کی نماز جائز ہوجائے گی۔ اور امام شعبی اور نخعی اور قتادہ نے فرمایا کہ عورتوں کو (جماعت کرنا) غیر فرضوں

میں جائز ہے، نہ کہ فرضوں میں؛ اور حضرت حسن اور سلیمان بن یسار نے فرمایا کہ عورت نہ تو فرض میں امامت کرسکتی ہے اور نہ نفل میں، اور امام مالک نے فرمایا کہ عورت کے لئے کسی کی (خواہ مقتدی مرد ہو، یا عورت ہو) امامت کرانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ عورت کو اذان دینا مکروہ ہے، اور اذان جماعت کی دعوت دینا ہے، تو عورت کے لئے اذان کا مقصود (یعنی جماعت کرنا) بھی مکروہ ہوگا۔

اور ہماری دلیل اُمِ ورقہ کی حدیث ہے (جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو گھر کی عورتوں کی امامت کے حکم فرمانے کا ذکر ہے) اور ایک دلیل یہ ہے کہ عورتیں فرض نماز کی اہل ہیں، تو اُن کا معاملہ (اپنی نماز کے حق میں) مَردوں کے مشابہ ہوگیا، اور عورتوں کو اذان اس لئے مکروہ ہے، کہ اُس میں آواز کو بلند کرنا پایا جاتا ہے، اور عورتیں اس کی اہل نہیں ہیں، جب یہ بات ثابت ہوگئی (کہ عورت کا عورت کی امامت کرانا جائز ہے) تو جب عورت عورتوں کو نماز پڑھائے، تو اُن کے درمیان میں کھڑی ہو، ہماری معلومات کے مطابق جو حضرات عورت کی عورتوں کے حق میں امامت کو جائز سمجھتے ہیں، اُن کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ عورت کے لئے پردہ مستحب ہے، اور اسی وجہ سے عورت کے لئے (نماز میں) کشادہ ہونا مستحب نہیں ہے، اور عورت کا صف کے درمیان میں ہونا اس کے حق میں زیادہ پردے کا باعث ہے، کیونکہ وہ اپنی دائیں بائیں طرف سے پردے میں ہوجاتی ہے، تو اس کے لئے درمیان میں کھڑا ہونا مستحب ہے جیسا کہ ننگے کے لئے، اور اگر عورت عورتوں کے آگے کھڑی ہوکر نماز پڑھائے، تو نماز کے صحیح ہونے کا بھی احتمال ہے، کیونکہ فی الجملہ وہ (امام کے) کھڑے ہونے کی جگہ ہے، اسی وجہ سے وہ مرد کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ (اس صورت میں نماز) صحیح نہ ہو، کیونکہ اس نے اپنے

کھڑے ہونے کی جگہ کی مخالفت کی (جہاں کہ شریعت سے عورت کا کھڑا ہونا ثابت ہے) تو یہ اس کے مشابہ ہوگیا جیسا کہ مرد اپنے کھڑے ہونے کی جگہ کی مخالفت کرے۔

فصل: اور عورت جہری نماز میں جہر کرے گی، اور اگر وہاں (اجنبی) مرد ہوں تو جہر نہیں کرے گی، مگر یہ کہ اس کے محرم مرد ہوں تو (جہر کرنے میں) کوئی حرج نہیں (مغنی)

اور عبداللہ بن ابوزید قیروانی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَلَا تَـؤُمُّ الْـمَـرْأَـةُ فِـیْ فَـرِیْضَـةٍ وَلَا نَـافِلَةٍ لَا رِجَـالًا وَلَا نِسَـاءً (رسالة القیروانی، ج ۱، ص ۳۵، باب فی الإمامة وحکم الإمام والمأموم)

ترجمہ: اور عورت نہ تو فرض نماز میں امامت کراسکتی ہے، اور نہ نفل نماز میں، نہ تو مَردوں کی، اور نہ عورتوں کی (رسالہ قیروانی)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لاَ یُعْـجِبُـنَـا أَنْ تَـؤُمَّ الْـمَرْأَةُ ، فَإِنْ فَعَلَتْ قَامَتْ فِیْ وَسَطِ الصَّفِّ مَعَ النِّسَـاءِ کَـمَـا فَـعَـلَـتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا وَهُوَ قَوْلُ أَبِیْ حَنِیْفَةَ

(کتاب الآثار، رقم الروایة ۲۱۷، بَابُ الْمَرْأَةِ تَؤُمُّ النِّسَاءَ، وَکَیْفَ تَجْلِسُ فِی الصَّلَاة)

ترجمہ: ہمیں یہ بات پسند نہیں کہ عورت (عورتوں کی) امامت کرے، لیکن اگر وہ ایسا کرے تو (نماز درست ہوجائے گی، مگر ان کی امام) عورتوں کے ساتھ صف کے درمیان میں کھڑی ہو، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے (کتاب الآثار)

اور امام محمد رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں کہ:

قُلْتُ أَرَأَیْتَ الْمَرْأَةُ الْمُسَافِرَةُ تَؤُمُّ النِّسَاءَ قَالَ أَکْرَهُ ذٰلِک قُلْتُ فَإِنْ

فَعَلَتْ ذٰلِکَ قَالَ یُجْزِیُهِمْ وَتَقُوْمُ وَسَطًا مِّنَ الصَّفِّ (الأصل المعروف بالمبسوط، ج ا ، ص ۲۸۸، بَاب صَلَاۃ الْمُسَافِرِ)

ترجمہ: میں نے (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے) عرض کیا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ مسافر عورت عورتوں کی امامت کرائے گی؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں، میں نے کہا کہ اگر وہ امامت کرائے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورتوں کی نماز درست ہوجائے گی، اور عورت صف کے درمیان میں کھڑی ہوگی (الاصل)

اور امام کاسانی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَكَذَا الْمَرْأَةُ تَصْلُحُ لِلْإِمَامَةِ فِي الْجُمْلَةِ، حَتّٰى لَوْ أَمَّتِ النِّسَاءَ جَازَ، وَيَنْبَغِيْ أَنْ تَقُوْمَ وَسَطَهُنَّ لِمَا رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا- أَنَّهَا أَمَّتْ نِسْوَةً فِيْ صَلَاةِ الْعَصْرِ وَقَامَتْ وَسَطَهُنَّ وَأَمَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ نِسَاءً وَقَامَتْ وَسَطَهُنَّ؛ وَلِأَنَّ مَبْنٰى حَالِهِنَّ عَلَى السَّتْرِ وَهٰذَا أَسْتَرُ لَهَا، إِلَّا أَنَّ جَمَاعَتَهُنَّ مَكْرُوْهَةٌ عِنْدَنَا (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ا ، ص۱۵۷، کتاب الصلاۃ،فصل بیان من یصلح للإمامة فی الجملة)

ترجمہ: اور اسی طریقے سے عورت فی الجملہ امامت کی صلاحیت رکھتی ہے، یہاں تک کہ اگر وہ عورتوں کی امامت کرے تو جائز ہے، اور مناسب یہ ہے کہ وہ عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہو، بوجہ اس کے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے عصر کی نماز میں عورتوں کی امامت فرمائی، اور اُن کے درمیان میں کھڑی ہوئیں، اور حضرت اُمِ سلمہ نے عورتوں کی امامت فرمائی، اور اُن کے درمیان میں کھڑی ہوئیں، اور ایک وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی حالت ستر و پردے پر مبنی ہے، اور یہ (یعنی عورت کے عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہونے

کا) طریقہ عورت کے لئے زیادہ پردے کا باعث ہے، مگر عورتوں کی جماعت ہمارے نزدیک مکروہ ہے (بدائع الصنائع)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ چاروں فقہائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کا مرد کی امامت کرنا جائز نہیں، اور امام شافعی اور راجح قول کے مطابق امام احمد رحمہما اللہ عورتوں کی جماعت کو جس میں عورت امام ہو، مستحب اور امام احمد ایک روایت کے مطابق جائز قرار دیتے ہیں۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں، جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کی امامت کرنا بہرحال جائز نہیں۔ [1]

---

[1] الـمَرْصَدُ الثَّانِي -فِي ذِكْرِ اِخْتِلافِ الْمَذَاهِبِ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ،اعلم أَنَّهُ وَقَعَ الاختلافُ فى أَنَّهُ هل جماعةُ النِّساءِ وحدهنَّ مشروعةٌ أم غير مشروعة :فذهبَ الشَّافِعِيُّ إلى استحبابها، وهو قولُ الْأَوْزَاعِيِّ والثَّوْرِى وأحمدَ، وحَكَاهُ ابنُ الْمُنْذِرِ عن عَائِشَةَ وأُمِّ سَلَمَةَ .وقال النَّخعى والشَّعْبى :تَؤُمُّهُنَّ فى النَّفلِ دونَ الفَرْضِ وَشَذَّ أَبو ثورٍ والمُزَنى ومُحَمَّدُ بنُ جريرٍ الطَّبَرى فأجازوا إمامةَ النِّساءِ على الإطلاقِ للرجالِ وللنِّسَاءِ .وعند الحَسَنِ البَصْرِيِّ ومالكٍ :لا تَؤُمُّ المرأةُ أحداً لا فى فرضٍ ولا فى نفلٍ، كذا ذَكَرَهُ العَيْنِى فى البِنَايَة.

والمشهورُ من مذاهبِ أصحابنا :أَنَّ جماعةَ النِّساءِ وَحْدَهُنَّ مكروهةٌ، وهو المذكورُ فى كثيرٍ من الكتبِ الفقهيةِ لأصحابِنا الحَنَفِيَّةِ، وعلَّلوا الكراهةَ بتعليلاتٍ مُتَفَرِقةٍ، وأجابوا عن الأخبارِ المذكورةِ بجواباتٍ غيرِ شافيةٍ (تحفة النبلاء فى جماعة النساء للكنوى، ص۸، المرصدالثانى، مشمولة مجموعة رسائل اللكنوى، ج۵؛ مطبوعة ادارة القرآن كراتشى)

يشترط لإمامة الرجال أن يكون الإمام ذكرا، فلا تصح إمامة المرأة للرجال، وهذا متفق عليه بين الفقهاء، لما ورد فى الحديث أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :أخروهن من حيث أخرهن الله والأمر بتأخيرهن نهى عن الصلاة خلفهن .ولما روى جابر مرفوعا :لا تؤمن امرأة رجلا ولأن فى إمامتها للرجال افتتانا بها .أما إمامة المرأة للنساء فجائزة عند جمهور الفقهاء (وهم الحنفية والشافعية والحنابلة) واستدل الجمهور لجواز إمامة المرأة للنساء بحديث أم ورقة أن النبى صلى الله عليه وسلم أذن لها أن تؤم نساء أهل دارها.لكن كره الحنفية إمامتها لهن، لأنها لا تخلو عن نقص واجب أو مندوب، فإنه يكره لهن الأذان والإقامة، ويكره تقدم المرأة الإمام عليهن .فإذا صلت النساء صلاة الجماعة بإمامة امرأة وقفت المرأة الإمام وسطهن.

أما المالكية فلا تجوز إمامة المرأة عندهم مطلقا ولو لمثلها فى فرض أو نفل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶، ص۲۰۵، و۲۰۶، المادة: الذكورة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یہ تفصیل منقول نہیں کہ اُن کے نزدیک عورت کی امامت مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی؟

بعض متأخرین مشائخِ حنفیہ اس کے مکروہ تحریمی ہونے کی طرف مائل ہیں، اور بعض مکروہ تنزیہی ہونے کی طرف۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذهب المالكية إلى أن الذكورة شرط لإمامة الصلاة، وأنه لا يجوز أن تؤم المرأة رجلا ولا امرأة مثلها، سواء كانت الصلاة فريضة أو نافلة، وسواء عدمت الرجال أو وجدت لحديث :لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة. وتبطل صلاة المأموم دون المرأة التى صلت إماما فتصح صلاتها.

ووافقهم الحنفية والشافعية والحنابلة والفقهاء السبعة -من فقهاء المدينة -فى منع إمامتها للرجال، لما روى جابر رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال :لا تؤمن امرأة رجلا ، إلا أنهم خالفوا المالكية فى مسألة إمامة المرأة للنساء فيرون أن هذا جائز، والحنفية يرون كراهة إمامتها للنساء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۱، ص ۲۶۶، المادة: الامامة)

[1] اور گوکثرت کسی بھی طرف ہو، ترجیح قوتِ دلیل کو ہوا کرتی ہے۔

فإن قلت :لا دلالة للأخبار المذكورة على الاستحباب لجواز أن تكون تعليما للجواز كما أشار إليه صاحب (الدراية) قلت :فهذا القدر ينفى الكراهة التحريمية، كيف ولو كان كذلك لما أمر النبى صلى الله عليه وسلم أم ورقة بما أمرها، ولما ارتكبت عائشة وأم سلمة فعلها.

والظاهر أن محمد بن الحسن أشار فى كتاب الآثار إلى هذا، حيث قال :لا يعجبنا، على ما مر نقله فى المرصد الأول .والذى يظهر أن الحكم بالكراهة لا سيما بالتحريمية من تخريجات المشايخ على حسب أفهامهم ومزعوماتهم لا من كلام أئمتهم، ولعل لكلامهم وجها لم نطلع عليه، وما اطلعنا عليه قد بينا حاله، وفوق كل ذى علم عليم، وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء وهو ذو الفضل العظيم (تحفة النبلاء فى جماعة النساء للكنوى، ص۲۳، آخر المرصدالثانى، مشمولة مجموعة رسائل اللكنوى، ج۵؛ مطبوعة ادارة القرآن كراتشى)

(قَوْلُهُ وَكُرِهَ جَمَاعَةُ النِّسَاءِ وَحْدَهُنَّ) أَيْ كَرَاهَةَ تَحْرِيمٍ كَمَا فِي الْفَتْحِ وَهَذَا فِي غَيْرِ صَلَاةِ الْجِنَازَةِ؛ لِأَنَّهَا تَفُوتُ لِلْبَاقِيَاتِ بِأَدَاءِ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ فَلْيُصَلِّينَهَا جَمَاعَةً كَمَا فِي شَرْحِ النُّقَايَةِ (دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج ا، ص ۸۶، جَمَاعَة النِّسَاء وَحْدهنَّ)

وَيُكْرَهُ تَحْرِيمًا جَمَاعَةُ النِّسَآءِ وَلَوْ فِي التَّرَاوِيحِ فى غير صلاة جنازة (الدرالمختار، ج ۱ ص ۵۶۵ كتاب الصلاة، باب الامامة)

وَيُكْرَهُ إِمَامَةُ الْمَرْأَةِ لِلنِّسَآءِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ إِلَّا فى صَلَاةِ الْجِنَازَةِ هَكَذَا فى النِّهَايَةِ فَإِنْ فَعَلْنَ وَقَفَتْ الْإِمَامُ وَسَطَهُنَّ وَبِقِيَامِهَا وَسَطَهُنَّ لَا تَزُولُ الْكَرَاهَةُ وَإِنْ تَقَدَّمَتْ عَلَيْهِنَّ إِمَامُهُنَّ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہمیں دلائل میں غور کرنے سے حنفیہ کے اُن مشائخ حضرات کا قول راجح معلوم نہ ہوسکا، جو مکروہ تحریمی ہونے کے قائل ہیں، کیونکہ جو عمل صحابیات وازواجِ مطہرات سے ثابت ہو، اور اس کے جائز ہونے کے منسوخ ہونے کی کوئی معقول دلیل بھی نہ ہو، اس کو مکروہ تحریمی قرار دینا مشکل ہے، البتہ عام حالات میں اور بالخصوص عادت بنا لینے کی صورت میں زیادہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لم تَفسُدُ صَلاتُهُنَّ هٰكَذَا فى الْجَوْهَرَةِ النَّيِّرَةِ وَصَلاتُهُنَّ فُرَادَى أَفْضَلُ هٰكَذَا فى الْخُلَاصَةِ (الفتاوىٰ الهندية ج ١ ص ٨٥، كتاب الصلاة، الباب الرابع، الفصل الثالث)

امامة المرأة للنساء جائزة الا ان صلاتهن فرادى افضل (خلاصة الفتاوىٰ، ج ١، ص ١٤٧، الفصل الخامس عشر، جس آخر فى صحة الاقتداء)

ولا يخفى ما فيه، وبتقدير التسليم فإنما يفيد نسخ السنية، وهو لا يستلزم ثبوت كراهة التحريم فى الفعل بل التنزيه ومرجعها إلى خلاف الأولى، ولا علينا أن نذهب إلى ذلك فإن المقصود اتباع الحق حيث كان (فتح القدير لابن الهمام، ج ١، ص ٣٥٣، و ٣٥٤، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

فان قيل: هذا مما خالف راويه العمل به، فان عائشة رضى الله عنها كانت تؤم النساء فى الصلاة المكتوبة وغيرها، كماسيأتى والراوى اذا عمل بخلاف روايته لم تبق حجة عند الحنفية.

قلنا: هذا اذا لم يمكن الجمع بين عمله وروايته، وهذا ليس كذلك، فان الجمع بينهما ممكن بأن روايتها تدل على كراهة جماعة النساء، وعملها على نفس الاباحة، وكراهة شىء لاتنافى جوازه، كمالايخفى، فلعلها أمت النساء أحياناً لبيان الجواز، أو لتعليم النساء صفة الصلاة، ونحن لاننفى الجواز فى المسألة حتى قلنا بصحة صلاتهن لو صلين جماعة، وكم من مكروه يؤتى به لضرورة التعليم، كماثبت عن عمر رضى الله عنه أنه جهر بالاستفتاح أحيانا لغرض تعليم الجهلة من المقتديين، وهذا هو محمل فعل أم سلمة رضى الله عنها، على أنا لانسلم المنافاة بين روايتها وعملها بل نرى فعلها مايؤيد روايتها كما سيأتى (اعلاء السنن ج ٤ص ٢٤٢، و ٢٤٣، باب كراهة جماعة النساء)

وأيضاً وجود جماعتهن فى ذلك العصر كان قليلاً، ولم يثبت جماعتهن بطريق العادة لهن مع توفر الدواعى الى نيل فضائلها، فكون جماعتهن كالمتروك فى ذاك الزمان دليل على انهم كانوا لايستحسنونها، وهو المراد بالكراهة، وبه يشعر كلام الامام محمد فى كتاب الآثار، فذكر أولا أثر عائشة أم المؤمنين رضى الله عنها أنها كانت تؤم النساء فى شهر رمضان، فتقوم وسطا، ثم قال: لايعجبنا أن تؤم المرأة، فان فعلت قامت فى وسط الصف مع النساء، كمافعلت عائشة، وهو قول أبى حنيفة اه (ص: ٣٨). قال الشيخ: وما روى عن أم ورقة غايتها الاباحة لانيل الفضيلة، ولما كان فيه شبهة الكراهة كان الاحتياط فى الترك، لأن الشىء اذا تردد بين المندوب والمكروه كان ترك المندوب أولى، ونظيره تقدم المحرم على المبيح اذا تعارضا. اهـ (اعلاء السنن ج ٤ص ٢٤٤، باب كراهة جماعة النساء)

سے زیادہ مکروہ تنزیہی قرار دیا جاسکتا ہے، جس کا نتیجہ جائز ہونے کے ساتھ خلافِ اولیٰ ہونا ہے، بشرطیکہ اُن کی امام درمیان میں کھڑی ہو، اور مزید کوئی خرابی بھی لازم نہ آئے۔

آگے اس کے دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

عورتوں کی جماعت وامامت سے متعلق روایات وآثار

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا أَنَّهَا کَانَتْ تَؤُمُّ النِّسَاءَ فِیْ رَمَضَانَ تَطَوُّعًا، وَتَقُوْمُ فِیْ وَسَطِ الصَّفِّ (کتاب الآثار لابی یوسف، رقم الحدیث ۲۱۲، کتاب الآثار لمحمد بن الحسن، رقم الحدیث ۲۱۵)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کی رمضان میں تراویح میں امامت کرتی تھیں، اور صف کے درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں (کتاب الآثار)

ایک دوسرے جلیل القدر تابعی حضرت عطاء رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَائِشَةَ ؛ أَنَّهَا کَانَتْ تَؤُمُّ النِّسَاءَ، تَقُوْمُ مَعَهُنَّ فِی الصَّفِّ (مصنف ابنِ ابی شیبۃ، رقم الحدیث ۴۹۹۱، المرأۃ تؤم النساء)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں، اور عورتوں کے ساتھ صف میں کھڑی ہوا کرتی تھیں (ابنِ ابی شیبہ)

اور حضرت یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَائِشَةَ کَانَتْ تَؤُمُّ النِّسَاءَ فِی التَّطَوُّعِ، تَقُوْمُ مَعَهُنَّ فِی الصَّفِّ

(مصنف عبد الرزاق، رقم الحدیث ۵۰۸۷، باب المرأۃ تؤم النساء)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کی غیر فرض (یعنی تراویح) میں امامت کرتی تھیں، صف میں اُن کے ساتھ کھڑی ہو کر (عبدالرزاق)

ثقہ تابعیہ حضرت ریطہ حنفیہ رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ:

أَمَّتْنَـا عَائِشَةُ فِي الصَّلاةِ فَقَامَتْ وَسُطَنَا (الطبقات الكبرىٰ لابن سعد، ج۸، ص ۳۵۲، تحت رقم الترجمة ۴۶۷۴، الناشر :دار الكتب العلمية -بيروت) [1]

ترجمہ: ہماری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نماز میں امامت فرمائی، ہمارے درمیان میں کھڑے ہوکر (ابنِ سعد)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

أَنَّ عَـائِشَةَ أَمَّتْهُـنَّ وَقَامَتْ بَيْنَهُنَّ فِيْ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۵۰۸۶، باب المرأة تؤم النساء؛ السنن الكبرى، للبيهقي، رقم الحديث ۵۳۵۵، بَابُ الْمَرْأَةِ تَؤُمُّ النِّسَاءَ فَتَقُومُ وَسَطَهُنَّ) [2]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُن کی فرض نماز میں امامت کرائی، اور اُن (عورتوں) کے درمیان میں کھڑی ہوئیں (عبدالرزاق)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہجرت کے بعد ہوا، اور یقیناً ان کی امامت فرمانے کے یہ واقعات ہجرت کے بعد اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بالغ ہونے کے بعد کے ہیں، جن میں سے بعض واقعات فرض نماز میں اور بعض تراویح کی نماز میں امامت کرانے کے ہیں، اور بعض واقعات میں تابعیہ خواتین کی شرکت کا اور بعض میں تراویح کا بھی ذکر ہے، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض واقعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بھی بعد کے ہیں۔

لہٰذا یہ کہنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت ابتدائے اسلام کے دور سے متعلق ہے، یا

---

[1] ريطة الحنفية كوفية تابعية ثقة (معرفة الثقات للعجلى، ج ۲، ص ۴۵۳، تحت رقم الترجمة ۲۳۳۵، باب الراء، الناشر :مكتبة الدار -المدينة المنورة)

[2] وعن ريطة الحنفية قالت "أمتنا عائشة فقامت بينهن فى الصلاة المكتوبة "وعن حجيرة قالت "أمتنا أم سلمة فى صلاة العصر فقامت بيننا "رواهما الدارقطنى والبيهقى بإسنادين صحيحين (المجموع شرح المهذب، ج۴، ص ۱۹۹، باب صلاة الجماعة)

بعد میں عورت کی امامت کا جائز ہونا منسوخ ہوگیا،اور مکروہ تحریمی ہونے کا حکم عائد ہوگیا، یہ راجح معلوم نہیں ہوتا۔ ل

حضرت امِ حسن رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهَا رَأَتْ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَؤُمُّ النِّسَاءَ ، تَقُوْمُ مَعَهُنَّ فِيْ صَفِّهِنَّ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۴۹۸۹،المرأة تؤم النّساء)

ترجمہ: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کوعورتوں کی امامت کرتے ہوئے دیکھا، آپ ان کی صف میں ان کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت عمار دھنی رحمہ اللہ، اپنی قوم کی حجیرہ بنتِ حصین نامی خاتون سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

أَمَّتْنَا أُمُّ سَلَمَةَ قَائِمَةً وَسَطَ النِّسَآءِ (مصنف ابنِ ابی شیبة،

ل لأنه -علیه السلام -أقام بمكة بعد النبوة ثلاث عشرة سنة -كما رواه البخارى ومسلم -ثم تزوج عائشة بالمدينة، وبنى بها وهى بنت تسع، وبقيت عنده -عليه السلام -تسع سنين، وما تصلى إماما إلا بعد بلوغها، فكيف يَستقيم حمله على ابتداء الإسلام؟ لكن يمكن أن يقال :إنه منسوخ، وفعلت ذلک حين كانت النساء تحضرن الجماعات ثم نُسخت جماعتهن،والله أعلم(شرح سنن أبى داود للعينى، ج۳، ص۹۷، بَابُ: إمامة النِّساءِ، الناشر :مكتبة الرشد -الرياض)

.ولا يخفى ما فيه، وبتقدير التسليم فإنما يفيد نسخ السنية، وهو لا يستلزم ثبوت كراهة التحريم فى الفعل بل التنزيه ومرجعها إلى خلاف الأولى، ولا علينا أن نذهب إلى ذلک فإن المقصود اتباع الحق حيث كان (فتح القدير لابن الهمام، ج۱، ص۳۵۳، و۳۵۴، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

أقول :أشار بآخر كلامه إلى أن كراهة التحريم ليس بحق، واتباع الحق حيث ما كان أحق، كيف لا؟ وقد دلت آثار وأخبار على المشروعية ولم يتعين ناسخ لها ولا يصح حملها على ابتداء الإسلام. والعلل التى ذكروها للكراهة كلها معلولة، فغاية ما فى الباب أن تكون جماعتهن خلاف الأولى نظرا إلى ظاهر ما يفيده حديث أبى داود وابن خزيمة وغيرهم، وهو أمر آخر (تحفة النبلاء فى جماعة النساء للكنوى، ص۲۳، الطريق الخامس، مشمولة مجموعة رسائل اللكنوى، ج۵؛ مطبوعة ادارة القرآن كراتشى)

رقم الحديث ۴۹۸۸، المرأة تؤم النِّسَاء)

ترجمہ: ہماری حضرت اِمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کے درمیان میں کھڑے ہوکرامامت فرمائی (ابنِ ابی شیبہ)

اور سُنن دارقطنی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَمَّتْنَا أُمُّ سَلَمَةَ فِيْ صَلَاةِ الْعَصْرِ فَقَامَتْ بَيْنَنَا (سنن الدارقطنی، رقم الحديث ۱۵۰۸، باب صلاة النساء جماعة وموقف إمامهن) [۱]

ترجمہ: ہماری حضرت اِمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عصر کی نماز میں ہمارے درمیان میں کھڑے ہوکرامامت فرمائی (دارقطنی)

عبدالرحمٰن بن خلاد انصاری سے حضرت اُمِ ورقہ بنتِ عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایت ہے کہ:

وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُوْرُهَا فِيْ بَيْتِهَا وَجَعَلَ لَهَا مُؤَذِّنًا يُؤَذِّنُ لَهَا، وَأَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا، قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ : فَأَنَا رَأَيْتُ مُؤَذِّنَهَا شَيْخًا كَبِيْرًا (ابوداؤد، رقم الحديث ۵۹۲، بَابُ إِمَامَةِ النِّسَاءِ)

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن (اُمِ ورقہ) کے گھر میں جا کر اُن کی زیارت کیا کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لئے ایک مرد مؤذن کو مقرر کردیا تھا، جو اُن کے لئے اذان دیتا تھا، اور حضرت اُمِّ ورقہ کو آپ نے حکم فرمایا تھا کہ اپنے گھر والوں کی امامت کرائیں، عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے اُن کے مؤذن کو بہت بوڑھے ہونے کی حالت میں دیکھا ہے (ابوداؤد)

---

[۱] أم ورقة "أن النبی صلى الله عليه وسلم أمرها أن تؤم أهل دارها "رواه أبو داود ولم يضعفه وعن ربطة الحنفية قالت "أمتنا عائشة فقامت بينهن فی الصلاة المكتوبة "وعن حجيرة قالت " أمتنا أم سلمة فی صلاة العصر فقامت بيننا "رواهما الدارقطنی والبيهقی بإسنادين صحيحين (المجموع شرح المهذب، ج۴، ص ۱۹۹، باب صلاة الجماعة)

اس حدیث کو تھوڑے بہت الفاظ کے فرق کے ساتھ ابنِ خزیمہ، اوردار قطنی نے اورامام احمد نے اپنی مسند میں بھی روایت کیا ہے۔ [1]

اورامام بیہقی اورابونعیم نے بھی مختلف سندوں کے ساتھ اس کوروایت کیا ہے۔ [2]

---

[1] ثنـا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ، نا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ جَمِيعٍ، عَنْ لَيْلَى بِنْتِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهَا، وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ خَلَّادٍ، عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ، أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ :انْطَلِقُوا بِنَا نَزُورُ الشَّهِيدَةَ ، وَأَذِنَ لَهَا أَنْ تُؤَذِّنَ لَهَا، وَأَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا فِي الْفَرِيضَةِ، وَكَانَتْ قَدْ جَمَعَتِ الْقُرْآنَ (صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ١٦٧٦، باب إمامة المرأة النساء فى الفريضة)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ النَّيْسَابُورِيُّ ,ثنا أَحْمَدُ بْنُ مَنْصُورٍ ,ثنا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ ,ثنا الْوَلِيدُ بْنُ جَمِيعٍ ,حَدَّثَتْنِي جَدَّتِي ,عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ وَكَانَتْ تَؤُمُّ ,أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذِنَ لَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا (سنن الدارقطنى، رقم الحديث ١٥٠٦، باب صلاة النساء جماعة وموقف إمامهن)

حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ :حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، قَالَ :حَدَّثَتْنِي جَدَّتِي، عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ بِنْتِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ الْأَنْصَارِيِّ، وَكَانَتْ قَدْ جَمَعَتِ الْقُرْآنَ، "وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا "، وَكَانَ لَهَا مُؤَذِّنٌ، وَكَانَتْ تَؤُمُّ أَهْلَ دَارِهَا (مسند احمد ، رقم الحديث ٢٧٢٨٣)

[2] حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ جَمِيعٍ قَالَ :حَدَّثَتْنِي جَدَّتِي، عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهَا أَوْ أَذِنَ لَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا وَكَانَتْ قَدْ قَرَأَتِ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَرَوَاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ الْخُرَيْبِيُّ، عَنِ الْوَلِيدِ، عَنْ لَيْلَى بِنْتِ مَالِكٍ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ خَلَّادٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ وَقَالَ :فِي الْفَرَائِضِ (معرفة السنن والآثار، رقم الحديث ٥٩٧٢، و٥٩٧٣، باب إثبات إمامة المرأة)

عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبَانَ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ جُمَيْعٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ خَلَّادٍ، عَنْ أَبِيهِ، "أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذِنَ لِأُمِّ وَرَقَةَ أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا، وَكَانَ لَهَا مُؤَذِّنٌ "رَوَاهُ وَكِيعٌ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ جُمَيْعٍ، عَنْ جَدَّتِهِ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ خَلَّادٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ وَرَوَاهُ ابْنُ فُضَيْلٍ، وَالْخُرَيْبِيُّ، وَأَبُو نُعَيْمٍ، كُلُّهُمْ عَنِ الْوَلِيدِ (معرفة الصحابة لابى نعيم، رقم الحديث ٢٤٨٧)

عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ الْخُرَيْبِيُّ، ثنا الْوَلِيدُ بْنُ جُمَيْعٍ، عَنْ لَيْلَى بِنْتِ مَالِكٍ، عَنْ أُمِّهَا، وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ خَلَّادٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ الْأَنْصَارِيَّةِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ " :انْطَلِقُوا بِنَا إِلَى الشَّهِيدَةِ نَزُورُهَا "وَأَمَرَهَا أَنْ تُؤَذِّنَ فِي دَارِهَا وَتُقِيمَ، وَأَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا فِي الْفَرَائِضِ "وَرَوَاهُ أَبُو نُعَيْمٍ، وَوَكِيعٌ، وَغَيْرُهُمَا، عَنِ الْوَلِيدِ. (معرفة الصحابة لابى نعيم، رقم الحديث ٧٧١٦)

نیز اسحاق بن راہویہ اور امام طبرانی نے بھی کچھ اضافہ کے ساتھ اُمِ ورقہ کی حدیث کو روایت کیا ہے، جس میں یہ تفصیل بھی ہے کہ حضرت اُمِ ورقہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شہید کردی گئی تھیں۔ ۱؎

اور اس حدیث کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن بعض نے مختلف سندوں سے مروی ہونے کی وجہ سے صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔ ۲؎

۱؎ أَخْبَرَنَا الْمُلائِيُّ ، حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ جُمَيْعٍ حَدَّثَتْنِي جَدَّتِي عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ بِنْتِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ الْأَنْصَارِيِّ وَكَانَتْ قَدْ جَمَعَتِ الْقُرْآنَ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حِينَ غَزَا بَدْرًا قَالَتْ لَهُ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَخْرُجَ مَعَكَ أُدَاوِي جَرْحَاكُمْ وَأُمَرِّضَ مَرْضَاكُمْ لَعَلَّ أَنْ تُهْدَى لِي شَهَادَةٌ قَالَ :إِنَّ اللَّهَ مَهَّدَ لَكِ شَهَادَةً فَكَانَ يُسَمِّيهَا الشَّهِيدَةَ وَكَانَ أَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا فَكَانَ لَهَا مُؤَذِّنٌ فَكَانَتْ تَؤُمُّ أَهْلَ دَارِهَا حَتَّى غَمَّتْهَا جَارِيَةٌ لَهَا وَغُلَامٌ لَهَا كَانَتْ قَدْ دَبَّرَتْهُمَا فَقَتَلَاهَا فِي إِمَارَةِ عُمَرَ فَقِيلَ إِنَّ أُمَّ وَرَقَةَ قُتِلَتْ قَتَلَهَا غُلَامُهَا وَجَارِيَتُهَا فَقَامَ عُمَرُ فِي النَّاسِ فَقَالَ إِنَّ أُمَّ وَرَقَةَ غَمَّتْهَا جَارِيَتُهَا وَغُلَامُهَا حَتَّى قَتَلَاهَا وَإِنَّهُمَا هَرَبَا فَأُتِيَ بِهِمَا فَصَلَبَهُمَا فَكَانَا أَوَّلَ مَصْلُوبَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ ثم قال عمر صَدَقَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقُولُ انْطَلِقُوا بِنَا نَزُورُ الشَّهِيدَةَ (مسند إسحاق بن راهويه، رقم الحديث ٢٣٨١)

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، ثنا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، ثنا الْوَلِيدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ جُمَيْعٍ الزُّهْرِيُّ، حَدَّثَتْنِي جَدَّتِي، عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ بِنْتِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ الْأَنْصَارِيِّ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُورُهَا وَيُسَمِّيهَا الشَّهِيدَةَ، وَكَانَتْ قَدْ جَمَعَتِ الْقُرْآنَ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ غَزَا بَدْرًا قَالَتْ لَهُ " :تَأْذَنُ لِي فَأَخْرُجَ مَعَكَ أُدَاوِي جَرْحَاكُمْ، وَأُمَرِّضَ مَرْضَاكُمْ لَعَلَّ اللهَ يَهْدِي لِي شَهَادَةً، قَالَ :إِنَّ اللهَ يَهْدِي لَكِ شَهَادَةً، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا، وَكَانَ لَهَا مُؤَذِّنٌ، وَكَانَتْ تَؤُمُّ أَهْلَ دَارِهَا حَتَّى عَدَا عَلَيْهَا جَارِيَةٌ، وَغُلَامٌ لَهَا كَانَتْ دَبَّرَتْهُمَا فَقَتَلَاهَا فِي إِمَارَةِ عُمَرَ فَقِيلَ لَهُ :إِنَّ أُمَّ وَرَقَةَ قَدْ قَتَلَهَا غُلَامُهَا وَجَارِيَتُهَا فَقَامَ فِي النَّاسِ فَقَالَ :إِنَّ أُمَّ وَرَقَةَ عَدَا عَلَيْهَا غُلَامُهَا، وَجَارِيَتُهَا فَقَتَلَاهَا، وَإِنَّهُمَا هَرَبَا، فَأُتِيَ بِهِمَا، فَصَلَبَهُمَا، فَكَانَا أَوَّلَ مَصْلُوبَيْنِ بِالْمَدِينَةِ، قَالَ عُمَرُ :صَدَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَقُولُ :انْطَلِقُوا نَزُورُ الشَّهِيدَةَ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٣٢٦)

۲؎ وقوله :مع النساء فى حديث أم ورقة مقالا، إشارة إلى ما قاله المنذرى فى "مختصره "لسنن أبى داود فى سنده الوليد بن جميع وفيه مقال ولا يضره ذلك، فإن مسلما أخرج له وكفى هذا فى عدالته وصدقه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ ایک دوسری اُمُّ المؤمنین حضرت اُمِ سلمہ اور ایک اور صحابیہ حضرت اُمِّ ورقہ رضی اللہ عنہما نے بھی بعض اوقات خواتین کی امامت کرائی ہے، اور یہ واقعات ابتدائے اسلام کے نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے بعض واقعات تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بھی بعد کے ہیں، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : تَـؤُمُّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ تَقُوْمُ فِيْ وَسَطِهِنَّ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۵۰۸۳، باب المرأة تؤم النساء)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت عورتوں کی امامت کرسکتی ہے، اُن کے درمیان میں کھڑی ہوکر (عبدالرزاق)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإن قلت :قد قال ابن بطال فی کتابه :الوليد بن جميع، وعبد الرحمن بن خلاد لا يعرف حاليهما.
قلت :ذكرهما ابن حبان فی "الثقات "فالحديث إذا صحيح (البناية شرح الهداية، ج۲، ص ۳۳۹، باب فی الامامة)

قلت :وهذا إسناد حسن ,الوليد بن جميع احتج به مسلم كما قال الحاكم ووافقه الذهبی ,وأما جدته واسمها ليلى بنت مالک كما فی رواية الحاكم فلا تعرف كما قال الحافظ فی "التقريب ," وأما عبد الرحمن بن خلاد فمجهول الحال ,وأورده ابن حبان فی "الثقات "على قاعدته !لكن هو مقرون بليلى فأحدهما يقوى رواية الآخر ,لا سيما والذهبی يقول فی "فصل النسوة المجهولات " :"وما علمت فی النساء من اتهمت ,ولا من تركوها ."
ولعل هذا هو وجه إقرار الحافظ ابن حجر فی "بلوغ المرام "تصحيحه ابن خزيمة للحديث ,مع أنه أعله فی "التلخيص "(ص ۱۲۱) بقوله " :وفی إسناده عبد الرحمن بن خلاد وفيه جهالة ." وذهل عن متابعة ليلى إياه ,وإلا لـذكرها وبين حالها كما فعل بمتبوعها ابن خلاد وكأنه اعتمد على رواية لأبی داود ,فإنها لم تذكر فيها ,وعكس ذلک الدارقطنی وأحمد فی رواية له فذكراها دون ابن خلاد .والحديث أعله المنذری بالوليد بن عبد الله .وقد رددته عليه فی "صحيح أبی داود ۶۰۵، بما خلاصته أن مسلماً احتج به كما سبق ,وأن جماعة وثقوه كابن معين وغيره ,ونقل صاحب "التعليق المغنی "عن العلامة العينی أنه قال " :حديث صحيح ." والحق أنه حسن ,والله أعلم (إرواء الغليل فی تخريج أحاديث منار السبيل للالبانی، تحت رقم الحديث ۴۹۳)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ وہ بھی عورت کی امامت کو جبکہ وہ عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہو، جائز سمجھتے ہیں، اگر یہ عمل مکروہ تحریمی ہوتا تو وہ یقیناً اس کی اجازت نہ دیتے۔ [1]

جلیلُ القدر تابعین حضرت مجاہد اور حضرت عطاء رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ:

قَالاَ : تَؤُمُّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ فِی الْفَرِیْضَةِ، وَالتَّطَوُّعِ تَقُوْمُ وَسَطَهُنَّ

(مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ٥٠٨١، باب المرأة تؤم النساء)

ترجمہ: ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ عورت، عورتوں کی فرض اور غیر فرض نماز میں امامت کرسکتی ہے، ان کے بیچ میں کھڑی ہوکر (عبدالرزاق)

حضرت مجاہد اور حضرت عطاء جلیلُ القدر تابعین میں سے ہیں، جن کے اقوال اور فتاویٰ سے

---

[1] وَالْحَاصِلُ اَنَّهٗ اِذَاصَحَّ لَهٗ قَوْلٌ عَنْ وَاحِدٍ مِنَ الْمَعْرُوْفِیْنَ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قُضِیَ بِهٖ وَقُدِّمَهٗ عَلَی الْقِیَاسِ (المبسوط للسرخسی جلد٨ جزء ١٦، کتاب ادب القاضی)

وَالْحَاصِلُ اَنَّ قَوْلَ الصَّحَابِیِّ حُجَّةٌ یَجِبُ تَقْلِیْدُهٗ عِنْدَنَااِذَالَمْ یُنْفِهٖ شَیْئٌ آخَرُمِنَ السُّنَّةِ (ردالمحتار جلد٢، باب الجمعة)

وَقَالَ الْخَطِیْبُ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِی الْمَوْقُوْفَاتِ عَلَی الصَّحَابَةِ جَعَلَهَا کَثِیْرٌمِّنَ الْفُقَهَاءِ بِمَنْزِلَةِ الْمَرْفُوْعَاتِ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ لُزُوْمِ الْعَمَلِ بِهَا وَتَقْدِیْمِهَا عَلَی الْقِیَاسِ وَاِلْحَاقِهَابِالسُّنَنِ .انتهیٰ (مقدمة فتح الملهم، شرح صحیح مسلم جلد ١ صفحه ١١٥)

اَنَّ اِحْتِمَالَ الضَّعِیْفِ بِالْوَاسِطَةِ حَیْثُ کَانَ تَابِعِیًّا لاَ سِیَمَّا بِالْکِذْبِ بَعِیْدٌجِدًّا، فَاِنَّهٗ صلی اللہ علیہ وسلم اَثْنیٰ عَلیٰ عَصْرِ التَّابِعِیْنَ وَشَهِدَلَهٗ بَعْدَالصَّحَابَةِ بِالْخَیْرِیَّةِ کَمَا تَقَدَّمَ بِحَیْثُ اِسْتَدَلَّ بِذَالِکَ عَلیٰ تَعْدِیْلِ اَهْلِ الْقُرُوْنِ الثَّلاَثَةِ وَاِنْ تَفَاوَتَتْ مَنَازِلُهُمْ بِالْفَضْلِ (فتحُ المغیث صفحه ٥٦)

ثم قال ابن الهمام :وقد یجاب بجواز کونه إخبارا عن مواظبة کانت قبل النسخ.

وقوله :کانت تؤم فی رمضان، لا یستلزم التراویح.

وقوله :جعل لها مؤذنا وأمرها أن تؤم لا یستلزم استمرار إمامتها إلی وفاته صلی الله علیه وسلم.

وما رواه عبد الرزاق عن إبراهیم بن محمد عن داود بن الحصین عن عکرمة عن ابن عباس قال :تؤم المرأة النساء فتقوم وسطهن. لا یقتضی علم ابن عباس ببقاء شرعیتها بجواز کون المراد إفادة مقامها بتقدیر ارتکابها ذلک، أوخفی علی ابن عباس الناسخ .انتهی.

أقول :هذا کله کما أشار إلیه ضعیف، فإن أمثال هذه الاحتمالات الرکیکة الغیر الظاهرة لا تسمع إلا بعد تعیین الناسخ وإذ لیس فلیس (تحفة النبلاء فی جماعة النساء للکنوی، ص ٢٠ تا ٢٣، الطریق الخامس)

فقہائے کرام استدلال کرتے ہیں۔ ۱؎

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ إِبْرَاهِيمَ، وَالشَّعْبِيِّ، قَالَا: لَا بَأْسَ أَنْ تُصَلِّيَ الْمَرْأَةُ بِالنِّسَاءِ فِيْ رَمَضَانَ، تَقُوْمُ فِيْ وَسَطِهِنَّ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۵۰۸۴، باب المرأة تؤم النساء ؛ مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ۴۹۹۲، المرأة تؤم النساء)

ترجمہ: حضرت ابراہیم اور حضرت شعبی رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ عورت، عورتوں کو رمضان میں نماز پڑھائے، ان کے بیچ میں کھڑی ہو کر (عبدالرزاق)

حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت شعبی رحمہما اللہ بھی جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، ان کے اقوال بھی فقہائے کرام کے نزدیک بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ۲؎

۱؎ قَوْلُ التَّابِعِيِّ الْكَبِيْرِ الَّذِىْ ظَهَرَ فَتْوَاهُ فِيْ زَمَنِ الصَّحَابَةِ حُجَّةٌ عِنْدَنَا كَالصَّحَابِيِّ(قواعد فی علوم الحديث ،مقدمه اعلاء السنن ص ۱۳۲)

اَلَّذِيْنَ اِتَّفَقَ اَهْلُ الْعِلْمِ عَلٰى اِمَامَتِهِمْ كَالزُّهْرِيِّ وَقَتَادَةَ وَعَطَاءِ بْنِ اَبِىْ رَبَاحٍ وَاَمْثَالِهِمْ (ایضاً ص ۱۵۸)

قَوْلُ التَّابِعِيِّ الْكَبِيْرِ الَّذِىْ ظَهَرَ فَتْوَاهُ فِيْ زَمَنِ الصَّحَابَةِ حُجَّةٌ عِنْدَنَا كَالصَّحَابِيِّ، كَذَا فِي التَّوْضِيْحِ وَقَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ فِيْ اِعْلَامِ الْمُوَقِّعِيْنَ قَدِاخْتَلَفَ السَّلَفُ فِيْ ذَالِكَ فَمِنْهُمْ مَنْ قَالَ يَجِبُ اِتِّبَاعُ التَّابِعِيِّ فِيْمَاافْتٰى بِهٖ وَلَمْ يُخَالِفْهُ فِيْهِ صَحَابِيٌّ وَلَا تَابِعِيٌّ وَهٰذَاقَوْلُ بَعْضِ الْحَنَابِلَةِ وَالشَّافِعِيَّةِ وَقَدْصَرَّحَ الشَّافِعِيُّ فِيْ مَوْضَعٍ بِاَنَّهٗ قَالَهٗ تَقْلِيْدًالِعَطَاءٍ وَهٰذَامِنْ كَمَالِ عِلْمِهٖ وَفِقْهِهٖ فَاِنَّهٗ لَمْ يَجِدْفِي الْمَسْئَلَةِ غَيْرَقَوْلِ عَطَاءٍ فَكَانَ قَوْلُهٗ عِنْدَهٗ اَقْوىٰ مَاوَجَدَفِي الْمَسْئَلَةِ وَمَنْ تَأَمَّلَ كُتُبَ الْاَئِمَّةِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَجَدَهَامَشْحُوْنَةً بِالْاِحْتِجَاجِ بِتَفْسِيْرِ التَّابِعِيِّ (قواعدفی علوم الحديث ،مقدمه اعلاء السنن ،صفحه ۱۳۲)

وعطاء ابن ابی رباح امام مطلق فی الحديث (المبسوط للسرخسی،جلد ۱۴، کتاب الشفعة)

۲؎ قَوْلُ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ حُجَّةٌ عِنْدَنَااِذَالَمْ يُخَالِفْ قَوْلَ الصَّحَابِيِّ فَمَافَوْقَهٗ (قواعدفی علوم الحديث ،مقدمه اعلاء السنن صفحه ۱۳۲)

الشعبی عامر بن شراحيل بن عبد بن ذی كبار وذو كبار ...... قلت :رأی عليا -رضی الله عنه -وصلی خلفه. وسمع من :عدة من كبراء الصحابة .... قال أحمد بن عبد الله العجلی :سمع الشعبی من ثمانية وأربعين من أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -.قال :ولا يكاد يرسل إلا صحيحا .... عن ابن سيرين، قال : قدمت الكوفة، وللشعبی حلقة عظيمة، والصحابة يومئذ كثير (سير أعلام النبلاء، ج۴، ص ۲۹۴، ملخصاً)

حضرت امام عبدالرزاق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: تَؤُمُّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ مِنْ غَيْرِ أَنْ تَخْرُجَ أَمَامَهُنَّ، وَلٰكِنْ تُحَاذِيَ بِهِنَّ فِي الْمَكْتُوبَةِ، وَالتَّطَوُّعِ قُلْتُ: وَإِنْ كَثُرْنَ حَتّٰى يَكُنَّ صَفَّيْنِ أَوْ أَكْثَرَ؟ قَالَ: وَأَنْ تَقُوْمَ وَسَطَهُنَّ (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ٥٠٨٠، باب المرأة تؤم النساء)

ترجمہ: حضرت ابنِ جریج رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورت عورتوں کی امامت کرسکتی ہے، بغیر اس کے کہ اُن کے آگے نکل کر کھڑی ہو، بلکہ اُن کے ساتھ کھڑی ہوگی، فرض اور غیر فرض نماز میں، میں نے کہا کہ اگرچہ وہ عورتیں زیادہ ہوں، یہاں تک کہ دو یا زیادہ صفیں ہوں؟ تو ابنِ جریج نے فرمایا کہ (تب بھی) ان کے درمیان ہی کھڑی ہوگی (عبدالرزاق)

ابنِ جریج بھی جلیل القدر محدث ہیں، جنہوں نے مکہ مکرّمہ میں سب سے پہلے دین کی تدوین فرمائی۔ [1]

حضرت امام عبدالرزاق رحمہ اللہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنْ مَعْمَرٍ قَالَ: تَؤُمُّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ فِيْ رَمَضَانَ وَتَقُوْمُ مَعَهُنَّ فِي الصَّفِّ قَالَ مَعْمَرٌ: وَأَخْبَرَنِيْ مَنْ سَمِعَ عِكْرِمَةَ يَقُوْلُ مِثْلَ ذٰلِكَ

---

[1] ابن جريج الأموى عبد الملک بن عبد العزيز بن جريج الإمام، العلامة، الحافظ، شيخ الحرم، أبو خالد، وأبو الوليد القرشى، الأموى، المكى، صاحب التصانيف وأول من دون العلم بمكة .... وروى :أحمد بن حنبل، عن عبد الرزاق، قال:

ما رأيت أحدا أحسن صلاة من ابن جريج.

أنبأنى المسلم بن محمد، أنبأنا الكندى، أنبأنا القزاز، أنبأنا أبو بكر بن ثابت، أنبأنا على بن محمد المعدل، حدثنا إسماعيل الصفار، حدثنا محمد بن عبيد الله المنادى، حدثنا أحمد بن حنبل، حدثنا عبد الرزاق، قال:

أهل مكة يقولون :أخذ ابن جريج الصلاة من عطاء ، وأخذها عطاء من ابن الزبير، وأخذها ابن الزبير من أبى بكر، وأخذها أبو بكر من النبى -صلى الله عليه وسلم (سير اعلام النبلاء، ج٦، ص٣٢٥، ملخصا)

(مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۵۰۸۵، باب المرأة تؤم النساء)

ترجمہ: حضرت معمر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورت عورتوں کی رمضان میں امامت کرسکتی ہے، اور وہ اُن کے ساتھ صف میں کھڑی ہوگی، حضرت معمر نے فرمایا کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے حضرت عکرمہ سے سُنا کہ انہوں نے بھی اسی طرح فرمایا (عبدالرزاق)

حضرت معمر بھی جلیلُ القدر محدث اور حضرت قتادہ اور زہری جیسے جلیلُ القدر محدثین کے شاگرد ہیں۔ [1]

ان روایات سے عورت کا عورتوں کی امامت کا اس شرط کے ساتھ جائز ہونا معلوم ہوا کہ امام عورت اپنی مقتدی خواتین سے آگے نکل کر کھڑی نہ ہو، بلکہ عورتوں کے درمیان اور وسط میں کھڑی ہو، اور خواتین کے زیادہ ہونے کی صورت میں پہلی صف کے پیچھے صف بنائی جائے۔

اس کے برعکس بعض روایات سے عورت کی امامت کی کراہت معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ : لا تَؤُمُّ الْمَرْأَةُ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ۴۹۹۴، من كره أَنْ تَؤُمَّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ)

ترجمہ: عورت امامت نہیں کرے گی (ابنِ ابی شیبہ)

---

[1] معمر بن راشد أبو عروة الأزدى مولاهم الإمام، الحافظ، شيخ الإسلام، أبو عروة بن أبى عمرو الأزدى مولاهم، البصرى، نزيل اليمن. مولده :سنة خمس، أو ست وتسعين. وشهد جنازة الحسن البصرى، وطلب العلم وهو حدث. حدث عن :قتادة، والزهرى، وعمرو بن دينار، وهمام بن منبه، وأبى إسحاق السبيعى، ومحمد بن زياد القرشي، وعمار بن أبى عمار المكى، وعبد الله بن طاووس ومطر الوراق، وعبد الله أخى الزهرى، والجعد أبى عثمان، وسماك بن الفضل، وإسماعيل بن أمية، وعبد الكريم الجزرى، وعاصم الأحول، وثابت البنانى، وعاصم بن أبى النجود، ويحيى بن أبى كثير ومنصور بن المعتمر، وسليمان الأعمش، وزيد بن أسلم، وأيوب السختيانى، وزياد بن علاقة، ومحمد بن المنكدر، وطبقتهم . وكان من أوعية العلم، مع الصدق، والتحرى، والورع، والجلالة، وحسن التصنيف (سير اعلام النبلاء، ج۷، ص۵، ملخصاً)

مگر اس روایت میں یہ تفصیل مذکور نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصود عورت کو عورتوں کی امامت سے منع فرمانا ہے، یا مَردوں کی امامت سے منع فرمانا ہے، اور پھر یہ منع فرمانا کس درجہ کا ہے، آیا کراہتِ تحریمی کے درجہ کا یا کراہتِ تنزیہی کے درجہ کا۔

اور دلائل سے یہ واضح ہو چکا کہ عورت کا عورت کی امامت کرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ ۱؎

حضرت ابنِ عون سے روایت ہے کہ:

كَتَبْتُ إِلٰى نَافِعٍ أَسْأَلُهُ ، أَتَؤُمُّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ ؟ فَقَالَ : لاَ أَعْلَمُ الْمَرْأَةَ تَؤُمُّ النِّسَاءَ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحديث ۴۹۹۵، من كره أَنْ تَؤُمَّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ)

ترجمہ: میں نے حضرت نافع کی طرف یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ کیا عورت، عورتوں کی امامت کر سکتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میرے علم میں عورت کا عورتوں کی امامت کرنا نہیں ہے (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت نافع دراصل حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں، ان کے مذکورہ حکم فرمانے کی

۱؎ (قوله :ومن منهياته) يشمل المكروه تنزيها فإنه منهى عنه اصطلاحا حقيقة كما قدمناه عن التحرير آنفا، فافهم (ردالمحتار، ج ۱، ص ۱۳۳، كتاب الطهارة، سنن الوضوء)

مطلب فی تعريف المكروه، وأنه قد يطلق على الحرام والمكروه تحريما وتنزيها .(قوله: ومكروهه) هو ضد المحبوب؛ قد يطلق على الحرام كقول القدورى فى مختصره :ومن صلى الظهر فى منزله يوم الجمعة قبل صلاة الإمام ولا عذر له كره له ذلك .وعلى المكروه تحريما : وهو ما كان إلى الحرام أقرب، ويسميه محمد حراما ظنيا .وعلى المكروه تنزيها :وهو ما كان تركه أولى من فعله، ويرادف خلاف الأولى كما قدمناه.

وفى البحر :من مكروهات الصلاة المكروه فى هذا الباب نوعان :أحدهما ما كره تحريما، وهو المحمل عند إطلاقهم الكراهة كما فى زكاة فتح القدير، وذكر أنه فى رتبة الواجب لا يثبت إلا بما يثبت به الواجب يعنى بالظنى الثبوت .ثانيهما المكروه تنزيها، ومرجعه إلى ما تركه أولى، وكثيرا ما يطلقونه كما فى شرح المنية، فحينئذ إذا ذكروا مكروها فلا بد من النظر فى دليله، فإن كان نهيا ظنيا يحكم بكراهة التحريم إلا لصارف للنهى عن التحريم إلى الندب، فإن لم يكن الدليل نهيا بل كان مفيدا للترك الغير الجازم فهى تنزيهية .اهـ . (ردالمحتار، ج ۱، ص ۱۳۱، و۱۳۲، كتاب الطهارة، سنن الوضوء)

وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے زمانے میں عورتوں کی امامت کا رواج نہیں تھا۔

جس سے معلوم ہوا کہ خیرُ القرون کے دور میں باوجود عورت کی امامت کے درست ہونے کے،اس کا عام معمول اور رواج نہیں رہا۔ ل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ": لَا خَيْرَ فِيْ جَمَاعَةِ النِّسَاءِ، إِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ أَوْ فِيْ جِنَازَةِ قَتِيْلٍ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۳۷۶؛ المعجم الأوسط، رقم الحديث ۹۳۵۹)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کی جماعت میں کوئی خیر

ل والرَّابعُ :أنَّ الجماعةَ فی حقِّ الرِّجالِ سنةٌ مؤكدةٌ بل واجبةٌ على ما هو مختارُ محقِّقی علماءِ الملةِ، ودلَّتْ عليه الأخبارُ النَّبويّةِ، وهی فی حقِّهم من شعائرِ الملةِ، فلذلکَ شاعتْ شيوعاً تاماً، ولا كذلک جماعةُ النِّساءِ، فإنَّها ليست بسنةٍ مؤكدةٍ، ولا واجبةٍ، فإن دلَّ عدمُ شيوعِها دَلَّ على عدمِ استنانِها وعدَمِ وجوبِها، لا على عدَمِ استحبابِها وعدَمِ مشروعيتها.

والخامس :أنَّ النِّساءَ كانت مجازاتٌ فی زمانِ النَّبیِّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم وأصحابهِ لحضورِ جماعةِ الرِّجالِ واقتدائهنَّ بهم فی المساجدِ وحضورهنَّ معهم فی الجُمَعِ والأعياد، كما دلَّتْ عليه أحاديثُ نبويةٌ مُخَرَّجَةٌ فی كُتُبٍ حديثيةٍ، من ذلک:

حديثُ ابنُ عُمَرَ وأَبی هُرَيْرَة مرفوعاً) :(لا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ وحديثُ ابنُ عُمَرَ مرفوعاً لا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوتَهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ.

وحديثُ ابنُ عُمَرَ، قال النَّبیُّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم :اِئْذَنُوا لِلنِّسَاءِ بِالمَسَاجِدِ بِاللَّيْلِ)، فقال ابنٌ له أی لابنِ عُمَرَ :واللهِ لا نأذنُ لهنَّ فيتخذنهُ دغلاً، والله لا نأذنُ لهنَّ، فسبَّهُ ابنُ عُمَرَ وغَضِبَ عليه، وقال أقول :قال رَسُولُ اللهِ:اِئْذَنُوا لَهُنَّ، وتقول لا نأذنُ لهنَّ .

وحديثُ عَائِشَةَ قالت :لَوْ أَدْرَکَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ المَسَاجِدَ كَمَا مُنِعَهُ نِسَاءُ بَنِی إِسْرَائِيلَ إلى غيرِ ذلک.

أخرجَها أبو دَاوُدَ وغيرُهُ فلم يكنْ فی تلکِ الأزمنةِ المتبركةِ ضرورةٌ إلى جماعةِ النِّساءِ وحدَهُنَّ فی بيوتِهنَّ، فلذلک لم يحصلُ لها الشُّيوع كجماعةِ الرِّجال، ولولا ذلک لشاعتْ كشيوعِ جماعةِ الرِّجالِ، فلا يلزمُ من عدَمِ شيوعِها عدَمُ مشروعيتِها لا سيما فی أزمنةٍ مُنعتُ النِّساءُ عن حضورِ الجُمَعِ والجماعاتِ، وحرمتْ عن الشّركةِ مع الرِّجالِ فی محالِ البركاتِ والعباداتِ (تحفة النبلاء فی جماعة النساء للكنوی، ص۱۷، و۱۸، المرصد الثانی، مشمولة مجموعة رسائل اللكنوی، ج۵؛ مطبوعة ادارة القرآن كراتشی)

نہیں، مگر یہ کہ مسجد میں ہو، یا کسی شہید کے جنازے میں ہو (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی جماعت میں خیر نہیں ہے، اور خیر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے ان کی جماعت کو پسند نہیں کیا۔

مگر اس حدیث کی سند کو بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، نیز بعض روایات میں عورتوں کی جماعت کے بجائے عورتوں کے اجتماع کے الفاظ ہیں۔ [1]

---

[1] فی حاشیة مسند احمد:

إسناده ضعيف لضعف ابنِ لهَيعة -وهو عبد الله -وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين، غير الوليد بن أبي الوليد، فمن رجال مسلم، وجهَّله ابنُ الجوزی !وقد روى عنه جمع، ووثَّقه أبو زرعة، وسُئل عنه أبو داود، فقال فيه خيراً، وذكره ابنُ حبان فی "الثقات" وقال :ربما خالف على قلة روايته .وأخرجه ابن الجوزی فی العلل المتناهية ١٥٠٠ من طريق الإمام أحمد، بهذا الإسناد .وقال :ابن لهيعة ضعيف، والوليد مجهول! وأخرجه الطبرانی فی "الأوسط۹۳۵۵ من طريق أبی صالح الحرانی، عن ابن لهيعة، به .وقال: لم يرو هذا الحديث عن الوليد بن أبی الوليد إلا ابنُ لهيعة.

وأورده الهيثمی فی المجمع، وقال :رواه أحمد والطبرانی فی "الأوسط "وفيه ابن لهيعة، وفيه كلام.

ويعارضه ما أخرجه السلمی فی "تاريخ جرجان "ص۳۶۵من طريق محمد ابن جعفر، عن ليث بن أبی سُليم، عن عطاء ، عن عائشة قلت :يا رسول الله إنَّ النساءَ إذا مات الميت اجتمعنَ، فقال" :لا خير فی اجتماعهنَّ، إنهنَّ إذا اجتمعن، قُلن وقُلن ."قلنا :لكن ليث بن أبی سليم ضعيف كذلک .وسيرد برقم ٢٥٢١٣ .وله شاهد من رواية الوازع بن نافع، وقد اختلف عنه :فرواه مغيرة بن سقلاب كما عند الطبرانی فی "الكبير ۱۳۲۲۸ ، عن الوازع، عن سالم، عن ابن عمر مرفوعاً بلفظ" :لا خير فی جماعة النساء إلا عند ميت، فإنهن إذا اجتمعن قلن وقلن ."ولفظ "إلا "وقع فی المطبوع : "ولا"، وكذلک وقع عند الهيثمی فی "المجمع ، وقال فيه :رواه الطبرانی فی "الكبير ."وفيه الوازع بن نافع، وهو ضعيف.ورواه علی بن ثابت الجزری كما عند الطبرانی فی "الكبير و"الأوسط ، عن الوازع، عن أبی سلمة بن عبد الرحمن، عن خولة بنت اليمان، مرفوعاً بلفظ حديث ابن عمر السالف، ووقع لفظ" :إلا عند ميت "فی "مجمع الزوائد" "ولا عند ميت "مع أنه ترجم له بقوله :باب حضور النساء عند الميت، وقال :وفيه الوازع بن نافع، وهو متروک.وفی الباب كذلک عن عبادة بن الصامت عند الطبرانی فيما ذكر الهيثمی -بلفظ" :لا خير فی اجتماعهنَّ إلا عند ذكرٍ، أو جنازة "...وقد أورده الهيثمی فی "المجمع "وقال :رواه الطبرانی من طريق يحيى بن إسحاق، عن عبادة، ويحيى لم يدرک عبادة، وبقية رجاله رجال الصحيح.

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ عورتوں کی جماعت میں کوئی خیر نہیں ہے۔ [1]

مگر تحقیق کرنے سے اس حدیث کا غیر معمولی ضعیف ہونا معلوم ہوا۔ [2]

اور اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت کو تسلیم کرلیا جائے تو اس سے عورت کی عورتوں کے لئے ہر حال میں (خواہ ان کی امام درمیان میں کھڑی ہو) امامت کا مکروہ تحریمی ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ مکروہ تنزیہی بھی مراد ہوسکتا ہے کہ مکروہ تنزیہی کا ترک کرنا اولیٰ ہوتا ہے، جس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ اگر مکروہ تحریمی مراد ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، جو کہ اس روایت کی راوی ہیں، خود عورتوں کی امامت کرنا کیسے گوارا فرماتیں؟ واللہ تعالیٰ اعلم [3]

---

[1] عَنِ الْوَازِعِ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا خَيْرَ فِي جَمَاعَةِ النِّسَاءِ، وَلَا عِنْدَ مَيِّتٍ فَإِنَّهُنَّ إِذَا اجْتَمَعْنَ قُلْنَ، وَقُلْنَ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۳۲۲۸)

عَنِ الْوَازِعِ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ الْيَمَانِ، قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :لَا خَيْرَ فِي جَمَاعَةِ النِّسَاءِ إِلَّا عِنْدَ مَيِّتٍ فَإِنَّهُنَّ إِذَا اجْتَمَعْنَ قُلْنَ وَقُلْنَ(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۶۳۲، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۷۱۳۰)

[2] قال الهيثمی فی رواية ابن عمر:

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَفِيهِ الْوَازِعُ بْنُ نَافِعٍ، وَهُوَ ضَعِيفٌ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۱۰۷، بَابُ حُضُورِ النِّسَاءِ عِنْدَ الْمَيِّتِ)

وقال الهيثمی فی رواية خولة:

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَفِيهِ الْوَازِعُ بْنُ نَافِعٍ وَهُوَ مَتْرُوكٌ(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۳۹۴۰، بَابُ حُضُورِ النِّسَاءِ عِنْدَ الْمَيِّتِ)

[3] حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ، عَنْ زُهَيْرٍ ، عَنْ لَيْثٍ ، عَنْ عَطَاءٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ :لاَ خَيْرَ فِي فُضُولِ الْكَلاَمِ (مصنف ابن ابی شيبة، رقم الرواية ۳۵۸۵۵، كلام أبی هريرة رضی الله عنه)

لا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْواهُمْ وهو ما كان من جنس الفضول، والأمر الذی لا يعنی إِلَّا نجوى مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ وأرشد إلى فضيلة السخاء الناشء من العفة، أَوْ مَعْرُوفٍ قولی كتعلم علم، أو فعلی كإغاثة ملهوف أَوْ إِصْلاحٍ بَيْنَ النَّاسِ الذی هو من باب العدل (روح المعانی، ج۳،ص ۱۵۲، تحت سورة النساء)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی سند سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں پر اذان واقامت اور جمعہ کا غسل نہیں ہے، اور عورت عورت سے آگے نہیں بڑھے گی، بلکہ اُن کے درمیان میں کھڑی ہوگی۔ [1]

لیکن اس حدیث کی سند کو محدثین نے غیر معمولی ضعیف بلکہ بعض نے باطل قرار دیا ہے۔

چنانچہ ابنِ عدی نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد باطل قرار دیا ہے۔ [2]

اور علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث میں مذکور ایک راوی پر سخت جرح نقل فرمائی ہے۔ [3]

---

[1] ثنا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَبْدِ الْجَبَّارِ ثنا الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى ثنا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَسْمَاءَ، قَالَتْ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ أَذَانٌ وَلَا إِقَامَةٌ وَلَا جُمُعَةٌ وَلَا اغْتِسَالُ جُمُعَةٍ وَلَا تَقَدَّمُهُنَّ امْرَأَةٌ وَلَكِنْ تَقُومُ فِي وَسَطِهِنَّ "هَكَذَا رَوَاهُ الْحَكَمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَيْلِيُّ وَهُوَ ضَعِيفٌ وَرُوِّينَاهُ فِي الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَوْقُوفًا وَمَرْفُوعًا وَرَفْعُهُ ضَعِيفٌ وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ وَابْنِ الْمُسَيِّبِ وَابْنِ سِيرِينَ وَالنَّخَعِيِّ (السنن الكبرىٰ للبيهقي، رقم الحديث ۱۹۲۱، بَابُ لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ أَذَانٌ وَلَا إِقَامَةٌ؛ الكامل لابن عدى، تحت ترجمة الحكم بن عبد الله بن سعد بن عبد الله الأيلي يكنى أبا عبد الله، ج۲، ۲۰۳)

[2] قال الشيخ وبهذا الإسناد أيضا حدثناه هنبل غير ما ذكرت أكثر من خمسة عشر حديثا كلها مع ما ذكرتها موضوعة وما هو منها معروف بالمتن فهو باطل بهذا الإسناد وما أمليت للحكم عن القاسم بن محمد والزهرى وغيرهم كلها والمتن الروايات غير ما ذكرته هاهنا فكلها مما لا يتابعه الثقات عليه وضعفه بين على حديثه (الكامل لابن عدى، تحت ترجمة الحكم بن عبد الله بن سعد بن عبد الله الأيلي يكنى أبا عبد الله، ج۲، ۲۰۴)

[3] (حَدِيثٌ آخَرُ) : أَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ "فِي الْكَامِلِ . "وَأَبُو الشَّيْخِ الْأَصْبَهَانِيُّ فِي "كِتَابِ الْأَذَانِ "عَنْ الْحَكَمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدٍ الْأَيْلِيِّ عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :(لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ أَذَانٌ ، وَلَا إقَامَةٌ ، وَلَا جُمُعَةٌ ، وَلَا اغْتِسَالٌ ، وَلَا تَتَقَدَّمُهُنَّ امْرَأَةٌ ، وَلَكِنْ تَقُومُ وَسَطَهُنَّ) انْتَهَى .ثُمَّ أَسْنَدَ ابْنُ عَدِيٍّ عَنْ ابْنِ مَعِينٍ أَنَّهُ قَالَ :الْحَكَمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدٍ لَيْسَ بِثِقَةٍ ، وَلَا مَأْمُونٍ .وَعَنْ الْبُخَارِيِّ ، قَالَ :تَرَكُوهُ ، وَعَنْ النَّسَائِيّ ، قَالَ : مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ ، وَكَانَ ابْنُ الْمُبَارَكِ يُوهِنُهُ .انْتَهَى .وَهَذَا الْحَدِيثُ أَنْكَرَهُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي " التَّحْقِيقِ "فَقَالَ :وَحَكَى أَصْحَابُنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :(لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ أَذَانٌ ، وَلَا إقَامَةٌ) ، وَهَذَا لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا ، إنَّمَا هُوَ شَيْءٌ يُرْوَى عَنْ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ .وَإِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ ، وَرَدَّهُ الشَّيْخُ فِي "الْإِمَامِ "وَاَللَّهُ أَعْلَمُ (نصب الراية فى تخريج أحاديث الهداية، ج۲، ص۴۹۴، كتاب الصلاة، باب الامامة)

اسی طرح علامہ محمد بن طاہر مقدسی، ابنِ ملقن اور علامہ عینی رحمہم اللہ نے بھی اس حدیث کی سند کے شدید ضعیف ہونے پر کلام کیا ہے۔ [1]

اوراگراس حدیث کوتسلیم بھی کیا جائے، تب بھی اس میں عورتوں کی امامت کی نفی نہیں کی گئی، بلکہ عورت کوآگے کھڑے ہوکرامامت سے منع کیا گیا ہے، اورعورتوں کی امامت کواسی صورت میں جائزقراردیا جارہا ہے، جبکہ عورت آگے بڑھ کرکھڑی نہ ہو، بلکہ درمیان میں کھڑی ہو۔

خلاصہ

مذکورہ احادیث وآثار کی روشنی میں ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ عام حالات میں عورتوں کو اپنی جماعت نہیں کرنی چاہئے، اورانہیں تنہااپنی اپنی نماز پڑھنی چاہئے، خیرُ القرون کے دور

---

[1] حدیث :ليس على النساء أذان ، ولا إقامة ، ولا جمعة ، ولا اغتسال جمعة ، ولا تقدمهن امرأة، ولكن تقوم فى وسطهن .رواه الحكم بن عبد الله الأيلى :عن القاسم ، عن أسماء رضى الله عنها قالت :قال رسول الله (. والحكم هذا قد أجمعوا على تركه (ذخيرة الحفاظ، لمحمد بن طاهر المقدسى، تحت رقم الحديث ۴۶۷۰)

قلت :قد جاء مرفوعا من حديث الحكم بن عبد الله الأيلى (و) رواه ابن عدى والبيهقى من حديثه عن القاسم، عن أسماء قالت :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-(ليس على النساء أذان ولا إقامة ولا جمعة ولا اغتسال، ولا (تتقدمهن) امرأة، ولكن تقوم فى وسطهن) (و) لكنه حديث ضعيف بسبب الحكم هذا؛ فإنه متروك متهم (نسبه) إلى الكذب السعدى وأبو حاتم الرازى، وقال ابن معين :ليس (بثقة) ولا مأمون .وقال مرة :ليس بشىء ، لا يكتب حديثه .وقال أحمد : أحاديثه كلها موضوعة .وقال البخارى :متروك الحديث .وقال ابن حبان :يروى الموضوعات عن الأثبات (البدرالمنير لابن الملقن، ج۳، ص ۴۲۱، كتاب الصلاة، باب الاذان، الحديث الرابع بعد الثلاثين)

الخامسة :جواز ثمامة النساء للنساء ، وتقوم وسطهنّ، لما روى ابن عدى فى "الكامل "وأبو الشيخ الأصبهانى فى كتاب "الأذان "عن الحكم بن عبد الله بن سعد الأيلى، عن القاسم بن محمد، عن أسماء بنت أبى بكر أن النبى -عليه السلام -قال " :ليس على النساء أذان ولا إقامة، ولا جمعة، ولا اغتسال، ولا تقدمهن امرأة، ولكن تقوم وسطهنّ "

قلت :هذا الحديث أنكره ابن الجوزى فى "التحقيق "فقال :لا نعرفه مرفوعا ، إنما هو شىء يروى عن الحسن البصرى وإبراهيم النخعى، وردّه الشيخ فى "الإمام "وحديث آخر موقوف :رواه عبد الرزاق فى مصنفه :أخبرنا إبراهيم بن محمد، عن داود بن الحصن، عن عكرمة، عن ابن عباس قال: تؤم المرأة النساء َتقوم فى وسطهنّ (شرح سنن أبى داود، للعينى، بَابُ :إمامة النِّساء)

سے لے کر آج تک اکثر تعامل اسی کے مطابق ہے، لیکن اگر کوئی عاقل، بالغ عورت دوسری عورتوں کی امامت کرے، اور عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہوتو جائز ہے، مگر خلافِ اولیٰ ہے، اوراگر کسی ضرورت سے ایسا کرے تو پھر بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ ۱

یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ مکروہ تنزیہی ہونے کی صورت میں عورت کا امامت نہ کرنا بہتر ہوگا،

---

۱ یہی وجہ ہے کہ بعض دیگر حضرات نے بھی حافظ عورت کو قرآن مجید حفظ یاد رکھنے کی غرض سے مخصوص شرائط کے ساتھ امامت کی اجازت دی ہے۔

چنانچہ مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب زید مجدہٗ لکھتے ہیں کہ:

البتہ جو عورت قرآن کریم کی حافظہ ہواور تراویح میں سنائے بغیر حفظ رکھنا مشکل ہو اور بھولنے کا قوی اندیشہ ہوتو ایسی صورت میں عورتوں کی جماعت تراویح میں حافظہ عورت کو قرآن کریم سُنانے کی کوئی تصریح تو نہیں ملی، لیکن حضرت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بلا تداعی (بغیر اعلان کے) صرف گھر کی خواتین کو حافظہ عورت کے قرآن کریم کی یادداشت محفوظ رکھنے کی غرض سے اس شرط کے ساتھ اجازت دیا کرتے تھے کہ حافظہ عورت کی آواز گھر سے باہر نہ جائے، اور تداعی سے پرہیز کیا جائے، تداعی سے پرہیز کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر دو باتیں پائی جائیں، ایک یہ کہ اس کے لئے باقاعدہ اہتمام کر کے خواتین کو نہ بلایا جائے، دوسری یہ کہ اگرچہ اہتمام سے خواتین کو نہیں بلایا، لیکن اقتداء کرنے والی خواتین کی تعداد امام خاتون کے علاوہ دو یا تین سے زیادہ نہ ہو۔

حضرت مفتی اعظم کی اس اجازت کی تائید ذیل کی تصریحات سے ہوتی ہے، بلکہ آخری تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظہ خاتون کی اگر صرف ایک ہی خاتون مقتدی ہو، اور دونوں برابر کھڑی ہوں، تو اس میں کچھ کراہت نہیں۔

بہر حال جہاں تک ہوسکے حافظہ خواتین کو بھی تراویح کی جماعت سے پرہیز کرنا چاہئے، البتہ بوقتِ ضرورت شرائطِ مذکورہ کے ساتھ مذکورہ گنجائش پر عمل کرسکتی ہیں۔

وفی خلاصة الفتاویٰ، امامة المرأة للنساء جائزة الا ان صلاتهن فرادی افضل (صفحه ۱۴۷ جلد ۱)

قوله: ویکره تحریما جماعة النساء، لان الامام ان تقدمت لزم زیادة الکشف وان وقفت وسط الصف لزم ترک المقام مقامه وکل منهما مکروه کما فی العنایة وهذا یقتضی عدم الکراهة لو اقتدت واحدة محاذیة لفقد الامرین، اه (طحطاوی علی الدر صفحه ۲۴۵، جلد ۱)

(فقہی رسائل جلد ۱ صفحہ ۲۸۵، و ۲۸۶، تراویح کے اہم مسائل از مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب،

مطبوعہ: میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، اشاعتِ اول: جنوری 1998ء)

اور امامت کرانے میں ثواب تنہا پڑھنے کے مقابلہ میں کم حاصل ہوگا۔

اور جائز ہونے کی صورت میں نہ ثواب میں اضافہ ہوگا اور نہ کمی، لہٰذا امامت کرانے کی جدوجہد کرنا بے فائدہ ہوگا، اِلَّا یہ کہ کوئی ضرورت ومصلحت وابستہ ہو، مثلاً تراویح میں قرآن مجید سننا سُنانا، یا قرآن مجید کو یاد رکھنا وغیرہ، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اگر کوئی عورت دوسری عورتوں کی فرض یا تراویح کی نماز میں امامت کرے، اور ان کے درمیان میں کھڑی ہو، اور دوسری خرابیوں سے بھی اجتناب کیا جائے، تو پھر اس طرزِ عمل پر نکیر وملامت کرنا درست نہ ہوگا۔

خواتین کی امامت وجماعت کی اباحت وکراہت کی علمی بحث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت فرمانے کے واقعہ کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے، جس کا حکم بعد میں منسوخ ہوگیا تھا۔

مگر اس واقعہ کو ابتدائے اسلام پر محمول کرنا درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح مدینہ منورہ میں ہوا، اور اس سے قبل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نابالغہ تھیں، لہٰذا یقیناً یہ واقعہ بعد کے زمانے کا ہے۔ [1]

علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت کے بعض واقعات آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] وقال أبو بكر :ثنا سفيان بن عيينة، عن عمار الدهنى، عن امرأة من قومه اسمها :حُجيرة قالت: أمتنا أم سلمة قائمة وَسْط النساء .

حدَثنا وكيع، عن ابن أبى ليلى، عن عطاء ، عن عائشة أنها كانت تؤم النساء تقوم معهن فى صفّهن.

وقال صاحب "الهداية :"وإن فعلن قامت الإمام وسطهن ، لأن عائشة -رضى الله عنها -فعلت كذلک، وحمل فعلها الجماعة على ابتداء الإسلام.

قلت :وكذا ذكر فى "المبسوط "و "المُحيط "، ولكن فيه بُعُد؟ لأنه -عليه السلام -أقام بمكة بعد النبوة ثلاث عشرة سنة -كما رواه البخارى ومسلم -ثم تزوج عائشة بالمدينة، وبنى بها وهى بنت تسع، وبقيت عنده -عليه السلام -تسع سنين، وما تصلى إماما إلا بعد بلوغها، فكيف يَسْتقيم حمله على ابتداء الإسلام؟ / لكن يمكن أن يقال :إنه منسوخ، وفعلت ذلک حين كانت النساء تحضرن الجماعات ثم نُسخت جماعتهن،والله أعلم(شرح سنن أبى داود، للعينى، بَابُ :إمامة النِّساء)

کے وصال کے بعد کے ہیں، اسی طرح حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھی، جن کو مزید تقویت بعض صحابۂ کرام وتابعینِ عظام کے اقوال سے بھی ملتی ہے۔

اور منسوخ ہونے کی کوئی مستند دلیل نہیں پائی جاتی، اس لئے عورت کی امامت کے جائز ہونے کو تو منسوخ قرار دینا مشکل ہے، البتہ کئی صحیح احادیث میں عورتوں کو گھر میں رہ کر بلکہ گھر کے اندر کی کوٹھڑی میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا گیا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب عورت اپنے گھر میں رہ کر نماز پڑھے گی، بالخصوص جبکہ وہ اندر کی کوٹھڑی میں نماز پڑھے گی، تو اس جگہ جماعت وامامت کا تصور مشکل ہوگا۔ [1]

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ افضل یہی ہے کہ عورت اپنے گھر میں رہ کر تنہا بغیر جماعت کے نماز پڑھے۔ [2]

---

[1] وَقَالَ إِسْحَاقُ :قُلْتُ لِأَحْمَدَ :الْمَرْأَةُ تَؤُمُّ النِّسَاءَ؟ ,قَالَ :نَعَمْ تَقُومُ وَسَطَهُنَّ قَالَ إِسْحَاقُ رَحِمَهُ اللَّهُ " :فَأَمَّا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقَهُ فَرَأَوْا أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا أَمَّتِ النِّسَاءَ وَقَامَتْ وَسْطَهُنَّ إِنَّ صَلَاتَهُنَّ جَائِزَةٌ وَقَالَ :هَذَا عَلَى مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أُمِّ وَرَقَةَ الْأَنْصَارِيَّةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا حِينَ أَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا ,وَأَخَذَ بِذَلِكَ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وَأُمُّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ,قَالَ :وَهَذَا الَّذِي نَعْتَمِدُ عَلَيْهِ .قَالَ إِسْحَاقُ رَحِمَهُ اللَّهُ " :فَأَمَّا مَنْ قَالَ :صَلَاتُهُنَّ فَاسِدَةٌ إِذَا أَمَّتْهُنَّ امْرَأَةٌ فَهُوَ خَطَأٌ؛ لِأَنَّ أَدْنَى مَعَانِي أَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُمِّ وَرَقَةَ أَنْ تَكُونَ ذَلِكَ رُخْصَةً لَهُنَّ (مختصر قيام الليل وقيام رمضان وكتاب الوتر للمَرْوَزِي، ج ۱، ص۲۲۸، و ۲۲۹، بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ تَؤُمَّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ)

[2] لكن يمكن أن يقال إنه منسوخ، فعلته حين كان النساء يحضرن الجماعة انتهى .وفي نقل التزوج بها بعض خلل :يعني يحمل قوله ابتداء الإسلام على أنه منسوخ، لكن ما في المستدرك أنها كانت تؤذن وتقيم وتؤم النساء فتقوم وسطهن، وما في كتاب الآثار لمحمد :أخبرنا أبو حنيفة عن حماد بن أبي سليمان عن إبراهيم النخعي أن عائشة -رضي الله عنها -كانت تؤم النساء في شهر رمضان فتقوم وسطهن، ومعلوم أن جماعة التراويح إنما استقرت بعد وفاة النبي -صلى الله عليه وسلم -، وما في أبي داود عن أم ورقة بنت عبد الله بن الحارث بن عمير الأنصارية أن النبي -صلى الله عليه وسلم -لما غزا بدرا قالت له :يا رسول الله ائذن لي في الغزاة معك أمرض مرضاكم، ثم لعل الله يرزقني شهادة قال :قري في بيتك فإن الله يرزقك الشهادة، قال :فكانت تسمى الشهيدة، وكانت قد قرأت القرآن فاستأذنت النبي -صلى الله عليه وسلم -أن تتخذ في دارها مؤذنا يؤذن لها، قال :وكانت دبرت غلاما لها وجارية فقاما إليها بالليل فغماها بقطيفة لها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر عورتوں کے گھروں میں نماز پڑھنے کی فضیلت والی احادیث کی بنیاد پر عورت کی امامت کا مکروہ تحریمی ہونا ثابت نہیں ہوتا، جیسا کہ بعض حضرات نے سمجھا۔

چنانچہ علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَمَعْلُوْمٌ أَنَّ الْمَخْدَعَ لَا يَسَعُ الْجَمَاعَةَ، وَكَذَا قَعْرُ بَيْتِهَا وَأَشَدُّهُ ظُلْمَةً. وَلَا يَخْفٰى مَا فِيْهِ، وَبِتَقْدِيْرِ التَّسْلِيْمِ فَإِنَّمَا يُفِيْدُ نَسْخَ السُّنِّيَّةِ، وَهُوَ لَا يَسْتَلْزِمُ ثُبُوْتَ كَرَاهَةِ التَّحْرِيْمِ فِى الْفِعْلِ بَلِ التَّنْزِيْهِ وَمَرْجِعُهَا إِلَى خِلَافِ الْأَوْلٰى، وَلَا عَلَيْنَا أَنْ نَذْهَبَ إِلٰى ذٰلِكَ فَإِنَّ الْمَقْصُوْدَ اتِّبَاعُ الْحَقِّ حَيْثُ كَانَ (فتح القدير لابن الهمام، ج ۱، ص ۳۵۴، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ حتى ماتت وذهبا، فأصبح عمر فقام فى الناس فقال :من عنده من هذين علـم أو من رآهما فليجىء بهما، فأمر بهما فصلبا فكانا أول مصلوبين بالمدينة . ثم أخرجه عن الوليد بـن جميع عن عبد الرحمن بن خلاد عنها .وفيه :وكان -صلى الله عليه وسلم -يزورها وجعل لها مؤذنا وأمرها أن تؤم أهل دارها .قال عبد الرحمن :فأنا رأيت مؤذنها شيخا كبيرا، كلها ينفى ثبوت النسخ .وفى الحديث الأخير الوليد بن جميع وعبد الرحمن بن خالد الأنصارى، قال فيهما ابن القطان :لا يعرف حالهما انتهى .وقد ذكرهما ابن حبان فى الثقات، وقد يجاب بجواز كونه إخبارا عن مواظبة كانت قبل النسخ .وقوله كانت تؤم فى شهر رمضان لا يستلزم التراويح .وقوله جعل له مؤذنا وأمرها أن تؤم لا يستلزم استمرار إمامتها إلى وفاته -صلى الله عليه وسلم .-وما رواه عبد الرزاق عن إبراهيم بن محمد عن داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس -رضى الله عنهما - قال :تؤم المرأة النساء تقوم وسطهن :لا يقتضى علم ابن عباس ببقاء شرعيتها لجواز كون المراد إفادة مقامها بتقدير ارتكابها ذلك أو خفى على ابن عباس الناسخ، ولكن يبقى الكلام بعد هذا فى تعيين الناسخ، إذ لا بد فى ادعاء النسخ منه، ولم يتحقق فى النسخ إلا ما ذكر بعضهم من إمكان كونه ما فى أبى داود وصحيح ابن خزيمة صلاة المرأة فى بيتها أفضل من صلاتها فى حجرتها، وصلاتها فى مخدعها أفضل من صلاتها فى بيتها يعنى الخزانة التى تكون فى البيت .وروى ابن خزيمة عنه - صلى الله عليه وسلم -إن أحب صلاة المرأة إلى الله فى أشد مكان فى بيتها ظلمة وفى حديث له ولابن حبان هو أقرب ما تكون من وجه ربها وهى فى قعر بيتها ومعلوم أن المخدع لا يسع الجماعة، وكذا قعر بيتها وأشده ظلمة .ولا يخفى ما فيه، وبتقدير التسليم فإنما يفيد نسخ السنية، وهو لا يستلزم ثبوت كراهة التحريم فى الفعل بل التنزيه ومرجعها إلى خلاف الأولى، ولا علينا أن نذهب إلى ذلك فإن المقصود اتباع الحق حيث كان (فتح القدير لابن الهمام، ج ۱، ص ۳۵۳، و ۳۵۴، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

ترجمہ: اور یہ بات معلوم ہے کہ کوٹھڑی میں جماعت ہونا مشکل ہے، اور اسی طریقہ سے گھر کے کونے میں اور گھر کے سب سے زیادہ اندھیرے والے حصہ میں، لیکن اس استدلال میں جو کمزوری ہے، وہ مخفی نہیں ہے، اور اگر اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے، تو اس سے عورت کی امامت کے مسنون ہونے کا منسوخ ہونا معلوم ہوتا ہے، جس سے عورتوں کے اس فعل کے مکروہ تحریمی ہونے کا ثبوت لازم نہیں آتا، بلکہ مکروہ تنزیہی ہونا لازم آتا ہے، جس کا نتیجہ خلافِ اولیٰ ہونا ہے، اور ہم پر یہ بات لازم نہیں ہے کہ ہم اس کی طرف جائیں (کہ عورت کی امامت مکروہ تحریمی ہے) کیونکہ مقصود حق کی اتباع کرنا ہے، جہاں بھی (حق) ہو (فتح القدیر)

اور علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ کے کلام کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

أَقُوْلُ: أَشَارَ بِآخِرِ كَلامِهِ إِلٰى أَنَّ كَرَاهَةَ التَّحْرِيْمِ لَيْسَ بِحَقٍّ، وَاتِّبَاعُ الْحَقِّ حَيْثُ مَا كَانَ أَحَقُّ، كَيْفَ لَا؟ وَقَدْ دَلَّتْ آثَارٌ وَأَخْبَارٌ عَلَى الْمَشْرُوْعِيَّةِ وَلَمْ يَتَعَيَّنْ نَاسِخٌ لَهَا وَلَا يَصِحُّ حَمْلُهَا عَلٰى اِبْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ.

وَالْعِلَلُ الَّتِيْ ذَكَرُوْهَا لِلْكِرَاهَةِ كُلُّهَا مَعْلُوْلَةٌ، فَغَايَةُ مَا فِي الْبَابِ أَنْ تَكُوْنَ جَمَاعَتُهُنَّ خِلَافَ الْأَوْلٰى نَظْراً إِلٰى ظَاهِرِ مَا يُفِيْدُهُ حَدِيْثُ أَبِيْ دَاوُدَ وَابْنِ خُزَيْمَةَ وَغَيْرِهِمْ، وَهُوَ أَمْرٌ آخَرُ.

فَإِنْ قُلْتَ: لَا دَلَالَةَ لِلْأَخْبَارِ الْمَذْكُوْرَةِ عَلَى الْإِسْتِحْبَابِ لِجَوَازِ أَنْ تَكُوْنَ تَعْلِيْماً لِلْجَوَازِ كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ صَاحِبُ الدِّرَايَةِ.

قُلْتُ: فَهٰذَا الْقَدْرُ يَنْفِي الْكَرَاهَةَ التَّحْرِيْمِيَّةَ، كَيْفَ وَلَوْ كَانَ كَذٰلِكَ لَمَا أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّ وَرَقَةَ بِمَا أَمَرَهَا،

ولَمَا ارُتَكَبَتُ عَائِشَةُ وَأُمُّ سَلَمَةَ فِعُلَهَا.

وَالظَّاهِرُ أَنَّ مُحَمَّدَ بُنَ الُحَسَنِ أَشَارَ فِيُ كِتَابِ الُآثَارِ إِلٰى هٰذَا، حَيُثُ قَالَ: لاَ يُعُجِبُنَا، عَلٰى مَا مَرَّ نَقُلُهُ فِي الُمَرُصَدِ الُأَوَّلِ.

وَالَّذِيُ يَظُهَرُ أَنَّ الُحُكُمَ بِالُكَرَاهَةِ لاَ سِيَّمَا بِالتَّحُرِيُمِيَّةِ مِنُ تَخُرِيُجَاتِ الُمَشَايِخِ عَلٰى حَسُبِ أَفُهَامِهِمُ وَمَزُعُوُمَاتِهِمُ لاَ مِنُ كَلامِ أَئِمَّتِهِمُ (تحفة النبلاء فی جماعة النساء للكنوی، ص۲۳، مشمولة مجموعة رسائل اللكنوی، ج۵؛ مطبوعة ادارة القرآن كراتشی)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ علامہ ابنِ ہمام نے اپنے آخری کلام سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ (عورت کی امامت کو) مکروہ تحریمی قرار دینا حق نہیں، اورحق کی اتباع کرنا زیادہ حق دار ہے، اور یہ کیونکر نہ ہو، حالانکہ آثاراوراحادیث عورت کی امامت کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہیں، اور اُن کے لئے کوئی ناسخ متعین نہیں، اوران کوابتدائے اسلام پرمحمول کرنا صحیح نہیں ہے، اور جوکراہت کی علتیں ذکر کی ہیں، وہ تمام کمزور ہیں۔

زیادہ سے زیادہ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عورتوں کی جماعت خلافِ اولیٰ ہے، اُس چیز کے ظاہر پر نظر کرتے ہوئے جو ابوداؤد اور ابنِ خزیمہ وغیرہ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، اوروہ (یعنی خلافِ اولیٰ ہونا) ایک الگ چیز ہے۔

اگرآپ کہیں کہ مذکورہ احادیث وآثار سے عورتوں کی جماعت کے مستحب ہونے پردلالت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ وہ تعلیمِ جواز کے لئے ہوں جیسا کہ اس کی طرف صاحبِ درایہ نے اشارہ کیا ہے، میں (اس کے جواب میں) کہتا ہوں کہ اتنی بات سے بھی مکروہ تحریمی ہونے کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ اگرمکروہ تحریمی ہوتا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُمِ ورقہ کو وہ حکم نہ دیتے، جوآپ نے حکم دیا، اور

حضرت عائشہ اور اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہما اس فعل کا ارتکاب نہ کرتیں۔

اور ظاہر یہ ہے کہ امام محمد بن حسن نے بھی کتابُ الآ ثار میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں عورتوں کی جماعت پسند نہیں، جیسا کہ اُن کی عبارت پہلے مرصد میں گزر چکی ہے۔

اور ظاہر یہ ہے کہ کراہت کا حکم خاص طور سے کراہتِ تحریمی کا حکم مشائخ کی تخریجات میں سے ہے، اُن کی اپنی فہم اور گمان کے مطابق، نہ کہ اُن کے ائمہ (امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ) کے کلام میں سے (تحفۃ النبلاء)

اور اعلاءُ السنن میں ہے کہ:

وَمَا رُوِیَ عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ غَايَتُهَا الْإِبَاحَةُ لَا نَيْلُ الْفَضِيْلَةِ، وَلَمَّا كَانَ فِيْهِ شُبْهَةُ الْكَرَاهَةِ كَانَ الْإِحْتِيَاطُ فِي التَّرْكِ، لِأَنَّ الشَّيْءَ إِذَا تَرَدَّدَ بَيْنَ الْمَنْدُوْبِ وَالْمَكْرُوْهِ كَانَ تَرْكُ الْمَنْدُوْبِ أَوْلٰى (اعلاء السنن ج ۴ ص ۲۴۴، باب کراهة جماعة النساء)

ترجمہ: اور اُمِ ورقہ سے جو مروی ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ جائز ہونا معلوم ہوتا ہے، نہ کہ فضیلت کا حاصل ہونا، لیکن جبکہ اس میں کراہت کا شبہ تھا، تو احتیاط اس کے ترک میں ہے، کیونکہ جب کوئی چیز مستحب اور مکروہ کے درمیان دائر ہو، تو مستحب کا ترک کرنا اولیٰ ہوتا ہے (اعلاء السنن)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی جماعت پر مکروہ تحریمی کا حکم لگانا مشکل ہے، البتہ احتیاطاً نہ کرنا اولیٰ ہے۔

اور جب حضرت عائشہ اور اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہما وغیرہ کے عورتوں کی امامت کے جائز ہونے کے منسوخ ہونے کی کوئی مستند دلیل نہیں، تو عورت کے درمیان میں کھڑے ہو کر امامت کرانے پر مکروہ تحریمی کا حکم لگانا، اس لئے بھی محلِ کلام ہے کہ صحابیات اور بالخصوص ازواجِ

مطہرات کی طرف حرام فعل کے ارتکاب کی نسبت درست نہیں ہے۔ ۱؎

۱؎ قول المصنف في كراهته جماعة النساء :م :(لأنها لا تخلو عن ارتكاب المحرم وهو قيام الإمام وسط الصف) ش :فكيف يكون قيام الإمام وسطهن محرما، وقد فعلته عائشة وأم سلمة، وروى عن ابن عباس -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -على ما ذكرناه الآن، وأيضا فلقائل أن يقول :ارتكاب المحرم فيه في حق الرجال دون النساء ، إذ لو كان مطلقا لما كان يجوز الصلاة.

الرابع :قوله :م :(فيكره) ش :يعني إذا كان الأمر كذلك يكره فعلهن الجماعة وكيف يكره، وقد ذكر في "المحلى :"صلت عائشة بهن المغرب جهرت بالقراءة، وصلت أم سلمة العصر .... السابع :قوله :م :(لأن عائشة -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا -فعلت كذلك) ش :أي صلت بجماعة النساء ، وقامت وسطهن وقد ذكرناه عن قريب، وروى محمد بن الحسن في كتاب " الآثار "أخبرنا أبو حنيفة عن حماد بن أبي سليمان، عن إبراهيم النخعي، عن عائشة -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ -أنها كانت تؤم النساء في شهر رمضان فتقوم وسطا، وقد ذكرنا عن أم سلمة أيضا، وفيه أيضا رد على الأترازي حيث قال :إنها بدعة، وعلى المصنف أيضا في أنها ارتكاب المحرم.

الثامن :قوله :م :(وحمل فعلها الجماعة على ابتداء الإسلام) ش :قال الأترازي :أي حمل فعل عائشة الجماعة على ابتداء الإسلام يعني كان ذلك ثم نسخ حين أمرن بالوقار والقرار في البيوت، وهذا جواب سؤال مقدر بأن يقال :لما فعلت عائشة الجماعة دل على أنها مستحبة فلا يكره . فأجاب عنه وقال :وحمل ذلك على ابتداء الإسلام.

قلت :هذا كلام من لم يطلع في كتب القوم، وأمضى فيه لأنه -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -أقام بمكة بعد النبوة ثلاث عشرة سنة كما رواه البخاري ومسلم ثم تزوج عائشة بالمدينة وبنى بها وهي بنت تسع وبقيت عند النبي -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -تسع سنين، وما صلت إماما إلا بعد بلوغها، فكيف يستقيم حمله على ابتداء الإسلام، وتصدى الأكمل للجواب عن هذا وقال :يجوز أن يكون المراد بابتداء الإسلام ما قبل بيان الانتساخ، فإنه ابتدأ بالنسبة إليه.

قلت :هذا أبعد من الأول؛ لأن هذا لم يكن في ابتداء الإسلام على ما دلت عليه الأخبار المذكورة، فإذا كان كذلك كيف يحمل هذا على ما قبل الانتساخ.

التاسع :قوله :م :(ولأن في التقدم زيادة الكشف) ش :هذا الدليل توكيد يمنع المتقدم بالنسبة؛ لأنه بين بالنسبة في الأصل لا بالتعليل، واعترض عليه بأن المرأة إذا كانت لابسة من فوقها إلى قدمها، ولم يكن بينهن أحد من الرجال، فإن التقدم يكره مع أنه لا كشف فيها، فلو كانت الكراهية لزيادة الكشف ينبغي أن يجوز هناك لانعدام العلة.

فأجاب عنه الأكمل أخذا من كلام السغناقي بما ملخصه :أن ذلك نادر لا حكم له على أن ترك التقديم بالسنة والتعليل لا يضاهيها .قلت :لا نسلم أنه نادر؛ لأن المرأة شأنها التستر في كل الأحوال ولا سيما في الصلاة خصوصا إذا أمت، فإنها تحترز عن انكشاف شيء من أعضائها غاية الاحتراز، فحينئذ لا يوجد كشف أصلا فضلا عن زيادته وقوله :على أن يترك التقدم ..إلى آخره، فيه نظر لأنه لم يبين النسبة التي دلت على ترك التقدم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عورت کی عورتوں کے لئے امامت کو بدعت قرار دینا بھی درست نہیں، کیونکہ جو فعل صحابیات بطورِ خاص ازواجِ مطہرات اور خیر القرون کے دور میں بلانکیر کیا گیا ہو، اس کو بدعت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الأكمل :وهنا بحث من أوجه، وذكر منها :أن المذهب عندنا أن انتفاء صفة الوجوب تستلزم انتفاء صفة الجواز، ثم أجاب عنه بما حاصله أن الجواز ليس بمنسوخ بالإجماع، وإنما المنسوخ هو كون جماعتهن سنة وفيه نظر؛ لأن من ادعى النسخ فعليه البيان.

وقال صاحب "الدراية :"ولأن جماعتهن لو كانت مشروعة لزم تركها ولشاعت كما شاعت جماعة الرجال على أنها من الشعائر فيختص بالأذان والخطب والجمع والأعياد؛ ولأن جماعتهن لا تخلو عن ارتكاب محرم؛ لأن في التقدم زيادة كشف، وفي الوسط تركه القيام وكل ذلك حرام.

أما زيادة الكشف؛ فلقوله تعالى :(وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ) (النور :الآية ٣١) ، وأما ترك القيام فلأنه خلاف السنة؛ لأنه لم يعمل به النبي -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -ولا واحد من الصحابة.

وأما حديث أم ورقة ورايطة كان في ابتداء الإسلام أو تعلما للجواز مع أن في حديث أم ورقة مقالا عند أهل الحديث.

قلت :هذا كله مخدوش، أما قوله :لو كانت جماعتهن مشروعة كره تركها، فغير سديد؛ لأنه لا يلزم من كون الشيء مشروعا أن يكره تركه؛ لأن هذا ليس بكلي، فإن المشروع إذا كان فرضا يكون تركه حراما، وإن سنة يكون تركه مكروها، وإن كان ندبا يجوز تركه ولا يكره.

وأما قوله :فتختص بالأذان ..إلخ .فيرده ما رواه الحاكم في "المستدرك "عن عبد الله بن إدريس عن عطاء عن عائشة -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا -أنها كانت تؤذن وتقيم وتؤم النساء فتقوم وسطهن.

وأما قوله :وكل ذلك حرام، غير مسلم؛ لأن الحرمة غير مقتصرة على زيادة الكشف.

وأما قوله :فلأنه خلاف السنة، مردود؛ لأن النبي -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -أمر أم ورقة أن تؤم أهل دارها كما ذكرنا من رواية أبي داود، وفي الحديث وجعل لها مؤذنا يؤذن لها، وقال عبد الرحمن بن خلاد :فأنا رأيت مؤذنها شيخا كبيرا .وقوله :ولا واحد من الصحابة مردود، فإنا ذكرنا عن عائشة وأم سلمة بأنهما فعلتا ذلك (البناية شرح الهداية، ج٢، ص ٣٣٩، باب في الامامة)

۱؎ وَالطَّرِيقُ الثَّانِي: ما ذَكَرَهُ الإِتْقَانِيّ في غاية البيان بقوله عند الشَّافِعِيّ :يستحبُّ جماعةُ النّساءِ.

لنا أنَّها لو كانتْ مستحبَّةً لَبَيَّنَها النَّبيّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم فتكونُ جماعتهنَّ بِدْعَةً فَتُكْرَهُ انتهى.

وردَّهُ العَيْنِيُّ في البِنَاية بقوله :قلتُ :قولُ الشَّافِعِيّ هو قولُ الأَوْزَاعِيّ والثّوريّ وأحمد وحَكاهُ ابن المُنْذِرِ عن عَائِشَةَ وأُمِّ سَلَمَة، فإذا كان كذلك فكيف يكون بِدْعَةً، والبِدْعَةُ اسمٌ لإحداثِ أمر لم يكنْ في زمنِ رسولِ الله صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم.وقد روى أَبو دَاوُدَ في سننه في(باب إمامة النِّساء من حديثِ أُمِّ وَرَقَةَ وفيه:وَأَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَ أَهْلَ دَارِهَا انتهى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض حضرات نے عورت کی امامت کو اس لئے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے کہ اگر ان کی امام عورت آگے بڑھ کر کھڑی ہوگی، تو یہ خرابی لازم آتی ہے کہ عورت کا آگے بڑھ کر کھڑے ہونا منع ہے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثُمَّ ذَكَرَ العَيْنِيُّ حديثَ إمامةِ أمّ سَلَمَةَ وعَائِشَةَ وقول ابن عَبَّاسٍ على ما مرَّ ذكرها.

أقولُ :هذا الكلامُ منه إشارةٌ إلى الإيرادِ على كلامِ الإتْقَانيّ بوجوهٍ، ومع هذه الوجوهِ وجوهٌ:

فالأَوَّلُ :وهو مـمَّا أشارَ إليه العَيْنِيّ أنَّ الملازمةَ التي ذَكَرَها الإتْقَانيّ بقوله :لو كانتْ مستحبَّةً لَبَيَّنَها النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم، اللازمُ فيها مُلتزَمٌ بشهادةِ حديثِ أبي دَاوُدَ.

والثَّاني :وهو مـمَّا أشارَ إليه أيضاً أنَّ قولَهُ فيكونُ بدعةً مردودٌ بشهادةِ حديثِ أَبِي دَاوُدَ، فإنَّ البدعةَ أمرٌ لم يوجدْ في زمانِ النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم، وهذا قد وُجِدَ في زمانِهِ بل ثَبَتَ الأَمْرُ بِهِ.

والثَّالثُ :وهو مـمَّا أشارَ إليه أيضاً أنَّ أمَّ سَلَمَةَ وعَائِشَةَ أُمهاتِ المؤمنينَ قد ارتكبا إمامةَ النِّساءِ، وذَكَرَ ابنُ عبَّاسٍ حُكْمَهَا وَكَيْفِيَتَهَا فكيف يكون بدعةً؟

فإنَّ ما فَعَلَهُ الصَّحابةُ أو أمروا به ليس ببدعةٍ.

والرَّابعُ :أَنَّهُ ماذا أرادَ من تالي الملازمةِ التي ذَكَرَها؟

إنَّ أرادَ به البيانَ الصَّريحي الجزئيّ فالملازمةُ ممنوعةٌ فإنَّهُ لا يَلزمُ أن يُبيِّنَ النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم كلَّ جزئي من جزئياتِ المستحباتِ الشَّرعيةِ بالبياناتِ الجزئيةِ، فكم من أشياءٍ حَكَمُوا باستحبابِها ولم يبيِّنها النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم بأَعيانها.

وإن أرادَ به مطلقَ البيانِ، فاللازمُ ملتزمٌ فإنَّ أخبارَهُ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم الواردةُ في فضلِ الجماعةِ مُبَيِّنَةٌ لفضلِ الجماعةِ واستحبابِها مطلقاً من دونِ الخصوصيةِ للرِّجالِ، وتلكَ العموماتِ كافيةٌ في إثباتِ الاستحبابِ بجماعةِ النِّساءِ لا سيما وأَحكامِ الشَّرعِ عامةٌ للرِّجالِ والنِّساءِ ما لم يدلَّ مُخصِّصٌ على تخصيصِ النِّساءِ.

ومن المعلومِ أن نصَّ التَّخصيصِ مفقودٌ في بابِ جماعةِ النِّساءِ.

والخامسُ : أنَّ قولَهُ :فيكونُ بدعةً :إمَّا أن يكونَ مُفَرَّعَاً على عدمِ بيانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم للاستحبابِ.

وإمَّا أنَّ يكون مُفَرَّعَاً على ما استلزمَهُ في زَعْمِهِ، وهو عدمُ الاستحبابِ، وكلٌّ منهما باطلٌ:

أمَّا الأَوَّل :فلأَنَّهُ ليس كلُّ ما لم يُبَيِّنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم بدعةً.

وأمَّا الثَّاني :فلأنَّهُ ليس كلُّ ما لا يكونُ مستحبّاً بدعةً.

والسَّادسُ: أنَّ قولَهُ فيكرَهُ :مُفَرَّعَاً على كونِهِ بِدْعةً غيرُ صحيحٍ أَيضاً، فإنَّهُ ليس أنَّ كلَّ ما هو بدعةٌ فهو مكروهٌ، فإنَّ من البدعِ التي لم يُبَيِّنها النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم ما هي مباحةٌ، ومنها ما هي واجبةٌ، ومنها ما هي مندوبةٌ، نَعَمْ البدعةُ الشَّرْعِيَةُ كلُّها ضلالةٌ، وهي فيما نحنُ فيه مفقودةٌ، وإن شئتَ تفصيلُ بحثُ البدعةِ وتحقيقها فارجع إلى رسالتي "إقامة الحُجَّة على أن الإكثار في التَّعبد ليس ببدعة" وإلى رسالتي "التَّحقيق العجيب فيما يتعلَّقُ بالتَّثويب"(تحفة النبلاء في جماعة النساء للكنوي، ص ۱۵ و ۱۶)

کیونکہ اس میں کشفِ ستر پایا جاتا ہے۔

اور اگر عورت درمیان میں کھڑی ہوگی تو یہ خرابی لازم آتی ہے کہ یہ امام کے کھڑے ہونے کا غیر مشروع وغیر مسنون مقام ہے، البتہ جنازہ میں عورت کی امامت اور عورت کا یہ فعل مکروہ نہیں۔

مگر اس کی وجہ سے بھی عورت کی نماز میں امامت پر مکروہ تحریمی کا حکم لگانا مشکل ہے، کیونکہ اولاً تو نمازِ جنازہ کو اس تعلیل سے مستثنیٰ کرنا محلِ نظر ہے۔ ۱؎

۱؎ الاول: وهو مسلک كثيرين منهم أن جماعتهن وحدهن يستلزم أحد المحظورين :إما تقدم الإمام على المقتديات، وإما توسطه، وكل منهما ممنوع عنه.

أما الأول :فلاستلزامه زيادة الكشف، والنساء مأمورات بالستر لا سيما فى حالة الصلاة.

وأما الثانى :فلأن تقدم الإمام واجب؛ لمواظبة النبى عليه الصلاة والسلام عليه.

وفيه بحث من وجوه:

أحدها :أن إمامتهن فى صلاة الجنازة غير مكروهة، وبقاء الحكم مع وجود ارتكاب أحد المحرمين غير صحيح، كذا ذكره أكمل الدين البابرتى فى (العناية حاشية الهداية)

ثم أجاب عنه :بأن ترك جماعتهن إنما كان لاجتماع السنة مع الكراهة، فترک السنة لأجل الكراهة، وفى صلاة الجنازة اجتمع الفرض مع الكراهة؛ لأن النساء إن صلين جماعة وأقامت الإمام وسطهن أقمن فرضا؛ لكون الصلاة فرضا، وارتكبن مكروها، وإن صلين فرادى فرادى تركن المكروه، لكن على وجه يؤدى إلى فوات الصلاة عن بعضهن؛ لأن الفرض يسقط بأداء الواحدة، وقد يتفق فراغ الواحدة قبل الباقيات .انتهى.

أقول :هكذا ذكره جمع من الشراح والمحشين، فقال ابن الهمام فى (فتح القدير) اعلم أن جماعتهن لا تكره فى صلاة الجنازة؛ لأنها فريضة، وترک التقدم مكروه، فدار الأمر بين الفعل المكروه لفعل الفرض أو ترک الفرض لتركه، فوجب الأول بخلاف جماعتهن فى غيرها، ولو صلين فرادى فقد تسبق إحداهن فتكون صلاة الباقيات نفلا، والتنفل بها مكروه؛ فيكون فراغ تلک موجبا لفساد الفرضية لصلاة الباقيات .انتهى.

وقال ابن نجيم فى (البحر الرائق) استثنى الشارحون صلاة الجنازة فإنها لا تكره؛ لأنها فريضة، وترک التقدم مكروه، فدار الأمر بين فعل المكروه لفعل الفرض، أو ترک الفرض فوجب الأول. انتهى.

وقال الطحطاوى فى حواشى مراقى الفلاح لا تكره جماعتهن فى صلاة الجنازة؛ لأنها لم تشرع مكررة، فلو تفردت تفوتهن، ولو أمت المرأة فى صلاة الجنازة لا تعاد؛ لسقوط الفرض بصلاتها . انتهى. ومثله فى غيرِها لكن لا يخفَى على المتفطنِ ما فيه:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جہاں تک آگے کھڑی ہونے کی صورت میں کشفِ ستر اور درمیان میں کھڑی ہونے کی صورت میں غیر مشروع مقام پر کھڑے ہونے کی خرابی لازم آنے کا مسئلہ ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ امام عورت اگر پوری طرح سے ستر چھپائے ہوئے، لباس کو پہنے ہوئے ہو تو کشفِ ستر کی خرابی لازم نہیں آتی، اور جب عورت کا درمیان میں کھڑی ہو کر نماز پڑھانا شرعی اعتبار سے ثابت ہے، تو عورت کے حق میں اسے غیر مشروع و ناجائز قرار دیا جانا مشکل ہے، بلکہ اگر مرد امام بھی کسی ضرورت (مثلاً جگہ کی تنگی) کی وجہ سے درمیان میں کھڑا ہو تو گناہ نہیں، تو عورت و مرد کے مقام میں تفاوت ظاہر کرنے کی ضرورت کے لئے اگر شریعت نے عورت کے حق میں اسی طرح ثابت رکھا ہو، تو یہ بھی گناہ نہ ہوگا۔ [1]

بعض حضرات نے عورت کی امامت کے مکروہ تحریمی ہونے کی یہ دلیل بیان کی ہے کہ عورت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أمَّا أوَّلا :فَلِمَا قال ابن عابدين فی رَدّ المُحتَار علی الدُّر المُختَار بعد نقل عبارة فتح القدير مفادُهُ :أنَّ جماعتَهُنَّ فی صلاةِ الجنازةِ واجبةٌ حيث لم يكنْ غيرهنَّ؛ ولعلَّ وجهَهُ الاحترازُ عَن فسادِ فرضيةِ صلاةِ الباقيات إِذَا سَبَقَتْ إحداهنَّ.وفيه أنَّ الرِّجالَ لو صلَّوا منفردينَ يلزمُ فيها مثل ذلک فيلزمُ عليه وجوبُ جماعتِهِم فيها مع أنَّ المصرَّحَ أنَّ الجماعةَ فيها غيرُ واجبةٍ .انتهی.

وأمَّا ثانياً :وهو الحلُّ فلأنَّ الجماعةَ فی صلاةِ الجنازةِ ليستْ بواجبةٍ اتفاقاً كما صرَّحوا به، وصرَّحوا أَيضًا أنَّ صلاةَ الجنازةِ فرضُ كفايةٍ يسقطُ من الكلِّ بفعلِ واحدٍ ولو منفرداً لا فرضَ عينٍ يلزمُ أداؤه علی كلِّ عينٍ، فإذا حضرتْ الجنازةُ وليس هناک رجلٌ، فلا ضرورةَ إلی جماعةِ النِّساءِ بارتكابِ أحدِ المحظورينِ، ولا إلی أن يصلِّينَ منفرداتٍ؛ ليلزمَ كونُ صلاةُ بعضِهنَّ نفلاً عند سبقِ غيرهنَّ، بل يكفی أن تصلِّی عليها المرأةُ الواحدةُ منفردةً فيسقطُ الفرضُ عن الكلِّ من غيرِ ارتكابِ المحظورِ.

وبالجملةِ انتقاضُ دليلِ الكراهةِ، وهو استلزامُ أحدِ المحظورينِ بصلاةِ الجنازةِ إلی الآن كما كان، ولا ينفعُ فی ذلک ما ذَكَرُوهُ من أن ارتكابَ المحظورِ لأداءِ الفرضِ جائزٌ، فإنَّ الجماعةَ التی هی المستلزمةُ له ليس بفرضٍ، إنَّما الفرضُ نفسُ صلاةِ الجنازةِ، وهو أيضاً كفاية لا عيناً، ولا يتوقفُ أداءُ نفسِ الفرضِ علی ارتكابِ المحظورِ (تحفة النبلاء فی جماعة النساء للكنوی،ص ۱۰ تا ۱۲، مشمولة مجموعة رسائل اللكنوی، ج۵، مطبوعة ادارة القرآن، كراتشی)

[1] فقولُهم :دارَ الأمرُ بين الفعلِ المكروهِ لفعلِ الفرضِ أو تركِ الفرضِ فوجبَ الأوَّلُ، ممَّا لا صحَّةَ له، فإنَّ بتركِ المكروهِ لا يلزمُ تركُ الفرضِ لجوازِ أن تصلِّی المرأةُ الواحدةُ منفردةً، فيتأدی الفرضُ عن كلِّهنَّ، وإنَّما يكونُ صحيحاً لو كانتْ الجماعةُ فرضاً أو كانت صلاةُ الجنازةِ فرضُ عينٍ، وإذ ليس فليس.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کی امامت جائز ومشروع ہوتی، تو اس کا ترک کرنا مکروہ ہوتا، اور خیر القرون کے دور میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وثانيها :ما ذَكَرَهُ صاحبُ العناية أيضاً :أنَّ التَّعليل بزيادةِ الكشفِ غير صحيح؛ لبقاء الحكمِ بدونها فانَّ المرأةَ لو لبستْ ثوباً محشواً من قَرْنِها إلى قَدَمِها وأمَّتُ النِّساء خاصةً ولا رجلَ ثمة يُكْرَهُ، ولا كشفٌ هناك فضلاً عن زيادةِ الكشفِ .ثُمَّ أجاب عنه :بأنَّ ذلك أمرٌ نادرٌ لا حُكْمَ له على أنَّ تركَ التَّقديمِ بالسُّنَّة والتَّعليلِ لإيضاحها .انتهى.

أقولُ :هذا جوابٌ لا يغني ولا يُسْمِنُ، فإنَّ ظاهرَ كلامهم يَحكُمُ بأنَّهم جعلوا تقدُّمَ المرأةِ على المقتدياتِ مستلزماً للكشفِ بل زيادته، وهو حُكْمٌ باطلٌ ؛ فإنَّ المتقدّمةَ لو لَبِسَتْ ثوباً من القَرْنِ إلى القَدَمِ لا يكونَ هناك كَشْفٌ فضلاً عَن زيادتِهِ، وهذا ليس أمراً نادراً.

وقد ردَّهُ العَيْنى أيضاً حيث قال فى البِنَاية بعد نقل كلامه :لا نسلِّمُ أنَّهُ نادرٌ؛ لأنَّ المرأةَ شأنُها التَّسَتُرِ فى كلِّ الأحوالِ لا سيما فى الصَّلاةِ خصوصاً إذا أمَّتْ فإنَّها تحترزُ عن انكشافِ شىءٍ من أعضائِها غايةَ الاحترازِ، فحينئذٍ لا يوجدُ الكشفُ أصلاً فضلاً عن زيادةِ الكشفِ.

وقولُهُ على أنَّ تركَ التَّقديمِ بالسُّنَّةِ :فيه نظرٌ؛ لأنَّهُ لم يُبَيِّنْ السُّنَّة التى دَلَّتْ على تركِ التَّقَدُّمِ. انتهى.

وثالثها :وهو قريبٌ من الثَّانى ما خطرَ ببالى من مُدَّةٍ مديدةٍ :أنَّ التَّقَدُّمَ إنَّما يستلزمُ الكشفَ لو لم تلبسْ ثوباً ساتراً لجميعِ بَدَنِها، فَلِمَ لا يُحْكَمُ بالتَّقَدُّمِ مع السِّتْرِ على أتمِّ وجهِهِ؛ لئلا يلزم أحدَ المحظورينِ، وأى وجهٍ للحُكْمِ بالكراهةِ مطلقاً.

ورابعها :وهو أيضاً اختلج بقلبى من مدَّةٍ أنَّ الكشفَ إن كان المرادُ به كَشَفُ بعضِ ما وجبَ سَتْرُهُ فى الصَّلاةِ وفى غيرِ الصَّلاةِ، فالتَّقَدُّمُ لا يستلزمُهُ.

وإن كان المرادُ به كَشَفُ ما لا يَجبُ سترُهُ فذلك غير منافٍ للصَّلاةِ فضلاً عن أن يكون موجباً لكراهةِ الجماعةِ.

وإن كان المرادُ به أن المرأةَ إذا تقدَّمتْ امتازتْ عن غيرها وانكشفتْ للنَّاظرينَ من بينها، فذلك أمرٌ لا دليلَ على محظوريتِهِ مع أنَّهُ لازمٌ حالةَ الانفرادِ أيضاً.

فإن قيل :ينبغى للمرأةِ أن تكون على أسترِ الأحوالِ لها لا سيما فى حالةِ الصَّلاةِ التى هى حالةُ المناجاةِ، والتَّقدُّمُ مفوتٌ لذلك كما قال صاحب النِّهاية إن قيل :يجوزُ للمرأةِ التَّقدُّمُ بلا كشفِ العورةِ بلبسِ الثَّوبِ من الفَوْقِ إلى القَدَمِ.

قلنا :يجبُ على المرأةِ أن تكون على أستر الأحوال لا سيما فى الصَّلاة، ولا شكَّ أن التَّوسطَ فيه السِّتْرُ أكثرَ من التَّقَدُّمِ .انتهى ملخصاً.

قُلنا :قد ردَّهُ الفاضلُ أحمد بن يحيى بنِ مُحَمَّدِ بنِ سَعْدِ التَّفْتَازَانِى المعروف بشيخ الإسلام الهَرَوِى فى حواشى شرح الوقاية بقوله :أقولُ :لا يتفاوتُ النَّظَرُ إلى العورةِ بأن يكون النَّاظرُ مقتدياً بصاحبِ العورة أو لا، فيجبُ أن لا تجوزصَلاةُ المرأةِ وحدها قُدَّام امرأةٍ أُخرى.

وبالجملةِ بمجردِ أنَّهُ يجبُ على المرأةِ أن تكونَ على أسترِ الأحوالِ لا يَظْهرُ القولُ بحرمةِ تقدُّمِها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عورتوں کی جماعت اسی طرح رائج ہوتی، جس طرح مَردوں کی جماعت رائج تھی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فى الثَّوبِ السَّاترِ من الرَّأسِ إلى القَدَمِ سيما فى غيرِ الصَّلاةِ .انتهى.
وأيضاً ماذا أريد من وجوبِ كونِها على أسترِ الأحوالِ، إن أريد به كونُها ساترةً لجميع عورتِها، فذلك واجبٌ فى كلِّ وقتٍ، والتَّقدُّمُ بنفسه ليس بمفوتٍ لذلك، وإن أريدَ به كونُها ساترةً لجميعِ بَدَنِها، فذلك غيرُ واجبٍ لا فى الصَّلاةِ ولا فى غيرِها، بل غاية ما فى البابِ أَنَّهُ يكونُ أفضل، فإن كان التَّقدُّمُ مفوتاً له لا يلزمُ منه أن يكونَ مكروهاً.
وخامسها :ما أوردهُ العَيْنِىُّ فى البِنَاية عند قولِ صاحبِ الهداية أنَّها لا تخلو عن ارتكابِ محرمٍ، وهو قيامُ الإمام وَسْطَ الصَّفِ ...الخ بقوله :كيف يكون قيام الإمام وَسْطَهُنَّ محرماً؟وقد فعلَتْهُ عَائِشَةُ وأُمُّ سَلَمَةَ.ورُوِى عن ابنِ عَبَّاسٍ على ما ذَكَرْنَاهُ .انتهى
وسادسها :ما أوردَهُ العَيْنِىُّ أَيضاًبقولِهِ :لقائلٍ أن يقولَ ارتكابُ المحرمِ فيه فى حقِّ الرِّجالِ دونَ النِّساءِ إذ لو كان مطلقاً لَمَا كان يَجوزُ الصَّلاةُ به.
وسابعها :أن إطلاقَ المحرمِ على قيامِ الإمامِ وَسْطَ الصَّفِ مُناقضٌ لقولِهم :فإنَّ فعلنَ قامتْ الإمام وَسْطَهُنَّ، فإنَّهُ لو كان محرماً كيف يَجوزُ ارتكابُهُ أحياناً ؟وأجابَ عنه العَيْنِىُّ بأنَّ المرادَ بالحرمةِ هناكَ المنعُ على وجهِ الكراهةِ، ولا يمتنعُ الجوازُ مع الكراهةِ.
وثامنها :ما خَطَرَ ببالى وهو أن تَوَسُّطَ الإمامِ إن كان ممنوعاً على وجهِ الحرمةِ أو الكراهةِ، فإنَّما هو إذا كان من خَلْفِهِ ثلاثةٌ فأكثرَ، وأمَّا إذا كان مَن خَلْفَهُ اثنان فلا حتَّى قال فى الهداية:وإن أمَّ اثنين تقدَّمَ عليهما، وعن أَبِى يُوسُفَ أَنَّهُ يتوَسَّطهما، ونُقِلَ ذلك عن عبدِ اللهِ بنِ مَسْعُودٍ.
ولنا أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم تقدَّمَ على أَنَسٍ واليَتِيمِ حين صلَّى بهما، فهذا دليلُ الأَفضليةِ، والأثرُ دليلُ الإباحةِ .انتهى. فإنَّهُ يعلمُ منه أن التَّوَسُّطَ عند إمامةِ اثنينِ هو المَسْنُونُ عند أَبِى يوسف، وعند أَبِى حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ هو مباحٌ، والأفضل هو التَّوَسُّطُ، إذا تقرَّر هذا فنقولُ :غايةُ ما يَلْزمُ كراهةُ إمامةِ المرأةِ لثلاثةٍ فأكثرَ لاستلزامِها المحظورَ، وهو تَوَسُّطُ الإمامِ لا كراهةُ جماعتِهِنَّ مطلقاً ولا كراهةُ إمامتِهِنَّ لامرأتينِ مع التَّوَسُّطِ، لأنَّهُ ليس بمحظورٍ لا سيما عند أَبِى يوسف رحمه الله تعالى القائلِ بأفضليةِ التَّوَسُّطِ فى الرِّجالِ أيضاً.
وتاسعها :أن ما استدلوا به على كراهةِ تَوَسُّطِ الإمامِ ومحظوريتِهِ من أَنَّهُ ممَّا واظبَ عليه النَّبِىّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم، وما واظبَ عليه فهو واجبٌ أو سنةٌ مؤكدةٌ، وتركُهُ مكروهٌ أو محرَمٌ أيضاً مخدوشٌ بأَنَّ الثَّابتَ بالمواظبةِ إنَّما هو التَّقدُّمُ فى حقِّ الرِّجال لا فى حقِّ النِّساءِ، وكم من أحكامٍ افترقتْ النِّساءُ فيها عن الرِّجالِ، ولم يَثْبُتْ عن النَّبِىّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم ما يدلُّ على محظوريتِهِ فى حقِّ النِّساءِ أيضاً، بل ثَبَتَ عن الصَّحابةِ خلافُهُ هذا ما خَطَرَ بالبالِ، والله اعلمُ بحقيقةِ الحالِ.
وخلاصةُ الكلامِ فى هذا المقامِ : أن ما علَّلوا به كراهةَ جماعةِ النِّساءِ وحدَهنَّ من استلزامها أحد المحظورينِ التَّقدُّم والتَّوَسُّط مخدوشٌ بعدم تسليمِ محظوريةِ التَّقدُّمِ، وعدَمِ تسليم استلزامِهِ للكشفِ المحظورِ، وعدمِ تسليم كراهةِ التَّوسط مطلقاً لا سيما فى حقِّ النِّساءِ، وبالنَّقضِ بجماعتهنَّ فى صلاةِ الجنازةِ(تحفة النبلاء فى جماعة النساء للكنوى،ص ۱۲ تا ۱۵)

مگر اس سے بھی عورتوں کی جماعت کا مکروہ تحریمی ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اولاً تو عورت کی امامت کے مباح بلکہ خلافِ اولیٰ ماننے کی صورت میں بھی ترک کرنا مکروہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کے برعکس مباح یا مکروہ تنزیہی ہوا کرتا ہے، دوسرے جب عورتوں کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کی ترغیب وفضیلت صحیح احادیث سے ثابت ہے، تو خیرُ القرون میں اسی کا عام رواج رہا، مگر اس کے برخلاف بھی احیاناً عمل ہوا۔ ل

ل وَالطَّرِيقُ الثَّالِثُ: ما ذَكَرَهُ صاحبُ الدِّرَاية حاشية الهداية :أنَّ جماعتَهنّ لو كانتْ مشروعةً لَزِمَ أن يُكْرَهَ تركها، ولشاعتْ كما شاعتْ جماعةُ الرِّجالِ، وقد مرَّ نحو هذا نَقْلاً عن المُجْتَبَى.
وردَّهُ العَيْنِيُّ فى البِنَاية :بأنَّ قولَه لو كانت جماعتُهنَّ مشروعةً لَزِمَالخ :غيرُ سديدٍ؛ لأنَّهُ لا يلزمُ من كونِ الشَّيءِ مشروعاً أن يُكْرَهَ تركُهُ فهذا ليس بكلّي، فإنَّ المشروعَ إذا كان فرضاً يكونُ تركُهُ حراماً، وإذا كان سنةً يكونُ تركُهُ مكروهاً، وإن كان ندباً يجوزُ تركُهُ ولا يُكرَهُ .انتهى.
أقولُ :هذا أحدُ الوجوهِ الواردة عليه.
والثَّانى :أنَّ قولَه لشاعتْ كما شاعتْ جماعةُ الرِّجالِ منقوضٌ بكثيرٍ من المستحباتِ، بل وبعضُ الواجباتِ، حيثُ لمْ يحصلُ لها شيوعٌ كجماعةِ
الرِّجالِ، فيلزمُ أن لا يكونَ مشروعاً إلا ما شاعَ كشيوعِ جماعةِ الرِّجالِ.
فإن قال :إن جماعةَ النِّساءِ وجماعةَ الرِّجالِ متشاركان فى الجنسيةِ، فشيوعُ أحدهما دون الآخر يدلُّ على عدَمِ مشروعيةِ آخرِهما، والمستحباتُ الأخرُ ليستْ من جنسها، فلا يضرُّ فيه عدَمُ الشّيوعِ كشيوعِها.
قُلنا له :فإذن يلزم أن لا يكونَ جماعةُ الصبيانِ المميزينَ والمراهقينَ مشروعةً؛ لأنَّها لو كانتْ مشروعةً لشاعتْ كشيوعِ جماعةِ الرِّجالِ البالغينَ، وإذ ليس فليس لاتحادهما فى الجنسيةِ، وهذا لم يقلْ به أحدٌ فيما عَلِمْنَا.
فإن قال :الصَّبيانُ فى حُكْمِ الرِّجالِ فشيوعُ جماعتِهم شيوعُ جماعتِهم.
قلنا :ليس كذلك فى جميعِ الأحكامِ ألا ترى أنَّهُ لا تصحُّ إمامَتُهم ولا ينبغى تقديمُ صفهم إلى غيرِ ذلك من الأحكامِ.
فإن قال :هم فى حُكْمهم إلا فيما وَرَدَ دليلٌ بتخصيصهم.
قلنا له :كذلك النِّساءُ فى حُكْمِهم إلا فيما وَرَدَ الدَّليلُ بانفرادِهنَّ عنهم.
وبالجملةِ لا يكفى شيوعُ جماعةِ الرِّجالِ فى حقِّ الصِّبيانِ، وإن كَفَى كَفَى فى حقِّ النِّسوانِ.
والثَّالثُ :أنَّ الملازمةَ بين مَشروعيةِ جماعةِ النِّساءِ وبينَ شيوعِها كشيوعِ جماعةِ الرِّجالِ ممنوعةٌ، لا بدَّ من إقامةِ الاستدلالِ عليها ودونه مُزَخْرَفَةٌ.
والرَّابعُ :أنَّ الجماعةَ فى حقِّ الرِّجالِ سنةٌ مؤكدةٌ بل واجبةٌ على ما هو مختارُ محققى علماءِ الملةِ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض حضرات نے عورتوں کی جماعت کے مکروہ تحریمی ہونے کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر عورتوں کی امامت وجماعت مشروع ہوتی، تو ان کے لئے اذان بھی ہوتی۔

مگر اس سے بھی عورتوں کی جماعت کا مکروہ تحریمی ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اولاً تو ہر نماز باجماعت کے لئے اذان کا ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ عیدین اور تراویح وغیرہ، دوسرے اذان میں آواز کو بلند کرنا پایا جاتا ہے، جس میں عورتوں کے لئے فتنہ ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ودلَّتْ عليه الأخبارُ النَّبويّةِ، وهى فى حقِّهم من شعائرِ الملةِ، فلذلكَ شاعتْ شيوعاً تاماً، ولا كذلك جماعةُ النِّساءِ، فإنَّها ليست بسنةٍ مؤكدةٍ، ولا واجبةٍ، فإن دلَّ عدمُ شيوعِها دَلَّ على عدمِ استنانِها وعدَمِ وجوبِها، لا على عدَمِ استحبابِها وعدَمِ مشروعيتها.

والخامس :أنَّ النِّساءَ كانت مجازاتٌ فى زمانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم وأصحابهِ لحضورِ جماعةِ الرِّجالِ واقتدائهنَّ بهم فى المساجدِ وحضورهنَّ معهم فى الجُمَعِ والأعيادِ، كما دلَّتْ عليه أحاديثٌ نبويةٌ مُخَرَّجَةٌ فى كُتُبٍ حديثيةٍ، من ذلك:

حديثُ ابنُ عُمَرَ وأبى هُرَيْرَة مرفوعاً:لا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ.

وحديثُ ابنُ عُمَرَ مرفوعاً:لا تَمْنَعُوا نِسَاءَ كُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوتَهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ.

وحديثُ ابنُ عُمَرَ، قال النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّم :اِئْذَنُوا لِلنِّسَاءِ بِالمَسَاجِدِ باللَّيْلِ، فقال ابنٌ له أى لابنِ عُمَرَ :واللهِ لا نأذنُ لهنّ فيتخذنهُ دغلاً، والله لا نأذنُ لهنَّ، فسبَّهُ ابنُ عُمَرَ وغَضِبَ عليه، وقال أقول :قال رَسُولُ اللهِ :اِئْذَنُوا لَهُنَّ، وتقول لا نأذنُ لهنَّ وحديثُ عَائِشَةَ قالت:لَوْ أَدْرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ المَسَاجِدَ كَمَا مُنِعَهُ نِسَاءُ بَنِى إِسْرَائِيلَ إلى غيرِ ذلك.

أخرجَها أبو دَاوُدَ وغيرُهُ فلم يكنْ فى تلكِ الأَزمنةِ المتبركةِ ضرورةٌ

إلى جماعةِ النِّساءِ وحدَهُنَّ فى بيوتِهنَّ، فلذلك لم يحصلْ لها الشُّيوع كجماعةِ الرِّجال، ولولا ذلك لشاعتْ كشيوعِ جماعةِ الرِّجالِ، فلا يلزمُ من عدَمِ شيوعِها عدَمُ مشروعيتِها لا سيما فى أزمنةٍ مُنعتْ النِّساءُ عن حضورِ الجُمَعِ والجماعاتِ، وحرمتْ عن الشّركةِ مع الرِّجالِ فى محالِ البركاتِ والعباداتِ(تحفة النبلاء فى جماعة النساء للكنوى، ص ١٦ تا ١٨)

[1] **والطريق الرابع:** ما مر نقله عن(التبيين)، وذكره أيضا صاحب الدراية وغيره أنه لو كانت جماعتهن مشروعة لشرع لهن الأذان؛ لأنه دعاء إلى الجماعة.

وفيه على ما أقول نظر من وجوه :

الأول :أن اللازم ملتزم لما رواه الحاكم فى المستدرك عن عبد الله ابن إدريس عن عطاء عن عائشة:أنها كانت تؤذن وتقيم وتؤم النساء فتقوم وسطهن، كذا ذكره العينى.

والثانى :أنه ماذا أريد من شرعية الأذان لهن؟ إن أريد به شرعية أذان رجل لجماعتهن، فاللازم ملتزم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ عورت کی امامت کو جبکہ وہ عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہو، مکروہ تحریمی قرار دینے کی توجیہات ضعیف ومخدوش معلوم ہوتی ہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بشهادة حديث أم ورقة،فإن النبى صلى الله عليه وسلم جعل لها مؤذنا، وأمرها أن تؤم أهل دارها وإن أريد به شرعية أذانهن، فذلك غير لازم لشرعية الجماعة، فليس يلزم أن يؤذن أهل الجماعة حتى لو أذن صبى مميز لجماعة الرجال لكفى، فلا يلزم من عدم مشروعية أذانهن عدم مشروعية جماعتهن.

والثالث :أن مشروعية الجماعة مطلقا لا يستلزم مشروعية الأذان لها، بدليل جماعة صلاة العيدين، وصلاة الكسوف، وصلاة الاستسقاء ، فإن الجماعة فيها مشروعة دون الأذان، فكذا يجوز أن تكون جماعتهن مشروعة دون الأذان.

والرابع :أن عدم مشروعية أذانهن لجماعتهن إن سلم فهو بسبب أن أذانهن يفضى إلى الفتنة، وقد صرحوا بأن نغمة المرأة ورفع صوتها عورة، فلا يلزم من عدم مشروعية أذانهن عدم مشروعية جماعتهن.

والخامس :أن المستلزم لشرعية الأذان إنما هو الجماعة فى الصلوات الراتبة التى هى من السنن المؤكدة أو الواجبة، ومن الشعائر الإسلامية، فغاية ما يلزم من عدم مشروعية الأذان لهن عدم كون جماعتهن سنة وواجبا، لا عدم كونها مشروعة مطلقا.

والسادس :أن عدم مشروعية الأذان لهن ليس أمرا اتفاقيا حتى يستدل به على عدم مشروعية جماعتهن، بل القائل باستحباب جماعتهن قائل باستحباب أذانهن وإقامتهن.

ففى البناية للعينى :ليس على النساء أذان وإقامة، وإن صلين بجماعة، وبه قال :أحمد وأبو ثور.

وللشافعى ثلاثة أقوال:

أصحها ما نصه فى الأم أنه يستحب لهن الإقامة دون الأذان.

والثانى :أنه لا أذان ولا إقامة.

والثالث :أنهما يستحبان.

وفى شرح الوجيز لا يختص هذا الخلاف فيما إذا صلين بجماعة أو وحدهن .انتهى (تحفة النبلاء فى جماعة النساء للكنوى، ص ١٨و١٩)

۱؎ قلت: هذا كلام من لم يطلع على كتب القوم، لأنه عليه الصلاة والسلام أقام بمكة بعد النبوة ثلاث عشرة سنة، كما رواه البخارى ومسلم، ثم تزوج بعائشة بالمدينة وبنى بها وهى بنت تسع، وبقيت عنده تسع سنين وما صلت إماما إلا بعد بلغوها فكيف يستقيم حمله على ابتداء الإسلام.

وتصدى الأكمل للجواب عن هذا، وقال :يجوز المراد بابتداء الإسلام ما قبل الانتساخ.

قلت :هذا بعيد من الأول؛ لأن هذا لم يكن فى ابتداء الإسلام على ما دلت عليه الأخبار المذكورة، فإذا كان كذلك كيف يحمل هذا على ما قبل الانتساخ؟ انتهى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور علامہ ابنِ ہمام کے بقول حق جس طرف بھی ہو، اس کو ہی قبول کرنا چاہئے، جس کی تفصیل دلائل کے ساتھ ہم نے امانت و دیانت کے ساتھ ذکر کردی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فظهر بهذا كله أن من قال :إن أثر إمامة عائشة محمول على ابتداء الإسلام إن أراد به أنه منسوخ فالكلام معه كالكلام مع القائل بالنسخ، وإلا فقد أتى بشيء يتعجب منه من له اطلاع على كتب القوم.وأما كلامهم أن فعل عائشة أو أم سلمة منسوخ، كان حين كانت جماعتهن مستحبة.فمخدوش بثلاثة وجوه:

الأول :أن المذهب عندنا أن انتقاء صفة الوجوب يستلزم انتفاء صفة الجواز كما عرف فى الأصول، ولا فرق بين الوجوب والسنية فى ذلک، فإذا نسخت السنية نسخ الجواز، فالاستدلال بالمنسوخ كما فعله أصحابنا حيث استدلوا بفعل عائشة على توسط إمام النساء مع قولهم بأنه منسوخ غير صحيح.وأجاب عنه صاحب العناية بقوله :الجواز الباقي جواز مع الكراهة، والذى كان فى ضمن السنية نسخ معها، والاستدلال به لبيان أنها كانت سنة ونسخت، وإنما جوزت فى زماننا بمقتضى الجواز الذى كان من اجتماع شرائطه ورفع موانعه مع ما يوجب كراهة من ارتكاب محرم: انتهى.

ورده العينى بعد نقله بقوله:فيه نظر؛لأن من ادعى النسخ،فعليه البيان.

والثانى :ما ذكره ابن الهمام بقوله بعد نقل كلام السروجى لكن فى المستدرک:أنها كانت تؤذن وتقيم وتؤم النساء وتقوم وسطهن.وما فى كتاب الآثار لمحمد :أخبرنا أبو حنيفة عن حماد بن أبى سليمان عن إبراهيم النخعى :أن عائشة كانت تؤم النساء فى شهر رمضان فتقوم وسطا.ومن المعلوم أن جماعة التراويح إنما استقرت بعد وفاة النبى صلى الله عليه وسلم، وما فى أبى داود عن أم ورقة بنت عبد الله بن الحارث بن عمير الأنصارية أن النبى صلى الله عليه وسلم:لما غزا بدرا الحديث.

ثم أخرجه عن الوليد بن جميع عن عبد الرحمن بن خالد عنها، وفيه:وكان يزورها وجعل لها مؤذنا وأمرها أن تؤم أهل دارها، قال عبد الرحمن :وأنا رأيت مؤذنها شيخا كبيرا.

كلها ينفى ثبوت النسخ، وفى الحديث الأخير الوليد وعبد الرحمن، قال ابن القطان لا يعرف حالهما.انتهى.وقد ذكرهما ابن حبان فى (الثقات) انتهى.

ثم قال ابن الهمام :وقد يجاب بجواز كونه إخبارا عن مواظبة كانت قبل النسخ.

وقوله :كانت تؤم فى رمضان، لا يستلزم التراويح.

وقوله :جعل لها مؤذنا وأمرها أن تؤم لا يستلزم استمرار إمامتها إلى وفاته صلى الله عليه وسلم.

وما رواه عبد الرزاق عن إبراهيم بن محمد عن داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس قال :تؤم المرأة النساء فتقوم وسطهن.

لا يقتضى علم ابن عباس ببقاء شرعيتها بجواز كون المراد إفادة مقامها بتقدير ارتكابها ذلک، أو خفى على ابن عباس الناسخ .انتهى.

أقول :هذا كله كما أشار إليه ضعيف، فإن أمثال هذه الاحتمالات الركيكة الغير الظاهرة لا تسمع إلا بعد تعيين الناسخ وإذ ليس فليس.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ.

وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَهُ.

محمد رضوان

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

۹/ رجب المرجب/۱۴۳۳ھ 31/ مئی/2012 بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والثالث :ما ذكره ابن الهمام أيضا بقوله ما مر من كلامه :لكن يبقى الكلام بعد هذا فى تعيين الناسخ إذ لا بد فى ادعاء النسخ ولم يتحقق، وما ذكره بعضهم من إمكان كونه ما فى سنن أبى داود، وصحيح ابن خزيمةصلاة المرأة فى بيتها أفضل من صلاتها فى حجرتها ، وصلاتها فى مخدعها أفضل من صلاتها فى بيتها يعنى الخزانة التى تكون فى البيت .وروى ابن خزيمة :أن أحب صلاة المرأة إلى الله فى أشد مكان فى بيتها ظلمة.وفى حديث له ولابن حبان :وأقرب ما تكون من وجه ربها وهى فى قعر بيتها.ومعلوم أن المخدع لا يسع الجماعة، وكذا قعر بيتها وأشد ظلمة، ولا يخفى ما فيه .وبتقدير التسليم فإنما يفيد نسخ السنية، وهو لا يستلزم ثبوت كراهة التحريم فى الفعل بل التنزيه، ومرجعها إلى خلاف الأولى، ولا علينا أن نذهب إلى ذلك، فإن المقصود اتباع الحق حيث كان .انتهى.

أقول :أشار بآخر كلامه إلى أن كراهة التحريم ليس بحق، واتباع الحق حيث ما كان أحق، كيف لا؟ وقد دلت آثار وأخبار على المشروعية ولم يتعين ناسخ لها ولا يصح حملها على ابتداء الإسلام. والعلل التى ذكروها للكراهة كلها معلولة، فغاية ما فى الباب أن تكون جماعتهن خلاف الأولى نظرا إلى ظاهر ما يفيده حديث أبى داود وابن خزيمة وغيرهم، وهو أمر آخر.

فإن قلت :لا دلالة للأخبار المذكورة على الاستحباب لجواز أن تكون تعليما للجواز كما أشار إليه صاحب الدراية.

قلت :فهذا القدر ينفى الكراهة التحريمية، كيف ولو كان كذلك لما أمر النبى صلى الله عليه وسلم أم ورقة بما أمرها، ولما ارتكبت عائشة وأم سلمة فعلها.

والظاهر أن محمد بن الحسن أشار فى كتاب الآثار إلى هذا، حيث قال :لا يعجبنا، على ما مر نقله فى المرصد الأول.

والذى يظهر أن الحكم بالكراهة لا سيما بالتحريمية من تخريجات المشايخ على حسب أفهامهم ومزعوماتهم لا من كلام أئمتهم، ولعل لكلامهم وجها لم نطلع عليه، وما اطلعنا عليه قد بينا حاله، وفوق كل ذى علم عليم، وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء وهو ذو الفضل العظيم (تحفة النبلاء فى جماعة النساء للكنوى، ص ۲۰ تا ۲۳، الطريق الخامس)